تعلیم جدید
تعلیم جدید

جلد ۱ جموں ماہ دسمبر ۱۹۴۲ء مطابق ماہ مگھر سمت ۲۰۰۰ نمبر ۱

اسسٹنٹ انسپکٹر صاحبان کے نام

اسسٹنٹ انسپکٹر صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ براہ کرم اپنے ماتحت مدارس کی مکمل فہرست ٹائپ کرا کر دفتر ہذا کو بھیج دیں۔ اور ہر مدرسہ کے ساتھ اس کے ڈاک خانہ کا نام بھی لکھ دیں۔ یہ فہرست دفتر میں زیادہ سے زیادہ دسمبر کی پندرہ تاریخ تک پہنچ جانی چاہیئے۔ ہمارے پاس جو قلمی فہرستیں ہیں۔ اُن میں پتے لکھنے کے وقت غلطی ہونے اور رسالے کے گم ہونے کا امکان ہے۔

(ادارہ)

اُستادوں سے خطاب

ہمارا رسالہ

جناب خواجہ غلام السیّدین صاحب ناظم تعلیمات

میں بہت خوشی اور اُمید کے ساتھ رسالہ "تعلیم جدید" کے نئے دَور کا افتتاح کرتا ہوں۔ اس وقت تک ہمارا ٹیچرز ٹریننگ سکول اس رسالے کو بعض خاص مشکلات کے باوجود شایع کرتا رہا ہے۔ اور اس طرح جو تعلیمی خدمت اس نے انجام دی ہے۔ میں اس کا اعتراف کرتا ہوں۔ لیکن میرا ابتدا سے یہ خیال رہا ہے۔ کہ اس رسالے کو زیادہ دلچسپ، زیادہ مقبول اور زیادہ مفید بنانا چاہیئے۔ اور اس کا اصلی مقصد یہ ہونا چاہیئے۔ کہ یہ اُستادوں کے خیالات اور جذبات اور تجربات کی صحیح ترجمانی کرے۔ تاکہ انہیں اس کے آئینے میں اپنی جماعت کی کوششوں کا، اپنی کامیابی اور ناکامی کا، اپنی مشکلات اور مسائل کا سچا عکس دکھائی دے۔ اس بات کو پیش نظر رکھ کر اب اس رسالے کی ادارت کا کام براہ راست محکمہ تعلیم کے صدر دفتر میں لے لیا گیا ہے۔

سب سے پہلے میں تمام اُستادوں اور محکمہ تعلیم کے افسروں سے درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ کہ وہ اس رسالے کو اپنائیں، اور اس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے میں ادارے کا ہاتھ بٹائیں۔ ہر ماہ اس رسالے میں اچھے خاصے معیار کے چند علمی اور تعلیمی مضامین کا جمع کر دینا کوئی زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ لیکن میرا خیال ہے۔ کہ اس قسم کے اصطلاحی مضامین کو عام اُستاد زیادہ شوق اور توجہ کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ انہیں ضرورت ہے، ایسے مضامین کی جو اُن کی عملی گتھیوں کو سلجھائیں، ان کے خاص مسائل اور مشکلات پر روشنی ڈالیں، اور ان کے روزمرہ کے کام کو بہتر بنانے کے لیئے قابل عمل تجاویز پیش کریں۔ اس قسم کے مضامین کسی بلندی پہ بیٹھ کر اور محض نظری واقفیت کے بل بوتے پر نہیں لکھے جا سکتے، کیونکہ اس کے لیئے ٹھوس تجربے اور ذاتی مشاہدہ کی ضرورت ہے۔ سکول میں کام کرنے، سکول کا کام دیکھنے، بچوں کی فطرت سے واقف ہونے اور ان کی نشو نما اور تربیت کے اصولوں کو جاننے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس رسالے کو کامیاب بنانے میں سب سے زیادہ مدد اُستاد اور تعلیمی افسر دے سکتے ہیں جنہوں نے خود یہ کڑیاں جھیلی ہیں، کام کر کے سیکھا ہے۔ اور تجربہ حاصل کرنے کے دوران میں اپنے دماغ اور عقل کی آنکھوں کو

نکھار رکھا ہے، کیونکہ تجربہ اسی وقت مفید ہو سکتا ہے، جب انسان دیانت داری اور ذہانت کے ساتھ اپنے عمل کو جانچتا اور پرکھتا ہے۔ ورنہ کام محض ایک بے جان معمول بن کر رہ جاتا ہے۔ جس سے دماغ میں روشنی پیدا نہیں ہوتی۔
رسالے میں ہم کیسے مضامین کا خیر مقدم کریں گے؟ ایسے مضامین جن میں افسران معائنہ اور اُستاد اپنے تعلیمی تجربوں کی داستان بیان کریں اور ان تجویزوں اور تدبیروں کا حال سنائیں جو انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم اور زندگی کو زیادہ دلچسپ اور معنی خیز بنانے کے لئے کی ہوں۔ اگر انہوں نے سلیقے اور سمجھداری کے ساتھ اپنی ڈائریاں لکھی ہیں۔ اور ان میں اپنے مشاہدات اور بچوں کی نفسی کیفیات اور تعلیمی ردِّ عمل کو درج کیا ہے۔ تو ان میں سے مفید اقتباسات دوسرے استادوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوں گے۔ یا وہ محض اپنے خاص مسائل اور مشکلات کو وضاحت کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں، تاکہ ان کے رفیق ان کو اس بارے میں مفید مشورہ دے سکیں۔ تعلیم کے میدان میں اُپج اور جدت کی بے انتہا گنجائش ہے۔ اور نئے نئے راستے نکالنے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں، کہ اُستاد غیر معمولی علمی قابلیت کے مالک ہوں یا انہوں نے بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کی ہوں۔ ہر اُستاد جسے قدرت نے معمولی سمجھ بوجھ دی ہے۔ اپنے مخصوص اور محدود حلقے میں تعلیمی تجربے کر سکتا ہے، لیکن اس کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کو اپنے کام میں اور اپنے بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت اور ان کی ذہنی اور اخلاقی ترقی میں سچی دلچسپی ہو، کیونکہ کام کی لگن انسان کی طبیعت کے لئے بہت سی نئی راہیں خود بخود کھول دیتی ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اپنے ذہن کے دروازوں پر قفل نہ لگا دے۔ بلکہ باہمی تبادلۂ خیال، بحث و مباحثہ اور مفید کتابوں کے مطالعہ کے ذریعے دماغ میں نئے خیالات کی روشنی کو آنے دے، تاکہ اس کی ذہنی اُپج قائم رہے، اور وہ دوسروں کے خیالات اور تجربوں سے فائدہ اُٹھا سکے۔ ہمارے جو اُستاد اس دوسری کسوٹی پر پورے اُترتے ہیں، وہ یقیناً اپنے حلقۂ عمل میں نئے تعلیمی تجربات کر سکتے ہیں، اور ان کا ٹھیک ٹھیک حال لکھ کر (جس میں ذاتی تعریف سے زیادہ ذاتی تنقید کا دخل ہو!) اپنے دوسرے ساتھیوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔
میں شاید آئندہ کسی نمبر میں اس قسم کے آسان اور سادہ تجربوں کی ایک فہرست پیش کر سکوں جو ہر سکول میں ممکن ہیں۔ اس وقت محض مثال کے طور پر دریافت کرنا چاہتا ہوں، کہ کیا ہمارے سینکڑوں اُستاد اپنے روزمرہ کے کام کے دوران میں اس قسم کی کوشش بھی نہیں کرتے یا کر سکتے۔ جیسے

(۱) بچوں میں عام کتابیں پڑھنے کا صحیح مذاق اور شوق پیدا کرنا۔

(۲) ان میں مختلف قسم کی سماجی خدمت کا ولولہ اور اس کو استقلال سے جاری رکھنے کی عادت ڈالنا۔

(۳) خاص طور پر ذہین یا کُند ذہن بچوں کی تعلیم کے لئے خاص تدابیر اختیار کرنا۔
(۴) بچوں سے ان کے ماحول کا مطالعہ کرانا اور اس کے پودوں، جانوروں، آدمیوں اور ان کے مشاغل وغیرہ کے متعلق معلومات کا فراہم کرانا اور اس کو ترتیب دینا۔
(۵) نصاب کے لئے دلچسپ اور جیتا جاگتا مواد جمع کرنا۔

اگر وُہ ایسا کرتے ہیں اور کرسکتے ہیں، تو کیا وجہ ہے، کہ اس قسم کے تجربات کا حال لکھ کر رسالے میں شائع نہ کریں؟ زبان کے متعلق انہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر مواد مُفید اور دلچسپ ہے۔ تو زبان کی دیکھ بھال ادارہ خود کرے گا۔ لیکن اگر مضمون کی عمارت محض لفاظی کی بنیاد پر قائم ہوگی۔ اور اس میں سچے اور پُرخلوص ذاتی تجربے اور مشاہدے کا ثبوت نہ ملے گا۔ تو ادارہ اس قسم کے مضامین شایع نہ کرے گا۔ جو اُستاد اُردو میں اداۓ مطلب نہ کرسکیں، اور ہندی میں لکھنا چاہیں۔ ان کے مضامین بھی مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ بخوشی قبول کئے جائیں گے۔

رسالے میں ایسے مضامین کے علاوہ ہم دوسرے ملکوں کے تعلیمی تجربے، ریاست اور ہندوستان کے تعلیمی حالات، محکمہ کے ضروری سرکلر اور احکام، بنیادی اسباق کے نمونے، اُستادوں کی خط وکتابت بھی درج کرینگے۔ آخری مد کے متعلق یہ بتادینا ضروری ہے، کہ اس کے ذریعہ ہم بحث ومباحثہ کا ایک باب کھولنا چاہتے ہیں۔ جہاں ایسے تعلیمی مسائل کے متعلق تبادلۂ خیال کیا جائے۔ جن کے بارے میں اختلاف رائے کی کافی گنجائش ہے نہ صرف یہ بلکہ ہم ان تجویزوں اور تنقیدوں کا بھی کھُلے دل سے خیر مقدم کریں گے۔ جو نیک نیتی کے ساتھ محکمۂ تعلیم کے کام کو بہتر بنانے یا اُستادوں کی سماجی اور اقتصادی حالت کی اصلاح اور ان کی دشواریوں اور دقتوں کو دُور کرنے کی غرض سے کی جائیں۔ میری خواہش ہے، کہ محکمۂ تعلیم کے تمام کارکن خواہ وُہ کسی چھوٹے سے پرائمری سکول میں کام کرتے ہوں یا کسی بڑے انتظامی عہدے پر مقرر ہوں، اس محکمہ کو ایک قسم کا مشترکہ کاروبار سمجھیں جس کا بنانا اور بگاڑنا انہیں کے اختیار میں ہے (اور بگاڑنا آسان مگر بنانا مشکل ہے!) اور جس کی کامیابی اور نیک نامی میں دیا ناکامی اور بدنامی میں!) وُہ برابر کے شریک ہیں۔ اگر ان میں یہ ذہنیت پیدا ہو جائے، کہ وُہ کسی خارجی ادارے کے تنخواہ یاب ملازم نہیں ہیں، بلکہ ایک نہایت ضروری اور مفید قومی خدمت کے امانت دار ہیں۔ اور اس طرح سے سماج سیوا کا کام کر رہے ہیں۔ تو ہماری بہت سی مشکلیں دُور ہو جائینگی، اور تعلیم کے مستقبل میں اُمید کی روشنی جھلکنے لگے گی۔

میں نے محض کفایت کے طور پر اس مضمون میں اُستادوں کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ورنہ میرا خطاب اُستادوں اور اُستانیوں دونوں سے ہے۔

"آپ کی سند"

جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

رسالہ ہمدرد جامعہ کے فروری ۱۹۴۳ء کے پرچے میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ کا ایک مختصر سا مضمون "آپ کی سند" کے عنوان سے چھپا تھا۔ یہ مضمون اصل میں ایک پیام ہے، جو ڈاکٹر صاحب نے طلبائے جامعہ کے قلمی رسالہ "جوہر" کے لئے لکھا تھا۔ یہ پیام اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے، کہ وہ ہر سکول، کالج اور یونیورسٹی کے فارغ التحصیل نوجوانوں کے لئے یکساں قابل تقلید اور قابل عمل ہے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے صحیح علمی قابلیت اور محض ایک نمائشی سند کے فرق کو نہایت دلچسپ انداز سے واضح کیا ہے، کسی سند کے حاصل کرنے کی اصلی غرض و غایت کیا ہے؟ یہ ایک سوال ہے، جو ممکن ہے۔ آپ کے ذہن میں بھی پیدا ہو۔ اس کا جواب ڈاکٹر صاحب کے لفظوں میں سنیئے! (ادارہ)

کالج کے طلبہ سب کسی نہ کسی علم میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ کالج میں چند سال رہنے کا ظاہری مقصد ایک سند کا حاصل کر لینا ہے، وہ سند اس بات کی تصدیق کریگی، کہ آپ علم کی کسی نہ کسی شاخ میں دستگاہ رکھتے ہیں۔ اس کے مسائل کو سمجھتے ہیں۔ اس کی حدود سے واقف ہیں، اس کو کم سے کم اپنے ممتحن کے سامنے کم و بیش وضاحت سے پیش کر سکتے ہیں، لیکن وہ سند یہ نہ بتا سکے گی، کہ آپ کو اس علم سے واقعی کوئی لگاؤ بھی ہے یا نہیں، اور اس سے ذہن کی جو تربیت ممکن ہے وہ بھی آپ کے حصہ میں آئی ہے یا نہیں، کوشش کیجئے کہ کم سے کم آپ خود اس سند کے بین السطور میں یہ بھی درج پا سکیں کہ "انہوں نے اس علم کے خزانے کی ایک کنجی بھی بنالی ہے جس سے اسے کھول سکتے اور فیضیاب ہو سکتے ہیں۔ انھیں اس علم کی مملکت کا نقشہ پڑھنا بھی آتا ہے، یہ اس میں مختلف مسائل کی جگہ بھی متعین کر سکتے ہیں، یہ ذہنی کاہلی کی وجہ سے سوال کی تہ تک جانے سے نہیں اکتاتے، اور بہتر دماغوں کی مدد سے اپنے خیال اور علم میں وضاحت پیدا کرنے کی سعی سے کتراتے نہیں۔"

ایسا نہ ہو کہ آپ کو سند کے بین السطور میں کبھی یہ لکھا دکھائی دے کہ "انھوں نے سند تو لے لی ہے۔ جہاں جہاں ہاتھ پکڑ کر انھیں پہنچا دو پہنچ جاتے ہیں۔ چمچوں سے منہ میں کچھ ڈال دو تو نگل لیتے ہیں۔ ہضم پھر بھی نہیں کرپاتے۔ کتابوں کے خلاصے اور لیکچروں کے نوٹ انہیں حفظ ہیں، مگر کتب خانہ میں بٹھا دو تو حیرت سے دم بخود ہو جاتے ہیں، کوئی غیر مانوس نیا سوال سامنے آجائے، تو بزدلوں کی طرح راہ فرار ہی اختیار کرتے ہیں۔"

چونکہ علم ترقی پذیر زندگی کا سہارا ہے اس لئے آپ کی سند سے کوئی یہ سمجھے، کہ آپ زندگی کے میدان میں

بھی علم کو اپنے سامنے رکھیں گے، تو چنداں بیجا نہ ہوگا۔ کہ علم ہی سے آپ میں سوجھ بوجھ پیدا ہوگی، قوت فیصلہ میں توازن ہوگا، قرائن اور شہادتوں کو اچھی طرح جانچ سکیں گے، ہر سیاسی طلسم میں پھنس نہ جائینگے۔ ہر مذہبی بازیگر کے پیچھے تالیاں بجاتے نہ پھریں گے۔ آدمیوں کو پرکھ سکیں گے، اور سونے اور ملمع میں تمیز کرنا سیکھ جائیں گے ہتھیلی پر سرسوں جمانے والے شعبدہ بازوں کی چالیں سمجھیں گے۔ قریب پر نظر ہوگی۔ مگر دور کو بالکل نظر انداز نہ کر دیں گے۔ عاجلہ کی خاطر آخرۃ کو نہ بھلا دیں گے۔

کہیں یہ نہ ہو کہ آپ کی سند کے حاشیہ پر ایک ایسی تحریر ہو جسے چاہے نہ سہرے پڑھ پائیں یا نہ پڑھ پائیں۔ آپ کبھی کبھی پڑھ سکیں اور اس میں لکھا ہو کہ "یہ پڑھے لکھے نوجوان ضرور ہیں مضمون بھی لکھتے ہیں، کتابیں لکھنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔ تقریر بھی اچھی کر لیتے ہیں۔ مگر خود غرض ہیں، کوتاہ اندیش ہیں، کوئی بات ان کے موافق ہوتی ہے اسے جھٹ مان لیتے ہیں، جو ان کے ذرا خلاف پڑتی ہو، اس کی کسی نہ کسی بہانہ سے مخالفت کرتے ہیں۔ جماعتی معاملات میں بھی ان کی رائے ان کی غرض کی پابند ہوتی ہے۔ ہر نئے تجربہ سے ڈرتے ہیں کہ نہ جانے ان پر اس کا کیا اثر ہو۔ بہتر دنیا کا خواب تک نہیں دیکھتے، اس کو وجود میں لانے کے لئے جن اخلاقی قوتوں کی ضرورت ہے۔ ان کے بیدار کرنے کا تو ذکر ہی کیا۔

آپ کی سند میں یہ بھی ہو سکتا ہے، اور وہ بھی، اور اس سند کا لکھنا آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ آپ روز اسے لکھتے ہیں۔

حال ہی میں انگلستان کے ایک مشہور تعلیمی مدبر مسٹر ولیم ہولٹ نے بی۔بی۔سی سے ایک تقریر نشر کی ہے جس میں انہوں نے ایک جدید تعلیمی تجربے کی کامیابی کا دلچسپ حال بیان کیا ہے۔ خوش قسمتی سے ہمارے یہاں بھی اس قسم کے تعلیمی تجربات ہو رہے ہیں۔ اِس لئے نئی تعلیم کے سلسلے میں کام کرنے والے اُستادوں کی

دلچسپی کے لئے ذیل میں اُس کا خلاصہ دیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

"میں آپ سے ایک جدید علمی تجربے کا حال بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جو ان دنوں انگلستان کے ایک غیر معروف چھوٹے سے دیہاتی سکول میں ایک اُستاد کے ہاتھوں عملی جامہ پہن رہا ہے۔ یہ سکول ڈارسٹ کے ایک معمولی گاؤں ایورشاٹ میں ملکی کونسل کی طرف سے جاری کیا ہوا ہے۔ جہاں عموماً ارد گرد کے مزدوروں اور کسانوں کے بچے، اور جنگ کے لگ بھگ لنڈن اور دوسرے شہروں سے آئے ہوئے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں، اس میں کام کرنے والا اُستاد مسٹر جی۔ ڈبلیو گرننگ ایک معمولی آدمی نہیں ہے، وہ صرف بچوں کو ہی نہیں پڑھاتا۔ بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر کام کر رہا ہے۔ وہ بعض کار پردازان محکمہ تعلیم کو بھی سکھا رہا ہے۔ اور فی الواقعہ ان لوگوں کو اس بات کا احساس ہے۔ چنانچہ انہوں نے اُسے اپنا تجربہ جاری رکھنے کے لئے ہر ممکن سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

مسٹر گرننگ کے پاس اس قدر لڑکوں کا آ جانا محض اتفاقیہ امر ہے۔ وہ اپنے سکول میں متواتر بیس سال سے نئے اصولوں کا تجربہ کر رہا ہے۔ موجودہ جنگ نے لنڈن اور دوسرے شہروں سے بہت سے بچے تعلیم حاصل کرنے کے لئے اُس کے قدموں پر لا ڈالے ہیں۔ جنہیں وہ اپنے غیر معمولی طریقوں سے بہت سے زندگی خیز فنون کی تعلیم دے رہا ہے۔

اس مدرسے کے بچوں کو باڑ لگانا، ٹوکریاں بنانا، باغبانی، شہد کی مکھیاں پالنا اور صاف دودھ کا حصول کے سے ہنر سکھلائے جاتے ہیں۔ ملکی کونسل نے سکول کے معائنے کے بعد بچوں کو نمونے کا ایک گئوشالہ محض تجربوں کے لئے دے دیا ہے۔ جس کا تمام انتظام بچے خود کرتے ہیں۔ وہ خود گائیں چراتے ہیں، اُن کا دودھ دوہتے ہیں۔ اور تمام کاموں کی باقاعدہ یادداشت اور حساب کتاب کاپیوں پر رکھتے ہیں —— ذرا سوچیئے۔ ایک سکول کے بچوں کا مویشیوں کے ایک پورے گلّے کی نگرانی اور پرورش کا انتظام کرنا —— کتنی عجیب بات ہے خصوصاً اپنے ہاں کے سکولوں میں بچوں کے روزمرّہ طریقہ تعلیم کو دیکھ کر یہ چیز اور بھی تعجب خیز معلوم ہوتی ہے جہاں عملی زندگی کی تعلیم تو کیا۔ لوگ محض دستکاری اور ہنر کے نام سے بدکتے ہیں۔"

اپنے طریقہ تعلیم کی خوبیوں پر بحث کرتے ہوئے مسٹر گرننگ نے ایک دفعہ کہا۔ "لو! ایک گائے کو مرکزی حیثیت دے لو" —— مجھے خالص تعلیمی نقطہ نظر سے اُس کا یہ خیال کسی قدر عجیب معلوم ہوا۔ مگر وہ کہتا چلا گیا۔ گائے کی خوراک (چارہ۔ بھوسہ۔ گھاس وغیرہ) سے لے کر موسموں اور آب و ہوا تک

کی واقفیت کا گٹھ جوڑ کرنے کے بعد اُس نے کہا "بچوں کے لئے اپنے مقامی ماحول کے اعتبار سے تاریخ اور جغرافیہ درحقیقت یہیں سے شروع ہوتے ہیں۔ میرے شاگرد روزانہ بارش ناپتے ہیں۔ درجۂ حرارت اور ہوا کی سمتوں کا چارٹ تیار کرتے ہیں۔ اور یہی عملی جغرافیہ، شمالی ہوا اور ٹمپریچر وغیرہ وغیرہ کی تدریس کے لئے بنیاد کا کام دیتا ہے۔" یہاں پہنچکر اُس نے ایک چارٹ دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے بچوں کا بنایا ہوا ایک چارٹ —— پورے تین سو پینسٹھ اسباق کا ایک مکمل خاکہ —— یہ کس چیز کو ظاہر کرتا ہے۔؟ اِن میں باہمی ربط کیا ہے؟ لو! دیکھو! بارش۔ اس سے کیا کیا چیز پرورش پاتی ہے —— مویشی۔ سیب، ڈبیری کی پیداوار وغیرہ اور اب دیکھو!" اُس نے مشرقی بنئیوں کا ایک چارٹ دکھاتے ہوئے کہا۔ "خشک —— بھیڑوں کی چراگاہیں۔ صاف دکھائی دے رہی ہیں۔ اور لو یہ ایک خشک سالی کا خاکہ ہے۔ بچوں نے اموات کا نقشہ خود تیار کیا ہے۔ اشارات سے بہت جلد ماحول کی واقفیت پر عبور ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ آپ نے اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر لیا ہے۔"

میں نے دیکھا سکول میں عام طور پر بچے باغبانی اور بچیاں مرغیاں پالنے کا کام زیادہ پسند کرتی ہیں۔ لڑکیوں نے ردّی چیزوں کو جمع کر کے ذخیرہ کر رکھا ہے۔ سبزیوں کو اُگا لا ہوا ہے۔ مرغیاں پالنے کے لئے اناج کا دلیہ تیار کر رکھا ہے۔ خوراک کے لئے آرڈر دے رکھے ہیں۔ اور ان سب باتوں کا حساب انہوں نے باقاعدگی کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ صرف پچھلے سال کی فصل کے خاتمہ پر وہ باہر کھیتوں میں گئیں۔ اور گیہوں اور آلوؤں کی بارہ بوریاں مفت میں جمع کر لیں۔

مسٹر گریننگ نے بتایا۔ شروع شروع میں شہری بچے اور بچیاں عملی کاموں سے بے انتہا ڈرتے اور گھبراتے تھے —— اور وہ آسانی سے ہاتھ سے کام کرنے اور عملی زندگی میں حصّہ لینے پر آمادہ نہ تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ اُن کا ڈر اور وحشت دُور ہوتے گئے۔ اور وہ خوشی خوشی ہر کام میں حصّہ لینے لگے۔ مسٹر گریننگ نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا۔ "یہ سب ہماری تنگ اور محدود کتابی تعلیم کا نتیجہ ہے۔" لیکن کتابی تعلیم کی تنگی سے اُس کی مراد ایسے غیرضروری اور ناکارہ علم کی تنگی سے تھی۔ جس کا روزمرّہ زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو۔

یہاں میں نے دیکھا۔ تاریخ کی پڑھائی کا ایک نیا طریقہ یہ ہے۔ کہ طلباء کو گھر سے کوئی اس قسم کا مسالہ

سکول میں لانے کے لئے کہہ دیا جاتا ہے۔ جو موروثی طور پر خاندان میں کافی دیر سے چلا آرہا ہو۔ اب اس کی غور و غرض استعمال درجہ بدرجہ وارثوں اور مختلف تحقیق شدہ خصوصیات پرکھنے کے لئے طالب علموں سے کہا جاتا ہے۔ مسٹر گرینینگ نے اس سلسلہ میں مجھے ایک دلچسپ اور عجیب و غریب فہرست دکھائی جو بچوں کی ایک جماعت نے ایک شام کو اس طرح کام کرتے ہوئے مرتب کی تھی۔ اس خانگی اور ذاتی دلچسپی سے طالب علموں کے لئے تاریخ تک آسانی سے رسائی ہوسکتی ہے۔

مسٹر گرینینگ نے بتایا۔ وہ اور اس کا ماتحت عملہ بھی آپس میں عجیب و غریب جنس کرتے ہیں۔ مثلاً ایک بار اس نے سکول میں کام کرنے والے اُستادوں سے کہا۔

"میں ہیڈ ماسٹر ہوں۔ اور آپ سب میرے ماتحت" اس مقولے کو بالکل بھول جاؤ!"

سکول کے ہر ایک لڑکے کے پاس ایک چارٹ ہوتا ہے۔ جس میں بازار کے نرخ لکھے ہوتے ہیں۔ لڑکے بیچنے کے لئے اپنی جنس کا خود فیصلہ کرتے ہیں — چربی، مویشی، بطخیں، انڈے۔ ہر قسم کا مال سوداگری کی جنس ہوسکتا ہے۔ اس مال سے وہ ہر ہفتہ تجارت کرتے ہیں۔ اور قیمتوں کا گراف تیار کرتے ہیں۔ نظری حساب کی مشق کرتے ہیں۔ مدرسہ کی حاضری، اپنی بچت، زراعتی پیداوار، انڈوں کا حساب کتاب — ہر ایک چیز کا وہ گراف بنانے جاتے ہیں۔ روزمرہ زندگی کی چیزوں اور زراعت کے کام کاج کے ضمن میں وہ حساب سیکھتے ہیں۔ روشنی، ہوا، پانی کا نکاس ان سب چیزوں میں دلچسپ اور چلتا پھرتا حساب ہے۔ مٹی کی طرح جامد اور خشک نہیں۔

مسٹر گرینینگ نے بتایا کہ "ڈرائینگ میں بھی ہم یہی عملی مشاہدہ کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اور بچوں کو سکول کی چار دیواری کے اندر گھری ہوئی زندگی سے نکال کر باہر کھلی فضا میں لے جاتے ہیں — ایسی فضا جس میں چلتی پھرتی شکلیں پرندے اور قدرتی مناظر کی خوبصورتی ہو بچے صرف محسوس کرسکتے ہیں۔ کہ ہم اُن بند کمروں میں اُنہیں وہ زندگی اور خوبصورتی نہیں دے سکتے۔ جو وہ باہر آزاد فضا میں حاصل کرسکتے ہیں۔" وہ ثبوت کے لئے چربہ اتارنے والے کاغذ کے چند بڑے بڑے تختے نکال لایا — چند دن پہلے ہی وہ بچوں کو جانوروں اور پرندوں کے نشانات کی ڈرائینگ کے لئے باہر لے گیا تھا — دوڑتا ہوا چکورا گھاس چرتا ہوا ہرن، ایک بجو اور ایک بھاگتی ہوئی لومڑی — یہ سب خوبصورت اور چلتی پھرتی تصویریں تھیں۔ مسٹر گرینینگ نے کچھ اور تصویریں بھی دکھائیں۔ جو انہوں نے گذشتہ سردیوں کے دنوں

ں برف پر چل کر بنائی تھیں - پھر وہ کہنے لگا - "تم دیکھ سکتے ہو - موسم سرما میں فطرت مردہ نہیں ہے - "برف پر چرائی ہرن اور خرگوش کے قدموں کے نشانات کی تصویریں دکھا کر کہنے لگا - کتنا پیارا اور خوبصورت منظر ہے -"

"ہم لڑکوں کو کھیتوں کی پیمائش کرنا بھی سکھاتے ہیں -" اُس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا - پھر وہ اس کا سارا طریقہ مجھے سمجھانے لگا - "بچے پیمائش کے لئے ایک نشان زدہ جریب استعمال کرتے ہیں - نقشا طیسی پرکاروں سے شکلیں کھینچتے ہیں - وہ ایک عمودی خط کے ذریعے کھیت کے مختلف ٹکڑے کر لیتے ہیں تاکہ اُس کے ترچھے اور لمبوترے کونوں کی پیمائش آسانی کے ساتھ ہو سکے - کیونکہ تم جانتے ہو ہمارے ہاں مربع اور مستطیل شکل کے بہت کم کھیت مل سکتے ہیں - اور اس طرح کھیت کو مختلف مربعی اور مثلثی حصوں میں بانٹ کر لڑکے اُس کا رقبہ ٹھیک نکالنے کے قابل ہو جاتے ہیں - پھر وہ کہنے لگا - مجھے ایک لڑکے کا حال معلوم ہے - جس نے پندرہ برس کی عمر میں اسی سال سکول چھوڑ کر اپنے باپ کے ساتھ کھیتی کا کام شروع کیا ہے - اُس کے باپ کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی - جب وہ ایک دن پیمائش کا سامان سکول سے مانگ لایا - اور اپنے تمام کھیتوں کی پیمائش کرنے لگا - زمینداروں اور کاشتکاروں کے لئے یہ چیز بڑی ضروری ہے - کیونکہ زمین کی درست پیمائش پر ہی اُن کے درست مالیہ کا دارومدار ہے - اور کئی بار جب کھیتوں کی شکل بے ڈھنگی ہوتی ہے - اِن کی پیمائش ٹھیک نہیں ہوتی - اور اس کا خمیازہ زیادہ مالیہ کی صورت میں غریب زمیندار کو بھگتنا پڑتا ہے - ہاں! تو بوڑھا زمیندار کو یہ معلوم کر کے تعجب ہؤا - کہ اُس کا لڑکا پٹواری کے لگائے ہوئے اندازے کی غلطیاں نکال کر درست حساب کر سکتا تھا - اپنے بیٹے کی یہ مفید قابلیت جان کر - شاید وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا -

مسٹر گرننگ نے بتایا - کہ ہم لڑکوں کو یہ بھی سکھاتے ہیں - کہ اپنے ہمسایہ بھائیوں کے ساتھ کس طرح حسن سلوک سے مل جل کر کام کرنا چاہیئے -"

اس سکول کے طلباء کے لگائے ہوئے ایک حسابی اندازہ نے تو تعلیمی حلقوں میں ایک ہلچل مچا دی تھی - اور انگلستان کے ایک اور سکول کے ہیڈ ماسٹر نے اُس کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے مسٹر گرننگ کو لکھا تھا - گرننگ اور اس کے طلباء نے بارش اور "پانی کے نکاس" کا باہمی رشتہ معلوم کرنے کا کام شروع کیا تھا - انہوں نے دریائے فروم کے گہرے پانی کی پیمائش

سکے بعد بارش کے لاکھوں گیلن پانی میں سے، دریا کا وہ پانی جو بہ چکا ہے۔ یا گاؤں میں صرف ہو چکا ہے منہا کر دیا تھا۔ اور اس طرح کافی محنت کے بعد ایک " اندازہ " تیار کر لیا تھا۔

اس نے تعلیمی تجربہ کو جو چیز علمی لحاظ سے سب سے زیادہ دلچسپ بناتی ہے۔ وہ اس کا آزاد دیہاتی لڑکے اور لڑکیوں کو زندگی کی تیاری کا سبق دینا ہے۔ چونکہ یہ طریقہ عملی ہے۔ اس لئے طالب علموں کو اپنی علمی معلومات عملی زندگی میں برتنے کا براہ راست اور بہت جلد موقعہ مل جاتا ہے۔ اور چونکہ اس کی بنیاد فلسفیانہ صداقتوں پر ہے۔ اس لئے وسیع معنوں میں اسے بچوں کے " کردار کا معمار " کہنا چاہیئے۔ بچوں کو ادب اور فنون لطیفہ کی تعلیم اس طرح نہیں دی جاتی۔ کہ وہ ہل جوتنے اور محنت مزدوری کے کاموں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھنے والے الگ تھلگ مضامین معلوم ہوں۔ بلکہ اس طور پر کہ وہ روزمرہ زندگی کے حالات و واردات کو سمجھنے اور دوسروں پر ظاہر کرنے کے کام آئیں۔

تعلیمی مضامین

" شہریت کی تعلیم "

" تعلیمی مضامین " کے نام سے رسالہ میں ایک مستقل باب کھول دیا گیا ہے۔ جس کے ضمن میں ہر ماہ نصاب کے مختلف مضامین کی تعلیم و تدریس کے متعلق مضامین شائع ہونگے۔ اس دفعہ " سماجی معلومات کی تعلیم " اور " انشاپردازی سکھانے کے طریقے " کے عنوانات سے جو مفصل مضامین ادارے نے ترتیب دیئے ہیں۔ ان میں سے کچھ حصہ " شہریت کی تعلیم " اور " بچوں کو گفتگو کی تربیت " کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ پورے مضامین مدرسین کی سہولیت کے لئے علیحدہ کتابی صورت میں شائع کئے جائیں۔ اس سلسلہ میں استاد صاحبان کی طرف سے موصول ہونے والے مضامین کو بشرطیکہ وہ تعلیمی اور تدریسی لحاظ سے مفید ہوں، شکریہ کے ساتھ رسالہ میں شائع کر دیا جائیگا۔ سوشل سٹیڈیز یا سماجی معلومات کا مضمون تاریخ، جغرافیہ اور شہریت

تین شاخوں میں منقسم ہے۔ مضمون پیش نظر میں شہریت کی تعلیم کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ "ایڈیٹر"

شہریت کا نصاب دراصل تاریخ اور جغرافیہ دونوں کے بیچ کی کڑی ہے۔ تاریخ انسانی زندگی کے سماجی ماحول کا نام ہے۔ اور جغرافیہ طبعی اور قدرتی ماحول کا۔ یہ دونوں ماحول ایک دوسرے پر اثر کرتے ہیں۔ انسان نے قدرتی ماحول کو توڑ پھوڑ کر اپنے رہنے سہنے اور زیادہ سے زیادہ مفید مطلب بنانے کی ہمیشہ کوشش کی ہے۔ اپنے اردگرد کی قدرتی اور طبعی چیزوں سے مختلف کام لے کر اپنی زندگی کو زیادہ آسودہ اور آرام دہ بنانے کی تدابیر سوچی اور عمل میں لائی ہیں۔ جنگلوں اور پہاڑوں کو کاٹ کر میدانوں کی شکل دے دی۔ ویرانوں اور بیابانوں میں نہریں بہا کر کھیتی باڑی شروع کر دی۔ وادیوں اور صحراؤں میں شہر بسائے۔ پہاڑوں اور میدانوں سے معدنیات کی کانیں نکالیں۔ آبشاروں سے بجلی پیدا کی۔ دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں اور جہاز چلائے۔ جانوروں سے سواری، کاشتکاری اور باربرداری کا کام لینا شروع کیا۔ غرضیکہ انسان نے اپنے قدرتی ماحول سے ہمیشہ زیادہ سے زیادہ کام لینے کی کوشش کی ہے۔ اور اس طرح انسان کا سماجی ماحول قدرتی ماحول پر اثر ڈالتا رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں طبعی ماحول کا سماجی ماحول پر بھی کچھ کم اثر نہیں ہے۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں انسانی زندگی کی ضروریات محدود ہیں۔ وہاں کے لوگ کھیتی باڑی نہیں کر سکتے۔ میدانوں میں بسنے والے کھیتی باڑی کا کام کرنے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ ان کے اردگرد صاف اور ہموار زمین کافی ہے۔ سمندر کے کنارے رہنے والے لوگ جہازرانی، ماہی گیری اور تجارتی کاموں میں مشاق ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ شروع سے لے کر اب تک انسان کا سماجی ماحول اور طبعی ماحول ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتا رہا ہے۔ ان دونو کی مدد سے ایک بہتر نظام کے ماتحت زندگی بسر کرنے کا نام شہریت ہے۔ قدیم زمانہ میں جب انسان اونچے اونچے درختوں اور پہاڑوں کی غاروں میں رہ کر جانوروں کے کچے گوشت سے پیٹ بھرا کرتا تھا۔ اور انہی کی کھالوں اور درختوں کے پتوں اور چھال سے اپنے جسم کو ڈھانکتا تھا۔ اُس نے شہریت کا عملی سبق سیکھنا شروع کیا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اُس کی بود و باش اور طرز معاشرت درست ہوتی چلی گئی۔ اُس کی درندگی اور انسان دشمنی کم ہوتی چلی گئی۔ اور اُس کی جگہ آپس کا میل جول، اتفاق، اتحاد، ربط و ضبط، اخلاق و رواداری اور حقوق و فرائض کا احساس بڑھتا گیا۔ کنبے، خاندان اور برادریوں کے رشتے بن گئے۔ قومیت اور حکومت کی بنیاد رکھی گئی۔ انسان مل جل کر اصول، ضابطے اور آئین کے ماتحت رہنے لگے۔ انہوں نے گھر، خاندان، سوسائٹی، ملک، قوم اور حکومت کے ذمہ اپنے حقوق کو جان لیا۔ اور اُس کے مقابلہ میں اپنے فرائض کو بھی

محسوس کرکے اُن کی انجام دہی کو اپنے لئے ضروری قرار دیا ـــــــ یہی شہریت کا فلسفہ ہے۔ اور اسی کے سہارے انسانی تہذیب وتمدن کا سارا نظام قائم ہے۔ اب تعلیمی مدارس پر غور کیجئے! ایک بچہ چار پانچ سال کی عمر میں سکول میں داخل ہوتا ہے۔ وہ جب بیس پچیس برس کی عمر میں تعلیم ختم کرکے سکول یا کالج سے نکلتا ہے۔ تو اس کے پاس مزید سوچنے یا سیکھنے کے لئے بہت تھوڑا وقت ہوتا ہے۔ تکمیل تعلیم کے فوراً بعد ہی اُسے سوسائٹی کے عملی کاموں میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ اُسے ایک طرف اپنے گھر، بیوی بچوں، خاندان، سماج قوم اور ملک کی ذمہ داریوں سے نپٹنا ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف اپنی معاشی، اقتصادی، سیاسی اور تمدنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اپنی سماجی اداروں سے تقاضا کرنا پڑتا ہے۔ اس دوہری کشمکش کو نبھانے کے لئے ضروری ہے۔ کہ سماج کے اس عملی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے اُسے تعلیمی کورس کے دوران میں فرد اور جماعت کے باہمی مسائل کے جملہ پہلوؤں پر مکمل عبور حاصل ہوچکا ہو۔ اس کشمکش میں شامل ہونے سے پہلے جب تک وہ اس کی اہمیت اور اس کے بنیادی جھگڑوں کو سمجھنے کی کوشش نہ کریگا۔ وہ سکول کے باہر عملی دُنیا میں کامیابی کے ساتھ زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ ہمارے اِن سکولوں کا جن میں آج تک عملی زندگی کی تیاری کا کورس شامل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، طلباء کے ساتھ سب سے بڑا ظلم یہی ہے۔ کہ انہوں نے ایک گونہ یک طرفہ اور غیر ضروری نظریاتی تربیت دے کر اُن کی عملی زندگیوں کو بے انتہا تلخ بنا دیا ہے۔ اس قسم کے نوجوان سماجی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے قطعاً ناقابل ہوتے ہیں۔ وہ قدم قدم پر لڑکھڑاتے ہیں۔ معمولی معمولی واقعات اور حوادث کے ظہور سے گھبرا اٹھتے ہیں۔ وہ نہ دوسروں کے ساتھ انصاف کرسکتے ہیں۔ اور نہ اُن سے انصاف حاصل کرنے کا تقاضا کرسکتے ہیں۔ چونکہ مدرسہ کی بالکل خاموش فضا سے نکل کر اچانک اُنہیں ایک ہنگامی دُنیا اور ایک جُرأت آزما کشاکش سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس لئے وہ گھبرا کر اس میدان سے پیچھے ہٹنا شروع کردیتے ہیں ـــــ وہ برابر پیچھے ہٹتے رہتے ہیں۔ اور اس سماجی کشمکش سے برابر بھاگتے رہتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ایک عرصہ کے بعد اُن کی فطرت میں مستقل طور پر ایک نامعلوم خوف، بزدلی، عدم اعتماد اور ناخود شناسی کا احساس جاگزیں ہوجاتا ہے ـــــ اس طرح اُن کی ساری زندگی تعلیم کے ایک ضروری شعبہ کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے مریض اور اپاہج ہو جاتی ہے۔ ہمارے پرانے مدرسوں سے تعلیم حاصل کرکے نکلے ہوئے اس قسم کے احساسات رکھنے

والے نوجوانوں کی تعداد کم نہیں ہے۔ یہ سب کچھ محض اس لئے ہے۔ کہ طلباء کو تکمیل تعلیم سے پہلے عملی زندگی کی تیاری یا اچھے شہری بننے کا سبق سکھانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس خرابی کو دور کرنے کے لئے موجودہ نصاب تعلیم میں شہریت کی تعلیم کو ایک نمایاں جگہ دی گئی ہے۔ شہریت کی صحیح معنوں میں تربیت ہماری تعلیم کو با مقصد بنا سکتی ہے۔ تعلیم کیا ہے؟ ـــــ زندگی کی ایک کامیاب تیاری اور شہریت کی تعلیم کا انتظام جب تک تدریسی زمانہ میں نہ کیا جائے۔ زندگی کی عملی تیاری پورے طور پر نہیں ہو سکتی۔ شہریت کی تعلیم سے ہم میں اخلاق اور رواداری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں ہم دوسرے لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور انصاف کرنا سیکھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسروں سے انصاف اور ہمدردی کا مطالبہ بھی کرتے ہیں۔ ملک، قوم، وطن اور بنی نوع انسان کی خاطر ہم ایثار، قربانی، محبت اور وفاداری کرنا سیکھتے ہیں۔ وسیع انسانی اخوت اور عالمگیر برادری کا تخیل پیدا ہوتا ہے ہم ساری دُنیا کے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہتے ہیں۔ اُن کے دُکھ سُکھ کے ساتھی بنتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہماری فطرت میں بلند اخلاق، عالی حوصلگی، خود اعتمادی، یقین۔ اخوت، محبت اور ہمدردی کے جوہر پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہم زندگی کی گاڑی کو اپنی پوری طاقت سے دھکیلنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

ریاست میں تعلیمی تحریکیں

تحریک تعلیم بالغان پر ایک نظر

(از جناب فضل حسین کیف اسرائیلی لٹریری اسسٹنٹ)

یکم ساون سنہ ۲۰۰۰ سے حکومت کشمیر نے موجودہ اقتصادی حالات اور عالمگیر معاشی کشمکش سے متاثر ہو کر تحریک بالغان کو عارضی طور پر ملتوی کر دینے کے احکام جاری کر دیئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حکومت کا یہ فیصلہ مجبوری اور مصلحت وقت پر مبنی ہے۔ تاہم قومی ترقی اور تعلیمی ارتقاء کے سلسلہ میں اس کی وجہ سے جو تاروک پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کی تلافی اس تیز رفتار دنیا میں وقت کے مضبوط بازو بھی نہیں کر سکتے۔ ایک ذی فہم شخص

کے لیئے ان مجبوری کے افسوسناک نتائج کا اندازہ لگانا مشکل نہیں - جو اس التواء سے پیدا ہو سکتے ہیں - اگر ہم ان کا فوری تدارک نہ کریں - آج کے ترقی یافتہ دور میں ارتقائے حیات کا پہیہ اتنی تیزی کے ساتھ گھوم رہا ہے کہ افراد اور اقوام کی ایک ایک منٹ کی غفلت وقت کی دنیا میں انہیں برسوں پیچھے دھکیل دیتی ہے ملک قمی نے کہا ہے ؎

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر — یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

ریاست کشمیر میں تعلیمی بیداری کا دور جدید ابھی حال کی بات ہے ابتدائی انتظامات کے باوجود ایک لمبے عرصہ تک ہم نے تعلیم اور اس کے حصول سے ایک مجرمانہ غفلت برت کر ملکی ترقی کے بحث سے بیش قیمت مواقع ہاتھ سے کھو دیئے ہیں - اپنی پستی کا احساس پیدا ہونے کے بعد ہمارے لیئے مزید سستی اولیت و لعل کسی طرح جائز نہیں ٹھہرائے جا سکتے - یہ ہماری بدقسمتی ہے - کہ حالات نے عارضی طور پر ہم سے ترقی کا ایک نہایت قیمتی موقعہ چھین لیا ہے - لیکن وقت کی اس ستم ظریفی سے زیادہ افسوسناک یہ امر ہے کہ حکومت اور محکمہ کی ایک شفیق اور مخلصانہ پیشکش کے بعد بھی ہم میں رضا کارانہ قومی خدمت کا وہ ولولہ اور جوش پیدا نہ ہُوا - جو ملکی اور قومی ترقی کے سلسلہ میں فوری انقلاب برپا کر سکتا ہے -

آج سے تقریباً پانچسال پہلے سمت ۱۹۹۵ کے ابتدائی نصف حصے میں نئی تعلیم کے اجراء کے ساتھ ساتھ ریاستی دُنیا میں تحریک تعلیم بالغان کا آغاز ہُوا تھا - ترقی یافتہ ممالک کے مقابلہ میں یہ ابتدا بڑی دیر کی بات تھی - لیکن پھر بھی خوش قسمتی سے ہمیں ایک ایسا رہنما مل گیا - جو اس دشوار گذار گھاٹی کے پُرپیچ راہوں سے نکال کر ہمیں منزل مقصود تک لیجانے کا عزم کر چکا تھا - حکومت نے ملکی ترقی کے پیش نظر تحریک کو اپنی سرپرستی میں لے لیا - اور اسے ریاست کے طول و عرض میں پھیلانے اور عملی صورت دینے کے لیئے ایک معقول گرانٹ کی منظوری کے بعد انتظام کے لیئے ایک الگ محکمہ بنا دیا - پانچسال کی اس مختصر مدت میں اس محکمہ نے کتنا کام کیا ہے - ملک کے دور افتادہ گوشوں سے جہالت کے جراثیم کی بیخ کنی کے لیئے کونسی تدابیر عمل میں لائیں - اور عملاً کس حد تک اسے اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی - اور اس قسم کے کئی طویل بحث ہے - جنہیں میں کسی آئندہ فرصت پر چھوڑتے ہوئے سردست تحریک پر اصولی حیثیت سے ایک نظر ڈالنا چاہتا ہوں - حقیقت میں تعلیم کے کسی جامع پروگرام کی تشکیل اور ترویج کا مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے - جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے - اس کی مشکلات کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں عملی

طور پر کبھی اس میدان میں کام کرنیکا موقعہ ملا ہو۔ کسی نئے نظام علمی کی ترتیب اور طریق کار کے اختیار کرنے
سلسلہ میں سب سے بڑی دشواری یہ ہوتی ہے۔ کہ اسے ایک مخصوص طبقے کے لوگوں کی مخصوص رو ایا
اور مخصوص ماحول کے سانچہ میں ڈھالنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کو پورے طور پر حاصل کرنے
کے لیئے ایک عرصہ تک مجوزہ اصولوں کی ترویج کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً بعض ایسی اختراعات اور
اصلاحات کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جن سے تجویز کے عملی طریق اور ملک کے تمدنی اور سماجی ماحول کے
درمیان مطابقت پیدا ہو سکے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مختلف ملکوں میں ماہرین تعلیم کو ایک بہتر نظام تعلیم رائج
کرنے کے بعد اس کے تسلی بخش نتائج حاصل کرنے کے لیئے ایک لمبا عرصہ انتظار کرنا پڑا ہے۔ اور
پھر یہ تو بچوں کے نصاب تعلیم کا حال ہے۔ بڑوں کے لیئے کوئی عملی طریق اختیار کرنے وقت یہ مسئلہ
اور بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بالغوں کی تعلیم کے سلسلہ میں خارجی وسائل اور بیرونی ذرائع سے زیادہ اہمیت
عوام کے دلوں میں علمی شوق کی تخلیق کو حاصل ہے۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں۔ جب تک ملک کے
تعلیم یافتہ نوجوان بے لوث خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر لوگوں کے دل و دماغ میں اپنی لچسپ
اور ہمدردانہ روش سے ایک انقلاب نہ پیدا کر دیں۔

جہاں تک تحریک تعلیم بالغان کا کشمیر کے ساتھ تعلق ہے۔ یہ امر موجب تسکین ہے کہ عوام میں دلچسپ
احساس بیداری کی ایک عام رو پیدا ہو گئی ہے۔ وہ اپنی موجودہ پسماندہ زندگی کو ایک بہتر اور ترقی یافتہ
زندگی سے بدلنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ تحریک کے مسلسل پروپیگنڈا اور عملی ہنگاموں نے انہیں سکوت
کی گہری نیند سے جگا دیا ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ اس بات کا افسوس بھی ہے۔ کہ پبلک کی اس بیداری
اور تحریک کی عملی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے بھی پڑھے لکھے طبقہ میں ملک کی رضا کارانہ خدمت کی سپرٹ
حد تک ضروری تھی نہ آسکی۔ حکومت اور محکمہ نے اپنی کوشش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ یہ الگ بات
کہ کام کو زیادہ مضبوط اور ٹھوس لائنوں پر چلانے کے لیئے کئی دوسرے مفید ذرائع بھی اختیار کئے
گئے۔ جو ابتدائی مشکلات اور اقتصادی مجبوریوں کی وجہ سے بروئے کار نہ لائے جا سکے۔ بہر حال
تجربہ اور پیچیدہ مسئلہ کی حیثیت سے محکمہ تعلیم نے اس سلسلہ میں اس وقت تک جو کچھ کیا ہے۔
نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جلسوں جلوسوں، تقریروں اور لیکچروں کے ذریعے عوام اور خواص میں

پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ بالغوں کی پڑھائی کے لئے ریاست کے طول و عرض میں سرکاری اور غیر سرکاری
مراکز جاری کرکے چلانے والوں کو ہر ممکن سہولیت بہم پہنچانے کے لئے عملی تدابیر کی گئیں۔ پڑھنے والے
بالغوں کو سرکاری طور پر ریڈر، کیریکٹرس اور دیگر تدریسی لوازمات ہزاروں کی تعداد میں مفت مہیا کئے گئے
ملک کے مرکزی اور دور افتادہ حصوں میں بالغوں کے لئے پانچ سو کے قریب کتب خانے جاری کئے گئے
اور ان کے منتظمین کی عملی حوصلہ افزائی کا مناسب بندوبست کرکے پڑھے لکھے طبقہ اور خواندہ بالغوں میں
تعلیمی شوق اور ذوقِ مطالعہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے علاوہ تمام دوسرے سرکاری محکموں کو جنہیں
پبلک سے سابقہ یعنی جمہور سے عملی واقفیت حاصل ہے۔ اس مہم میں شریک کرنے کے لئے باقاعدہ سرکاری طور پر
تعاون حاصل کیا گیا۔ اس تمام دوڑ دھوپ اور جد و جہد کے بعد بھی اگر عوام اور سلیم بین حضرات کو تحریک
تعلیم بالغان کی کوئی بہت بڑی اور آخری کامیابی نظر نہیں آتی۔ تو محکمہ سے زیادہ تعلیم یافتہ طبقہ میں رضاکارانہ
قومی خدمت کے جذبہ کا فقدان اس کا ذمہ دار ہے۔ حقیقت میں یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ پڑھے لکھے
لوگوں میں سے اکثر میں ہمارے قدامت پرست نظامِ تعلیم نے ایک ایسی ذہنیت پیدا کردی ہے جو انہیں
نصابیت اور نوکری کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتی۔ اور وہ بالعموم اپنے شخصی مفاد کے علاوہ دوسرے
مقاصد کا پرجوش تصور نہیں کرسکتے۔ پبلک مفاد، قومی خدمت اور انسانی ہمدردی بہت سے لوگوں کے
نزدیک بالکل بے معنی الفاظ ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ آج زندگی اپنی بے کراں وسعتوں کے باوجود "ذات
اور گھر" کے محدود دائرہ میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ ہر شخص اپنے ماحول میں ایک نئے بت کا پجاری ہے جو اس
کے عقیدہ کے مطابق اس کی ضروریاتِ زندگی کا کفیل ہے۔ اس طرح مرکزیت، قومیت اور وحدت کے ایک
معمل انتشار کے بعد ہماری روزمرہ داخلی زندگی بے انتہا تلخ ہوگئی ہے۔ قومی اور سماجی تنظیم کے بغیر ہماری انفرادی
اور شخصی زندگی کبھی ترقی، ذہنی آسودگی اور اطمینان کے بلند معراج پر نہیں پہونچ سکتی۔ یہ ایک ایسا اصول ہے۔
جس پر نفس پرست طبقہ نے کبھی سوچنے اور غور کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ بہرحال پڑھے لکھے لوگوں کے اس
بڑھے ہوئے جذبۂ خود غرضی نے انہیں تحریک تعلیم بالغان میں اس جوش اور سرگرمی کے ساتھ حصہ نہیں لینے
دیا۔ جس کی ان سے توقع کی جاسکتی تھی۔ پھر بھی محکمانہ اور رضاکارانہ تعاون کی بعض مخلص کوششوں کی بدولت
تحریک کا ابتدائی مرحلہ بڑی حد تک طے ہوگیا ہے۔ اس چند سالہ جد و جہد سے عوام کی جہالت اور سکون و جمود
کا پرانا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ اور ان میں تعلیمی بیداری کی ایک مستقل لہر پیدا ہوگئی ہے۔ موجودہ عالمگیر سیاسی اور

اقتصادی جنگ میں شمولیت ان کے اس ابھرتے ہوئے جذبہ پر ایک ضرب کاری ہے تاہم اس نئی کشمکش کی اچانک نمود نے علم اور تعلیم کی ضرورت کے احساس کو اور زیادہ گہرا کر دیا ہے۔ اب انہیں اپنے حال اور مستقبل کی زندگی کو آسودہ بنانے کے لئے تعلیم کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے اور نتیجۃً تحریک کے مقاصد سے وہ زیادہ قریب ہو رہے ہیں۔ اس دوسری کشمکش کے زمانے میں حکومت کا تحریک تعلیم بالغان کی مالی سرپرستی سے مجبوراً دستکش ہو جانا یقیناً ایک بڑی مشکل پیدا کرتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ کہ خدانخواستہ عملی طور پر یہ تحریک ریاست سے ختم ہو جائے گی۔ ممکن ہے کسی سطح بین اور کم اندیش آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو۔ مگر کسی سمجھ دار آدمی کو اپنے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس خیال کو جگہ نہیں دینی چاہیئے۔ گورنمنٹ اپنے اس لگائے ہوئے پودے کو ہمیشہ سرسبز دیکھنا چاہتی ہے۔ اور اس سلسلے میں ہر وقت اسے ضروری اور ممکن امداد دینے پر آمادہ ہے۔ مگر موجودہ جنگ کی وجہ سے حکومت کے انتظامی امور میں بے انتہا پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ آج اقتصادی پریشانیوں اور معاشی کشمکش نے زندگی کے سارے قوانین اور انتظامات کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ ناگزیر جنگی مصارف نے افراد اور حکومتوں کو بہت سی روزمرہ ضروریات کو کم کرنے یا چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اور اسی وجہ سے حکومت نے اس سلسلہ میں مجبوراً یہ قدم اٹھایا ہے۔ لیکن وہ تحریک تعلیم بالغان کی سرپرستی کے لئے ہر وقت آمادہ ہے۔ حکومت کا ہر ایک محکمہ بالعموم اور تعلیمی محکمہ بالخصوص اس میدان میں کام کرنے والوں کے ساتھ رضا کارانہ تعاون کرنے اور ہر ممکن امداد دینے کے لئے موجود ہے۔ اب اس ابتدائی مشکل گھاٹی کے طے ہو جانے کے بعد اگلی منزلیں طے کرنا ملک کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے مشکل نہیں۔ حالات کا تقاضا ہے۔ کہ ہمیں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کام کی ساری ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے لینی چاہیئے۔ اور خدا پر بھروسہ رکھ کر اپنے فرائض کی انجام دہی میں نہایت سرگرمی، استقلال اور دیانتداری کا اظہار کر کے تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ دانشمندی کے خلاف ہے۔ کہ پانچ سال کی مسلسل تگ و دو کے بعد ہم نے جس حد تک میدان صاف کیا ہے۔ آج محض ایک اتفاقیہ اور عارضی رکاوٹ کی وجہ سے اس میدان سے قدم ہٹالیں۔ حقیقت میں تعلیم بالغان کے مسئلہ کا حل ہماری اپنی ملکی اور قومی ترقی کے لئے بے حد ضروری ہے۔ بعض دیگر ممالک میں لوگوں نے بڑی حد تک اس گتھی کو بغیر کسی خارجی سہارے اور حکومت کی مدد کے خود سلجھایا ہے۔ جگہ جگہ انجمنیں اور تعلیمی مراکز جاری کر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے ایک محدود عرصہ میں ملک بھر کی کایا پلٹ دی ہے۔ وہاں پڑھے لکھے طبقہ نے سارا کام اپنے ہاتھ میں لے کر

ہمت، استقلال اور مالی ایثار کے ذریعہ حیرت انگیز تعلیمی انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اس طرح اتنا بڑا کام جو بعض دوسرے ممالک میں حکومت اور تعلیمی محکموں کی متفقہ کوششوں کے باوجود بھی بڑی مدت میں پورا ہو سکا۔ پبلک نے داخلی احساس اور تعلیم یافتہ طبقہ کے جوش و خروش اور عملی ایثار کی بدولت ایک قلیل عرصہ میں کامیابی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ چین۔ ٹرکی اور روس اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ریاست میں اس کام کی ابتداء حکومت کی پیش قدمی سے ہوئی۔ لیکن اگر آج حکومت نے ایک محدود عرصہ کے لئے اقتصادی مجبوریوں کی وجہ سے تحریک کی مالی سرپرستی سے ہاتھ روک لیا ہے۔ تو ہمیں کام کو ادھورا چھوڑ کر اُلٹے پاؤں میدان سے ہٹنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ یہ خالص ہمارا کام ہے۔ اور چاہے اسے کامیابی کے ساتھ ختم کرنے کے لئے کتنی ہی مشکلات سے دوچار ہونا پڑے۔ ہمیں بے تامل کسی خارجی مدد کے بغیر بھی ہر حال میں اسے جاری رکھنا چاہیئے۔ تاوقتیکہ ملک سے جہالت کی لعنت دور ہو کر اس کے باشندوں کو امن، آسودگی، اور اطمینان کی زندگی دوبارہ نہ مل جائے۔ اب اس کی تکمیل صرف ہمارے احساس، حوصلہ، ہمت اور عزم پر منحصر ہے۔ جس کا ابتدائی مرحلہ بہر حال طے ہو چکا ہے۔ عوام میں بڑی حد تک تعلیمی بیداری بھی پیدا ہو چکی ہے۔ درسی کتابیں اور لائبریریاں ہمارے پاس موجود ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ اگر ہم کام کی دُھنا کو ہمت اور استقلال سے جاری رکھیں۔ تو حکومت کا مالی تعاون بھی جلد ہی دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بہر صورت تحریک تعلیم بالغاں نے اپنی ابتدائی جد و جہد میں کتنی ہی تھوڑی منزلیں طے کی ہوں اس کا بلند اور آخری مقام حاصل کرنے کے لئے کتنی ہی قربانی کی ضرورت پیش آئے۔ اس کی مسلّمہ اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس بات کو دُہرا دینا ضروری ہے۔ کہ جب تک تعلیم یافتہ طبقہ (چاہے وہ سرکاری ملازمت میں ہو۔ یا پرائیویٹ حیثیت میں) اپنی سماجی ذمہ داریوں کو نہ سمجھیگا۔ اور قومی کشتی کو جہالت کے طوفان سے نکال کر صحیح و سلامت پار لے جانے کی سرفروشانہ کوشش نہ کرے گا۔ ہماری موجودہ سیاسی۔ اقتصادی اور سماجی کشمکش کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔

اس میں شک نہیں۔ مخلص کارکنوں کے لئے موجودہ اقتصادی بدحالی میں رضا کارانہ طور پر کام کرنا آسان نہیں۔ لیکن کسی کام کا آسان ہونا اس کو اٹھانے کے لئے کوئی شرط لازم نہیں ہے۔ بقول شاعر

کل اک خارکش صبر و ہمت میں کامل ۔۔۔ یہ کہتا تھا محنت سے گھٹتا تھا جب دل

کہ جن سختیوں کا اٹھانا ہے مشکل — وہی ہیں کچھ اسے دل اٹھانے کے قابل
حلال آدمی کو ہے کھانا نہ پینا — نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینہ

اور دراصل عملی کام اور بے لوث خدمت میں کچھ بہت زیادہ خرچ بھی نہیں ہوتا۔ صرف ایک پاک مقصد مضبوط ارادے اور درد مند دل کی ضرورت ہے تاریخ انسانی کے صفحات کو اُلٹ کر دیکھئے۔ خدا کے مخلص بندوں نے محض ایک حساس دل اور پختہ عزم کی بدولت تن تنہا دنیا میں بڑے بڑے انقلاب برپا کئے ہیں۔ اس بارے میں پیغمبروں، مہاتماؤں، مذہبی رہبروں اور سیاسی پیشواؤں کی مثال شاید دور کی بات سمجھی جائے۔ اور ان کے پیدا کردہ انقلابات کو ان کی غیر معمولی روحانی طاقت پر محمول کیا جائے۔ مگر پچھلی صدی میں ہندوستان کی سرزمین پر خالص سماجی اور تعلیمی میدان میں سر سیّد اور راجہ رام موہن رائے جیسی زندہ جاوید شخصیتوں نے جو کام کیا ہے اسے نہ دولت اور جماعتی تنظیم کا نتیجہ سمجھا جا سکتا ہے۔ نہ کوئی مافوق الفطرت کارنامہ۔ کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی بالکل ایک معمولی حیثیت سے شروع کی تھی۔ ان کے پاس بہت سارا روپیہ تھا۔ اور نہ کوئی معجزہ۔ لیکن سماجی خرابیاں دور کرنے اور ملک بھر میں تعلیم پھیلا سکنے کے لئے صرف ایک ہمدرد دل اور پہاڑ کی طرح پختہ عزم کی بدولت انہوں نے وہ کام کر دکھایا۔ جسے دور حاضرہ کا تعلیمی معجزہ کہا جا سکتا ہے۔ آج اگر ہم میں بہتر سیّد اور راجہ رام موہن رائے جیسی بلند ہمتی، پختہ نظری اور مستقل مزاجی نہ ہو۔ تو بھی کوئی مایوسی کی بات نہیں۔ وہ اپنے زمانے میں تنہا تھے۔ قدرت نے انہیں عام آدمیوں سے بہت زیادہ یقین اور ارادہ کی دولت دے کر تعلیمی اور سماجی انقلاب کے لئے کھڑا کر دیا تھا۔ مگر آج ہمیں اپنی سماجی زندگی کی کایا پلٹ کرنے کے لئے ملک کے گوشے گوشے میں عملی کارکن اور تعلیم یافتہ رضا کار مل سکتے ہیں۔ اگر ہم استقلال کے ساتھ تھوڑی سی مالی، بدنی، یا قلمی مدد بھی کریں۔ تو ملک و قوم کا یہ عظیم الشان مقصد بہت جلد حاصل ہو سکتا ہے۔ ضرورت صرف مخلصانہ کوشش اور بے لوث خدمت کی ہے۔ مثلاً اگر ہم میں سے ہر ایک تعلیم یافتہ آدمی ایک ایک دو دو ان پڑھ بالغوں کو پڑھانے کا کام بھی اپنے ذمہ لے لے۔ تو تھوڑے عرصہ میں ہی تعلیمی ترقی کی رفتار بڑھ سکتی ہے۔ اگر تعلیم یافتہ طبقہ اپنی معاشی کشمکش کی وجہ سے زیادہ وقت اس مقصد کے لئے وقف نہیں کر سکتا۔ تو اسے اپنے وقت، دماغ اور روپیہ کا تھوڑا سا حصہ پیش کرنے میں کیا امر مانع ہے؟ کیا وہ اپنے بھائیوں، پڑوسیوں، ہموطنوں اور ملک و قوم کے لئے اتنی سی حقیر قربانی بھی نہیں کر سکتا؟ —— یہ انسانیت کا ادنےٰ ترین مطالبہ ہے!

تعلیمی دُنیا کی خبریں

انگلستان میں تعلیمی تنظیم

بورڈ آف ایجوکیشن لندن نے تعلیمی تنظیم کے بارے میں جو تجویزیں مرتب کی ہیں۔ ان میں ذیل کی اصلاحات کا ذکر ہے :-

۱- ۵ سال سے کم عمر کے بچوں کے لئے نرسری سکولوں کا تسلی بخش انتظام کیا جائے۔ جہاں خصوصیت سے اُن کی عادات اور جسمانی ترتیب کی دیکھ بھال کی جا سکے۔

۲- لازمی تعلیم کو ختم کرنے کی عمر ۱۵ سال مقرر کی جائے۔

۳- ابتدائی تعلیم گیارہ یا بارہ سال میں ختم ہو جانی چاہیئے۔ اور اس کے بعد ثانوی درجے کے مدارس میں اس کو جاری رکھا جائے۔

۴- ثانوی مدارس میں داخلے کے لئے اس وقت جو امتحانات دینے پڑتے ہیں۔ وُہ منسوخ کر دیئے جائیں۔ گیارہ یا بارہ سال کی عمر میں بچوں کے ریکارڈ کے مطابق اُن کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر لیا جائے۔ اور انہیں ثانوی تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ جہاں وُہ اپنے اپنے رجحانات کے مطابق تعلیم پاسکیں۔

۵- ۱۵ سال سے ۱۸ سال کی عمر تک۔ ان لوگوں کی نصف وقت کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ جو سارا وقت تعلیم پر صرف نہ کر سکتے ہوں۔ دیہاتی اضلاع میں جہاں حاضری مشکل یا کم ہوتی ہے۔ نوجوانوں کے کالج کے نام سے ادارے کھولے جائیں۔ جہاں ابتدا میں ہر ہفتہ ایک دن کی حاضری ضروری ہوگی۔ لیکن ممکن ہے۔ اس میں بعد میں اضافہ کیا جائے۔ اس کالج کا نصاب ثانوی مدارس کے نصاب سے بالکل مختلف ہوگا۔ اور اس میں اس خاص عمر کے لوگوں کی ضروریات اور دلچسپیوں کا خیال رکھا جائیگا۔

۶- مذہبی تعلیم کو تعلیم کا بنیادی جزو سمجھ کر ایک نئی تنظیم کے تحت مرتب کیا جائے گا۔

۷- اعلیٰ تعلیم کی موجودہ سہولتوں کو زیادہ وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے۔ تاکہ عوام یونیورسٹی کی تعلیم میں زیادہ حد تک شریک ہو سکیں۔

۸- پرائیویٹ مدرسوں کی تنظیم نئے سرے سے عمل میں آنی چاہیئے - تاکہ وہ مجوزہ تنظیم جدید میں تسلی بخش طور پر شریک ہوسکیں۔

۹- بالغوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے بہتر مواقع ملنے چاہئیں - اور ایسے تعلیمی کالجوں کو عام کر دیا جائے۔ جہاں کلچرل مسایل کی تعلیم دی جاسکے - ساتھ ہی اس بات کی ضرورت بھی شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ ملک میں صنعتی کاروباری اور فنی تعلیم کا انتظام کیا جائے - اور کارخانوں کا تعلق صنعتی اداروں اور آرٹ کے مدرسوں کے ساتھ کیا جائے۔

چین کی تعلیمی ترقی

سنہ ۱۹۰۵ء میں مانچو گورنمنٹ نے ایک شاہی فرمان کی رُو سے پرانا امتحانی طریقۂ تعلیم ختم کر دیا - اور موجودہ نئی تعلیم کی بُنیاد ڈالی - لیکن چونکہ ابھی حکومت کے قدم اچھی طرح سے جمے نہ تھے ، یہ تعلیم بھی ابتدائی بیس سال کے عرصہ میں کوئی قابل ذکر نتیجہ پیدا نہ کرسکی - اور درحقیقت جو کچھ بھی کامیابی اس ضمن میں ہوئی۔ اس کے لیئے چین کی جمہوری حکومت ذمہ دار ہے - چنانچہ جو اعداد و شمار ہمارے پاس ہیں - وہ ہمارے بیان کی تائید کرتے ہیں - چنانچہ ذیل کے نقشے سے گذشتہ بیس سال میں اداروں اور طالب علموں کے اضافہ کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔

	سنہ ۱۹۱۲ء	سنہ ۱۹۳۲ء
ابتدائی مدرسوں کی تعداد =	۸۶۲۱۸	۲۶۵۰۰۰
طالب علموں کی تعداد =	۲۷۹۳۶۳۳	۱۱۶۶۸۰۰۰
ثانوی مدارس کی تعداد =	۳۷۳	۱۹۰۰
ثانوی مدارس کے طلباء کی تعداد =	۵۲۱۰۰	۴۰۴۰۰۰
یونیورسٹیوں کی تعداد =	۴	۸۲
یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پڑھنے والے طلباء کی تعداد	ایک ہزار سے کم	۴۴۰۰۰

اوپر کے اعداد و شمار سے حکومت چین کی تعلیمی دلچسپی ظاہر ہوتی ہے - لیکن جب ہم ملک کی وسعت اور گنجان آبادی کا خیال کرتے ہیں - تو مجبوراً تسلیم کرنا پڑتا ہے - کہ ابھی اس ضمن میں بہت زیادہ کام

کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ میرے پاس اعداد و شمار نہیں۔ تاہم میرا خیال ہے۔ کہ زیادہ سے زیادہ چین کی آبادی کا دسواں حصہ خواندہ ہے۔ لیکن اس کی وجہ حکومت کی بے التفاتی اور کم توجہی نہیں۔ بلکہ وہ خلفشار ہے۔ جس سے عوام کو بار بار دستبرد کی وجہ سے دو چار ہونا پڑا ہے۔

چینی قومی حکومت کی موجودہ تعلیمی پالیسی یہ ہے۔ کہ بچوں کو ۶ سال ابتدائی مدارس میں ۳ سال جونیئر ہائی سکول اور ۳ سال سینیئر ہائی سکول میں تعلیم حاصل کرنا پڑتی ہے۔ اس کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ کی نوبت آتی ہے۔ جہاں ۴ سے لیکر ۶ سال تک رہنا پڑتا ہے۔ حکومت ایسے طالب علموں کو وظیفہ دیتی ہے۔ جو امریکہ، برطانیہ، اور دیگر مغربی ممالک میں خصوصیت کے ساتھ عملی سائینس کی تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں نانکنگ کی ایک تعلیمی کانفرنس میں قوم کی تعلیمی پالیسی کو واضح کیا گیا تھا۔ اور اس بات پر زور دیا گیا تھا۔ کہ نظری اور کتابی تعلیم کی بجائے ایسی تعلیم رائج ہو۔ جو قومی زندگی کے مسائل سے ساتھ پوری طرح مربوط ہو۔

جمہوریت چین کے بانی ڈاکٹر سن یات سین کا تعلیمی نظریہ بالکل علیحدہ تھا۔ ان کا خیال تھا۔ کہ کسی ملک کا تعلیمی نظام وہاں کے دستور اساسی کا عکس ہوتا ہے۔ اور ایک ایسے ملک میں جہاں کا سماجی نظام قابل اطمینان ہو۔ تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیئے۔ کہ لوگوں کو زندگی کے لئے تیار کیا جائے۔ یہ نظریہ افلاطون کے نظریہ سے ملتا جلتا ہے۔ وہ کنفیوشس کے نظریہ تعلیم پر زور دیتا تھا۔ اور اس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ "چیزوں کی ماہیت دریافت کرو۔ علم کی حدود کو وسعت دو۔ اپنے مقصد کی بنیاد حق و صداقت پر رکھو۔ اپنے دماغ کو مرتب کرو۔ جوہر ذاتی کو پیدا کرو۔ اپنے گھرانے پر حکومت کرو۔ ملک پر راج کرو۔ اور دنیا کو مطیع بناؤ۔" مختصر یہ ہے کہ تعلیم ایک تربیت ہے جس کے ذریعے انسان ایک مکمل شہری زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

میں اس موقع پر موجودہ چین کے طالب علموں کی خدمت میں خراج تحسین پیش کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ گذشتہ چالیس سال میں ملک پر جو مصیبتیں آئیں۔ انہوں نے اس میں بہت خوشی اور جوش کے ساتھ حصّہ لیا۔ اور قومی زندگی کے بنانے میں انہوں نے پیش روی کی خدمت انجام دی۔ وہ نہ صرف خود قومی سپرٹ کے حامل ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس سپرٹ کو ملک بھر میں بیدار کر دیا ہے۔ عہد نامہ ورسیلز کی جس ضمن کی رو سے یہ غیر منصفانہ فیصلہ صادر کیا گیا تھا کہ چین کے شانٹنگ جزیرہ نما پر جاپانی

قبضہ ہو۔ اس تحریک کے خلاف عوام میں جو جذبہ ناراضگی پھیلا تھا۔ اس کی ابتدا بھی یونیورسٹیوں ہی سے ہوئی۔ مسٹر نتیاؤ نے اپنی کتاب "بیدار چین" میں طالب علموں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے "قوم کو بیدار کرنے، عہد نامہ ورسیلز پر دستخط کرنے سے روکنے، اور سوداگروں کو جاپانیوں کا بائیکاٹ کرنے میں مدد دینے کے بعد طلباء نے اپنی تمام تر قوت اپنے کم علم بھائیوں اور بہنوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے میں صرف کی، اور یہ کام انہوں نے اس طرح سے کیا۔ کہ اخبارات جاری کئے، تقریریں کیں۔ اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ملک کے داخلی اور خارجی حالات سے آگاہ کیا۔ اور خاص کر کے مدارس کھولے۔ کے اخراجات انہوں نے خود برداشت کئے۔ اور لوگوں کے لئے مفت تعلیم کا انتظام کیا۔ اس قسم کی قربانی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ کیونکہ ان مدارس میں یہ طالب علم خود ہی اُستاد بن کر اپنے بھائیوں کو پڑھاتے ہیں۔ اس سکیم پہ ہر جگہ پوری سرگرمی اور مستعدی سے عمل جاری کیا جا رہا ہے۔ اور صرف پیکن ہی میں اندازہ کیا گیا ہے کہ اس قسم کے مدرسوں میں ۵۰ ہزار طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔"

آپ کو یہ سُن کر تعجب نہیں ہوگا۔ کہ جاپانیوں نے اکثر یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں پر بم برسائے ہیں۔ کیونکہ جاپانی سمجھتے ہیں۔ کہ یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلبہ کا والہانہ جذبۂ حُبِ وطن کو دشمن کی فوج کے مقابلہ میں بہت زیادہ خطرناک ہے۔

ساحلی علاقوں میں جاپانیوں نے اکثر ایسے قصبوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ جہاں یونیورسٹیاں تھیں یہ یونیورسٹیاں دور دراز پہاڑی علاقوں میں منتقل کر دی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں یونیورسٹیوں کو ہزاروں میل کا سفر طے کرنا پڑا۔ پھر کہیں جا کر انہیں امن اور تنہائی کی جگہ ملی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے ایک دن کے لئے بھی اپنا کام ملتوی نہیں کیا۔ یہ نظارہ آئے دن دیکھنے میں آتا تھا۔ کہ ہزاروں طالب علم اپنی برباد شدہ یونیورسٹیوں کے کتب خانوں کا بوجھ اپنے کاندھوں پہ لادے چلے جا رہے ہیں۔ کوئی سائنس کا سامان اُٹھائے چلا آ رہا ہے۔ اور کوئی تعلیم جدید کے دوسرے آلات۔ یہ نوعمر لڑکے اسی طرح پیدل چل کر سچوآن تک آئے۔ جہاں اس وقت چین کے کل ۳۰ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں سے ۱۸ چل رہے ہیں۔ اور صرف اتنا ہی نہیں۔ کہ کام باقاعدہ چل رہا ہے۔ بلکہ وزارت تعلیم کی تازہ رپورٹ سے ظاہر ہے۔ کہ طلباء کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ۱۹۴۰ء میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلباء کی تعداد ۴۴۴۲۲ تھی۔ حالانکہ ۱۹۳۷ء میں یہ تعداد صرف ۳۱۱۸۸ تھی۔

بُنیادی تعلیم

ہمارا گھر

یہ ایک مضمون ہے جو مربوط طریقۂ تعلیم کو ذہن میں رکھ کر لکھا گیا ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ بنیادی مدارس کے بچوں کو پڑھنے کے دلچسپ مصالح مل سکے۔ اور دوسرا مقصد یہ ہے۔ کہ اُستاد کی توجہ قدرتی ارتباط کی مثالوں کی طرف مبذول کی جائے۔ اس مختصر سے مضمون میں جنرل سائینس مطالعۂ ملی۔ اور زبان دانی کو قدرتی طور پر مربوط کیا گیا ہے۔ اور کہیں بھی زبردستی سے کام نہیں لیا گیا۔ امید ہے کہ سکولوں کے اُستاد اس قسم کے مضامین خود بھی تیار کریں گے۔ تاکہ درسی کتابوں کے مواد میں مفید اور دلچسپ اضافہ کیا جاسکے۔ اُستادوں کی واقفیت کے لئے مضمون کا تجزیہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

۱۔ مرکزی خیال :۔ رہائشی مکان اور اس کے اوصاف۔

سماجی معلومات	مختلف پیشہ ور اور اُن کے کام
جنرل سائینس	ہوا روشنی اور پانی کی صفائی کی اہمیت
زبان دانی	اچھے مکان کے اوصاف پر ایک چھوٹا مضمون یا ہوا روشنی اور پانی کی اہمیت۔

(غلام رسول نازکی)

ہم تم سے ایک بات پوچھتے ہیں۔ بھلا بتاؤ۔ تو سہی۔ جس وقت ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اُسے سب سے پہلے کس کس چیز کی ضرورت پڑتی ہے۔ سوچ کر جواب دو۔ ہاں ٹھیک ہے۔ سب سے پہلے اُسے زندہ رہنے کیلئے کچھ کھانے کو ملنا چاہیئے۔ تو وہ کیا کھائیگا۔ روٹی گوشت ؟ نہیں۔ وہ اس قسم کی چیزوں کو کہاں ہضم کرسکیگا۔ اُسے کھانے کو ایسی چیز ملنی چاہیئے۔ جو آسانی سے ہضم ہوسکے۔ کیونکہ اس کا معدہ بہت نازک ہوتا ہے۔ اور وہ بھاری چیزوں کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ سب سے ہلکی غذا دودھ ہے۔ چنانچہ ایک بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے۔ تو سب سے پہلے اپنی ماں کی چھاتیوں سے دودھ پینے لگتا ہے۔ اچھا اس کے بعد اسے اور کس چیز کی ضرورت پڑتی ہے؟ ہاں۔ بدن کو ڈھانپنے کے لئے کپڑے کی۔ اگر سردی کا موسم ہوگا۔ تو گرم کپڑا چاہیئے۔ گرمی کا موسم ہو۔ تو ہلکا

کپڑا درکار ہوگا۔ لیکن ہر صورت میں بچے کی چھاتی کو ڈھانپے رکھنا چاہیئے۔ ورنہ سردی لگنے اور زکام ہونے نیز نمونیہ کا اندیشہ ہوگا۔ اچھا۔ تو اس کے بعد اور کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ ہاں رہنے کے لئے مکان کی۔ اچھا بھلا بتاؤ تو سہی۔ مکان کیسا ہونا چاہیئے اور یہ مکان کس طرح سے تیار ہوگا۔ بس آپ ہی آپ بن جائیگا؟ نہیں۔

مکان کو بنانے کے لئے ہم کو کس کس چیز کی ضرورت پڑتی ہے۔ لکڑی۔ اینٹ، پتھر، چونہ۔ مصالح۔ لوہے کا سامان، لکڑی کا کام کرنے کے لئے نجار مقرر ہوتا ہے۔ یہ لوگ مکان کے طاق، دروازے، اس کی الماریاں، چھتیں، اور دیگر سامان مثلاً میز، کرسی، پلنگ، صندوق وغیرہ بناتے ہیں۔ اِن کے پاس اوزار ہوتے ہیں اور یہ کام اُنہوں نے مدتوں سیکھا ہوتا ہے۔ اوزار لوہار بنا دیتے ہیں۔ اور عام طور پر سارے اوزار لوہے اور فولاد سے تیار کئے جاتے ہیں۔ سنگتراش پتھروں کو ہموار بنا دیتے ہیں۔ اور راج اِن سے دیواریں کھڑی کر لیتے ہیں۔ مزدور چونہ، مصالح اور گارا تیار کر لیتے ہیں۔ اور اِس طرح اِن سب کے مل کر کام کرنے سے مکان تیار ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی سوچنے کے لایق ہے۔ کہ دُنیا کا کوئی کام کوئی آدمی اکیلے نہیں کر سکتا۔ دھوبی، درزی سے کپڑا دھلاتا ہے۔ نائی درزی سے کپڑے سلاتا ہے۔ درزی معمار سے مکان بنواتا ہے۔ اور جب تک کہ نہ کچھ سارے لوگ ایک دوسرے کا کام نہ کریں۔ دُنیا کا کام آسانی کے ساتھ اور پورے طور پر ہرگز نہیں چل سکتا۔ اِس لئے لازم ہے کہ ہم آپس میں پیار اور محبت سے رہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں ورنہ اگر ہم آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے۔ تو ہمارا کوئی بھی کام پورا نہ ہو سکیگا۔ سارے کام ادھورے رہینگے اور ہماری زندگی میں بڑی بے لطفی پیدا ہوگی۔

ہاں تو ہم یہ کہہ رہے تھے۔ کہ مکان کس طرح تیار ہو جاتا ہے۔ اب یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ مکان کیسا ہونا چاہیئے۔ یہ بتانے سے پہلے ہم تم کو ایک بات بتانا چاہتے ہیں۔ کہ انسان کو زندہ رہنے کے لئے کھانے پینے کے علاوہ جن دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ وہ ہوا اور روشنی ہے۔ اگر ہمیں ایک دو دن تک کھانا اور پانی نہ مل سکے۔ تو شاید ہم زندہ رہ سکتے ہیں۔ لیکن ہوا کے بغیر ایک منٹ بھی زندہ رہنا مشکل ہے۔ جس طرح مچھلی سمندر کے پانی میں رہتی ہے۔ اور اس کے چاروں طرف پانی ہی پانی ہوتا ہے۔ اِسی طرح ہمارے چاروں طرف ہوا ہی ہوا ہے۔ ہم اس ہوا کو دیکھ نہیں سکتے۔ اگر اس کا کوئی رنگ ہوتا۔ تو ساری دُنیا رنگین نظر آتی۔ کیونکہ دُنیا کی کوئی جگہ ہوا سے خالی نہیں۔ اگر یہ ہوا بند ہو جائے۔ تو ہر جاندار صاف مر جائے گا۔ اور اگر گندی ہو جائے

تو اس کی صحت برباد ہو جائے گی۔ اسی طرح دوسری چیز روشنی ہے۔ اگر ہم ایک پودے کو اندھیرے کمرے میں رکھ دیں۔ تو یہ ہلہلا تا ہوا پودا چند دنوں میں ہی مرجھا کر رہ جائیگا۔ پودوں میں بھی ہماری طرح جان ہے۔ جب اُسے روشنی نہ ملی۔ تو سوکھ گیا۔ یہی حال انسان اور دوسرے جانداروں کا ہے۔ اگر انہیں بھی تاریک کمروں میں رکھا جائے۔ تو اُن کا رنگ پیلا پڑ جائے گا۔ انگریزی میں ایک مثال ہے۔ جس گھر میں روشنی نہیں جاتی۔ وہاں ڈاکٹر جاتا ہے۔ اب تم خود ہی سوچو ڈاکٹر کسی کے گھر میں کیوں جاتا ہے۔

اب تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ ہوا اور روشنی کتنی ضروری چیزیں ہیں۔ پس چاہیئے۔ کہ مکان بناتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے۔ کہ اس میں روشنی اور ہوا کی آمد و رفت کا معقول اور مناسب انتظام ہو کمرے میں جانداروں کے بیٹھنے سے کمرے کی ہوا اُن کی سانسوں سے گرم اور گندی ہو جاتی ہے۔ ہوا جب گرم ہوتی ہے۔ تو وہ اوپر کی طرف اُٹھنے لگتی ہے۔ اگر کمرے کے اوپر والے حصے میں اس گندی ہوا کے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ تو یہ ہوا انسان کی تندرستی کو برباد کر دیتی ہے۔ اِس لئے لازم ہے کہ کمروں میں روشن دانوں کا انتظام ضرور کیا جائے۔ کھڑکی کے مقابلے میں کھڑکی رکھنے سے آرپار کی ہوا کا انتظام ہو جاتا ہے۔ اور گندی ہوا کو باہر نکلنے اور تازہ ہوا کو اس کی جگہ اندر آنے کا موقعہ ملتا ہے۔ اور اس طرح کمرہ صاف و پاک رہتا ہے۔ اس لئے ہر مکان میں روشن دانوں اور آرپار کی کھڑکیوں کا انتظام ضرور ہونا چاہیئے۔

مکان بناتے وقت اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ کہ مکان نشیب میں واقع نہ ہو۔ ذرا اونچائی پر ہو۔ اس کے ہمسائے میں کوئی تالاب یا جوہڑ نہ ہو۔ جہاں مچھر اور دوسرے زہریلے کیڑے پرورش پاتے ہیں۔ غسل خانے اور باورچی خانے سے جو پانی نکلتا ہے۔ اُس کے لئے پکی نالیاں ہوں۔ باورچی خانہ رہنے کے مکان سے الگ ہو۔ اِس کے علاوہ مکان کی ہر چیز صاف ستھری ہو۔ پاخانے کو دن میں کم از کم دو دفعہ صاف کیا جائے۔ بیٹھنے کا کمرہ الگ ہو۔ اور سونے کے کمرے الگ۔ رات کو کھڑکیاں بند کر کے سونا یا لحاف میں منہ ڈھانپ کر سونا بھی سخت مضر ہے۔ کیونکہ اس سے ہوا کی آمد و رفت بند ہو جاتی ہے سردیوں میں بند کمروں کے اندر انگیٹھی جلا کر سونا، یا کوئلے جلانا تو سخت خطرناک ہے۔ اور بعض دفعہ آدمی اس طرح مر بھی جاتا ہے۔ ایک کمرے میں ایک سے زیادہ آدمیوں کا سونا بھی صحت کے لئے مضر ہوا کرتا ہے۔ جانوروں کے رکھنے کے لئے الگ مکان کا ہونا بہت

ضروری ہے۔ جانوروں اور انسانوں کا ایک ہی کمرے یا ایک ہی مکان میں رہنا سخت خطرناک ہے۔

تم نے دیکھا ہوگا۔ کہ ہمارے ملک میں اکثر مکانات کی چھتیں دو طرفہ ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہاں سخت برف گرتی ہے۔ اور برف کے بوجھ سے عموماً مکان بیٹھ بھی جایا کرتے ہیں۔ برف کو اُتارنے کے لیئے اس قسم کی دو طرفہ چھتیں بنائی جاتی ہیں۔ تاکہ برف آسانی سے اُتاری جاسکے۔ پہاڑی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے مکانات عموماً پست ہوتے ہیں۔ اور ان میں ہوا کی آمد و رفت کا بھی بہت کم انتظام ہوتا ہے۔ کیونکہ ان علاقوں میں سخت سردی ہوتی ہے۔ پنجاب اور ہندوستان کے دیگر علاقوں میں مکانوں کی چھتیں ہموار ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہاں پر برف نہیں گرتی۔ بارش کے پانی کے جمع ہونے کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ بدرروں کا انتظام معقول ہوتا ہے۔

تعلیمی سرکلر

ناکام مدرسے

(سرکلر دفتر ناظم تعلیمات جموں و کشمیر)

نوٹ :- ذیل میں ہم جناب ناظم تعلیمات کے ایک سرکلر کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ جو ایسے مدارس کے متعلق ہیں۔ جو کسی نہ کسی وجہ سے ناکام رہتے ہیں۔ اُمید ہے۔ کہ اُستاد اور افسران اس پر عمل کر کے مدرسوں کو ناکام ہونے سے بچائیں گے۔　　(غلام رسول نازکی)

ایسے مدارس کی مثالیں وقتاً فوقتاً محکمہ کے مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں۔ جہاں طلبہ کی تعداد گھٹتے گھٹتے اتنی کم ہوگئی ہے۔ کہ آخر کار مدرسہ یا تو بند کرنا پڑا ہے۔ یا اس کے کسی اور جگہ منتقل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ یہ صورت حالات تعلیمی لحاظ سے افسوسناک ہے۔ کیونکہ اس سے اکثر اوقات سالہا سال تک روپیہ طاقت اور وقت ضایع ہوتا رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں معائینہ کرنے والے افسران کے ساتھ بات چیت کی گئی۔ عام طور پر وہ اسباب جن کے زیر اثر مدارس کو بند کرنا پڑتا ہے۔ خواہ وہ انفرادی ہوں۔

یا عدمی مندرجہ ذیل ہیں ۔

۱۔ مقامی باشندوں کی طرف سے بے اعتنائی اور کم توجہی کا اظہار۔

۲۔ مدرس کی کم توجہی، نا قابلیت اور بے بضاعتی۔

۳۔ مدرسہ کے افتتاح کے وقت ناموزوں مقام کا انتخاب، اس کی وجہ یا تو یہ ہوگی۔ کہ اور مدارس نئے مدرسے کے بالکل نزدیک ہوں گے ۔ اس مقام کی آبادی کم ہوگی، یا وہاں کے لوگ خانہ بدوش ہوں گے، جیسا عام طور پر پہاڑی علاقوں میں ہوتا ہے ۔

۴۔ نئے مدارس میں جہاں ایک ہی مدرس کام کرتا ہو۔ ایک ناتجربہ کار اُستاد کا تعین۔

۵۔ اس مقام کے لوگوں کی خاص ضرورت اور اُن کے خصوصی مطالبہ کا پورا نہ ہونا مثلاً مذہبی تعلیم۔

یہ معائنہ کرنے والے افسران اور اساتذہ کا کام ہے، کہ وہ ہر مدرسہ کی حالت کا بغور مطالعہ کرکے مطمئن ہو جائیں۔ کہ مندکرہ صدر وجوہات میں سے وہ کون سے اسباب ہیں۔ جو مدرسہ کو ناکام بنا رہے ہیں۔ (مندکرہ صدر وجوہات کے علاوہ اور اسباب بھی ہوسکتے ہیں) علاج کے لئے صحیح تشخیص ضروری ہے اور اسطرح صحیح معنوں میں آدھی جنگ جیتی جاچکی ہے ۔ درست اسباب معلوم کرنے کے بعد مدرسہ کا ملاحظہ کیا جائے ۔ بارسوخ اور لائق مقامی اشخاص سے گفت وشنید کی جائے ۔ اور اس کے بعد معائینہ کرنے والے افسران مدرسہ کی ناکامی کے اسباب کو دور کرنے کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

چونکہ ہر مدرسہ ایک معائینہ کرنے والے افسر کے لئے ایک انوکھا اور جداگانہ مسئلہ ہے، اور ہر مدرسہ افسر کی ذہانت اور معقولیت کو معرض امتحان میں لانے کا موجب بنتا ہے ۔ اس لئے افسران کی رہنمائی کے لئے قبل از وقت ہدایات اور قواعد کو مرتب کرنا ممکن نہیں ۔ تاہم ذیل کی تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔ ان سے معائینہ کرنے والے افسران کو مدد مل سکتی ہے ۔ کہ وہ مناسب اقدامات کرسکیں خصوصاً جب وہ دیکھ لیں۔ کہ کسی مدرسہ کی تعداد میں کمی ہونے لگی ہے ۔ اور روبہ تنزل ہے ۔

(۱) عوام کی بے توجہی کا مسئلہ ایک لاینحل مسئلہ نہیں ہے ۔ اگر غور سے دیکھا جائے ۔ تو معلوم ہو جائیگا کہ مدرسہ عوام کے لئے جاذب توجہ نہیں بن سکا ہے ۔ اور عوام محسوس نہیں کرتے ۔ کہ مدرسہ اُن کے بہ اُن کے بچوں کے لئے کوئی قابل ذکر کام کر رہا ہے ۔ اگر اُستاد مخلص، سرگرم اور اپنے فن میں ماہر ہے۔ اگر وہ والدین کے ساتھ راہ ورسم پیدا کر سکتا ہے ۔ اور اُن کا تعاون حاصل کر سکتا ہے ۔ اگر وہ انہیں مدرسہ

کے جلسوں پر بلا سکتا ہے۔ سوشل سروس اور دیگر مفید مشاغل کے مظاہرہ سے اُن پر واضح کر سکتا ہے۔ کہ وہ اُن کے بچوں کی زندگی میں جان ڈال رہا ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو جماعت کا ایک مفید کارکن ثابت کر سکتا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ عوام مدرسہ سے بیزار نظر آئیں۔

(۲) بعض حالات میں یہ بھی دیکھا گیا ہے۔ کہ مدرسین اپنے پیشہ کے ساتھ غداری کر کے خود اپنے ہاتھوں مدرسہ کو برباد کر ڈالتے ہیں۔ اور ایسا کرنے سے اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ مدرسہ کو کسی ایسی جگہ منتقل کرا سکیں۔ جو اُن کے لئے ذاتی طور پر مفید اور موافق ہو۔ اگر اس قسم کی کوئی شکایت ثابت ہو جائے۔ تو مدرسہ کو مدرس کے مفید مطلب مقام پر منتقل کر کے اس کی بد دیانتی اور غداری کی حوصلہ افزائی نہ کرنی چاہیئے۔ مناسب اور موزوں انضباطی کارروائی کے علاوہ اُسے کسی دُوسرے ناموافق مقام پر تبدیل کر دینا چاہیئے۔ اگرچہ محکمہ کی عام پالیسی یہ ہے کہ مدرسین کو ہر ممکن سہولیت دی جائے۔ اور جہاں تک انتظامی حالات اجازت دیں۔ انہیں اپنے اپنے مقامات پر متعین کیا جائے۔ اور کم تنخواہ پانے والے اساتذہ کے حق میں اس پالیسی کا خاص خیال رکھا جائے۔ لیکن ایسے غیر مستحق اشخاص کو اس قسم کی کوئی رعایت نہ دینی چاہیئے۔

(۳) اسسٹنٹ انسپکٹر صاحبان کو ہر سال نئے مدارس کے مقامات تجویز کرتے وقت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ کچھ عرصہ ہُوا۔ محکمہ نے خواہش ظاہر کی تھی۔ کہ اسسٹنٹ انسپکٹر صاحبان اپنے اپنے ڈویژنوں کا ایک تعلیمی سروے مکمل کریں۔ ایسے مقامات کی ایک فہرست مرتب کر لیں، جہاں آنے والے دس سال کے اندر مدارس کھولے جانے مطلوب ہوں۔ فہرست میں اُن مقامات کا نام پہلے لکھ دیں جہاں مدرسہ کھولنے کی ضرورت زیادہ ہے۔ بعض افسروں نے یہ سروے رپورٹ بھیج دی ہے۔ لیکن وہ جس حالت میں پہنچی ہے۔ اُسے نہ مکمل کہا جا سکتا ہے۔ نہ دُرست، اب چونکہ نئے اعداد و شمار جلد ہی شایع ہونے والے ہیں۔ وہ دیہات کی صحیح آبادی، محل وقوع اور دیگر ضروری باتیں معلوم کر لیں، اور حتی الامکان ہر ڈویژن یا تحصیل کے تعلیمی نقشے مرتب کرا لیں۔ جو مقابلہ اور پڑتال میں مدد دے سکیں اور جس وقت وہ اس سلسلہ میں اپنی تجاویز بھیجدیں۔ تو ذیل کی باتوں کی طرف خاص توجہ دیں۔

(الف) جہاں تک حالات اجازت دیں۔ وہ اُن مقامات کا معائنہ کر لیں، جہاں نئے مدارس کھولنے کی تجویز کی جانے والی ہو۔ وہاں کے مقامی حالات سے آگاہ ہو جائیں۔ اور افسران مال سے

واقفیت حاصل کریں۔

(ب) وہ اس گاؤں کی صحیح آبادی معلوم کرلیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ملحقہ دیہات کی آبادی بھی لکھ بھیجیں جہاں سے وہاں تک آنا جانا سہل ہو۔

(ج) قریب ترین سرکاری یا امدادی مدرسہ یا پاٹھ شالہ یا مکتب کا نام اور فاصلہ بتا دیا جائے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا جائے۔ کہ ان مدارس میں تعداد کتنی ہے۔

(د) جس سال مدرسہ کھولا جائے۔ معائنہ کرنے والے افسر دو دفعہ اس کا ملاحظہ کرلیں۔ پہلا معائنہ اس مقصد سے ہوگا۔ کہ مدرسہ کا افتتاح باقاعدہ ہو۔ اور فوری ضروریات مہیا ہوسکیں۔ دوسرا معائنہ سال کے اختتام پر ہوگا۔ اور اس کا مقصد یہ معلوم کرنا ہوگا۔ کہ مدرسہ کتنی ترقی کرچکا ہے۔ اور اگر مدرس کوئی ابتدائی غلطی کرچکا ہے۔ تو اس کی درستی کی جائے۔

۴۔ ایک استاد والے نئے مدارس میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ ناتجربہ کار امیدواروں کو ایسے مدارس میں نہ لگایا جائے۔ بے شک اگر کوئی امیدوار مقامی ہونے کی وجہ سے کافی اثر و رسوخ کا مالک ہوگا۔ اور اس کا تقرر مدرسہ کی ترقی میں مفید ثابت ہوگا۔ تو اس کو متعین کیا جائے۔

۵۔ مسلمان، ہندو، سکھ، اور بدھ اساتذہ کا تعین ان ایک استاد والے مدارس میں فائدہ مند ہوگا۔ جہاں ان کے ہم مذہب لڑکے زیادہ تعداد میں پڑھتے ہوں، یا صرف وہی ہوں۔ ایسے مدارس میں جہاں ایک سے زیادہ اساتذہ لگے ہوں۔ اور جہاں مختلف مذاہب کے بچے پڑھتے ہوں۔ مدرسین کا تعین کرتے وقت مختلف مذاہب کے پیروؤں کی مناسب نمائندگی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ ایک استاد اپنے ہم مذہب بچوں کو مذہبی تعلیم بھی دے سکتا ہے۔

اگر ان باتوں کی طرف توجہ دی جائے۔ اور معائنہ کرنے والے افسران اور اساتذہ ذمہ داری کا احساس رکھتے ہوں، تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی، کہ ایک مدرسہ کیوں ناکام ہوکر بند ہو جائے۔ یہ ایک عام اصول ہے، کہ غیر معمولی حوادث کو ایک طرف چھوڑ کر ایک اچھا مدرسہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ صرف ایسے مدارس پہلے کمزور اور پھر بند ہو جاتے ہیں۔ جن کی طرف توجہ کم دی جاتی ہے۔ اور جن کو چلانے والے غفلت اور تساہل سے کام لیتے ہیں۔

***

اُستادوں کی خط وکتابت

"دلیش بھگت" کا خط

حکومت جموّں وکشمیر کے محکمۂ تعلیم کا ایک اصول یہ ہے۔ کہ تعلیمی معاملات میں اُستادوں اور پبلک کو جائز آزادئ رائے کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔ اور محکمہ کے کاموں کے بارے میں ان کی تعمیری تنقید کا خیر مقدم ضروری ہے۔ اسلئے "تعلیم جدید" میں "اُستادوں کی خط وکتابت" کے عنوان سے ہم ایک مستقل باب کھول رہے ہیں۔ اور اس ضمن میں ایسے مراسلات شایع کئے جائیں گے۔ جن میں اُستادوں کی مشکلات کا ذکر ہو۔ یا جائز اور نیک نیتی پر مبنی نکتہ چینی کی جائے یا بحث طلب تعلیمی مسایل کو اظہار رائے کے لئے اٹھایا جائے۔ ایسے خطوں کے جواب بھی ادارہ کی طرف سے یا دوسرے اُستادوں اور افسروں کی طرف سے شایع کئے جائیں گے۔

کچھ عرصہ ہُوا۔ "دلیش بھگت" کے قلمی نام سے غالباً کسی اُستاد کی طرف سے محکمۂ تعلیم کو ایک طویل خط موصول ہُوا تھا۔ جس میں سرینگر کے بعض پرائمری سکولوں کے نقائص کا ذکر تھا۔ اور ان کے ازالہ کی تدابیر پیش کی گئی تھیں۔ ہم اس چٹھی کے بعض ضروری "اقتباسات" کے ذریعے اس باب کا افتتاح کرتے ہیں۔ (ادارہ)

سری نگر شہر کے پرائمری سکولوں کے انتظامی اور تعلیمی امور کو درست کرنے کے لئے میں چند عملی تجاویز پیش کر رہا ہوں۔ اُمید ہے۔ کہ عوام کی بہبودی کی خاطر جناب ان پر ہمدردانہ غور کرسکیں گے۔ میری رائے میں ان سکولوں میں جو تعلیمی طریقے رائج ہیں۔ ان میں بعض نقائص ہیں۔ ان نقائص کو دور کرنے کے لئے میرے خیال میں ذیل کے طریقے مفید ہوں گے۔

(۱) تقریباً تمام پرائمری سکولوں کے ٹائم ٹیبلوں میں ایک بڑی خرابی یہ ہے۔ کہ پہلی جماعت جو تعلیمی عمارت کا سنگ بنیاد ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ توجہ کی مستحق ہے۔ اکثر سینئر ہی ٹیچر کے سپرد کر دی جاتی ہے۔ عام طور پر ان اُستادوں کو اُردو زبان سے بہت کم واقفیت ہوتی ہے۔ اور تعلیم زبان کے عملی طریقوں کے متعلق شاید انہیں کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ میری رائے میں یہ جماعت سب سے زیادہ محنتی، کارکن اور ٹرینڈ اُستاد کے حوالے کرنی چاہیئے۔ جن مدارس میں عملہ ناکافی ہوتا ہے۔ وہاں

پرائمری قابلیت جو جماعت جس میں لڑکوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ پڑھائی کے لئے اکثر کسی دوسری جماعت کے ساتھ ملا دی جاتی ہے۔ معائنہ کرنیوالے افسران کو خاص طور پر اس طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے۔ معائنہ کے وقت انہیں سکول کا ٹائم ٹیبل احتیاط کے ساتھ دیکھنا چاہیئے۔ اور یہ اور اس قسم کی دوسری خرابیاں دور کرنے کے لئے موثر قدم اٹھانا چاہیئے۔

(۲) شہر کے استادوں میں ایک خاص تعداد اس قسم کی ہے۔ کہ بحیثیت معلم کے وہ کافی کامیاب اور ماہر ہوتے ہیں۔ لیکن انتظامی سلیقہ کی کمی کی وجہ سے ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے قطعاً ناکامیاب ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے اصحاب کو ماتحت حیثیت میں مڈل سکولوں میں تعینات کرنا چاہیئے۔ اس قسم کے کئی استاد اس وقت پرائمری سکولوں میں بطور ہیڈ ماسٹر کام کر رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ تعلیمی کام کی سستی اور خرابی کے علاوہ یہ بھی ہے۔ کہ سالانہ امتحانات کے موقعہ پر ادنیٰ جماعت کے طلبہ اعلیٰ جماعتوں میں ناواجب طریقے سے ترقی حاصل کر لیتے ہیں۔ میرے خیال میں صرف محنتی، دیانتدار اور اچھے کارکن بطور ہیڈ ماسٹر لگائے جائیں۔ کیونکہ وہ تعلیمی گاڑی کے چلانے والے ہیں۔

(۳) پرائمری کے پہلے درجہ سے دوسرے درجہ میں ترقی دینے کے قواعد بہت سی تعلیمی خرابیوں کی جڑ ہیں۔ اکثر تمام طلبہ جو ڈیڑھ سال تک پہلے درجہ میں رہ چکے ہیں، اوسط حاضری اور علمی قابلیت کا خیال کئے بغیر دوسرے درجہ میں چڑھا دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے پہلے درجہ سے تدریجی ترقی کا سلسلہ ٹھیک رکھنے کے لئے دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں درجے میں انہیں خواہ مخواہ ترقی دینی پڑتی ہے۔ اور یہ تعلیمی لحاظ سے مفید نہیں۔ بلکہ نقصان کا باعث ہوتا ہے۔

(۴) معائنہ کرتے وقت ذمہ دار افسر عموماً استادوں سے ضروری مسئلوں اور تعلیمی مشکلات کے متعلق بات چیت نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اساتذہ اپنے فرائض سے تغافل برت کر بعض ضروری چیزوں کی طرف بھی دھیان دینا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کی چیزوں میں سب سے پہلی اور ضروری چیز سکول لائبریری ہے۔ اگر جناب کو کبھی اچانک کسی پرائمری سکول کے معائنے کا اتفاق ہو۔ تو پتہ چلیگا۔ کہ بعض سکولوں میں لائبریری کی کتابیں بچوں کو پڑھنے کے لئے نہیں دی جاتیں۔ اگر متعلقہ استاد سے کتابوں کے لین دین کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ تو وہ غالباً چند نادرست اعداد و شمار ملاحظہ کے لئے پیش کریگا۔ اگر افسران معائنہ صرف رپورٹ ہی طلب کرنے پر اکتفا کریں تو ممکن ہے اس کے جواب میں بعض فرض ناشناس استاد لڑکوں کے نام

کتابیں درج کر کے فرضی اعداد و شمار پیش کر دیں۔ لیکن عملاً موقعہ پر معائنہ کرنے سے اس بات کی حقیقت واضح ہو جائیگی
اس کے علاوہ کھیلیں، سکاؤٹنگ اور ڈرل بھی کافی توجہ طلب ہیں۔ بعض سکولوں میں طلباء کو نقشہ پڑھنے کی مشق نہیں دی جاتی۔ اور محض چند امتحانی سوالات اور اُن کے بچے تُلے جواب رٹانے ہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات پانچویں جماعت کے طلبہ بھی نقشہ پر بمبئی یا دہلی کا ٹھیک محل وقوع نہیں بتا سکتے۔

(۵) جماعت میں جانے سے پہلے عموماً استاد اپنے اسباق کی تیاری نہیں کرتے۔ اُن میں سے بعض کی ڈائریاں صرف ٹائم ٹیبل کی نقلیں ہوتی ہیں اور بس! بعض اُستاد جنہوں نے ٹریننگ حاصل نہیں کی۔ مندرجہ ذیل ڈائری لکھا کرتے ہیں ؛

گھنٹی	جماعت	مضمون	سبق
IX	III	جغرافیہ	صفحہ ۱ سے ۱۵ تک

ڈائری کا یہ طریقہ بالکل نامکمل اور ناکافی ہے۔ جن اُستادوں نے بیسک ٹریننگ پائی ہے۔ ان کو ہدایت ہونی چاہیئے۔ کہ وہ دوسرے اُستادوں کو ڈائریاں اور اسباق لکھنے کا طریقہ سکھلائیں۔

(۶) کبھی کبھی بعض تعلیمی افسر ایک اُستاد کو کسی تعلیمی بے ضابطگی کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ کسی مصلحت کی بناء پر اُس سے چشم پوشی کر لیتے ہیں۔ لیکن جب کسی وجہ سے پبلک میں ایسے اُستاد کے خلاف شور پیدا ہو جاتا ہے۔ اُس وقت اسے سزا دی جاتی ہے۔ لیکن اس کی بدولت اُستادوں کا طبقہ پبلک میں بدنام ہو جاتا ہے۔ اگر متعلقہ افسر اس قسم کے اُستاد کو پہلے ہی مناسب سزا دیں۔ تو اُستادوں کی عزت اور وقار کو صدمہ نہ پہنچے۔ اِس لئے تعلیمی افسران کو اس بارہ میں زیادہ محتاط ہونیکی ہدایت فرمائی جائے۔

میں نے یہاں پر صرف تعلیمی خرابیوں کا ذکر کیا ہے خوبیوں کا نہیں۔ مجھے احساس ہے۔ کہ جناب کی تشریف آوری سے ریاست کے تعلیمی نظام میں حیرت انگیز ترقی پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن اس قسم کی چھوٹی چھوٹی خرابیاں بھی اس شاندار ترقی کے دامن پر بدنما دھبے معلوم ہوتی ہیں۔ اِس لئے اِن کا سدباب ضروری ہے۔

آخر میں مَیں نہایت ادب سے عرض کروں گا۔ کہ یہ محض میرے ذاتی تاثرات ہیں۔ جنہیں میں جناب کی خدمت میں انتہائی ادب، اخلاص اور دیانتداری کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔ ممکن ہے اِن میں سے بعض میں محض میری نظر کا قصور ہو۔ مگر ان کے پیش کرنے میں کسی طرح کا سوء ادب یا تعلیمی بد دیانتی خارج از بحث ہے۔

جناب کا مخلص

"سوبھیش بھگت"

(نوٹ) :- ادارہ اس خط کا خیر مقدم کرتا ہے۔ جہاں لوگوں میں گمنام خط لکھنے کا عام مرض ہو۔ اور وہ تمام حملہ ذاتیات پر مبنی ہو رہا ہو۔ وہاں اس قسم کا غیر ذاتی اور تعلیمی دلچسپی کا ثبوت دینے والا خط یقیناً ایک نیک فال ہے۔ ادارہ اس کے متعلق فی الحال مندرجہ ذیل مختصر اشارات لکھنا کافی سمجھتا ہے۔

یہ خط اب سے کافی عرصہ پہلے لکھا گیا ہے۔ اس دوران میں محکمہ نے از خود مندرجہ ذیل اقدامات کئے ہیں۔

(۱) جماعت اول کی تعلیم کے متعلق ضروری ہدایات جاری کی گئی ہیں۔ امید ہے کہ اُن پر دیانتداری کے ساتھ عمل کرنے سے اس بنیادی جماعت کی تعلیم بہت بہتر ہو جائیگی۔ ان کا خلاصہ رسالہ میں اُستادوں کی یاد دہانی کے لئے درج کر دیا جائیگا۔

(۲) انسپکٹر مدارس کشمیر نے سری نگر کے پرائمری مدارس میں اس قسم کا تغیر و تبدل کیا ہے۔ کہ وہاں زیادہ مستعد اور باخبر اُستادوں کو بحیثیت ہیڈ ماسٹر کام کرنے کا موقع ملے۔

(۳) بچوں کا کسی جماعت میں عرصہ تک رہنا تعلیم کے ناقص ہونے کا ثبوت ہے۔ بالخصوص ابتدائی جماعتوں میں کسی بچے کو سال ڈیڑھ سال سے زیادہ رکھنا اس کے لئے نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ اگر مدرسے کا کام باقاعدگی اور محنت سے کیا جائے۔ اور جماعت میں کوئی خاص طور پر غبی بچے نہ ہوں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ سال کے ختم پر اگلی جماعت میں ترقی نہ پائیں۔ لہٰذا موجودہ قواعد میں ترمیم غیر ضروری ہے۔

(۴) پرائمری سکولوں کا زیادہ مفصل اور بار بار معائنہ کرنے کے لئے اسسٹنٹ ڈپٹی انسپکٹران کا تقرر کیا گیا ہے۔ اور انہیں ہدایت کی گئی ہے۔ کہ وہ مدرسوں کے تمام مشاغل اور بالخصوص کتب خانوں کے استعمال کی طرف خاص توجہ کریں۔ محکمہ کو اس امر میں شاید سب امور سے زیادہ دلچسپی ہے۔ اور امید ہے۔ کہ بہت جلد اس بارے میں مفصل ہدایات اور تجاویز سرکلر یا رسالے کی شکل میں شائع کیجائینگی۔

(۵) سماج کے دوسرے گروہوں کی طرح اُستادوں میں بھی مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ فرض شناس اور فرض سے غفلت کرنے والے، باخبر اور بے خبر، مستعد اور آرام طلب۔ محکمہ کی مسلسل کوشش یہ ہے۔ کہ پہلی قسم کے لوگوں میں اضافہ اور دوسری قسم کے لوگوں میں تخفیف ہو۔ ریفریشر کورسوں کے ذریعہ اب اُستادوں میں مقابلتاً بہت زیادہ بیداری اور واقفیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ افسران معائنہ بالخصوص اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹران کو یہ ہدایت کی گئی ہے۔ کہ وہ مدرسوں میں جا کر محض نکتہ چینی نہ کریں۔ بلکہ اُستادوں کے ساتھ مل جل کر کام کریں۔ انہیں بہتر تعلیمی طریقوں سے روشناس کریں۔ ڈائری لکھنا

سکھائیں۔ اور نئے تعلیمی خیالات سے آگاہ کریں۔

(۶) ہم تو یہ چاہتے ہیں۔ اور یہی محکمہ کا آئیڈیل ہے۔ کہ اُستاد اپنے انتظامی افسروں کو حتی الامکان اس بات کا موقع ہی نہ دیں۔ کہ وہ ان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی عمل میں لائیں! اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ (ادارہ)

اقتباسات

مدرسوں کیلئے ہدایات

ذیل میں جناب ناظم تعلیمات ریاست جموں و کشمیر کے معائنہ کی رپورٹوں میں سے چند اقتباسات یا تراجم دیئے جاتے ہیں۔ جو صاحب ممدوح نے وقتاً فوقتاً مختلف مدارس کے متعلق لکھے ہیں۔ چونکہ ان باتوں کا تعلق تمام مدرسوں کے ساتھ ہے۔ اس لئے اساتذہ اور دیگر متعلقہ اصحاب کی رہنمائی کے لئے شائع کئے جاتے ہیں تمام معائنہ کرنے والے افسران سے درخواست ہے۔ کہ وہ براہ کرم اپنے اُن ریمارکس کی کاپیاں ہمارے پاس بھیجتے رہیں۔ جن کی اشاعت سے اُن کے خیال میں اُستاد عام طور پر مستفید ہو سکتے ہیں۔ (ادارہ)

کتب خانہ

بعض مدارس میں کتابوں کی تعداد بہت کافی ہوتی ہے۔ لیکن بچوں کے کام کی بہت کم کتابیں ہوتی ہیں تقریباً ۵۰ فیصدی بچوں کے استعداد سے بالاتر ہوتی ہیں۔ اردو اور ہندی کتابوں میں سے بھی بہت کم عام دلچسپی کی ہوتی ہیں۔ اور ان کا بھی باقاعدہ استعمال نہیں کرایا جاتا۔ مثلاً اس سکول میں اوسطاً اونچی جماعتوں کے لوگوں نے زیادہ سے زیادہ تین ماہ میں ایک کتاب پڑھی ہے۔ جو بہت ناقابل اطمینان ہے۔ ان حالات میں بچوں سے عمدگی کے ساتھ اظہار خیال یا وسعت معلومات کی توقع رکھنا بے کار ہے۔

(۲) - اسی طرح بچوں کی ایک لائبریری موجود ہے۔ لیکن چھان بین کرنے سے مجھے اندازہ ہوا۔ کہ اس کا استعمال شاید بالکل ہی نہیں کرایا جاتا۔ نہ بچوں کو عام اور دلچسپ کتابیں پڑھنے کے لئے سکول میں وقت دیا جاتا ہے۔ نہ کوئی باقاعدہ انتظام اُن کے نام گھر پر پڑھنے کے لئے کتابیں دینے کا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں تیزی اور سمجھداری کے ساتھ کتابیں پڑھنے کی عادت ہی نہیں پڑتی۔ اور جب تک وہ سکول میں رہتے ہیں۔ اُن کی

خواندگی کمزور اور تمام معلومات بہت محدود رہتی ہیں۔ اور جب وہ سکول چھوڑ دیتے ہیں تو بہت جلد خواندگی کو بھول جاتے ہیں۔ اور پھر ناخواندہ بن جاتے ہیں۔ اس زبردست نقصان کی روک کے لئے سکول میں عام مطالعہ کی عادت پیدا کرنے اور پانچویں جماعت تک ہر بچے کو کم سے کم بیس پچیس کتابیں پڑھانے کی ضرورت ہے۔

(۳) بعض مدارس میں لائبریری سے پڑھنے والوں کی تعداد اتنی حوصلہ افزا اور دلخوش کن ہوتی ہے کہ ان اعداد و شمار کی صحت میں شک سا پڑتا ہے۔ مثلاً ۶ ماہ کے عرصہ میں ایک سکول کے بچوں نے رجسٹر کی رُو سے تین سے لے کر ۱۲ تک کتابیں پڑھی ہیں۔ لیکن ان اعداد و شمار کی چھان بین کرنے سے اکثر معلوم ہوا۔ کہ یہ اعداد درست نہیں۔ یا تو اُستادوں نے اعداد کے تیار کرنے کا غلط طریقہ استعمال کیا۔ یا شاید انہوں نے ارادتاً غلط اعداد پیش کئے۔ بچوں سے سوال کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ انہی لڑکوں نے بھی دو سے زائد کتابیں نہیں پڑھی تھیں۔ بعض بچے کتاب کے مضمون اور مصنف کے نام تک سے بھی واقف نہیں۔ افسران معائنہ کو اور ہیڈ ماسٹر کو ایسے ذرائع اختیار کرنے چاہئیں۔ جن سے اندازہ ہو سکے۔ کہ واقعاً بچوں نے کس حد تک کتب خانے سے فائدہ اٹھایا ہے۔

"گاؤں کا مدرسہ"

ذیل میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب پرنسپل جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی اس تقریر کا ایک اقتباس دیا جاتا ہے۔ جو آپ نے اوکھلے (دہلی) ایک گاؤں کے چھوٹے سے مدرسے کی رسم افتتاح کے موقعہ پر کی تھی اُمید ہے۔ کہ ہماری ریاست کے اساتذہ کرام اس کو غور سے پڑھ کر یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ کہ مدرسہ اور سوسائٹی کا صحیح تعلق کیا ہے۔ اور وہ سماج کی کیا خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

"اس مدرسہ نے ایک اور چیز کسی حد تک حاصل کر لی ہے۔ اور اُمید ہے کہ آئندہ اس سے زیادہ کر سکیگا۔ اسے گاؤں والوں کی بے اعتنائی یا سخت تعصب کے خلاف بہت زیادہ جدوجہد کرنا پڑی۔ اب اس نے اپنا اثر جما لیا ہے۔ اور اتنی قدر کشش پیدا کر لی ہے۔ کہ جب ضرورت ہو گاؤں کے لوگ اس کے کاموں میں شرکت کریں گے۔ اس نے گندے اور میلے گھروں میں صفائی کی ضرورت کا احساس پیدا کر دیا ہے اس نے یہ اعتقاد بھی ختم کرا دیا ہے۔ کہ بیماری سے بچنا مشکل اور علاج کرانا بے سود ہے۔ اس نے ہمسایوں میں برادری کا جذبہ پیدا کر دیا ہے جو باطن میں ایک دوسرے سے اتنے ہی دور تھے۔ جتنا ظاہر میں قریب تھے۔ اس نے مدرسہ کی تقریبات اور ہمارے قومی اور مذہبی تہواروں سے گاؤں کے لوگوں کے لئے

ایسے مواقع پیدا کر دیئے ہیں۔ جن میں وہ آپس میں مل جل کر بیٹھتے ہیں۔ اور جن سے ان میں ایک برادری ہونے کا وہ احساس بڑھتا ہے۔ جو ایک مشترک اسکول سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سے جامعہ ملیہ کو وہ مواقع حاصل ہوئے۔ جو ہمیں اس کے بغیر جہالت کو دور کرنے، یا لغوں کے اُن پڑھ رہنے کے خلاف جد وجہد کرنے یا گاؤں والوں کے دلوں سے اپنی بدنصیب حالت پر قانع رہنے کا خیال ترک کرنے یا انہیں اس امر کا یقین دلانے کے لئے نہ مل سکتے تھے۔ کہ وہ بھی ترقی یافتہ بڑی دُنیا کا ایک اہم حصہ ہیں۔"

بچوں کی دُنیا

جنگ میں انگریز بچوں کے کارنامے

اس کا نام ڈینس تھا۔ وہ سولہ سال کا تھا، وہ ان جانباز اور سرفروش بچوں میں سے تھا، جو ثابت کر دیتے ہیں۔ کہ ایک بچہ بھی آزمائش میں پڑ کر بڑے آدمیوں کی طرح کام کر سکتا ہے۔ اس نے اپنی زندگی وطن کے نام پر قربان کر دی۔

دوپہر کا وقت تھا خطرہ کا بگل بجا کہ بم باری ہونے والی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر چہار طرف سے بم اولوں کی طرح برسنے لگے۔ جس جگہ ڈینس اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ اس کے قریب کے سب مکانوں پر بم برسائے گئے۔ اُس نے آگ بجھانے کا کام سکاؤٹنگ میں سیکھا تھا وہ اٹھا اور اپنی مرضی سے آگ بجھانے والوں کے ساتھ مل گیا۔ بم چاروں طرف سے برس رہے تھے۔ ایک بم اُس کے اوپر گرا۔ اور اس کی جان لے لی۔

اس کی ماں نے چیف سکاؤٹ کمشنر کو ایک خط لکھتی ہے جس کا مضمون ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

مکرمی

آپ نے ہمارے عزیز بچے کی موت پر جن خیالات کو ظاہر کیا ہے۔ اُن کے لئے شکریہ۔

مرحوم بچے کی زندگی بڑی پیاری زندگی تھی، جنگ کے زمانہ میں اس کے مشاغل بہت اعلےٰ قسم کے رہے

تھے۔ وہ فسٹ ایڈ اچھی طرح سے جانتا تھا۔ سول ڈیفنس اور اے۔ آر۔ پی میں اس نے جو کام کیا۔ اس نے بہت سے بڑے بڑے آدمیوں کو ماند کر دیا۔ اگر ہماری ہمسائیگی میں بمباری ہوتی، تو سب سے پہلا شخص جو موقعۂ واردات پر فسٹ ایڈ کا سامان لے کر جا موجود ہوتا۔ ڈینس ہوتا، فسٹ ایڈ کا سامان وہ ہمیشہ اپنے جیب خرچ سے خرید کرتا تھا۔

تھوڑے ہی دن ہوئے۔ کہ ہمارا گھر بمباری سے تباہ ہوگیا۔ اس رات جتنا کام اس نے کیا۔ وہ شاید اس کی عمر کا کوئی لڑکا نہیں کر سکتا۔ ہمارا مکان گر چکا تھا، اس نے اپنے آپ کو ملبہ سے نکالا۔ اور اندرسن کی پناہ گاہ کی طرف دوڑا۔ جہاں اس کا فسٹ ایڈ کا صندوق پڑا ہوا تھا۔ اور لگاتار کئی گھنٹے کام کرتا رہا۔ میں اس کی وہ صورت کبھی نہیں بھول سکتی۔ جب وہ ہمارے پاس آیا، اس کے سب کپڑے تار تار تھے۔ اور اس کا منہ کالا ہوگیا تھا، اس کے باوجود وہ مسکرا رہا تھا، اس نے کچھ کام کیا تھا، اور یہی مسرت اس کے لئے کافی تھی اور وہ پناہ گاہ میں زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے سویا۔ صبح کے ۸ بجے جاگ اٹھا۔ مجھے ملبہ صاف کرنے اور گھر کا سامان جمع کرنے میں مدد دیتا رہا۔ یہی اس کی ساری زندگی تھی، مفید زندگی، خوشگوار اور مسرور زندگی!

وہ ایک اچھا فرزند تھا، وہ اپنے والدین کا پیارا بیٹا تھا، اور ہمارا سچا ساتھی۔ وہ محبت کرنے کے لائق تھا، میرے ابھی تین بچے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی اس کے درجہ پر پہنچا۔ تو میں سمجھوں گی کہ میری کمی پوری ہو گئی۔"

اوپر کے خط سے جو ڈینس کی ماں کا لکھا ہوا ہے۔ ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ایک سولہ سال کا لڑکا بھی اپنے ملک، وطن اور قوم کے لئے کتنی بڑی خدمت اور کتنا بڑا کام کر سکتا ہے۔

انگلستان میں ڈینس کی طرح اس وقت بھی ہزاروں سے زیادہ لڑکے ہیں۔ ساٹھ ہزار سے زیادہ بچوں کو نیشنل سروس بیج عنایت کیا گیا ہے۔ اور یہ بیج اسی صورت میں دیا جاتا ہے۔ جب کوئی سکاؤٹ کوئی بڑا قومی کام انجام دے۔ ان لڑکوں نے فسٹ ایڈ کا کام، خبر رسانی کا کام، ٹیلیفون چلانے کا کام، جھنڈیوں کے ذریعہ خبر پہنچانے کا کام، بیماروں کو چارپائیوں پر اٹھانے کا کام، اور زخمیوں کی تیمارداری کا کام، بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔ اگر تمہیں انگلستان جانے کا اتفاق ہو تو تم دیکھتے کہ جہاں کہیں بھی کوئی کام ہے۔ وہاں ایک سکاؤٹ حاضر ہے ان کا کام بہت تھکا دینے والا بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب کام خوشی خوشی کرتے رہتے ہیں۔ اور ہر مصیبت میں مسکرانے کے عادی ہیں۔ سکاؤٹوں کو مختلف کام کرنا سکھایا گیا ہے۔ آگ بجھانا۔ زہریلی گیس کے حملے سے بچنا، وغیرہ، یہ اپنے اپنے ضلع کے تمام حالات سے باخبر ہوتے ہیں۔ اور اپنے علاقے کے چپے چپے سے واقف۔

تعلیمِ جدید

تعلیم جدید

(سلسلۂ نو)

(محکمۂ تعلیم حکومت جموں و کشمیر کا ماہوار رسالہ)

نمبر ۸	جموں ماہ جولائی ۱۹۴۴ء مطابق ماہ ہاڑ سمت ۲۰۰۱	جلد ۱

تعارف

اس نمبر کے مضامین میں کافی تنوع ہے پڑھائی کے طریقوں کے متعلق بھی خاصا مواد ہے اور عام معلومات پر بھی۔ اس ضمن میں ذیل کے مضامین خاص طور پر آپ کی توجہ کے مستحق ہیں۔

(۱) کتابوں کی دُنیا جناب ناظم تعلیمات صاحب کے مضمون کی دوسری اور آخری قسط ہے اس کا پہلا حصہ ماہ جون کے پرچے میں چھپ چکا ہے۔ پورے مضمون کو توجہ سے پڑھئے۔ اس میں آپ کو اونچی زندگی کے پاکیزہ نصب العین کی ایک جھلک نظر آئے گی۔ کیا عجب اس کے پڑھنے سے آپ میں وہ "ذوق" اور وہ "نظر" پیدا ہو جائے۔ جو ایک اچھی ادبی چیز کے مطالعہ کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ بہر حال اس کا مطالعہ گہری نظر کا طالب ہے۔

(۲) بنیادی تعلیم کے سلسلے میں پنڈت رگھوناتھ مٹو کا مضمون "ڈائری" ایک قیمتی اضافہ ہے بنیادی مدرسوں میں خصوصیت کے ساتھ استاد کی ڈائری کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے امید ہے مدرسین کو اپنی ڈائریاں ایک ہی نہج پر تیار کرنے میں اس مضمون سے خاصی مدد ملے گی۔

(۳) تعلیم اور سماجی تنظیم ڈاکٹر بینی پرشاد صاحب کے ایک طویل مضمون کا اقتباس ہے اس میں مدرسہ اور سماج کے رشتے پر بحث کی گئی ہے اور یہ دکھانا مقصود ہے کہ دُنیا میں سچی خوشی اور امن وامان کی زندگی گذارنے کے لئے تعلیمی اصولوں اور سماجی اداروں میں ہم آہنگی اور مطابقت کا ہونا ضروری ہے۔

(۴) "انشا پردازی" اور "جغرافیہ" کی تعلیم پر ادارہ کے مضامین بعض دلچسپ اور نئی معلومات پیش کرتے ہیں استاد صاحبان کے لئے ان میں بہت سی کام کی باتیں ہیں۔ امید ہے اس سلسلے سے وہ اپنے تعلیمی کام کو زیادہ آسان اور بہتر بنانے کی کوشش کریں گے ؞

(ادارہ)

اُستادوں سے خطاب

کتابوں کی دُنیا

(۲)

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے۔ کہ مختلف کتابوں کے لئے آداب شناسائی مختلف ہیں۔ بعض کتابیں تو اس قابل ہی نہیں ہوتیں۔ کہ انہیں مُنہ لگایا جائے۔ شاید کتابوں کی دُنیا میں اکثریت ایسی ہی نااہلوں کی ہے۔ بعض محض سرسری مطالعہ کے قابل ہیں۔ ان کے ساتھ بیوپار کرنے میں طالب علم کو زود خوانی اور غیر اہم چیزوں کو حذف کرنے کا گر سیکھنا چاہیئے۔ بعض کا باقاعدہ مطالعہ کرنا ضروری ہوتا ہے جس کے لئے اخذ مطلب اور تنقیدی نظر کی ضرورت ہے جو خود بخود پیدا نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کے لئے باقاعدہ نفسیاتی تربیت لازم ہے۔ بہت تھوڑی سی کتابیں ایسی بھی ہیں جو انسانی دماغ کا بہترین شاہکار اور اخلاق و شرافت کا بہترین سرمایہ ہیں۔ جن میں عرفان و نظر اور جمالیاتی لطف اندوزی کے لئے اور دل اور دماغ کو گرمی اور روشنی پہنچانے کے لئے ایک اتھاہ خزانہ موجود ہے ان کتابوں کو بار بار پڑھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ عمر کی مختلف منزلوں میں ان کے فیضِ صحبت سے زندگی کا شرارہ تازہ بہ تازہ نو بنو روشن ہوتا ہے ان کتابوں کو اپنے تجربے کی کسوٹی پر اور اپنے تجربے کو ان کتابوں کے بلند معیار پر جانچنے کی ضرورت ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھی کتاب کونسی ہے اور بُری کونسی ؟ یہ اچھی اور بُری کتاب کا امتیاز ایک نزاعی مسئلہ ہے جس میں مختلف لوگوں کی رائے مختلف ہے اور ان کے درمیان حکم لگانا بہت مشکل ہے اس لئے میں صرف اپنی ذاتی رائے آپ کے سامنے پیش کرسکتا ہوں۔ میری نظر میں ہر وہ کتاب بُری ہے۔ جو ادبی معیار سے گھٹیا ہو۔ اور مضمون اور موضوع کے اعتبار سے عارضی، ہنگامی اور سرسری ہو۔ جو زندگی کی لہر کو زیادہ تیز نظر کو زیادہ وسیع دماغ کو زیادہ روشن اور دل کو زیادہ گداز نہ بنائے۔ جو

تعصب اور تنگ نظری میں اضافہ کرے۔ جو فعالیت کے بجائے جمود، امید کے بجائے یاس، سربلندی کے بجائے سرنگونی کی طرف مایل کرے۔ اقبال نے شاعر کو خطاب کرکے جو پیغام دیا تھا۔ وہ دراصل سرزمین ادب کے تمام سجدہ گذاروں کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے۔

مشرق کے نیستاں میں ہے محتاج نفس نے | شاعر! ترے سینے میں نفس ہے کہ نہیں ہے!
تاثیر غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم | اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجمی لے!
شیشے کی صراحی ہو کہ مٹی کا سبو ہو | شمشیر کی مانند ہو تیزی میں تری مے!
ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی | اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے!

جو کتابیں اس بلند معیار پر پوری اتریں۔ دراصل وہی حیات بخش ہیں۔ میں معمولی دلچسپ اور تفریحی کتابوں کا ہرگز مخالف نہیں ہوں۔ زندگی کے دسترخوان پر نمکین اور میٹھے خشک اور تر لطیف اور ثقیل ہر قسم کے کھانوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ اور مطالعہ کا میدان اس قدر وسیع اور لوگوں کے طبایع اور مذاق اس درجہ مختلف ہیں کہ اس میں بہت تنوع کی گنجائش ہے۔ لیکن خوب و زشت کا امتیاز ادبی زندگی میں بھی اتنا ہی اہم ہے جس قدر اخلاقی زندگی میں۔ اور ادبی خوش مذاقی کی تربیت اور اس کی حفاظت تعلیم کا ایک مقدس فرض ہے۔

بری کتاب کا پڑھنا اس لئے جرم ہے کہ فرد کی زندگی بہت مختصر اور محدود ہے اور علم و ادب ناپیداکنار ہیں۔ جہالت اور عادت کی بنا پر کمتر کو خوب تر پر ترجیح دینا وقت اور دماغ اور قابلیت کو ضایع کرنا ہے اور عالم فطرت میں فضول خرچی اور بربادی سب سے بڑا جرم ہے۔

تیسری قابل ذکر بات میں ایک فارسی قطعہ میں عرض کرتا ہوں۔ جس میں اس اہم حقیقت کو "کرم کتابی" اور "پروانہ نیم سوز" کی گفتگو کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

شنیدم شبے در کتب خانۂ من | بہ پروانہ می گفت کرم کتابی
بہ اوراق سینا نشیمن گرفتم | بسے دیدم از نسخۂ فاریابی
نفہمیدہ ام حکمت زندگی را | ہماں تیرہ روزم زبے آفتابی
چہ خوش گفت پروانۂ نیم سوزے | کہ ایں نکتہ را در کتابے نیابی
تپش مے دہد بال و پر زندگی را | تپش می کند زندہ تر زندگی را

اقبال

مسئلہ یہ ہے کہ جب زندگی ایک میدانِ عمل ہے ایک عرصۂ کارزار ہے جب وہ جل ترنگ نہیں بلکہ ابدترنگ، ہے تو زندگی میں کتاب کو اس درجہ اہمیت کیوں دی جائے؟ اگر تلوار نہیں تو ہل اور ہتھوڑا اور کارخانے کی مشینیں تو یقیناً اس زمانے میں قلم سے کہیں زیادہ زوردار ہیں۔ پھر قلم کو کیوں اس قدر سر پر چڑھایا جائے؟ اسی وجہ سے ہماری زبان میں "کتاب کا کیڑا" ایک حقارت کا جملہ ہے۔ اور اُن لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جن کی زندگی عمل سے سیراب نہیں۔ بلکہ لفظوں کے اُلٹ پھیر میں بسر ہوتی ہے اس سوال کا جواب جو میں نے اُٹھایا ہے ایک دوسرے سوال سے دیا جا سکتا ہے۔

"پروانۂ نیم سوز" کا اعتراض کس پر ہے؟ کتابوں پر یا کرم کتابی پر؟ ان اشعار میں جو تنقید کی گئی ہے وہ سینا و فارابی پر کی گئی ہے۔ یا اس اندازِ فکر و نظر پر جو ہمارے کتابوں کے کیڑے اختیار کرتے ہیں؟ یا یوں کہئے اگر روزِ روشن میں شپرک کو کچھ دکھائی نہ دے۔ تو وہ قصور خود شپرک کی نظر کا ہے یا چشمۂ آفتاب کا؟ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کتاب کو کس طرح پڑھنا چاہیئے تاکہ وہ زندگی میں ایک خلّاق اور حرکت آفرین قوت بن جائے۔ بعض مفکرین نے علم کو "حجاب اکبر" سے تعبیر کیا ہے کیونکہ وہ اکثر طالب علم اور زندگی کے جیتے جاگتے حقائق کے درمیان ایک نظر فریب پردہ بن کر حائل ہو جاتا ہے اور وہ الفاظ کے طلسم اور نظری بحثوں میں اس طرح اسیر ہو جاتے ہیں۔ کہ اُن کی عمل کی قوتیں بے کار رہ جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ جو لوگ خود کو "عملی" آدمی کہتے ہیں وہ ایسے لوگوں کو محض نمائشی اور بیکار خیال کرتے ہیں اور اُن کا دعوےٰ یہ ہے۔ کہ دنیا کا کام اُن جیسے "عملی" آدمی ہی انجام دے سکتے ہیں۔ یہ کتابی آدمیوں کے بس کی چیز نہیں لیکن اس خیال کا صرف منفی پہلو درست ہے یعنی کتابی آدمیوں کی تنقیص۔ مگر اس کا اثباتی پہلو ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ زندگی میں علم اور عمل کی یہ تقسیم مطلق، بالکل بے معنی اور خلاف اصول ہے کیونکہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اور ہمیشہ رہے ہیں۔ زندگی یقیناً سراسر عمل ہے۔ لیکن اس عمل کی ہدایت کے لئے اور اس کو زیادہ کامیاب، موثر اور دور رس بنانے کے لئے علم کی ضرورت ہے جو تجربے کا یعنی "بامعنی عمل" کا ثمر ہے جوں جوں انسانی زندگی کا نظام پیچیدہ ہوتا جاتا ہے عمل کی رہبری کے لئے علم کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے پس علم کا اصلی وظیفہ یہ ہے کہ وہ عمل کی دستگیری کرے۔ اور اس کے راستے کو روشن کرے۔ تاکہ افراد اور جماعتوں کی زندگی میں تسلسل اور دور بینی پیدا ہو۔ اور وہ ماضی، حال اور مستقبل کے اٹل رشتے کو سمجھ سکیں۔ ورنہ وہ "عملی" زندگی جس پر "عملی" انسان کو ناز ہے۔ محض فوری محرکات اور ردعمل کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ بن کر رہ جاتی ہے اس سے

علم کی اہمیت اور اس کے اصلی فرض دونوں پر روشنی پڑتی ہے اگر علم عمل کی دستگیری نہیں کرتا۔ اور اس کو زیادہ بامعنی نہیں بناتا۔ تو وہ محض تضیع اوقات ہے یا ذہنی تعیش۔ اگر کتاب زندگی سے گریز کا ایک ذریعہ ہے اور بزدلوں کے لئے زندگی کی کشمکش سے جدا ایک گوشۂ عافیت بناتی ہے تو وہ رحمت نہیں۔ بلکہ اجتماعی زندگی کے لئے ایک لعنت اور فرد کے لئے ایک قسم کی خود غرضی ہے جو اُسے اس کے سماجی فرائض سے غافل بناتی ہے۔

یہ میں نے علم کا ذکر کیا۔ علم و ادب کی سرحدیں ملی جلی ہیں اور ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں لیکن مطلب کی وضاحت کے لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ جہاں علم کا مخصوص فرض یہ ہے کہ وہ زندگی کی جدوجہد میں دماغ کو انسان کی عملی صلاحیتوں کا راہبر بنائے۔ وہاں ادب کا خاص مقصد یہ ہے کہ وہ اس کے جذبات اور خیالات کو شرافت اور انسانیت کے سانچے میں موئے۔ اور دل کو جو سرچشمہ اخلاق ہے دماغ پر حکمران بنائے تاکہ علم اور سائنس کی بخشی ہوئی قوتیں بے مہار نہ ہونے پائیں۔ بلکہ ان کے ذریعہ زندگی میں حسن اور فراوانی اور سماج میں انصاف کا دور دورہ ہو۔ لہٰذا ادب کا مطالعہ اس وقت کامیاب کہا جاسکتا ہے جب ادب زندگی کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جائے۔ اور انسانی دل اور دماغ کے ہر گوشہ کو اپنی مخصوص حیات بخش روشنی سے منور کردے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے۔ جب مطالعہ کے دوران میں طالب علم نہ صرف مصنف اور ادیب کے حقیقی مفہوم تک پہنچ جائے۔ بلکہ اس پر وہی ذہنی اور جذباتی کیفیت طاری ہو جائے۔ جو فن کار کے اوپر گذری تھی۔ لیکن خون کا رگوں میں دوڑتے پھرنا کافی نہیں۔ بلکہ اس کا آنکھ سے ٹپکنا بھی ضروری ہے! اس کیفیت کے طاری ہونے میں فن کار کے اعجاز فن کو یقیناً بہت بڑا دخل ہے کیونکہ حفیظ انیس کی یا سٹرینگ ڈکنس کی برابری نہیں کرسکتا۔ لیکن اس میں اتنا ہی دخل پڑھنے والے کے خلوص اور تجربے کی گہرائی کو بھی ہے۔ وہ کتاب پڑھ کر زندگی سے بے تعلق نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ذہنی اور جذباتی حیثیت سے زیادہ مالا مال ہو کر اور دل میں زیادہ اُمنگ اور حوصلہ اور انسان دوستی کا جلوہ لے کر زندگی کی کشمکش میں شریک ہوتا ہے۔ اس وقت علم و عمل ادب اور زندگی کی دوئی وحدت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اب اس مسئلہ کا جواب جو میں نے شاعر کے اشعار میں پیش کیا تھا۔ اسی شاعر کی زبان سے سُن لیجئے۔ ان شعروں میں طالب علم سے خطاب ہے اور اس میں کتاب کی عظمت اور اس سے کسب قوت کرنے کی شرط دونوں واضح ہو جاتی ہیں۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے　　کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ۔ کہ تو　　کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں　　اقبال

غالباً اس خیال کا ماخذ وہ نصیحت ہے جو علامہ اقبال کے والد مرحوم نے ایک موقع پر اپنے ہونہار فرزند کو کی تھی۔ "بیٹا! جب کبھی قرآن شریف کا مطالعہ کرو۔ تو اس کو اس طرح پڑھنا۔ گویا وہ اسی وقت براہ راست تم پر نازل ہو رہا ہے" ہر بڑی کتاب کو جس نے دنیا کے ادب عالیہ میں اپنے لئے مقام اعزاز پیدا کر لیا ہے کم و بیش اسی جذبے اور کیفیت کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ تب جا کر ادب کا مطالعہ زندگی کی اعلےٰ ترین قدروں میں شمار ہو سکتا ہے۔

'ورنہ نارِ زندگی دُود است و بس'

خواجہ غلام السیدین
ناظم تعلیمات

تعلیمی تحریکیں

سکولوں میں حکومت خود اختیاری

علامہ اقبال ؒ ہندوستانی تعلیمی اداروں کی موجودہ مایوس کن حالت سے متاثر ہو کر فرماتے ہیں ؎

اقبال یہاں نام نہ لے علم خودی کا ۔۔۔ موزوں نہیں مکتب کے لئے ایسے مقالات

بہتر ہے کہ بے چارے ممولوں کی نظر سے ۔۔۔ پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات

ان اداروں میں تعلیم پانے والے طلبہ جنہیں علامہ نے "ممولے" کا نام دیا ہے زندگی کے اونچے خیالات کو کیوں نہیں سمجھ سکتے ؟ کیا اس میں اُن کی اپنی فطرت اور نظر کا قصور ہے یا اس کی ذمہ داری اُن لوگوں کے سر ہے جو دانستہ "باز کے احوال و مقامات" ان کی آنکھوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ ان میں بلند پروازی کی خواہش، جرأت اور ولولہ ہی پیدا نہ ہو سکیں۔

اقبال ؒ۔ طالب علموں کی دماغی نا قابلیت کو اُن کی ترقی کے راستے میں روک نہیں سمجھتے۔ وہ اُن کے دل میں زندگی کا جوش اور بلندی کی تڑپ دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ترا نومیدی از طفلاں روا نیست ۔۔۔ چہ پروا گر دماغ شاں رسا نیست

بگو اے شیخ مکتب گر بدانی ۔۔۔ کہ دل در سینۂ شاں ہست یا نیست

وہ طالب علم کی بے بصری کی تمام تر ذمہ داری شیخ مکتب کی نا اہلیت پر ڈالتے ہیں کیونکہ بچوں کی اثر پذیر قوتوں کو بہتر شخصیت میں ڈھالنا اُسی کا کام ہے بچوں کی آئندہ سیرت کا سارا تانا بانا اُسی کے ہاتھوں بنتا ہے وہ اگر چاہے تو اپنی کوششوں سے اس کام کو پختہ اور دیرپا بنا سکتا ہے اور چاہے تو اسے مکڑی کا جالا بنا سکتا ہے جسے عملی زندگی کی ایک ہلکی سی رگڑ توڑ پھوڑ کر رکھ دے، تعلیم کا کام بچوں کی نظری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا، اُن کی نظر میں حرکت پیدا کرنا اور انہیں نیک اور مفید شہری بنانے میں مدد دینا ہے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے سکولوں میں جہاں آج کل دوسرے کئی ذرائع برتے

جا رہے ہیں۔ مثال ایک اچھا ذریعہ یہ ہے کہ بچوں میں حکومت خود اختیاری کی صلاحیت پیدا کی جائے چونکہ آج کے بچے کل کے حاکم ہونے والے ہیں اس لئے اُن کی فطرت کو شروع ہی سے اس طرح تربیت دی جائے کہ وہ اپنے ہم جنسوں سے رواداری، انصاف، ہمدردی اور اخلاق سے پیش آئیں۔ اور بچپن ہی سے اپنی آیندہ ذمہ داریوں کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں تاکہ بڑے ہو کر وہ اپنے فرائض کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے سکیں۔

طلبہ کو عملی طور پر حکومت خود اختیاری سے روشناس کرانا مدرس کا سب سے پہلا فرض ہے اور لڑکوں کو عملی زندگی کی تیاری کے سلسلہ میں مڈل اور ہائی سکولوں میں پوری کامیابی کے ساتھ یہ اصول برتا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ سکول کا ماتحت عملہ اور ہیڈ ماسٹر ہمدردی اور فراخ دلی سے بچوں میں یہ خیال پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اُن کی کارگذاریوں اور محنتوں کو سراہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے سکولوں میں ابھی تک یہ جذبہ پورے طور پر پیدا نہیں ہُوا۔ قدامت پسند ہیڈ ماسٹر عموماً اس اصول کی مخالفت میں ہٹ دھرمی کا ثبوت دیتے ہیں۔ بچوں اور اُستادوں سے صلاح و مشورہ کرکے کوئی کام کرنا وہ اپنی کسرِ شان خیال کرتے ہیں، گویا ایسا کرنے سے ان کے اپنے اختیارات محدود ہو جائیں گے اور وقار میں کمی آجائیگی۔ انہیں اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ طلبہ کی ایسی آزادی سے سکول کا نظم و نسق خاک میں مل جائے گا چنانچہ اس قسم کے لوگ ہمیشہ بچوں میں تحریک آزادی کو دبانے اور کچلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس طرح اُن کی عملی قوتوں اور مُفید صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھا کر اپنے کام کو زیادہ آسان، مفید اور عملی بنانے کی بجائے انہیں کچل کر تعلیمی فضا کو خاموش، ساکن اور بے روح بنا دیتے ہیں۔ بچوں کی کتابی تعلیم کے سلسلہ میں اُن کی یہ کوشش چاہے کتنی نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ ہو لیکن عملی زندگی کے اعتبار سے دیکھئے تو نہ یہ قومی خدمت ہے نہ صحیح تعلیمی خدمت۔

آج ہندوستان میں بچہ بچہ کی زبان پر آزادی کا نعرہ ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عوام میں حکومت کا انتظامی بوجھ اٹھانے کی صلاحیت کس حد تک ہے میونسپل کمیٹیوں کے انتخاب کے وقت اور انتخاب کے بعد جو بدعنوانیاں ہوتی ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں ایسی حالت میں سکولوں کے طلبہ میں آزادی کے خیالات دبا کر اگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہم کوئی مفید قومی یا شخصی خدمت کر رہے ہیں تو یہ ہماری بھول ہے بڑی عمر میں بھی اکثر پڑھے لکھے نوجوانوں میں جو ایک طرح کا ”احساس کمتری“ موجود رہتا ہے اور قوت فیصلہ کی کمی، تلون مزاجی

دہ پست ہمتی کی خامیاں نظر آتی ہیں تو یہ سب غلط تعلیم و تربیت کی برکتیں ہیں اور چاہے ہم مانیں نہ مانیں اس ناا‌ہلیت کی بیشتر ذمہ داری مدرسں پر عاید ہوتی ہے جس کی مجرمانہ غفلت کی وجہ سے بچوں کی صحیح رہنمائی اور تربیت نہ ہوسکی ـــــ جس نے ہر جائیز اور ناجائیز طریقہ سے بچوں کی آزادی سلب کرکے اُن کی فطری قوتوں کو زنگ آلود کردیا۔ اور اُن کی شوخی و شرارت کو ہمیشہ کے لیے رخصت کردیا۔ ہمارے آج کے اکثر سکولوں کا یہ حال ہے کہ جب کوئی افسر معاینہ کے لئے جماعت میں داخل ہوتا ہے، طلبہ پر خوف و ہراس چھا جاتا ہے۔ وہ معمولی معمولی سوالوں سے گھبرا جاتے ہیں اور یہاں تک کہ اکثر ہوشیار اور ذہین لڑکے بھی جواب دینے میں جھجک محسوس کرتے ہیں۔

ان حالات کے پیش نظر اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کو عملی زندگی کے کاموں کی مشق بھی دی جائے۔ اُنہیں مل جُل کر رہنے اور ایک دوسرے کی مدد سے کام کرنے کا ڈھنگ سکھایا جائے۔ خود اعتمادی، فیصلہ کرنے اور ذمہ داریاں اٹھانے کی عادت ڈالی جائے۔ چنانچہ بچوں میں یہ صفات پیدا کرنے کے لئے ایک ثانوی مدرسہ میں خالص محکمانہ امور کو چھوڑ کر سکول کے باقی انتظامی شعبے طلبہ کے سپرد کردینے چاہئیں۔ تاکہ وہ استادوں کی نگرانی میں آپس کے اشتراک اور تعاون سے اپنے متعلقہ فرائیض کو انجام دے سکیں۔ اس طرح وہ نہ صرف سکول کے کام اور انتظام کو بہتر، زیادہ خوشگوار اور آسان اور آرام دہ بنا سکیں گے بلکہ انہیں اپنی آیندہ زندگی کی تیاری کے عملی مواقع بھی حاصل ہونگے۔

ایک اچھے سکول کو بہتر طور پر چلانے اور طلبہ کو حکومت خود اختیاری کی مشق دینے کے لئے اُستادوں اور بچوں کی مندرجہ ذیل کمیٹیوں کا ہونا لازمی ہے ان کی کامیابی کی شرط یہ ہے کہ کمیٹی کے ممبران کو اپنے فرائیض کا احساس ہو، اور ان کے انجام دینے میں کسی قسم کی روک نہ ہو، ہیڈ ماسٹر کا برتاؤ ماتحت عملہ اور طلبہ کے ساتھ ہمدردانہ اور مشفقانہ ہو، کمیٹی کے کاموں میں بلاوجہ مداخلت نہ کی جائے، ممبروں کو اپنے خیالات آزادی سے ظاہر کرنے کا موقع دیا جائے۔ اور سمجھدار، نیک نیت اور مخلص کام کرنے والے آدمیوں کو ممبر چُنا جائے۔

۱۔ تعلیمی کمیٹی اس کمیٹی میں تمام مضامین کے سینئر استاد شامل ہوں، ہیڈ ماسٹر صدر کی حیثیت سے کام کی دیکھ بھال کرے، اس کا کام امتحانات کا انتظام کرنا، سالانہ سلیبس تیار کرنا لائیبریری کے لئے مناسب کتابوں اور رسالوں کا منگوانا، سکول کے رجسٹروں کی پڑتال کرنا، وظیفوں کیلئے

طلبہ کے نام تجویز کرنا اور سکول کی دیگر کمیٹیوں کے سالانہ چناؤ کا انتظام کرنا ہو۔

۲- کھیلوں کی کمیٹی اس کمیٹی میں مختلف کھیلوں میں شوق رکھنے والے اُستاد، کھیلوں کے کپتان اور سکاؤٹنگ کے عہدہ دار شامل ہوں، اس کے سپرد سکول کے تمام کھیلوں کا انتظام ہو، کھیل کے سامان کی خرید اور میچوں کا انتظام اس کی تجویز اور سفارش کے مطابق ہو۔

۳- ادبی کمیٹی یہ کمیٹی ایسے استادوں اور طلبہ پر مشتمل ہو، جو زبان اور ادب کا مذاق رکھتے ہوں، جنہیں نظم و نثر لکھنے اور پڑھنے میں ایک خاص دلچسپی ہو۔ مباحثوں کا قیام، ڈراموں کا انتظام اور سکول میگزین چلانے کا کام اس کمیٹی کے سپرد ہونا چاہئیے۔

۴- حفظانِ صحت کی کمیٹی اس کمیٹی کے ممبر صفائی پسند، تندرست اور مضبوط طلبہ جماعتوں کے نائیٹ سائینس ماسٹر اور ڈرل ماسٹر ہوں۔ یہ کمیٹی طلبائے مدرسہ کی صحت و صفائی کی نگران ہوگی۔ اس کے ممبر صبح کی دعا کے وقت یہ دیکھیں گے، کہ بچے نہا دھو کر سکول آئے ہیں یا نہیں اُن کے دانت، ناخن اور آنکھیں صاف ہیں اور اُن کے کپڑے اور کتابیں کاپیاں وغیرہ صاف ستھری ہیں یا نہیں۔ مدرسہ کے بچوں کا سال میں کم از کم تین بار ڈاکٹری معاینہ کرانا، صحت و صفائی کے متعلق وقتاً فوقتاً تقریروں کا انتظام کرنا، محنت اور صحت کے ہفتہ کا پروگرام مرتب کرنا وغیرہ، کام اس کمیٹی کے سپرد ہوں گے۔ یہ کمیٹی ہر جماعت کی صفائی کا ریکارڈ رکھیگی، اور مناسب ہدایات جاری کرتی رہے گی۔ اس کے ممبروں کو اختیار ہوگا۔ کہ سکول حلوائی کی گندہ اور مضر صحت اشیاء کو ضائع کردیں اور اچھی اور تازہ چیزیں تیار رکھنے کی ترغیب دیں۔

۵- تحقیقاتی کمیٹی سکول میں اکثر مارپیٹ اور چوری وغیرہ کی شکائتیں بچوں کی طرف سے پیش آتی ہیں۔ یہ کمیٹی چند سمجھ دار، انصاف پسند اور با اثر طلبہ اور استاد پر مشتمل ہوگی۔ جو ایسی تمام شکایات کو سُن کر ضروری تحقیقات کریگی، اور کسی قسم کی طرفداری اور رعایت کے بغیر اپنا فیصلہ سُنائے گی۔

۶- آرائش کمیٹی اس کمیٹی کا نگران سکول کا ڈرائینگ ماسٹر ہونا چاہئیے اور اس میں صرف وہی ممبر لئے جائیں، جنہیں ڈرائینگ کے ساتھ گہری دلچسپی ہو۔ یہ کمیٹی خوبصورت نقشہ جات، خاکے، قطعے، شاعروں اور سائینسدانوں کے مختصر سوانح حیات، قدرتی مناظر کی تصویریں

اور اخلاقی فوٹو وغیرہ کمروں میں مناسب جگہوں پر لگانے کا انتظام کریگی۔

۷۔ **باغ کمیٹی** سکول کے باغیچے کا کام اس کمیٹی کے سپرد ہوگا۔ اس میں وہ طلبہ شامل ہوں گے جن کو زراعتی اور باغبانی کے کاموں میں خاص شغف ہوگا۔ اس کمیٹی کی تجویز سے سکول میں مناسب موقعوں پر روشیں، پھولوں کی کیاریاں، چھت پر چڑھنے والی بیلیں اور پھل دار درخت لگوائے جائیں۔ ان کمیٹیوں کے علاوہ سکول کے پوئیر فنڈ، پرنٹنگ فنڈ اور دیگر انتظامی کاموں میں بھی انہیں اصولوں کو مدنظر رکھا جائے۔

(خواجہ) عبدالعزیز
الھنور

دُعا

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر اِن شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

اقبالؒ

بنیادی تعلیم

ڈائری

ایک بنیادی مدرسے کے اُستاد کی روزانہ ڈائری

مختلف سکولوں میں مختلف طریقوں سے ڈائری لکھی جاتی ہے بعض اُستاد سبق کا خلاصہ ازبر کر لیتے اور طریقۂ تعلیم کو سرسری نظر سے مرتب کر کے مدرسے میں چلے جاتے ہیں۔ اور صرف واقفیت بہم پہنچانے والی باتوں پر ہی ٹکے رہتے ہیں۔ سبق کے دوران میں جو جو تعلیمی مواقع نکلتے رہتے ہیں۔ اول تو اُن کی طرف وُہ دھیان دے ہی نہیں سکتے۔ اور اگر ان کا ذہن اس بات کی طرف منتقل ہو بھی گیا۔ تو وُہ اسے نصاب سے خارج تصور کر کے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ اور ان مسائل کو حل کرنا وقت کا ضائع کرنا خیال کرتے ہیں۔

اس سے مدرس کو ایک خاص قید کے ماتحت کام کرنا پڑتا ہے جس کے قواعد و ضوابط اس نے خود اپنے ذہنی معیار کے مطابق مرتب کر لئے ہوتے ہیں اور سبق مصنوعی صورت اختیار کر لیتا ہے جس کا اثر دیرپا نہیں ہو سکتا۔ اس طرح بچوں کو کسی خاص قسم کی واقفیت جبراً بہم پہنچائی جاتی ہے اور تعلیمی موقعوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ اس طریق کار میں بچے کی خواہشات اور اس کی فطرت کا احترام نہیں کیا جاتا اس لئے وہ ان مفید باتوں سے محروم رہتے ہیں۔ جو وُہ از خود سیکھ سکتے۔ اس لئے وُہ پوری دلچسپی سے اُستاد کی طرف دھیان بھی نہیں دے سکتے ہیں۔

دوسری قسم کے اُستاد ایسے ہیں جو صبح سکول گئے۔ جو جو تعلیمی موقعے ملتے رہے اور جو کچھ حسب ضرورت حسب موقع سکھاتے گئے۔ اس کا ریکارڈ رکھتے گئے۔ ایسے سکولوں میں مقررہ نصاب کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہاں بھی دیانتدار اُستادوں کی ضرورت ہوتی ہے ایسے اُستاد نہیں جو مدرسوں میں گورنمنٹ یا کسی تعلیمی بورڈ کے ذریعے کسی مقررہ نصاب کو پورا کرنے کے کام پر مامور ہوں اور وہ اسے ایک ناخوشگوار لیکن ناگزیر فرض سمجھ کر انجام دے رہے ہوں۔ بلکہ کسی تعلیمی آزادی کے تحت کام کرتے ہوں۔ نجی اداروں

میں بھی طور پر کام کرنے والے اُستاد اس مقصد میں پورے اُتر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ایسے اُستاد زیادہ مُفید ثابت ہو سکتے ہیں جو اس وسیع تعلیمی امید ان میں نت نئے تجربات کے شائق ہوں۔ ماہر نفسیات ہوں۔ اچھی تعلیمی لیاقت کے مالک ہوں۔ اور مطالعہ کا شوق رکھتے ہوں۔ ہاتھ کے کام میں ماہر ہوں۔ ایسے سکولوں میں وہ بچے داخل نہ ہوں جن کے والدین اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے بچوں کے معیار تعلیم کو کسی خاص نظریے کے مطابق جانچنے پر مُصر ہوں۔ ایسے مدرسے آبادی سے کسی قدر دور ہوں۔ تاکہ آئے دن کے خانگی تفکرات اُن کے کام میں حارج نہ ہوں۔ اس طرح کام کرنے کے بعد ایسے اُستاد جو بھی ریکارڈ رکھیں، وہ قابل اعتبار تصور کیا جا سکتا ہے۔

ایک اور گروہ ایسا ہے جو اس قسم کا ریکارڈ رکھنے کا قائل ہی نہیں۔ اُس کے سامنے کوئی معین منزل مقصود نہیں ہوتی۔ بجائے اس کے کہ اُسے معلوم ہوتا کہ ہمیں آج مدرسے میں جا کر کیا پڑھانا ہے۔ وہ بچوں ہی سے دریافت کرنے پر مجبور ہے "کہ آج تمہارا سبق کہاں سے شروع ہوگا۔؟ ایک گروہ ایسا ہے جو ہر مضمون کے سلسلے میں یہ درج کرتا ہے کہ مجھے آج مدرسے میں فلاں مضمون کے سلسلے میں فلاں صفحے پر فلاں سطر پڑھانا ہے یا حساب کے مضمون میں فلاں قاعدے سے تین سوالات حل کرانے ہیں۔ ایک مضمون کا دوسرے مضمون کے ساتھ کوئی رشتہ بھی نہیں ہوتا۔ اور وہ اسی کو اپنی روزانہ ڈائری سمجھتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ایک اُستاد سکول میں آکر یہ دیکھتا ہے کہ مجھے آج فلاں کتاب میں فلاں صفحے پر فلاں سطر پڑھانا ہے اور دوسرا شخص اس سطر کا نام گھر سے لکھ کر لاتا ہے۔ اس طرز عمل سے نہ اُستادوں کا بھلا ہو سکتا ہے نہ بچوں کا۔ اور اس قسم کی ڈائری رکھنے والے لوگ ذہنی طور پر تمام اُستادوں سے پست ہوتے ہیں اور عملی طور پر کام چور اور نکمے۔

لیکن ہمارے بنیادی مدارس میں اول الذکر دو گروہوں کی ڈائریوں کو مِلا جُلا کر ریکارڈ رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے اُستاد ہر روز اپنے کام کا کوئی نہ کوئی خاص مقصد پہلے سے مقرر کر لیتا ہے اس سلسلے میں سبق کا ایک ڈھانچہ کھڑا کرتا ہے جس کی ہر بات مختلف بچوں کے رجحانات کی محرک ہوتی ہے جس میں تمام مضامین کے متعلق مختلف باتیں شامل ہوتی ہیں۔ ایک بات دوسری بات کے ساتھ جُڑی ہوتی ہے اور جو جو تعلیمی موقعے کام کے دوران میں زائد از توقع پیش آتے ہیں۔ اِن سب سے فایدہ اٹھایا جاتا ہے دن بھر کا کام ختم کرنے کے بعد اُستاد اپنی کاروائی درج کرتا ہے اور جو باتیں باقی رہتی ہیں اُن کو اگلے

دِن تمہید کی صورت میں پیش کرتا ہے۔
بنیادی مدرسے کے اُستاد سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ ہر مضمون پر حاوی ہو۔ اور اس کو چاہیئے کہ فرصت کے اوقات میں اپنے آپ کو اس کا اہل بنانے کی کوشش کرے۔ ہر بنیادی مدرسے کا اُستاد ایک ایک درجے کا انچارج ہوتا ہے اِس لیئے وُہ اس درجے کو تمام مضامین خود پڑھاتا ہے دوسرے کسی اُستاد کا اس درجے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ درجے کا اُستاد بچے کو تعلیم دینے کے علاوہ اس کے اخلاق کی تربیت بھی کرتا ہے اس میں اچھی عادتیں ڈالتا ہے اس کے جسمانی۔ تعلیمی۔ سماجی۔ اخلاقی اور مذہبی تخیل میں وسعت پیدا کرنا اپنے فرائض میں شامل سمجھتا ہے۔ بچے کو ہر کام میں آزادی کی چاشنی ملتی ہے۔ اسی لیئے وُہ اپنی خواہشات کو بلا روک ٹوک ظاہر بھی کرتا ہے اور اُستاد بھی اُسے آزادی کے ساتھ انہیں پورا کرنے کا موقع دیتا رہتا ہے۔

ہر درجے کا اُستاد اپنے درجے کے سال بھر کے مقررہ اور مجوزہ نصاب کو شروع سال ہی میں تیس ہفتہ واری مربوط حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اس کے بعد ہر ہفتہ واری حصے کو چھ حصوں میں بانٹتا ہے جس کا ہر حصہ روزانہ ڈائری کہلاتا ہے ہر سبق کو کامیاب بنانے کے سلسلے میں اُستاد جو مصالح یا مواد فراہم کرتا ہے۔ وُہ سلسلہ وار موجود رکھا جاتا ہے۔ تاکہ دوسرے اُستادوں کو اُن سے فایدہ اٹھانے کا موقع مل سکے ساتھ ہی اس سے اُستاد کی کوشش۔ محنت اور تیاری اسباق کا اندازہ بھی لگایا جاسکے۔ ہفتہ وار اسباق کے خاکے مرتب کرتے وقت موسموں کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے۔
ہفتہ وار اور روزانہ ڈائریوں کی سُرخیاں ذیل میں دی جاتی ہیں:۔

ہفتہ واری مربوط اسباق

گریڈ .... سکول .... بابت سال سنہ .... ہفتہ نمبر .... بنیادی حرفہ ....

مضمون	کیا پڑھانا ہے	سبق کے دوران میں جن باتوں کو مزید طور پر پڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ باتیں جو مقررہ سبق میں سے پڑھانے سے رہ گئیں
۱۔ بنیادی حرفہ		
۲۔ حساب		
۳۔ سوشل سٹڈیز		
۴۔ جنرل سائنس		
۵۔ زباندانی		
۶۔ لکھائی		
۷۔ ڈرائینگ		

دستخط مدرس انچارج

خانہ نمبر ایک اور دو کے اندراجات سال کے شروع میں ہی کئے جاتے ہیں اور خانہ نمبر ۳ کے اندراجات ہر ہفتے کے آخر میں اُستاد اپنے ہفتہ بھر کے کام کے تجربات کی بناء پر کرتا ہے۔

سال کے اختتام پر ہفتہ وار اسباق کو ایک جامع صورت دی جاتی ہے تاکہ اگلے سال کے لئے یہ ایک واضح سیلبس تیار ہو سکے۔ اسی طرح ہر سال ان خاکوں میں اضافہ کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

روزانہ ڈائری کا نمونہ

نام مدرس........ گریڈ........ سنڈل........ تاریخ سنہ........ بنیادی حرفہ یا مرکز سبق........

۱ مضمون	۲ کیا پڑھانا ہے	۳ طریقۂ تعلیم	۴ مشکلات و تجربات
۱- بنیادی حرفہ			
۲- حساب			
۳- سوشل سٹڈیز			
۴- جنرل سائنس			
۵- زبان			
۶- لکھائی			
۷- ڈرائینگ			

اول مدرس کے دستخط اور ضروری ہدایات

اگر ان پرائمری سکولوں کے استاد بھی جہاں پر ٹیٹوریل سسٹم کے مطابق کام کرایا جارہا ہو، اپنی ہفتہ وار اور روزانہ ڈائریاں انہی عنوانات کے مطابق مرتب کریں، تو فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انہیں حرفے کو مرکز قرار نہیں دینا پڑے گا، کیونکہ بنیادی مدارس میں بھی سوائے حرفہ کے باقی وہی مضامین اور وہی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جو ایک پرائمری سکول کے لئے مخصوص ہوتی ہیں جن پرائمری سکولوں میں صرف ایک ہی استاد کام کرتا ہے اس کے لئے اس قسم کی ڈائری کے مطابق اسباق بنانا واقعی ایک مشکل کام ہے ایسے استادوں کی ڈائری کے متعلق آگے چل کر تجاویز پیش کی جائیں گی۔

بنیادی مدارس میں حرفے کا کام فی الحال روزانہ سوا گھنٹے کے لئے کرایا جاتا ہے اور اس دوران میں استاد عملی کام کی فنی غلطیوں کو درست کرنے کے علاوہ ساتھ ساتھ قدرتی ارتباط کے ذریعے زبانی حساب

سکھا تا ہے اور موقع نکال کر مطالعہ ملی اور جنرل سائنس کے متعلق زبانی واقفیت بہم پہنچا تا ہے حرفے کا کام ختم کرنے کے بعد ان مضامین پر مزید روشنی ڈالی جاتی ہے اور اس کے بعد دیگر مضامین کو لیا جاتا ہے سبق کے یونٹ میں جس دِن جس مضمون کا ذکر ڈائری میں پہلے کیا جاتا ہے۔ وہی اُس دِن کے لئے سارے سبق کا مرکز تصور کیا جاتا ہے ہر دو مضامین کے درمیان ایک مضبوط کڑی قائم کی جاتی ہے مضامین کی تدریجاً پیش کش کی وجہ سے اتنا بھی محسوس نہیں ہوتا، کہ مدرس ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف آرہا ہے سبق یونٹ کا مطلب سارے سبق کو آسان بنانا ہوتا ہے اس سے وقت بچ جاتا ہے تھوڑے وقت میں بہت کچھ واقفیت بہم پہنچائی جاسکتی ہے سبق ٹھوس بنتا ہے ایک ہی بات کے متعلق مختلف پہلوؤں کے ذریعے واقفیت حاصل کرنے سے بچوں میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے ضمنی مشاغل یا عملی تجربات کی بار بار ضرورت پڑتی ہے جس سے بچوں کی توجہ سبق کی ابتدائی منزل سے انتہائی منزل تک قائم رہتی ہے سارے مضامین کا ایک مشترک مقصد قرار دینا پڑتا ہے اس طرح سے طلبہ ہر بات کو جلد سمجھ لیتے ہیں اور اُستاد ہر بات کو آسانی کے ساتھ سمجھا سکتے ہیں اس قسم کی ڈائری میں آزادی اور پابندی دونو پہلو بہ پہلو کام کرتی ہیں اور دونوں لازم وملزوم ہیں۔ خانہ ۱ میں مضامین کی تدریج دکھائی جاتی ہے خانہ ۲ میں ہر مضمون کے مقابلے میں ایک ایک بات سوال کی صورت میں لکھی جاتی ہے مدرس اپنے سوچ بچار اور شعور کی مدد سے ہر سوال کا ایک دوسرے کے ساتھ ربط پیدا کرتا ہے گویا سارے مضامین پیش کرنے کا ایک خاص مقصد قرار دیا جاتا ہے اسی لئے خانہ ۱ و ۲ کے اندراجات کی تیاری مدرس سبق پیش کرنے سے پہلے ہی کر رکھتا ہے۔

اُستاد کو چاہیئے کہ وہ ہر صبح مدرسے میں آکر دِن کے سارے سبق کا خاکہ مختصر الفاظ میں بیان کرے خانہ ۳ و ۴ کے اندراجات اُستاد اُس وقت درج کر سکتا ہے جب کہ وہ مقررہ یونٹ کو پیش بھی کر چکا ہو۔

خانہ ۳ میں مختصر طور پر صرف ان مسایل کا ذکر ہونا چاہیئے جن سے اُستاد کو سبق پیش کرنے کے دوران میں خلاف توقع سابقہ پڑا ہو۔ کس مضمون کے بعد کونسا مضمون پڑھایا گیا۔ اور کس طرح سے ایک مضمون کو پڑھاتے پڑھاتے دوسرے مضمون کو پڑھانے یا سمجھانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور کس طرح ایک مضمون دوسرے مضمون کی توضیح وتشریح میں ممد ثابت ہوا —— یہ ساری باتیں اس خانہ میں لکھی جائیں۔

خانہ ۴ میں مندرجہ ذیل باتیں درج کی جاسکتی ہیں۔ تمثیلات جن کی سبق کے دوران میں پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔ وہ باتیں جو پڑھانے سے رہ گئی ہوں۔ اور اُن کی وجوہات، وہ باتیں جن کی

تشریح کی خلاف توقع ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ سوالات جو سبق کے دوران میں خلاف توقع بچوں کی طرف سے پوچھے گئے جن کی وجہ سے اُستاد کو اپنے مقصد سے ذرا ہٹنا پڑا۔ اُستاد نے اس سلسلے میں کیا کیا۔ کیا اُن کی خواہش کو پورا کیا۔ ایسے سوالات جو اُستاد نے سبق کے دوران میں نئے نئے تعلیمی موقعے پیدا کرنے کے پیشِ نظر پوچھے ہوں۔ جو سبق کا خاکہ تیار کرتے وقت اس کے ذہن میں نہ تھے۔ بلکہ سبق کے دوران میں سلسلہ قائم رکھنے کے لئے اس قسم کے سوالات پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

بعض اوقات اُستاد بچوں کو کوئی مضمون پڑھاتا ہے لیکن اُس کے متعلق سابقہ واقفیت سے بچے ناآشنا ہوتے ہیں اِس لئے اس تعلیمی مشکل کو مدنظر رکھتے ہوئے اُستاد کو اپنے مضمون سے اس وقت تک باز رہنا پڑتا ہے جب تک کہ وہ بچوں کی سابقہ واقفیت کو پختہ نہیں کرتا۔ مثلاً سمندر کے متعلق واقفیت بہم پہنچاتے پہنچاتے اُسے جھیل کو واضح کرنا پڑتا ہے۔ اس قسم کی باتیں بھی خانہ ۲ میں آسکتی ہیں۔

جب اُستاد اپنے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہو لیکن ایک طرف سے اپنے مزید خیالات اور دوسری طرف سے بچوں کے سوالات اور دوسرے تعلیمی موقعے اور مشکلات اُس کی مقصد برآری میں رکاوٹ ڈال رہے ہوں۔ تو ایسے موقعوں پر اُستاد کو پوری حکمت عملی سے کام لینا پڑتا ہے اور یہیں پر اُس کی قابلیت اور ذہانت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو باتیں پڑھانے سے رہ جاتی ہیں اُن کو اگلے دن تمہید کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے اس ضمن میں ایک تجربے کی بات عرض کرتا ہوں۔ ایک ہی مقررہ سبق کو مختلف صلاحیتوں کے اُستاد پیش کرتے ہیں اور دورانِ سبق میں تقاضائے حالات سے مختلف تعلیمی موقعے پیدا ہو سکتے ہیں سبق ایک ہی ہوگا۔ مختلف ماحولوں کے اثرات سے مختلف حرفوں کے نتائج سے مختلف ماحولوں میں رہنے والے طلبہ اور اُن کی ذہنیتوں سے۔ لوگوں کے پیشوں سے مختلف اُستادوں کی شخصیتوں سے۔ مختلف قسم کے طرز سوالات سے نتائج مختلف پیدا ہوں گے۔ اسی لئے ایک اُستاد کا بنایا ہوا سبق کا خاکہ دوسرے کے بے سوچے سمجھے استعمال کرنے سے اپنی اصل خوبی کھو دیتا ہے دوسرے ہر قسم کا کام شروع کرنے سے پہلے اِنسان کو اُس کام کا معمولی سا پروگرام سوچنا چاہیئے، ایسا نہ کیا جائے تو وہ بے مقصد کام کہلاتا ہے اور وہ محض وقت کا ضائع کرنا ہے، اس لئے اُس کام کا پایۂ تکمیل تک پہنچنا محال ہو جاتا ہے۔ اپنے ذہن میں کام کو انجام دینے کا ایک دلکش خاکہ تیار کرنے سے ہی کام سے خاطر خواہ نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہر اُستاد اپنے کام کو مکمل کرنے کا پروگرام خود اپنی اپج سے مرتب کرے اور اسی کے مطابق کام انجام دے۔ اوروں سے اسباق کا خاکہ مرتب کرانا اور خود اس خاکہ کو عملی رنگ میں پیش کرنا لاحاصل ہے کوئی شخص دوسرے کے مرتب کردہ پروگرام پر خوبی سے عمل نہیں کرسکتا یعنی "جس کا کام اُسی کو ساجھے"

لہٰذا سبق کے یونٹ کا دوسرے کے لئے بنا کر پیش کرنا بیکار ہے البتہ ہر اُستاد ایک دوسرے کے سبق کے یونٹ سے مدد حاصل کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ اُن اسباق کو طلبہ کے سامنے پیش کیا گیا ہو۔ اور دوران سبق کی مشکلات اور تجربات کا ذکر نوٹوں میں موجود ہو۔

میرے تجربے میں یہ بات بھی آئی ہے کہ جب تک اُستاد اپنی اپج سے پہلے درجے سے لے کر بنیادی مدرسے کے آخری درجے تک سلسلہ وار اس قسم کے مربوط اسباق کے خاکے بنانے اور پیش کرنے کی زحمت نہ اٹھائے۔ اس کی معلومات اور اس کے تجربوں میں وسعت نہیں آئے گی۔ اور وہ صحیح معنوں میں بنیادی مدرسے کا استاد کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا +

رگھوناتھ مٹو
اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر
مدارس سرینگر

تعلیمی مضامین

بچوں کی تعلیم اور والدین

یہ بات مسلّم الثبوت ہے کہ آج کے چھوٹے چھوٹے بچے کل کی قوم ہیں۔ اگر ان کی مناسب تربیت کی جائے۔ تو آئندہ کی قوم مہذب شائستہ اور لائق ہوگی۔ اگر ان کی تعلیم و تربیت سے غفلت برتی گئی۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ کل بننے والی قوم جاہل اور بداطوار ہوگی۔ جو ملک کو جہالت کے گڑھے میں دھکیل دے گی۔ اور دنیا والوں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہوگی۔

بچوں کی عادات اور اخلاق کا بنانا یا بگاڑنا کس کا کام ہے؟ کیا اس سلسلے میں والدین کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مدرسوں میں بٹھا دیں۔ اور سال بھر میں صرف امتحان کے موقعہ پر استاد سے ملنے آئیں۔ تاکہ ان کے بچے دوسرے درجہ میں ترقی پاسکیں۔ اگر والدین سمجھتے ہیں کہ ان کی ذمہ داری یہیں پر ختم ہو جاتی ہے تو وہ ایک مہلک غلطی کے شکار ہیں رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے بچہ استاد کی نگرانی میں زیادہ سے زیادہ پانچ یا چھ گھنٹے رہتا ہے اور باقی اٹھارہ گھنٹے وہ گھر کے ماحول میں بسر کرتا ہے۔ مدرسوں میں تعلیم عموماً نظری ہوتی ہے اور گھروں میں کام عملی۔ یہ بات بھی تشریح کی محتاج نہیں۔ کہ نظری تعلیم اس وقت تک کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کرسکتی۔ جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ مدرسوں کی نظری تعلیم اس وقت تک کیا فائدہ دے سکیگی جس وقت تک گھروں میں اس پر عمل کرنا سکھایا جائے گا۔

فرض کیجیے۔ کہ ایک استاد اپنی ساری کوششیں اس بات پر صرف کرتا ہے کہ بچے جھوٹ نہ بولیں۔ لیکن ان کے گھروں میں جھوٹ بولنے کی عادت کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ باپ گھر میں بیٹھا ہوا ہے۔ اتنے میں کوئی اس سے ملنے آتا ہے کہ وہ اسے اپنے بچے سے کہلواتا ہے کہ گھر میں نہیں ہیں۔ بلا واسطہ طور پر اس نے اپنے بچے سے نہیں کہا۔ کہ وہ جھوٹ بولے۔ بلکہ عملاً

اس سے جھوٹ کہلوایا۔ اور عملی کام کا اثر زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اُستاد لاکھ سرمارے کوشش کرے۔ کہ بچے جھوٹ نہ بولیں۔ اس کی بیل منڈھے نہیں چڑھیگی۔ کیونکہ اس کی نظری ہدایات اور بچے کے گھر کے عملی کام میں ہم آہنگی نہیں۔

بچوں میں نقالی کی عادت بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہے۔ اور نقل بھی اُتارتے ہیں تو اُن کی جنہیں وہ اپنے آپ سے برتر اور بہتر سمجھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے ماں باپ کے مقابلے میں وہ کسی کو بہتر و برتر نہیں سمجھتے۔ اس لئے قدرتی طور پر وہ انہی کی عادات اور حرکات و سکنات کی نقل اُتارنے لگتے ہیں انہی کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں اگر والدین محتاط نہ رہیں اور اپنے نشست و برخاست اور طرز و طور میں مناسب اصلاح نہ کریں۔ بلکہ اس میں قابل اعتراض رویہ اختیار کریں۔ تو نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اُن کی تمام عادات بچوں میں نفوذ کر جائینگی۔ اور وہ (بچے) غیر شعوری طور پر اُن کی عادات کو اپنا لیں گے۔

والدین کا فرض ہے کہ اچھی قوم پیدا کرنے کے لئے وہ بچوں سے عملاً وہ باتیں کرائیں۔ جو اُنہیں سکولوں میں سکھائی جاتی ہیں بعض دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک باپ اپنے بچے کو جھوٹ نہ بولنے کی نصیحت کرتا ہے اور اس کے فوراً بعد خود جھوٹ بولتا ہے بچوں کی فطرت تصنّع سے بالا تر ہوتی ہے۔ وہ فوراً اپنے باپ کو ٹوک دیتے ہیں کہ ابّا آپ تو ابھی مجھے جھوٹ بولنے سے منع کر رہے تھے۔ اب آپ خود کیوں جھوٹ بولے۔ اس وقت باپ کو اپنی شرمندگی اور ندامت چھپانے کے لئے کوئی اور حربہ نہیں ملتا۔ تو اپنے بچے کو ڈانٹ بتاتا ہے اس طرح زندگی بھر کے لئے اس کی عادت بگاڑتا، اور اس کی شخصیت کو کچل ڈالتا ہے۔

ماں کی گود بچے کی اولیں درسگاہ ہے اگر ماں جاہل بدسلیقہ اور پھوہڑ ہے تو بچے میں ان تمام خصائص کا پایا جانا لازمی ہے اگر وہ سگھڑ سلیقہ شعار اور مہذب ہے تو اس کے بچے بھی یقیناً لائق اور نیک ہونگے۔

اِن تمام باتوں کے پیش نظر مدرسین کا فرض ہے کہ وہ اپنی محنت کو بار آور بنانے کے لئے سازگار ماحول پیدا کریں۔ ہمارے ملک کی جہالت اور کم علمی ضرب المثل بن گئی ہے اور عوام افسوسناک طور پر جاہل ہیں۔ اِن حالات کی موجودگی میں مدرسین کا اِن سے یہ توقع رکھنا۔ کہ والدین اُن کا ہاتھ بٹائیں گے ایک ایسا خواب ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں۔ اس مشکل کو دُور کرنے کے لئے مدرسین پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ محنت سے کام کر کے عوام کو تعلیم کے فوائد سے روشناس کرنے کی تکلیف کریں۔ اُنہیں تعلیم کی طرف متوجہ کریں۔

تاکہ جب وہ خود تعلیم کی قدر و قیمت سے آگاہ ہوں گے۔ اپنے بچوں کے لئے بھی اسے ایک نعمت سمجھ کر انہیں حقیقی معنوں میں زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی فکر میں لگ جائیں گے۔

اس سلسلہ میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ تعلیم کو صرف نوشت و خواند کے محدود معنوں میں سمجھنا دوراز کار ہوگا۔ جس طرح سینا پرونا ایک فن ہے ایسے ہی لکھنا پڑھنا بھی ایک فن ہے اور علم حاصل کرنے کا ذریعہ۔ بالغوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں صرف نوشت و خواند کو اپنی منزلِ مقصود سمجھنا ایک مہلک غلطی ہے۔

جب اساتذہ اس قسم کا سازگار ماحول تیار کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ تو اُن کا کام اور اُن کی محنت کم ہو جائیگی۔ اور اُن کی ذمہ واری بھی اتنی بڑی نہ رہیگی جتنی اب ہے۔

پیشِ خورشید بر مکش دیوار
خواہی ار صحن خانہ نورانی

(غلام رسول نازکی)

---

(۲)

تعلیم اور سماجی تنظیم

ذیل کا مضمون جناب ڈاکٹر بینی پرشاد صاحب کے ایک طویل مضمون کا اقتباس ہے۔ اس میں تعلیم کو سماج کے نزدیک لانے کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ ادارہ

اعلیٰ اور موزوں نظام تعلیم انسانی شخصیت کی نشو و نما کرتا ہے۔ یعنی اس سے انسان کے اندر طاقت، ارادہ کی بلندی، تخلیقی صلاحیت، اور بہت سے امور میں دلچسپی لینے کا مادہ پیدا ہوتا ہے لیکن یہ صفتیں اسی وقت برقرار رہ سکتی ہیں۔ جب سماج اس کے اظہار کے لئے مواقع فراہم کرتا رہے۔ وہ تعلیم جو ہمیں سوسائٹی سے ملتی ہے۔ اس کا سکولوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ یعنی سیاسی اور اقتصادی اداروں کی تنظیم ایسی ہونی چاہئے کہ ان سے تعلیم کے مسلسل مواقع حاصل ہوتے رہیں۔ تجربہ کی قدر و قیمت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو۔ اور سماج میں زیادہ سے زیادہ بیداری کا مادہ پیدا ہو۔

تمدن انسانی سماج کی تنظیم کا نام ہے لیکن جو چیز تمدن کی تنظیم کرتی ہے وہ یہی تعلیم ہے تعلیم کا بلند علمی مفہوم یہ ہونا چاہیئے کہ بیک وقت پورے سماج سے ہمیں تعلیم و تربیت اور آگاہی حاصل ہو۔ اس سوسائیٹی کے ادارے جس میں ایک جماعت مسلسل اور خاموش طور پر دوسری جماعت کے خلاف طاقت کا استعمال جاری رکھتی ہے، خوف یا تکبر جیسی بری عادتوں کو پیدا کرتے ہیں۔ اور شخصیت کو یا تو ترقی کرنے سے روک دیتے ہیں۔ یا اُسے خراب کر دیتے ہیں۔ جب سوسائیٹی میں کچھ لوگوں کو مراعات حاصل ہوں۔ اور کچھ لوگ اپنے حقوق سے محروم کر دیئے جائیں۔ تو اس سے لوگوں کے اندر بے انصافی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اور ان کی ایک بڑی تعداد اپنی صلاحیتوں اور امکانات کو ترقی دینے سے محروم رہ جاتی ہے، بے پناہ مقابلہ اور استحصال ہماری اخلاقی قوت کو تباہ کر دیتا ہے تعلیم سماج میں اگر اس قسم کے ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہو۔ ایک طبقہ کا دوسرے طبقہ سے ربط نہ ہو۔ تو اُس سے سوسائٹی میں ایک ساتھ رہنے کے جو تعلیمی فائدے ہوتے ہیں۔ وہ نہیں حاصل ہوتے۔ جمہوریت سماج کے اندرونی تعلقات کے ذرائع کو لاتعداد کر دیتی ہے اور ایک دوسرے سے بھاگنے اور دور ہٹنے کے رجحان کو روکتی ہے اس سماجی نظام میں کہیں نہ کہیں یقیناً کوئی خرابی ہے جس میں ہر شخص کو یہ محسوس نہیں ہوتا۔ کہ میں بھی کچھ ہوں۔ اور مجھے بھی سماج کی خیر و فلاح کے کام میں تھوڑا سا ہاتھ بٹانا ہے اگر فرد کو سیاسی جذبات اور اظہار خودی کے لئے مناسب اور موزوں میدان نہیں ملتا۔ تو وہ سازش میں بدل جاتے ہیں یا اس کا اظہار بہت ہنگامی طریقہ سے ہونے لگتا ہے۔ اور سیاست خود اپنا مقصد آپ بن جاتی ہے، ایسے سماج میں تعلیم ذاتی ترقی اور مال و دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے، اور انسان مروجہ سماجی اور سیاسی نظام کی حمایت کرنے لگتا ہے۔ ....

......چنانچہ تعلیم کو اصلی اور اکمل بنانے کے لئے ضرورت ہے کہ اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ تک کی تعلیم کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔ تعلیم کو نفسیاتی اصولوں پر قایم کیا جائے۔ اور سماجی اداروں کے فرائض اور کام کو تعلیمی نظام کے مقصد سے ہم آہنگ کیا جائے۔ ان باتوں کا ایک بین الاقوامی پہلو ہے۔ اور اس کی تشریح یہ ہے کہ سماجی اور تعلیمی تنظیم کا مقصد اس وقت بہت گر جاتا ہے۔ جب اس پر شہنشاہیت اور عسکریت کی روح غالب آنے لگتی ہے اس لئے کہ ان چیزوں کی بنیاد دوسری قوموں کی کمزوری پر قایم ہے، اور پھر آپس کے حسد اور دشمنی پر جو کہ جائے خود نتیجہ ہے خود غرضی اور لوٹ کھسوٹ کا...

.... اقتصادی دنیا کی طرح تعلیمی دنیا میں بھی مختلف قوموں اور ملکوں کی تقدیریں ایک ہی رشتہ میں منسلک ہیں۔ دُنیا کے پس ماندہ اور دبے ہوئے ملکوں میں تعلیم کی روشنی پھیلانا نہ صرف وہاں کے باشندوں کے لئے باعث رحمت ہوگا۔ بلکہ یہ ساری دُنیا کی ذاتی اور حقیقی خیر و فلاح کے لئے بھی ضروری ہے موجودہ دور میں سماجی حقائق اور تعلیمی اصولوں کے درمیان جو بے تعلقی اور تضاد کی کیفیت پائی جاتی ہے اس کا ہر جماعت اور ہر ملک سے دُور ہونا بے حد ضروری ہے۔ وہ ریاست جس کی اساس تعلیمی مقصد پر استوار ہوگی اس وقت تک اپنے یہاں پھل پھول نہیں سکتی۔ جب تک دوسرے ملکوں میں بھی اس قسم کی ریاست وجود میں نہ آجائے۔ تعلیم کا اصول خواہ اس کا وسیع مفہوم لیا جائے یا محدود۔ ہر حال میں ایک عالمگیر اور ہمہ گیر اصول ہے اس قسم کی تعلیم دنیا پر عقل کی حکومت قائم کردے گی۔ اور سماجی تبدیلیوں اور انقلابات سے تشدد کے عنصر کو مٹادے گی۔ اگر تعلیم صحیح اصولوں پر دی جائے۔ تو اس سے نہ صرف یہ کہ انسان کے اندر حالات سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ حالات کو بدلنے اور ایک اعلےٰ اور برتر زندگی کی تلاش اور ان کو حقیقی شکل دینے کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔

"نئی زندگی"

(۳)

جغرافیہ پڑھانے کے طریقے

یہ بات اب تمام اُستادوں اور محکمہ تعلیم کے افسروں پر واضح ہو چکی ہے کہ تاریخ اور جغرافیہ کو پڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ ابتداء مقامی حالات سے کی جائے۔ خوش قسمتی سے جغرافیہ ایک ایسا مضمون ہے۔ جس کا تعلق انسان کی روزمرہ زندگی کے ساتھ دوسرے مضامین کے مقابلے میں زیادہ ہے جغرافیہ کے تمام لوازم ہمارے گرد وپیش موجود ہیں۔ سرسبز کھیت، خوبصورت وادیاں، شاداب پہاڑیاں، دیہاتی جھونپڑے، قصبوں کی دوکانیں، شہروں کے کارخانے، سمندروں کی بندرگاہیں، ہوائی جہاز، ریلوے لائنیں غرض کوئی چیز نہیں جو جغرافیہ کے ساتھ متعلق نہ ہو۔ اور جس کی مدد سے ہم جغرافیہ کی تعلیم کو زیادہ دلچسپ اور مفید نہیں بنا سکتے۔

یہ خیال بھی اب فرسودہ ہو چکا ہے کہ جغرافیہ کا مضمون صرف کتابوں سے پڑھایا جائے۔ اس سلسلے میں اتنی اصلاحیں ہو چکی ہیں کہ کتاب کو اب بمشکل ثانوی حیثیت دی جاتی ہے۔ اور اکثر حالات میں تو کتاب کا استعمال ہی جائز نہیں سمجھا جاتا۔ مجھے اس وقت جغرافیہ کی تعلیم کے تمام پہلوؤں سے بحث نہیں۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ جغرافیہ کے مضمون کو کارآمد و دلچسپ اور اس کے اثرات کو پائیدار بنانے کے سلسلے میں ہم سکول کی چار دیواری سے باہر کیا کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ذیل کی باتوں کی طرف دھیان دیجئے:-

(۱) مقامی نباتات اور جمادات کے نمونوں کا جمع کرنا۔

(۲) موسم کے تغیر و تبدل، بارش اور اس کا اندازہ درجہ حرارت وغیرہ کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنا۔

(۳) مقامی پوسٹ کارڈوں، فوٹوؤں، تصویروں، خاکوں اور نقشوں کا جمع کرنا۔

(۴) مقامی اخبارات کے تراشے لینا۔ اور ان کو گتے کے تختوں پر چسپاں کرکے باقاعدہ ترتیب سے رکھنا۔

(۵) عجائب گھروں اور کتب خانوں میں پڑے ہوئے خاکوں اور نقشوں کی نقلیں اُتارنا۔

(۶) مختلف مکانات اور تعمیرات کی تاریخ بناء علوم کرکے اپنی نوٹ بک میں ریکارڈ رکھنا۔
(۷) اپنے شہر کے کوچوں اور مشہور سیرگاہوں، ہوٹلوں وغیرہ کی فہرست مرتب کرنا۔
(۸) بازاروں کا معائنہ کرنا۔ اور اپنے پاس ریکارڈ رکھنا کہ کوئلے، خوراک کی چیزیں، اور دوسری ضروریات زندگی شہر کے کس کس حصے سے حاصل ہوتی ہیں۔
(۹) پبلک لائبریریوں، گرجوں، مسجدوں، مندروں اور عجائب گھروں میں جاکر تفصیلات کا معلوم کرنا۔
(۱۰) کارخانوں کا حال معلوم کرنا۔ اور ان کارخانوں میں جو خام مواد استعمال ہوتا ہے اس کی جائے پیداوار وغیرہ کا مفصل حال معلوم کرنا۔
(۱۱) مقامی لاری اور موٹر کے اڈوں سے ملک کی مختلف سمتوں میں جانے والی گاڑیوں کا وقت، فاصلہ کرایہ وغیرہ جاننا۔
(۱۲) مقامی مجسموں اور کتبوں وغیرہ کا مفصل حال دریافت کرکے محفوظ رکھنا۔
(۱۳) بُتوں یا گرجوں مندروں اور مسجدوں کی محرابوں کا فوٹو اُتارنا۔ یا ہاتھ سے تصویر بنانا۔
(۱۴) شہر کی [illegible] میں جاکر خاص خاص باتوں کو اپنی نوٹ بک میں درج کرنا۔
(۱۵) سکولوں، ہسپتالوں، کارخانوں، اور پولیس سٹیشنوں کے محل وقوع کا دریافت کرنا۔ اور ان کے متعلق تفصیلات کا حاصل کرنا۔

اُستاد اگر ذہانت اور محنت سے کام کرے۔ تو وہ اس قسم کے بے شمار کام اپنی اپج اور جدت سے نکال سکتا ہے۔ جو بچوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوسکتے ہیں اور جن کی مدد سے اُن کی تعلیم دلچسپ اور عملی بن سکتی ہے۔

مقامی جغرافیہ میں کن چیزوں کے جاننے کی ضرورت ہے اس کی طرف ذیل کی چند سطور میں اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۱) شہر یا ملک کی حدود کا تعین محل وقوع وغیرہ۔
(۲) مقامی آب و ہوا۔ اور دوسرے حصوں کے ساتھ اس کا مقابلہ اور فرق کی وجہ۔
(۳) زراعت کا فن، اس کی اہمیت، زرعی زمین کا اندازہ۔ کھیتوں کی تقسیم۔ پیداوار اور مقامی کھپت،

مویشیوں کا پالنا، چراگاہیں، ترکاریوں اور پھولوں کی کاشت اور اس کا طریقہ۔ زمین اور اس کی قدر، قیمت
(۴) تجارت، مقامی پیداوار، اشیائے درآمد و برآمد، درآمد اور برآمد کی وجوہات۔
(۵) حکومت، ملک کی قدرتی اور انتظامی تقسیم۔
(۶) مشہور مقامات، صحت افزا جگہیں، مشہور چیزیں وغیرہ۔

ہر وہ چیز جو جغرافیہ کے مطالعہ کو انسان کی روزمرہ زندگی کے ساتھ وابستہ کرتی ہے۔ قابل قدر ہے کیونکہ ان چیزوں کی مدد سے اس مضمون میں واقعیت آجاتی ہے واقعیت کے آتے ہی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور ذوق تجسس بیدار ہوتا ہے۔ بچہ خواہ کسی بھی ملک کے جغرافیائی حالات کا مطالعہ کررہا ہو۔ اگر اسے دلچسپی کے اسباب میسر ہوں۔ وہ صحیح حالات کو جاننے کے لئے بے تاب ہوتا ہے اور محض مدرسہ کی چار دیواری کے اندر حاصل کردہ تعلیم کے مقابلہ میں اس طرح حاصل کی ہوئی معلومات کا اثر زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔

(غلام رسول نازکی)

(۴)

تقریری انشاپردازی سکھانے کے مختلف وسائل

انشاپردازی کی تعلیم کے متعلق ادارہ نے جو مفصل مضمون ترتیب دیا ہے اس کا ایک حصہ تقریری انشاپردازی کے مقاصد کے عنوان سے تعلیم جدید کی ایک پچھلی اشاعت میں چھپ چکا ہے آج کی اشاعت میں ہم اس کا ایک مزید اقتباس دے رہے ہیں اس میں امدادی وسائل اور ذرائع کے متعلق بحث کی گئی ہے امید ہے استاد صاحبان کے لئے یہ سلسلہ فائدہ اور دلچسپی کا باعث ہوگا۔ (ادارہ)

تقریری انشاپردازی کی مشق کے سلسلے میں مختلف وسیلوں اور امدادی ذریعوں سے کام لیا جا سکتا ہے ان میں سے خاص امدادی ذرائع حسب ذیل ہیں۔
(۱) گفتگو یا بات چیت
(۲) نظم و نثر کو زبانی یاد کرنا، گا کر پڑھنا، یا اداکاری کرنا۔

(۳) تقریریں

(۴) کہانیاں

(۵) مباحثے اور مناظرے

(۶) بیت بازی اور مشاعرے

اب ہم ان کی مختصراً تشریح کرتے ہیں۔

۱۔ گفتگو تقریری انشاپردازی کے سلسلے میں پہلے درجے کے بچوں کے ساتھ آزادانہ بات چیت اور گفتگو کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن اُستاد کو بات چیت کے دلچسپ موضوعات ڈھونڈنے چاہئیں۔ چھوٹے بچوں کو خیالی باتوں، اشیاء کی تعریفوں اور اُن کی ماہیتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اُنہیں عملی موضوع چاہئیں۔ جو اُن کے اردگرد موجود ہوں۔ اور جن کے متعلق اُن کو ذاتی واقفیت ہو، عنوانات کا انتخاب ایسا کرنا چاہیئے جس سے بچوں میں سوچ بچار اور غور و خوض کی عادت پیدا ہوسکے۔ مثلاً "آج تم کیا کھانا چاہتے ہو" "تمہیں گھر میں سب سے زیادہ پیارا کون ہے"؟ "تم کون سا کھیل پسند کرتے ہو؟" اگر بارش میں تمہیں ایک کھلے میدان میں آگ جلانی پڑے تو تم کیا کرو گے؟" تم نے اس ہفتے کون کون سے جانور (یا پھول یا پرندے) دیکھے ہیں؟ ایسے عنوانات بچوں میں سوچ بچار کی قوت کو اکسائیں گے اور وہ ان عنوانات پر بات چیت کرتے ہوئے اپنے دماغ سے مختلف باتیں سوچ سوچ کر نکالنے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح اُن میں مشق کے ذریعے غور و فکر کی عادت پختہ ہوگی۔ گفتگو کے عنوانات مندرجہ ذیل قسم کے ہوں۔ تو طلبہ میں انشاپردازی کی بنیاد شروع ہی سے مضبوط کی جاسکتی ہے۔

گھر اور اس کے افراد، ماحول، رشتہ دار، سکول، گاؤں، میلے، پالتو جانور، جانے پہچانے پرندے اردگرد کی فصلیں، لباس، خوراک، مذہبی تہوار۔ بیاہ شادیاں، جلسے، جلوس وغیرہ۔

مدرس کو اس قسم کے بیسیوں عنوانات مل سکتے ہیں۔ جن پر وہ بچوں سے گفتگو کرسکتا ہے۔

گفتگو یا بات چیت کے دوران میں استاد کو ایک بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اگر بچے اُس کے سوالات کا جواب دیتے وقت بعض واقعات غلطی سے چھوڑ جائیں یا غیر ضروری باتوں کا اضافہ کرجائیں۔ تو اُسے گھبرا کر اُنہیں روکنا نہیں چاہیئے۔ بات چیت کا مقصد ابتداء میں صرف اُنہیں

آزادی سے بولنے کی مشق دینا ہے۔ اور بس۔ واقعات کا صحیح علم اور زبان کی درست ادائیگی مقابلتہً ضمنی چیز ہے۔ جو غیر محسوس طور پر بچوں کو سکھا دینی چاہیئے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گفتگو کرتے وقت بچے یہ محسوس نہ کریں۔ کہ اُن سے محض سوالات پوچھے جا رہے ہیں بلکہ وہ یہ سمجھیں۔ کہ اُن سے سچ معنوں میں مختلف موضوعات کے متعلق واقفیت حاصل کی جا رہی ہے ایسی صورت میں وہ نہایت غور اور خود اعتمادی کے ساتھ سوالات کا جواب دیں گے۔

گفتگو کے سلسلہ میں ایک اور بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے یعنی بچے اُستاد کے سوالات کا جواب پورے جملوں میں دیں۔ صرف "ہاں" یا "نہ" کافی نہیں ہے مثلاً اُستاد ایک چھوٹے بچے سے سوال کرتا ہے کیا تم نے صبح ناشتہ کیا ہے؟ وہ جواب میں صرف ہاں یا نہیں کہہ دیتا ہے گفتگو کے اس طریقہ سے تقریری انشا پردازی کی اچھی طرح تربیت نہیں ہوئی۔ اُستاد کو بچے سے پورا جواب حاصل کرنا چاہیئے "ہاں! میں نے صبح ناشتہ کیا ہے۔ یا نہیں۔ میں نے صبح ناشتہ نہیں کیا۔" وغیرہ۔

گفتگو کیلئے جماعت میں ایک خاص گھنٹہ مقرر کر دینا چاہیئے اور پہلے درجہ میں تو بیشتر وقت تقریری کام میں لگانا چاہیئے۔ کیونکہ ننھے بچوں میں تعلیمی شوق پیدا کرنے کیلئے تقریری کام بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ اچھے سوالات فوراً نہیں سوجھ سکتے۔ اس لئے اُستاد کو پہلے سے ایسے مناسب سوالات سوچ لینے چاہئیں۔ جنہیں بچے آسانی سے سمجھ کر صاف لفظوں میں جواب دے سکیں۔ سوال تمام جماعت پر تقسیم کر دینے چاہئیں۔ اور ہوشیار اور کمزور دونو قسم کے طلبہ سے اُن کے جوابات لینے چاہئیں۔ بعض سوالات کے جوابات کیلئے سوچ بچار کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے سوالات کے بعد بچوں کو سوچنے اور غور کرنے کا موقعہ دینا چاہیئے۔ اور اس کے بعد اُن سے جوابات پوچھنے شروع کئے جائیں۔

بڑی جماعتوں میں بھی بات چیت اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہے گا۔ البتہ اس کے لئے عنوانات یا موضوعات ذرا زیادہ سنجیدہ اور ترقی یافتہ منتخب کرنے چاہئیں۔ حصہ پرائمری میں کم و بیش گفتگو کے عنوانات گھریلو زندگی، ماحول، مدرسہ، گاؤں، بنیادی ضروریات بڑے آدمی ناپسندیدہ چیزیں وغیرہ ہونے چاہئیں۔ اور ہر درجہ میں بچوں کی ذہنی اور جسمانی ترقی کے ساتھ ساتھ سوالوں کے جوابات

میں بھی گہرائی، سنجیدگی اور پختگی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مڈل اور ہائی کلاسوں میں اخبارات، مقامی واقعات اور واردات حادثے، تقریبیں، مشاغل وغیرہ موضوعات گفتگو کے لئے زیادہ موزوں ہیں اور بچوں سے تقریری کام کے گھنٹے میں اِن پر علمی بات چیت کی جاسکتی ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ کہ بڑی جماعتوں میں جاکر طلبہ کی تقریری قوت کھوئی سی جاتی ہے۔ اور اُن میں پھر وہی شرمیلا پن، جھجک اور ہچکچاہٹ پیدا ہونے لگتی ہے۔ جس سے انہیں پہلے پہل سکول میں داخل ہوتے وقت دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ بڑی جماعتوں میں اُستاد لڑکوں سے بات چیت کی مشق پر زیادہ زور نہیں دیتے۔ جماعت میں کسی مضمون کی واقفیت کی جانچ کے لئے جو سوالات کئے جاتے ہیں۔ وہ بھی ہوشیار، چالاک اور بولنے والے طلبہ سے کئے جاتے ہیں۔ اور شرمیلے لڑکے چُپ چاپ سُنتے رہتے ہیں۔ یہ چیز لڑکوں کی آئندہ زندگی پر بڑا اثر ڈالتی ہے۔ اس لئے زبان کے مدرس کو چاہیئے۔ کہ وہ مڈل اور ہائی جماعتوں کے طلبہ کے ساتھ بھی گفتگو کی مشق کو جاری رکھے۔ اور سوالات اور جوابات کے ذریعہ اُنہیں آزادی اور بے تکلفی سے بولنے اور مطلب سمجھا دینے کی صلاحیت پیدا کردے۔ عملی زندگی میں جتنی ضرورت تقریری کام کی پڑتی ہے۔ اُتنی تحریری کام کی نہیں۔ اس لئے اُستاد کو یہ بات ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھ کر بچوں سے عملی کام لینا چاہیئے۔

۲۔ زبانی پڑھنا، تمثیلیں، رٹنا کھیلیں اور گانے وغیرہ

عموماً جو بچے بات چیت اور گفتگو میں زیادہ شرماتے ہیں وہ زبانی پڑھنے کی مشق سے درست ہو سکتے ہیں۔ دراصل اُن میں سوچنے کی عادت کم ہوتی ہے۔ یا اُن کے آواز پیدا کرنے والے پٹھے کمزور ہوتے ہیں۔ اِس لئے اُن میں گفتگو کرتے وقت جھجک اور لڑکھڑاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس نقص، کو دُور کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انہیں جماعت کے سامنے کتاب کا کوئی صفحہ پڑھ کر سنانے کیلئے کہا جائے۔ وہ صاف، رواں اور مناسب آواز میں جماعت کو مخاطب کرکے پڑھیں اور جماعت کے طلبہ کو ہدایت کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی کتابیں بند کرکے اسے چُپ چاپ سُنیں۔ لیکن اس مشق کے سلسلہ میں ہمارے سکولوں میں ایک بڑا نقص ہے۔ جس بچے کو کتاب کا کوئی سبق پڑھنے کے لئے دیا جاتا ہے وہ سمجھتا ہے۔ کہ میری قابلیت جانچنے یا غلطیاں درست کرنے کے لئے ایسا کیا گیا ہے

اور عموماً اس مشق سے اُستاد کی بھی یہی غرض ہوتی ہے۔ اس مقصد کے تحت تقریری مطالعہ یا بلند آواز سے پڑھنے کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اس مشق کا اصل مفہوم ہے بچوں میں تقریری کام کی صلاحیت پیدا کرنا۔ اور اُن کی جھجک اور شرمیلاپن دُور کرنا اور اگر پڑھتے وقت بچے کے دماغ میں اُستاد یا بچوں کی تنقید کا خوف موجود ہے۔ تو اُس کی آواز اور پڑھائی کی رفتار میں پہلے سے زیادہ جھجک اور لڑکھڑاہٹ پیدا ہو جائیگی۔ اس لئے تقریری مطالعہ کی کامیاب مشق کیلئے اُستاد کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ بچوں کے ذہن سے اس ڈر اور خیال کو دُور کردے۔ کہ پڑھتے وقت اُن کی غلطیوں اور لغزشوں کو دیکھا جا رہا ہے۔ اور یہ کہ اُن پر کڑی نکتہ چینی کی جائیگی۔ بلکہ پڑھتے وقت وہ یہ محسوس کریں۔ کہ وہ ایک اہم اور ضروری چیز جماعت کو سُنا رہے ہیں اور باقی طلبہ کی واقفیت بڑھانے یا تفریح کے لئے وہ ایسا کر رہے ہیں۔ کسی آزمائش یا مجبوری کے ماتحت وہ سبق یا کہانی نہیں پڑھ رہے ہیں۔ جب تک بچوں کے ذہن میں تقریری اسباق دیتے وقت یہ خیال نہ ہو گا۔ وہ آزادی، روانی اور بے تکلفی سے عبارت کو نہ پڑھ سکیں گے۔ اس لئے بچوں کو اچھی طرح سمجھا دینا چاہیے کہ بلند آواز سے پڑھنے کی غرض صرف یہ ہے کہ تم ایک نئی اور دلچسپ یا مفید چیز کتاب میں سے پڑھ کر جماعت کو سُنا دو۔ تلفظ کی غلطیاں آہستہ آہستہ درست ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ہر طالب علم نے پڑھتے وقت تلفظ کی جو جو غلطیاں کی ہوں۔ اُستاد اُنہیں نوٹ کرتا جائے۔ اور پوری جماعت کی مشق ختم ہو جانے کے بعد مجموعی طور پر بغیر کسی کا نام لئے اُن سارے الفاظ کا صحیح تلفظ بچوں کو بتاتے اور اُن سے کئی بار کہلوا کر درست تلفظ اُن کے ذہن نشین کر دے۔ اس مقصد کے لئے دلچسپ کتابیں چُنی جانی چاہئیں۔ اور بچوں کے پسندیدہ حصے ان سے پڑھوانے چاہئیں۔ حتے الامکان ایک ہی عبارت کو بار بار نہیں پڑھوانا چاہیئے کیونکہ اس طرح دلچسپی اور جدت ضائع ہو جاتی ہے۔ بہرصورت باقاعدہ اور با اصول مشق تقریری انشا پردازی کے لئے بڑی مفید ہے۔

کسی چیز کو زبانی یاد کر کے محض یادداشت کے بھروسے پر جماعت کے روبرو سنانا بھی لڑکوں کی جھجک کو دور کر دیتا ہے۔ مگر جس طرح ہمارے سکولوں میں بچوں کو کتابیں رٹانے کا اندھا دھند طریقہ رائج ہے اُس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ پہلی اور دوسری جماعت کے بعض بچے

اپنی پوری کتابیں رٹ لیتے ہیں اور اُستاد کے سامنے وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ دیتے ہیں اس سے نہ تو انہیں خود کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ ہی سننے والے طلبہ پر کوئی خاص اثر ہوتا ہے۔ زبانی یاد کرنے کی مشق اگر طریقے اور اصول کے ساتھ عمل میں لائی جائے۔ تو نہ صرف تقریری انشا پردازی کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس سے کمرہ جماعت میں ایک زندگی اور شگفتگی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس مقصد کے لئے اُستاد کو بڑی احتیاط سے ایسی نظمیں گیت اور گانے بچوں کو یاد کرانے چاہئیں۔ جو اُن میں زبان اور ادب کا صحیح مذاق پیدا کر سکیں۔ زبانی یاد کرانے والی نظمیں عام طور پر مختصر، سادہ دلچسپ اور پُرجوش ہونی چاہئیں۔ چھوٹے بچوں کو مقامی اور گھریلو گیت، بیاہ شادیوں اور دوسری تقریبات پر گائے جانے والے راگ، دیہاتی گانے اور بچوں کی لوریاں وغیرہ یاد کرانا (اگر مہیا ہو سکیں) مفید مطلب ہوتا ہے اگرچہ ہماری زبان میں بچوں کے لٹریچر خصوصاً گیتوں، لوریوں اور دلچسپ مختصر نظموں کی بڑی کمی ہے لیکن اگر اُستاد کوشش کرے۔ تو کورس اور لائبریری کی کتابوں میں سے اس قسم کی نظمیں اور گیت بچوں کے لئے چھانٹ کر انہیں یاد کرا سکتا ہے۔ بعض مقامی اور گھریلو گانے بچوں کو خود یاد ہوتے ہیں۔ اُستاد کی کوشش سے بچے والدین اور گھر کے دوسرے افراد سے اس نوعیت کی دوسری نظمیں بھی سیکھ سکتے ہیں۔ بہرصورت اُستاد کو صرف مختصر اور دلچسپ نظمیں اور گانے بچوں کو زبانی یاد کرانے چاہئیں۔ اور کورس کا ہر صفحہ اور ہر سطر رٹا کر اُن کی دماغی قوتوں کو بے فائدہ ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ کمرہ جماعت میں جب کسی بچے سے کوئی نظم یا گیت سنانے کیلئے کہا جائے۔ تو اُسے ٹھہر ٹھہر کر شوق، صفائی اور روانی کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ اس قسم کی مشق سے پہلے اُستاد وہ نظم یا گانا خود موزوں اور متناسب آواز میں بچوں کے سامنے سنائے اور پھر کسی بچے کو جسے وہ زبانی یاد ہو۔ اُسی انداز سے سنانے کے لئے کہے۔ بچوں میں نقل کا بڑا مادہ ہوتا ہے۔ وہ اُستاد کی ہر بھلی یا بُری طرز کو بہت جلدی سیکھ جاتے ہیں۔ اس لئے اُستاد کو ہمیشہ ایک کامیاب نمونہ خود مہیا کرنا چاہئے۔ جب بچہ نظم ختم کرے۔ تو مناسب ہوگا۔ کہ جماعت کے طلبہ اُس کے لہجہ صوتی تناسب اور ادائیگی کے متعلق اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں۔ تاکہ آئندہ کیلئے وہ نقائص کو درست کرکے جماعت کی اچھی رائے حاصل کر سکے۔

کبھی کبھی اُستاد اس قسم کی نظمیں اور گیت سنانے کے بعد جماعت سے کہے کہ ان سب میں سے تین لڑکے ایسے چنو۔ جنہوں نے گیت یا نظم زیادہ اچھی طرح ادا کی ہو۔ اسطرح بچوں کی حوصلہ افزائی ہونے کے علاوہ اُن کی تنقیدی قوت کی نشو ونما بھی ہوسکیگی۔

زبانی سنانے کی مشق کو اگر تمثیل کے پردے میں ادا کیا جائے۔ تو یہ اور بھی مفید ہے کیونکہ بچوں کے جذبات اور حافظہ پر یہ ایک مستقل اور دیرپا اثر ڈالیگی۔ بچے اداکاری کو فطرتاً پسند کرتے ہیں اگر دلچسپ نظموں اور ادبی کہانیوں کو جن میں ایک سے زائد آدمی کام کر سکتے ہیں ڈرامے کے طور پر بچوں سے عملی طور پر ادا کرایا جائے۔ تو وہ نہ صرف یہ چیزیں زیادہ دیر تک اپنے حافظہ میں محفوظ رکھ سکینگے۔ بلکہ شرمیلے سے شرمیلے لڑکے میں بھی ایک نئی قوت اظہار پیدا ہو جائیگی۔ اور تھوڑی سی مشق کے بعد وہ ایک بڑے مجمع کے سامنے آزادی اور روانی کے ساتھ اپنا پارٹ ادا کر سکیگا۔ اُردو ادب میں اس قسم کی نظموں اور کہانیوں کی کمی نہیں ہے خود بچوں کے کورس میں بھی یہ چیزیں موجود ہیں۔ اور مدرس اگر ذرا کوشش سے کام لے۔ تو دوسری کتابوں اور رسالوں سے اس کے لئے ایک اچھا خاصا مواد جمع کر سکتا ہے۔ بچے عمل اور حرکت کو خاموشی اور کتابی پڑھائی سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس لئے کھیل اور عمل کے اس پردے میں بچے خوشی خوشی وہ تمام کام کر لیں گے۔ جو وہ بالعموم کرنے پر خوشی سے راضی نہیں ہوتے۔ حقیقت میں کھیل اور تمثیل تعلیم کا ایک نہایت ہی قیمتی اور آسان طریقہ ہے بشرطیکہ مدرس خود اس میں ذوق و شوق سے کام کرے۔ اور بچوں کی مناسب رہبری کر کے اُن میں اس کا صحیح مذاق پیدا کر دے۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ پہلے درجہ سے لے کر اعلیٰ جماعتوں تک تمثیل یا ڈرامے کا کام نہایت کامیابی کے ساتھ جاری رکھا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں ہر عمر کے بچے دلچسپی لیتے ہیں۔ اس لئے تقریری انشاپردازی کے سلسلہ میں اس عنوان پر اُستاد کو خاص طور پر توجہ دینی چاہئے۔

فضل حسین کیف
ٹیچرز ٹریننگ سکول جموں

(باقی پھر)

تعلیمی تجربات

(۱)

ایک تعلیمی جلوس کی مختصر کاروائی

مورخہ ۱۴ ہر جیٹھ سمت ۲۰۰۱ کو پرائمری سکول لار۔ وندہ ہامہ اور بیسک سکول تولہ مولہ کا ایک مشترکہ جلسہ منایا گیا۔ تین بجے تک ان سکولوں میں حسب معمول جمعہ کے پروگرام کے مطابق کام کرایا گیا۔ سوا تین بجے ان اسکولوں کے لڑکے اپنے اپنے مقام سے جلوس کی صورت میں روانہ ہوگئے۔ وندہ ہامہ سکول نے مواضعات کروہامہ۔ ننگیرا۔ بارسو اور وندہ ہامہ کی طرف گشت لگایا۔ لار سکول نے ریپور۔ کھرانی ہامہ اور لار کی طرف۔ تولہ مولا بیسک سکول نے اپنے ملحقہ دیہات تولہ مولہ ڈانگر پورہ اور لادونہ کی طرف۔

تینوں سکولوں کے طلبہ ایک منظم صورت میں قطار در قطار چلے۔ راستے میں قومی گیت گاتے رہے اور آبادبستیوں کے پاس جہاں لوگوں کا جمگھٹا تھا بچوں نے مندرجہ ذیل عنوانات پر تقاریر کیں۔ تعلیم کے فوائد۔ تعلیم بالغان کے فائدے۔ حفظان صحت کے چند اصول۔ دیہات سدھار کے متعلق چند مفید مطلب باتیں۔ قرضے کی برائیاں۔ بری رسموں کے نقصانات۔ متعدی بیماریوں کے متعلق واقفیت وغیرہ۔ ان عنوانات پر بچوں کو پہلے ہی مختصر سے لیکچر عام فہم اردو زبان میں تیار کر کے دیئے گئے تھے۔ انہوں نے ان مختصر سی تقریروں کو لوگوں کے سامنے پڑھا۔ اور اُن کے معنی کشمیری زبان میں لوگوں کو سمجھائے۔ سوا چار بجے ان تینوں سکولوں کے طلبہ کا ایک مرکزی جگہ پر بمقام تحصیل باغ اجتماع ہوا۔ جہاں پر مندرجہ ذیل پروگرام کو عمل میں لایا گیا۔

سب سے پہلے مشترکہ پرارتھنا کرائی گئی۔ نعرے لگوائے گئے۔ تھوڑا سا سکاؤٹنگ کا کام کرایا گیا۔ اس کے بعد ہر مدرسے کے طلبہ نے اپنے اپنے طریقے پر دلچسپ کھیلوں کے نمونے پیش کئے جو دوسرے اسکولوں کے لئے نئی بات تھی۔ اس کے بعد کھیلوں کے مقابلے ہوئے۔ بچوں نے مندرجہ بالا عنوانات پر دوبارہ تقریریں کیں۔ اس کے بعد دیہات سدھار کے متعلق بچوں سے

تین ڈرامے کرائے گئے۔ آخر میں اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس سرینگر کی طرف سے ایسے جلسوں کی اہمیتوں پر تقریر ہوئی۔ جلسے کی کارروائی چھ بجے شام کو ختم ہوئی۔ اس کے بعد تینوں سکولوں کے طلبہ اپنے اپنے انچارج استادوں کی زیر نگرانی اپنے اپنے سکولوں کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں پر انہیں رخصت کر لیا گیا۔ تینوں سکولوں کے استادوں نے اس جلسے کو کامیاب بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔

اس جلسے کے ذریعے ایک سکول کے طلبہ کا اثر دوسرے سکولوں کے طلبہ پر اچھا رہا۔ بلکہ باشندگان پر بھی۔ جس وقت ان تینوں سکولوں کے طلبہ اکٹھے قطاروں میں گیت گاتے ہوئے جا رہے تھے، تو کھیتوں میں کام کرنے والے لوگوں نے اپنا اپنا کام چھوڑ دیا اور راستے کے کناروں تک دوڑتے ہوئے آ گئے۔

اس کارروائی کے بعد رات کو کیمپ فائر کی رسم ادا کی جاسکتی تھی۔ لیکن چونکہ آجکل لوگ کھیتی باڑی کے کام میں مصروف تھے۔ اس لئے پروگرام کا یہ حصہ دوسرے موقعے تک ملتوی رکھا گیا۔

رگھوناتھ مٹو
اے۔ ڈی۔ آئی
سرینگر

---

(۲)

ایک دیہاتی مدرسہ کی زندگی

(گولڈ کوسٹ (افریقہ) میں ابتدائی تعلیم)

مغربی افریقہ کی سہانی صبح کا وقت ہے ساڑھے آٹھ بج چکے ہیں رات کی گہری کہر ابھی درختوں کی چوٹیوں پر موجود ہے جنگل کے درمیان ایک گاؤں صاف نظر آ رہا ہے چھوٹے چھوٹے افریقی بچے سوتی کپڑوں میں ملبوس ننگے سر اور ننگے پاؤں ادھر ادھر پھر رہے ہیں ان کے سروں پر ایک ایک دو دو کتابیں اور سیاہی کی ایک ایک دوات اس خوبی سے رکھی ہیں کہ ہاتھوں سے

سہارا دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ دیہاتی سکول کی عمارت کے کمرے کھلتے ہیں ڈسک، بنچ، کرسیاں، میز، بچوں نے خود صاف کئے ہیں کچھ بچے ابھی تک جماعتی کمروں کو صاف کر رہے ہیں بعض اردگرد کے گندے گڑھوں اور پانی کے ذخیروں کو بھر رہے ہیں۔ تاکہ مچھر پیدا ہو کر ملیریا نہ پھیلا سکیں استنے میں استاد پہنچ گئے۔ حاضری کے رجسٹر، کتابیں، کاغذات، نقشے، تصویریں، چاک اور تختہ سیاہ سب موجود ہیں۔

ایک چھوٹا لڑکا نہایت فخریہ انداز میں سکول کی دیوار سے لٹکتی ہوئی گھنٹی کو زور زور سے بجا رہا ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں ہر طرف دوڑتے پھرتے ہیں اُن کے سروں پر دوا تیں بدستور رکھی ہیں۔ مدرسہ کے احاطہ میں پہنچ کر بچے اپنی اپنی جماعتوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ جہاں ایک ایک اُستاد کھڑا پہلے ہی اُن کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ جماعت میں پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ بچوں کی جسمانی صفائی کا ملاحظہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ اُن کے سر، مُنہ، ناک، کان، گردن، ہاتھ، بازو، پاؤں اور گھٹنے تک نہیں چھوٹنے پاتے۔ ہیڈ مدرس کے پاس "فوری طبی امداد" کا ضروری سامان اور سادہ دواؤں کا ایک مختصر سا ذخیرہ بھی ہے۔ کسی لڑکے کے جسم پر زخم یا معمولی پھوڑا پھنسی ہو۔ تو ان دواؤں سے مدد لی جاتی ہے اور اس کی اچھی طرح صفائی کرکے مرہم پٹی کی جاتی ہے۔

بہت سے بچوں کے مُنہ میں لکڑی کی ایک مسواک ابتک موجود ہے۔ جس سے کبھی کبھی وہ اپنے دانتوں کو رگڑ لیتے ہیں۔ صفائی کے اس معائنہ کے بعد ڈرل کی باری آتی ہے اور دیر تک لڑکے جسمانی ورزش کی مختلف مشقیں کرتے رہتے ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ وقت ادھر سے ادھر مارچنگ کرنے میں صرف ہوتا ہے۔

اس کے بعد مذہبی پرارتھنا شروع ہوتی ہے لڑکے تین قطاروں میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور ڈھول اور باجوں کی پُر شور آواز کے ساتھ اونچی سُروں میں ایک افریقی گیت گاتے ہیں۔ گانے اور بجانے کی آواز سُن کر بہت سے دیہاتی لوگ سکول کے احاطہ کی بیرونی دیواروں کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور اس نظارے کو نہایت شوق اور دلچسپی سے دیکھتے ہیں۔

یہ لوگ عموماً ان پڑھ ہیں۔ لیکن انہیں مدرسہ اور اس کے کام میں بڑی دلچسپی ہے انہوں نے سکول کی دیواریں کھڑی کیں۔ چونہ اور سفیدی کرکے انہیں خوبصورت بنایا۔ چھت پر لوہے کی چادریں

ڈالنے کیلئے چندہ جمع کیا۔ اور سکول کے احاطے میں سے جنگلی درختوں کو کاٹ کاٹ کر اُسے صاف اور کشادہ بنا دیا۔ اور وقتاً فوقتاً وہ ابتک سکول اور بچوں کی مختلف مشکلات میں ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں۔

عملی تعلیم صبح کے اسباق میں حساب اور پڑھائی شامل ہے ننھے بچوں کی جماعتوں پر ایک نظر ڈالنے سے نئے تعلیمی طریقوں کے اجراء کا پتہ چلتا ہے۔ طوطے کی طرح رٹنے کی عادت اب تقریباً مفقود ہو چکی ہے اور بچے مختلف عملی کاموں اور دلچسپ مشاغل کے ذریعے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ تمام مضامین کی تعلیم افریقی زبان میں دی جاتی ہے لیکن بتدریج بڑی جماعتوں میں انگریزی زبان بھی سکھائی جاتی ہے تاکہ سکول سے فارغ التحصیل ہو کر وہ برطانوی شہریت کی مشترکہ زبان میں اپنا کاروبار چلا سکیں۔ مدرسے اپنا بہت سا وقت بچوں کو اچھے شہری بننے کی عملی تعلیم کے سلسلے میں خرچ کرتے ہیں تاکہ پڑھ لکھ کر وہ ملک کے ترقی یافتہ اور بدلتے ہوئے رجحانات کا ساتھ دے سکیں۔

بڑی جماعتوں کے طلبہ گرمی کا وقت قریبی باغ میں گزارتے ہیں باغ کے ساتھ ہی زراعتی فارم بھی ہے جہاں وہ حساب اور مطالعہ قدرت کے مضامین کی عملی تعلیم حاصل کرتے ہیں سکول میں بہت سی مقامی دستکاریاں رائج ہیں ٹوکریاں بنانا، کھڈی پر کپڑا بُننا، مٹی کے برتن بنانا، ناریل پر نقوش کھودنا وغیرہ کاموں میں بچے شوق سے حصہ لیتے ہیں ننھے بچے موسیقی میں بھی بڑی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ مٹی کے تیل کے خالی پیپوں کو درختوں کی موٹی شاخوں سے بجا کر انہیں بے حد خوشی ہوتی ہے مدرسہ کے وقت کے بعد روزانہ باقاعدگی کے ساتھ کھیلیں ہوتی ہیں اور ہر جماعت کے بچے باری باری مختلف کھیلوں میں حصہ لیتے ہیں گھر پر طلبہ روزمرہ کاموں میں اپنے والدین کا ہاتھ بٹاتے ہیں والدین کے علاوہ اپنے چچا کے کام میں مدد دینا ہر طالب علم کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ چچے کا کمرہ صاف رکھنا، نہانے کے پانی کا انتظام کرنا اور کھانا کھلانا اُس کے روزمرہ فرائض میں داخل ہے۔

(ماخوذ ترجمہ) فضل حسین کیف

اُستادوں کی خط و کتابت

مدرس کی مشکلات

جناب ایڈیٹر صاحب رسالۂ تعلیم جدید۔

جناب ڈائرکٹر صاحب محکمۂ تعلیم نے اپنے مضمون معلمی کا پیشہ نمبر ۲ مطبوعہ رسالۂ تعلیم جدید بابت ماہ فروری میں اُستادوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں اُن کے فرائض یاد دلائے ہیں۔ اس سلسلے میں مُعلّم کو اپنے فرائض کی بجا آوری میں جن مشکلات سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ میں اُن کو مجملاً عرض کرتا ہوں۔ کیا ان حالات کی موجودگی میں توقع کی جاسکتی ہے کہ اُستادوں کی جماعت کامیابی کے ساتھ اپنے معیاری فرائض کو اطمینان کے ساتھ پورا کرسکیگی۔ چند مشکلات کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ نصاب (۱) سب سے پہلی مشکل یہ ہے کہ نصاب کی کتابوں کو مرتب کرتے وقت ریاست کے دیہاتی ماحول کا بہت کم خیال رکھا گیا ہے اور بعض دفعہ ایسی ایسی مثالیں دی گئی ہیں جن کو سمجھانے کے لئے بھی اُستاد کو مشکل درپیش آتی ہے۔ مثال کے طور پر جہاں جسم انسانی کو ریل گاڑی کے انجن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے وہاں اس بات کا خیال بالکل ملحوظ نظر نہیں رکھا گیا ہے کہ دیہاتی بچے ریل گاڑی کے نام سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ اس قسم کی اور بھی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

(۲) بچے عام طور پر نصاب کی کتابوں پر ہی بس کرتے ہیں کیونکہ مدرسوں میں مطالعہ کے لئے مناسب اور موزوں کتابوں کا ذخیرہ بہت کم ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ جب تک کتابوں کا انتظام اطمینان بخش نہ ہو۔ نصابی کتابیں اس ڈھنگ پر تیار کرائی جائیں۔ کہ وہ اُن سے ہی اپنے ذوق تجسس کی تسکین کرسکیں۔

(۳) اکثر مدرسین کا اپنا علم اس قدر کم ہے کہ وہ ٹرینڈ ہونے کے باوجود تعلیم کے مختلف طریقوں سے آگاہ نہیں۔ اس نقص کو دُور کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ مدرسوں میں عام فہم اور سادہ زبان میں لکھی ہوئی علم التعلیم کی کتابیں موجود ہوں۔ اور معائنہ کرنے والے افسران کے فرائض میں یہ بات بھی شامل

ہو۔ کہ معائنہ کرتے وقت منجملہ دیگر امور کے یہ بھی دیکھ لیا کریں۔ کہ اُستاد نے تعلیمی کتابوں اور رسالوں کو پڑھا بھی ہے یا نہیں اور اگر پڑھا ہے تو کیا وہ مضامین کے مفہوم کو سمجھ بھی گیا ہے۔ اور اس پر عمل بھی کرتا ہے ؟

۲۔ محکمانہ قوانین (۱) اکثر حالات میں مدرسین کی بے وقت تبدیلی بھی مدرسے کے نام کو خراب کرتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ سال کے دوران میں تبدیلیوں کے سلسلے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔

۳۔ ذاتی پیچیدگیاں مثلاً مدرس گھر سے بہت دور ہے یا سات آٹھ میل کے فاصلے پر لگا ہوا ہے پہلی صورت میں تو مدرس کو اطمینان ہو ہی نہیں سکتا۔ تنخواہ کی کمی اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔ کہ وہ جہاں کہیں جاتے بال بچوں کو ساتھ لے جائے۔ دیہاتی مدرسین کے لئے یہ بات خاص طور پر مشکل ہوتی ہے کہ وہ جہاں جائیں بال بچے ساتھ لے جائیں۔ کیونکہ اُن کے گاؤں میں اُن کی تھوڑی بہت زمینیں، مکانات، بیل، مویشی وغیرہ ہوتے ہیں۔ جن کو ساتھ ساتھ لئے پھرنا مشکل ہے اور پھر بیشتر کہ خاندان کی رسم کی وجہ سے وہ گھر کے سارے افراد کو ساتھ بھی نہیں لیجا سکتے۔

(۲) چھ سات گھنٹے کی مغز پچی کے بعد مدرس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ کسی طاقت بخش غذا سے اپنے اُلجھے اور تھکے ہوئے دماغ کی مرمت کرے۔ مگر مدرس غریب کو بیس پچیس روپے ماہوار میں کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ کہ وہ معمولی دال دلیہ کا انتظام بھی کر سکے۔ اسی وجہ سے آخر عمر میں مدرس وہمی، چڑچڑے اور بدمزاج ہو جاتے ہیں ضرورت ہے کہ اُستاد کو فکر معاش سے آزاد کرانے کی فکر کی جائے۔ تاکہ وہ زیادہ مستعدی اور جوش سے تعمیر قوم کے مقدس فرض کو انجام دے سکے ✦

نیازمند

سمیع بسوہلی

تعلیمی خبریں

۱- آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا بیسواں سالانہ اجلاس

آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا بیسواں سالانہ اجلاس دسمبر ۱۹۴۴ء میں بمقام حیدرآباد منعقد ہوگا۔ کانفرنس کے کارکن چاہتے ہیں کہ کانفرنس میں پیش ہونے والی تجاویز وغیرہ بہت پہلے طلب کی جائیں۔ تاکہ وقت مقررہ سے پہلے اُن پر غور کیا جا سکے۔

کانفرنس میں ذیل کی سب کمیٹیاں منعقد ہوں گی۔

(۱) بچپن اور گھریلو تعلیم۔ (۲) ابتدائی اور دیہاتی تعلیم۔ (۳) ثانوی تعلیم۔ (۴) یونیورسٹی کی تعلیم۔ (۵) پیشہ دارانہ تعلیم۔ (۶) تعلیم بالغان۔ (۷) فوجی تعلیم۔ اور حفظان صحت کی تعلیم۔ (۸) اخلاقی اور مذہبی تعلیم۔ (۹) اُستادوں کی تربیت۔ (۱۰) تعلیمی سروے۔ (۱۱) امتحانات۔ (۱۲) بین الاقوامیت۔ (۱۳) تعلیم نسواں۔ (۱۴) ابتدائی باشندوں کی تعلیم۔

سیکرٹری نے درخواست کی ہے کہ تجویزیں ۱۵ر جون ۱۹۴۴ء تک اُن کے پاس پہنچ جانی چاہئیں۔

۲- ہندوستان میں امتحانات

رائے بہادر ڈی۔ این مکرجی چیئرمین صیغہ امتحانات آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس نے ایک اپیل شائع کی ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں امتحانات کا موجودہ ناقص اور ناکارہ طریقہ مدت سے رائج ہے اور اس کے خلاف بہت کچھ لکھا اور کہا گیا ہے، لیکن اس کے

(باقی صفحہ ۹۴ پر)

بچوں کی دُنیا

باپ کا عہد

پیارے بچے!

نیند نے تجھے میٹھی میٹھی لوریاں دے کر اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔

تیرا ننھا سا سُرخ ہاتھ تیرے چمکدار رخسار کے نیچے تکیہ بن رہا ہے اور تیرے بھورے خوبصورت بال تیری شیرا بور پیشانی پر پسینہ سے اور بھی زیادہ خوبصورت معلوم ہو رہے ہیں۔ میں بے آواز قدموں سے چپکے چپکے تیری خوابگاہ میں تنہا داخل ہُوا ہوں۔ ایک لمحہ پہلے جب میں اخبار کے مطالعہ میں محو تھا۔ تو پشیمانی اور شرمساری کے ایک شدید جذبہ نے مجھے آ دبوچا۔ میں ایک مجرم کی طرح تیری چار پائی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا ہوں۔ میرے بچے! سُنو!

میں پشیمان ہو رہا تھا کہ آج میرے غصہ اور چڑچڑا پن نے تمہارے ننھے سے دل پر کتنی ہی بار ٹھیس لگائی۔ تم جب سکول جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ تو تمہارے ان دھلے چہرہ کو دیکھ کر میں نے تمہیں نہایت کرختگی سے جھاڑا۔ تم نے اپنے جُوتے صاف نہیں کئے تھے۔ اس لئے میں نے تمہیں بُرا بھلا کہا۔ تم نے لاپرواہی سے اپنی کتابیں اور دیگر سامان فرش پر پھینکا۔ میں نے آگ بگولا ہو کر تمہیں جھاڑ دیا۔ ناشتہ کے وقت بھی میں نے نہایت ترشی سے تمہارے روبہ پرکتہ چینی کی۔ تم نے ننھی ننھی کہنیوں کو میز پر ٹیک دیا۔ مجھے غصہ آ گیا۔ مجھے کام پر جاتے ہوئے تم نے ہاتھ ہلا کر مجھے الوداعی سلام کیا۔ میں نے تیوری چڑھا کر خفگی سے کہا "دیکھو اپنے شانے سیدھے رکھو"۔

میں شام کو گھر لوٹا۔ تو میں نے تمہیں سڑک پر دو زانو بیٹھے بلّور کی گولیاں کھیلتے دیکھا۔ تم اپنے معصومانہ کھیل میں کس انہماک سے محو تھے۔ لیکن میں نے تمہارے اُونی موزوں میں سوراخ دیکھ کر تمہارے کھیل میں خلل اندازی کی۔ نہایت سخت اور سُست الفاظ سے تمہارے دوستوں کے سامنے

تمہاری بے عزتی کی۔ تمہاری خود داری پر کتنی چوٹ لگائی (لیکن کس قدر قابل تعریف ہے تمہاری قوت برداشت۔ تم نے آنکھوں سے غصہ تک کا اظہار نہ کیا) پھر میں نے حریصانہ لہجہ میں کہا۔ "اگر تمہیں یہ موزے خریدنے پڑیں۔ تو تمہیں روپے کی قیمت معلوم ہو جائے۔ تب تم یقیناً زیادہ احتیاط سے کام لو۔"

آہ! میں سوچ رہا ہوں کہ کیا ایک سمجھدار باپ کو ایسے ناروا خود داری پر چوٹ لگانے والے ایسے کلمات کہنے چاہئیں؟

اس کے بعد رات کو تم میرے مطالعہ کے کمرہ تک چپکے چپکے ڈرتے ڈرتے آئے۔ اور دہلیز پر کھڑے ہو گئے۔ تمہاری آنکھوں میں خوف و ہراس تھا (تمہاری مجروح خود داری تمہاری پیشانی کے بلوں سے مجھے گھور رہی تھی، لیکن تمہارے چہرہ پر جذبۂ محبت کی نورانیاں کھیل رہی تھیں) میں نے خلل اندازی کے خوف سے بے صبر ہو کر کرختگی سے پوچھا۔

"آخر کیا چاہتے ہو تم؟" تم نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے آئے۔ تم نے اپنے دونوں بازو میرے گلے میں ڈال دیئے۔ اور میرے رخساروں کو محبت سے چوم لیا۔ وہ محبت جس کا بے بہا خزانہ قدرت نے تمہارے ننھے سے دل میں چھپا رکھا ہے جو میری کرختگیوں اور لاپرواہیوں کے باوجود ختم نہیں ہو سکتا۔ اور پھر نہایت پیاری زبان اور میٹھی آواز میں تم مجھے رات کا سلام کہہ کر اپنی خوابگاہ میں چلے آئے۔

پیارے بچے! اس کے جلد ہی بعد اخبار میرے ہاتھوں سے گر گیا۔ اور خوف اور پشیمانی کے ایک شدید احساس نے مجھے نڈھال کر دیا۔ اور میں سوچنے لگا۔ "مجھے کتنی بری عادت ہے! کتنی بری عادت ہے مجھ میں! میں ہر وقت تم سے چڑچڑا پن دکھاتا ہوں۔ تمہاری ہر بات پر بے رحمانہ تنقید کرتا ہوں۔ کرختگی سے نکتہ چینی کرتا ہوں۔ کیا یہی ہے۔ وہ انعام جو تیرے معصوم لڑکپن کا میں تمہیں دے سکتا ہوں؟"

بیٹا! (معاف کر) یہ محبت کی کمی نہیں۔ بلکہ یہ میری بے سمجھی ہے۔ آہ! میں تم سے کتنی ضرورت سے زیادہ امیدیں رکھتا ہوں۔

کیا عجیب بات ہے کہ میں تمہیں اپنی عمر کے پیمانہ سے ماپتا ہوں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ حقیقت

ہیں تم کتنی اچھی صفتوں کے مالک ہو۔ تمہارا دل صبح کے اُجالے سے بھی زیادہ نورانی ہے اور تمہاری فراخدلی کا ثبوت وہ محبت ہے جس کا تم نے اپنے بازوؤں کو میرے گلے میں ڈالتے ہوئے اظہار کیا۔ اور محبت بھرے بوسہ سے مجھے رات کا سلام کیا۔

بچے! آج کی رات شرمساری سے میرا سر جھک رہا ہے اور ندامت سے تمہاری چارپائی کے ساتھ دو زانو ہو رہا ہوں۔ اس تاریکی اور خاموشی میں اپنی پشیمانی ظاہر کرنے کیلئے۔ بیٹا! یہ تلافی ناکافی ہے۔ اگر تم یہ باتیں عالم بیداری میں سنتے تو تم یقیناً نہ سمجھ سکتے۔ تم سو رہے ہو۔ اور میں آج رات عہد کرتا ہوں۔ کہ کل سے میں تمہارا سمجھدار باپ بننے کی کوشش کروں گا۔ میں تمہیں اپنا دوست بنالوں گا۔ تمہارے غم اور تمہاری خوشی میں برابر کا شریک بنوں گا۔ تمہارے ساتھ بچہ بن کر ہنسا کروں گا۔ (میں اپنی بڑی عُمر کو تمہارے لڑکپن کی ہنسی میں کھو دیا کروں گا۔) جب غُصّہ مجھ پر غالب آنے کی کوشش کرے گا۔ تو میں اپنی زبان دانتوں تلے دبا لیا کروں گا۔ اور ہمیشہ یہی کہتا رہوں گا۔ "آخر تم ابھی بچے ہی تو ہو!" اور اب جبکہ تم عالم خواب میں ہو تو تم کتنے بھولے بھالے اور معصوم نظر آتے ہو!

(ترجمہ)　　　سورج پرکاش بخشی

———(+)———

(دیکھو صفحہ ۴۰ کے آگے) باوجود اس ناقص طریق میں کوئی اصلاح نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ملک کے سامنے کوئی ایسا مجموعی صورت میں آیا ہوا ریکارڈ موجود نہیں۔ جس میں امتحانات کے تمام نقائص پر بحث کی گئی ہو۔ اس لئے میں چاہتا ہوں۔ کہ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کے انعقاد سے پہلے ایک کتاب شایع کروں۔ جس میں موجودہ امتحانات کے نقائص کی نقاب کشائی کی گئی ہو۔ اس کتاب میں سکولوں اور کالجوں کے اندرونی امتحانات اور میٹریکولیشن کے امتحان پر بھی بحث ہو گی۔ کیونکہ وقت بہت کم ہے۔ اور اس سے زیادہ کام نہیں ہو سکتا۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ تمام مراسلہ نگار حضرات مجھے اس ضمن میں اپنی معلومات لکھ بھیجیں۔ اور اپنے تعاون کا ہاتھ بڑھائیں۔ اُن حضرات کے پتے اور نام بھی لکھ دیں۔ جو اس سلسلے میں میری مدد کر سکتے ہیں۔"

نئی کتابیں

سلسلۂ تعلیم بالغان

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے سولہ سولہ صفحے کے سو رسالے مرتب کئے ہیں جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک آنہ ہے۔ ۱۰ رسالوں میں جغرافیہ کے متعلق مفید واقفیت دی گئی ہے اور ان میں دنیا، یورپ، امریکہ، افریقہ، ایشیا، ہندوستان اور چند دیسی ریاستوں کے جغرافیائی حالات دلکش انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔

چھ رسالوں کا عام شہری معلومات سے تعلق ہے مثلاً میونسپلٹی، ڈسٹرکٹ بورڈ، ضلع کی حکومت، جمہوریت اور حکومت ہند کی ہر تنظیم اور ان اداروں کے فرائض وغیرہ۔ بہت سے رسالے مذہبی پیشواؤں کے حالات سے متعلق ہیں۔ چند رسالوں میں قصے کہانیوں کا ذکر ہے۔ گنتی، پہاڑے، اجرتوں اور تنخواہ کا حساب وغیرہ سکھانے والے رسالے بھی ہیں۔ بعض رسالوں میں مختلف پیشہ وروں کے حالات درج ہیں۔

تعلیم بالغان کا کام چلانے والے مرکزوں میں یہ دقت بہت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ کہ بالغوں کے لئے مناسب کتابوں کی کمی ہے۔ کیونکہ بچوں اور بالغوں کے مذاق میں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ادارہ تعلیم و ترقی نے بڑی کدو کاوش سے یہ سو رسالوں کا سٹ مرتب کر کے ملک کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ رسالوں کا انداز بیان عام فہم اور دلچسپ ہے۔ تعلیم بالغان کے سلسلے میں کام کرنے والے بزرگوں کو اس طرف توجہ دینی چاہئے۔ موجودہ حالات کے پیش نظر ایک رسالے کی قیمت ۱ر بہت کم ہے اندازہ یہ ہے۔ کہ ایک رسالے پر ۱ر سے زیادہ لاگت آئی ہوگی لیکن غالباً جامعہ والوں نے ملکی مفاد کے پیش نظر ان رسالوں کی قیمت کم رکھی ہے۔
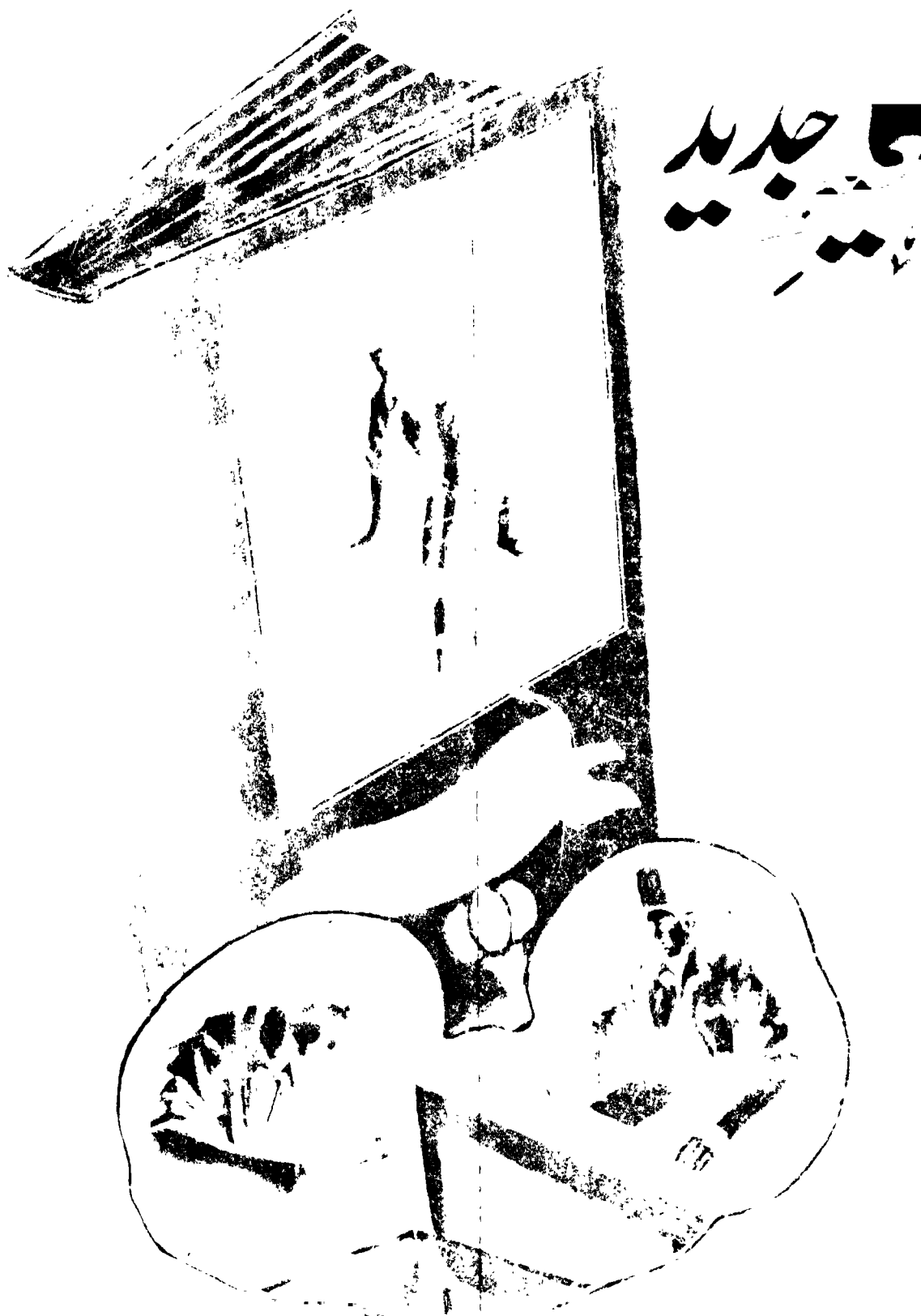
(ادارہ)

جدید

تعلیم جدید
سلسلۂ نو

(محکمۂ تعلیم حکومت جموں و کشمیر کا ماہوار رسالہ)

جلد ۱	جموں ماہ اگست ۱۹۴۴ء مطابق ماہ ساون سمت ۲۰۰۱	نمبر ۹

تعارف

تعلیم جدید کے اس نمبر میں آپ کو بہت سی مفید مطلب باتیں ملیں گی۔ ان میں سے بعض کا ذکر کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

(۱) "عام مطالعہ" جناب ناظم تعلیمات کا ایک کار آمد معلوماتی مضمون ہے۔ اس میں انہوں نے بچوں میں کتب بینی کا شوق پیدا کرنے کے وسائل پر بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں بعض مفید تجویزیں بتائی ہیں بدقسمتی سے ہمارے یہاں بچے تو بچے، پڑھے لکھے بالغ طبقہ میں بھی کتابوں کا شوق تقریباً ناپید ہے علمی مطالعہ کو ابھی تک دماغی عیاشی، اور تضیع اوقات سمجھا جاتا ہے۔ اس کی دو بڑی وجہیں ہیں (۱) ابتدائی تعلیم کے دوران میں بچوں کے ساتھ ہمارے سکول اس بارے میں سخت بے توجہی برتتے ہیں۔ (۲) مطالعہ کے ضروری لوازمات، اچھے کتب خانوں اور دارالمطالعوں کی افسوسناک حد تک کمی ہے۔ مطالعہ کا شوق عام کرنے کے لئے یہ دو شرطیں لازم ہیں۔ اس مضمون میں انہی شرائط کے پیش نظر سکول لائبریریوں کو اس ڈھنگ سے ترتیب دینے پر زور دیا گیا ہے جس سے بچوں کے دل میں مطالعہ کی سچی خواہش پیدا ہو جائے۔ امید ہے اسے پڑھ کر استاد صاحبان ان قیمتی اصولوں کو اپنے سکولوں میں فوراً برتنا شروع کر دیں گے۔

(۲) "تعلیم بالغان" کا مضمون حکومت ہند کے مرکزی مشاورتی بورڈ کی بعد از جنگ تعلیمی تنظیم کا ایک خاکہ ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہماری قومی ترقی کے لئے بالغوں کی تعلیم کی کیا اہمیت ہے! عملی کام کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی قیمتی باتیں ملیں گی۔ رضا کاروں اور قومی کارکن جماعتوں کو ابھی سے اپنے کام کو نئی بنیادوں پر شروع کر دینا چاہئے۔ تاکہ جنگ کے بعد جب تنظیم نو انہیں قومی خدمت کی دعوت دے۔ تو وہ پورے جوش، ہمت اور تجربہ کے ساتھ اس میں شامل ہو سکیں۔

(۳) "تعلیم بذریعہ قدرتی نشوونما" ایک آزاد تعلیمی تجربے کی ابتدائی رپورٹ ہے جو سنٹرل بیسک سکول، دیم پور میں شیخ عبدالعزیز صاحب سلہریا کی سرپرستی میں چند مہینوں سے عمل میں لایا جا رہا ہے۔ ہمارے ہاں اس قسم کے آزاد علمی تجربوں کی ابھی بڑی کمی ہے۔ اس تجربے کے چلانے والے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اور ان کا یہ باجرأت قدم جہاں ایک نیک علمی شگون ہے وہاں ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے (ادارہ)

اُستادوں سے خطاب

عام مطالعہ

میں نے گذشتہ دو نمبروں میں "کتابوں کی دُنیا" کے عنوان سے آپ کے سامنے ادبی مطالعہ کے بعض اصول اور شرائط بیان کئے تھے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ کتابوں کی اس چھوٹی سی دُنیا کی طرف مبذول کروں، جو ہر سکول میں موجود ہوتی ہے (یا ہونی چاہیئے!) لیکن جس کو بہت سے استاد بالکل ہی بھول جاتے ہیں۔ یہ وہ دُنیا ہے جس میں آپ کے بچوں کی ادبی، ذہنی اور جسمانی تربیت کا آغاز ہونا چاہیئے (لیکن نہیں ہوتا!) اس لئے وہ جب مدرسے کی تعلیم مکمل کرکے نکلتے ہیں تو ان میں اتنی صلاحیت نہیں پیدا ہوتی۔ کہ وہ "کتاب" سے علم حاصل کرسکیں یا اس سے صحیح طور پر لطف اندوز ہو سکیں بلکہ وہ "کتاب" کو درسی کتب کا ہم معنی سمجھ کر اس کی طرف سے بدظن ہو جاتے ہیں اور سکول کی چار دیواری کو چھوڑنے کے بعد اچھی کتابوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اگر یہ بات صحیح ہے (اور مجھے یقین ہے۔ کہ آپ کا اپنا تجربہ اس کی تصدیق کرے گا) تو آپ کا فرض ہے۔ کہ آپ اس صورت حال کی اصلاح کی تدبیریں اختیار کریں۔ اگر آپ معاملے کی اہمیت کو سمجھ لیں گے۔ اور ذرا غور و فکر سے کام لیں گے۔ تو طبیعت بہت سے راستے خود بخود سجھائے گی۔ اس ضمن میں چند موٹی موٹی عملی تجاویز ہیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ تاکہ آپ کم سے کم ان پر فوراً عمل کرنا شروع کردیں۔

آپ کی خواہش یہ ہے کہ آپ بچوں میں مطالعہ اور کتب بینی کا شوق پیدا کریں۔ لیکن عام طور پر تمام نفسیاتی اصولوں کی خلاف ورزی کرکے استاد وہ حالات نہیں پیدا کرتے جو مطالعہ کا شوق پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس کیلئے ابتدائی شرائط کیا کیا ہیں؟ پہلی بات یہ ہے کہ بچوں کو اچھی اچھی اور مناسب کتابوں اور مصنفوں سے واقفیت ہو کیونکہ جہالت کے اندھیرے میں ذوق کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ دوسری

بات یہ ہے کہ سکول کے کتب خانے میں ایسی کتابوں کا ذخیرہ موجود ہو جو مختلف عمر اور قابلیت کے بچوں کے لئے موزوں ہوں۔ دوسری ضرورت یہ ہے کہ سکول میں ایسا ماحول پیدا کیا جائے اور کتب خانے کا نظم و ترتیب ایسا ہو کہ بچوں کا اس میں جی لگے۔ اور وہ خود بخود یہ خواہش کریں کہ اپنی فرصت کا وقت اس کمرے میں گذاریں۔ آپ کہیں گے یہ باتیں تو بالکل صاف ہیں۔ ان کے لئے ایک مضمون کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن یہی باتیں عام طور پر بہت صاف اور سیدھی سادی ہوتی ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ جہاں تک عمل کا تعلق ہے لوگ ان کو نظر انداز کر دیا کرتے ہیں۔ مثلاً یہی سکول کے کتب خانوں کا مسئلہ لیجئے۔ میرا خیال ہے کہ آپ میں سے بیشتر کا تجربہ یہ ہوگا کہ (چند سکولوں کو چھوڑ کر) باقی سب میں کتب خانے کی تنظیم میں ان معمولی اور سیدھی سادی باتوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اکثر مدرس محض درسی کتابیں پڑھانے پر اکتفا کرتے ہیں اور پرائمری سکولوں کا کیا ذکر ہے ثانوی سکولوں میں بھی بہت سے طلبہ "کتابوں کی دنیا" کی گوناگوں نعمتوں سے مطلق واقف نہیں ہو پاتے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مدرس خود کتابوں کا قدردان اور شوقین ہو اور اپنے اس شوق میں طلبہ کو شریک کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن چونکہ اکثر مدرسین خود ہی اس شوق سے محروم ہوتے ہیں اس لئے وہ بچوں میں کتب بینی کا ذوق نہیں پیدا کر سکتے۔ اور اگر بعض بچوں کے دل میں گھر کی تربیت یا کسی اچھے اُستاد کے فیض صحبت سے یہ شمع روشن بھی ہو جائے۔ تو سکولوں میں وہ کتابیں کہاں ہیں جو اُن کے شوق کی پذیرائی کریں اور ان کو صحیح راستے پر لے جائیں۔ میں نے بہت سے سکولوں میں کتب خانوں کا جائزہ لیا ہے۔ اور مجھے یہ دیکھ کر بہت تعجب اور افسوس ہوا ہے۔ کہ کتابوں کے انتخاب کے معاملے میں مدرسین اور متعلقہ افسران محکمہ تعلیم نے بعض اوقات نہایت بے پروائی یا فرض ناشناسی سے کام لیا ہے۔ گذشتہ چند سال سے تو حالات ذرا بہتر ہو گئے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کتابوں کے انتخاب کے سلسلے میں بعض اُستادوں نے بچوں کی نفسیاتی ضروریات اور مذاق کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ بعض مدرسوں میں زیادہ تر پرانی درسی کتابوں کے متعدد نسخے کتب خانے کی زینت ہیں۔ حالانکہ میری رائے ہے کہ کتب خانوں کے لئے جو رقم منظور کی جاتی ہے اُسے ان کتابوں پر صرف کرنا سراسر ناجائز ہے۔ عذر یہ ہے کہ یہ کتابیں اُستادوں کو پڑھانے میں کام آتی ہیں۔ لیکن اگر بڑھئی اور لوہار اپنے خرچ سے اوزار خرید سکتے ہیں تو ایک اُستاد کیوں نہ خریدے؟ یہ رقم تو بچوں کے فایدے کے لئے ہے۔ اُستادوں کی کفایت کی خاطر نہیں۔ بعض مدرسوں میں محض پرانی، غیر دلچسپ،

اور بری چھپی ہوئی کتابوں کا انبار ہے۔ جو نہ صرف بچوں کے لئے بالکل نامناسب ہیں بلکہ شاید بالغ اور تعلیم یافتہ لوگ بھی انہیں شوق سے نہیں پڑھ سکتے۔ کہیں کہیں مدرسوں میں ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی آستاد کو ایک خاص امتحان کی تیاری کرنی ہے۔ لہذا بجائے بچوں کے کام کی کتابوں کے امتحان کی نصابی کتابیں منگائی گئی ہیں! یا اگر کسی ہیڈ ماسٹر کو کسی خاص مضمون مثلاً ہاتھ دیکھنے کے فن (Palmistry) یا تحلیل نفسی (Psychoanalysis) کے علم سے دلچسپی ہے تو اس مضمون کی خاص فہمی کتابیں کتب خانے میں منگائی گئی ہیں! ان مختلف مثالوں سے آپ کو واضح ہو جائے گا کہ بہت سے سکولوں میں ہماری دوسری شرط پوری نہیں ہوتی۔ ایسے حالات میں بچوں کی بدشوقی کا گلہ ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے؟ اب تیسری شرط لیجئے۔ میں نے تو اکثر یہ دیکھا ہے کہ مدرسوں میں نہ کتابوں کی "نمائش" کا کوئی معقول انتظام ہوتا ہے۔ نہ کتب خانے کو دلچسپ اور خوشگوار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے عام طور پر کتابیں لکڑی کے ایک بکس یا الماری میں جو شیشوں سے محروم ہوتی ہے بند کر دی جاتی ہیں اور بچوں کو ان سے دوستی پیدا کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ کبھی کبھی چند کتابیں قید خانے سے رہا کر کے مختلف جماعتوں کے اُستادوں کو دی جاتی ہیں کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جو کتاب چاہیں کسی طالب علم کے سپرد کر دیں۔ اس میں طالب علم کو اپنے انتخاب یا پسند کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ اور شاید ہی مدرسے میں کوئی ایسا طالب علم ہو جس کو معلوم ہو کہ سکول کی لائبریری میں کیا کیا کتابیں ہیں۔ اور ان میں سے کون سی ایسی ہیں جو خاص کر کے بچوں کے لئے مناسب ہیں۔ علاوہ اس کے گنجائش یا بعض اوقات محض احساس اور سمجھداری کی کمی کی وجہ سے یا تو کتب خانے کا کوئی کمرہ ہی نہیں ہوتا۔ (اس لئے مطالعہ کی فضا پیدا ہو تو کیونکر؟) اور اگر خوش قسمتی سے کمرہ موجود ہوتا ہے۔ تو بدقسمتی سے خوش مذاقی ناپید ہے کمرے کو اس طرح آراستہ نہیں کیا جاتا۔ کہ بچوں کو وہاں بیٹھ کر فرحت حاصل ہو۔ نہ کتابوں کی نمائش کا معقول انتظام ہوتا ہے۔ نہ روشنی کا، نہ بیٹھنے کے لئے آرام دہ کرسیاں، نہ گلدستے، نہ دیواروں پر خوبصورت تصویریں، نہ چارٹ۔ غرض وہ تمام چیزیں جو ایک کتب خانے میں کشش پیدا کر سکتی ہیں مفقود ہیں۔

اس صورت حال کی اصلاح کے لئے کیا تدبیریں اختیار کی جا سکتی ہیں؟ میں چاہتا ہوں۔ کہ اس بارے میں آپ لوگ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ چند باتیں جو اس ضمن میں میرے ذہن میں آئی ہیں (اور جو میں نے وقتاً فوقتاً اپنے معاینے کی رپورٹوں میں بھی لکھی ہیں) مختصراً درج کرتا ہوں۔

(۱) ہر استاد کو اور خصوصاً [illegible] مضامین کو پڑھانے کے دوران میں بچوں سے اس مضمون کی اچھی اور مفید اور دلچسپ کتابوں اور مصنفوں کا ذکر کرنا چاہیے اور اگر ممکن ہو تو ان میں سے موزوں اقتباسات پڑھ کر سنائے۔ اگر [illegible] کتب خانے میں ان میں سے کوئی کتابیں موجود ہوں تو بچوں کی ان تک رہنمائی کرے۔

(۲) بچے استادوں کی مدد سے اور ان کی گفتگو کی بنا پر ایک فہرست ایسی اچھی کتابوں اور مصنفوں کی تیار کریں جن کا مطالعہ ان کے لئے مفید ہو گا۔ یہ فہرست ایک دفعہ ہی لکھا دینا اتنا کار آمد نہیں جس قدر اس کا [illegible] مرتب ہونا۔

(۳) کتابوں کے انتخاب میں صرف بچوں کے مذاق اور دلچسپی کا خیال رکھا جائے اور دوسرے استادوں کی نئی کتابوں [illegible] کے لئے) کوئی کتاب ایسی نہ خریدی جائے جس کو بچے شوق اور توجہ سے نہ پڑھ سکیں۔ چونکہ بچوں کے مذاق مختلف ہوتے ہیں اور عمر کے ساتھ ساتھ طبیعت کا رجحان بھی بدلتا جاتا ہے لہذا کتب خانے میں کافی تنوع ہونا ضروری ہے۔

(۴) صرف کتابوں کے انتخاب ہی میں نہیں بلکہ ہر جماعت اور ہر طالب علم کے لئے کتابیں تجویز کرتے وقت بہت احتیاط اور ذمہ داری کی ضرورت ہے۔ اگر غلط وقت پر صحیح کتاب بھی بچے کے سامنے پیش کی جائے تو اس کی دلچسپی اور شوق افسردہ ہو کر رہ جائیں گے۔ مثلاً ایک دس گیارہ سال کا بچہ کہانیاں پڑھنا چاہتا ہے اور آپ اسے کوئی بہت اچھی اخلاقی کتاب پڑھنے کو دیتے ہیں جس کو اس کا ذہن اور تجربہ ابھی قبول نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس کو مطالعہ کا شوق پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

(۵) کتابوں کی "نمائش" کا انتظام ایسا ہونا چاہیے کہ بچے ان کو دیکھ سکیں۔ ان کی ورق گردانی کر سکیں۔ اور ان میں سے اپنی پسند کے مطابق انتخاب کر سکیں۔ اس کے لئے شیشے کی الماریاں (اور اگر ممکن ہو سکے تو کھلی الماریاں) موزوں ہیں۔ اس کے علاوہ کتب خانے میں مختلف قسم کی فہرستیں وغیرہ آویزاں ہونی چاہئیں۔ مثلاً مختلف مضامین پر عمدہ کتابوں، اچھے اچھے مصنفوں کی تصانیف (اور تصویریں) اور نئی کتابوں کی فہرستیں، کتابوں پر ریویو اور ان کے گرد پوش، پابند یا بے نظم و نثر کے نمونوں کے خوش خط چارٹ، اس قسم کی چیزوں سے کتب خانے میں ایک موزوں فضا پیدا ہو جاتی ہے اور غیر شعوری طور پر طلبہ کے مذاق پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

(۶) کتب خانے کے لئے مناسب مکان سامان اور فرنیچر ایسا ہونا چاہیے جو ہلکا، خوبصورت اور کام کرنے کے لئے موزوں ہو۔ پڑھنے کے لئے آرام دہ کرسیاں، مضمون لکھنے یا نوٹ لینے کے لئے مختلف سائز کی میزیں، [illegible] مطالعہ کے لئے

ایک علیحدہ گوشہ جہاں لغت اور حوالے کی کتابیں موجود ہوں، بے شک روپیہ کی کمی کی وجہ سے ایسا کرنا مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں۔ کوشش بہت سی مشکلات حل کر سکتی ہے مثلاً جموں کے سری رنبیر ہائی سکول میں (جہاں حالات بحیثیت مجموعی وہی ہیں جو دوسرے بڑے ہائی سکولوں میں ہیں) ہیڈ ماسٹر اور اساتذہ کی کوشش سے لائبریری، جو ایک تاریک اور چھوٹے کمرے میں ہوا کرتی تھی اور طلبہ کی توجہ سے اوجھل تھی، اب سکول کی زندگی کا مرکز بن گئی ہے اور اس کی ترتیب ایسے سلیقے اور خوش مذاقی سے کی گئی ہے کہ خواہ مخواہ وہاں جا کر بیٹھنے اور کام کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(۷) بچوں میں مطالعہ کا شوق بڑھانے کے لئے ان طلبہ کی خاص طور پر قدر کرنی چاہیئے اور ان کو انعامات دینے چاہیئں جو زیادہ سے زیادہ تعداد میں عام دلچسپی کی کتابیں پڑھیں۔

(۸) ہر طالب علم کے پاس ایک نوٹ بک ہونی چاہیئے جس میں وہ ان تمام کتابوں کے نام (مع مصنف کے) تاریخ وار درج کرے جو اس نے سال کے دوران میں پڑھی ہیں اور بہت مختصر طور پر کتاب کے مضمون یا کہانی کا حوالہ اور اگر اس میں سے کوئی خاص عبارت یا اشعار اس کو پسند ہوں۔ تو اُن کو بھی اس نوٹ بک میں لکھ لے۔ اگر طلبہ سال بہ سال ایسا کرتے رہیں تو سکول کو چھوڑتے وقت اُن کے پاس اپنے ذہنی ارتقاء کا ایک مسلسل نقشہ ہوگا۔ جس سے اُن کو عمر بھر دلچسپی رہے گی۔ اسی طرح اُستادوں کو چاہیئے کہ اپنی اپنی جماعت کے ہر طالب علم کی پڑھی ہوئی کتابوں کی فہرست اپنے پاس رکھیں اور وقتاً فوقتاً اس سے سوال کر کے اطمینان کر لیں کہ اُس نے واقعاً وہ تمام کتابیں پڑھی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ کم سے کم تمام ہائی سکولوں، مڈل سکولوں اور چھٹی سات جماعت کے بنیادی مدرسوں میں اس تجویز پر فوراً عمل درآمد ہو جائے۔ میں اس مضمون کے ذریعہ تمام افسران معائنہ اور ہیڈ ماسٹروں کو ہدایت کرتا ہوں۔ کہ وہ فوراً طلبہ اور اُستادوں کے لئے ایسے نوٹ بک کا اجراء کر دیں۔

(۹) آخر میں ایک بات اور۔ یہ تمام ذرائع ہیں جو محض اس اندرونی آنچ کے فیض سے کامیاب ہو سکتے ہیں جو ایک اچھے اُستاد میں موجود ہوتی ہے اگر آپ میں ادب کا ذوق اور مطالعہ کا شوق ہے تو وہ (ایک متعدی مرض کی طرح !) آپ کے بچوں میں پھیل جائیگا۔ وہ خود بخود ان کتابوں اور مصنفوں میں دلچسپی لیں گے۔ جو آپ کو محبوب ہیں۔ لیکن اگر آپ خود کتابوں کی دنیا سے بے بہرہ ہیں تو احکام صادر کرنے اور تجویزیں نافذ کرنے سے کچھ بھی نہ ہوگا۔ لہذا سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ آپ خود اپنے میں ادب کی سچی لگن پیدا کریں۔ اس کے بعد چراغ سے چراغ خود بخود روشن ہو جائیں گے۔!

(خواجہ غلام السیدین)

تعلیمی تحریکیں

تعلیم بالغان

(جنگ کے بعد)

تعلیم کے سنٹرل ایڈوائزری بورڈ نے ہندوستان کے لئے زمانہ مابعد جنگ میں تعلیم بالغان کو چلانے کے سلسلہ میں جو سفارشات کی ہیں اُن کا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

(۱) ہندوستان کے عام تعلیمی مسائل کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم بالغان کو کامیاب بنانے کے واسطے تمام ممکن سہولتیں بہم پہونچائی جائیں۔ اس کی مشکلات کو کم کرنے کے لئے بچوں کی ابتدائی تعلیم کو لازمی اور مفت کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ بچوں کی ابتدائی تعلیم اور تعلیم بالغان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

(۲) تعلیم بالغان کی ابتدائی منزل خواندگی کا حصول ہے ہندوستان میں ناخواندگی کی وبا عام ہے اس لئے اس کے خلاف منظم جہاد کرنا ضروری ہے۔

(۳) خواندگی حصول تعلیم کا محض ایک ذریعہ ہے۔ جو اس کو تعلیم کے مرادف سمجھنا غلط ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عوام کو خواندہ بنانے کے علاوہ اُن کی خواندگی کو برقرار رکھنے کے انتظامات بھی وسیع پیمانے پر کئے جائیں۔ اس سلسلے میں سمعی اور بصری پروپگنڈہ کا انتظام کیا جانا چاہیئے۔

(۴) ابتدا میں کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ ناخواندہ بالغ اپنی رضامندی سے تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ ہوں۔ اور اگر یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ تو اُن پر دباؤ ڈالا جائے۔

(۵) تعلیم بالغان کی سکیم کو کامیاب بنانے کے ضمن میں جو لوگ تجربات کرنا چاہیں۔ انہیں مکمل آزادی حاصل ہونی چاہیئے۔ اور ملک کے مقامی حالات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ سارے ہندوستان کے لئے ایک ہی قسم کا پروگرام مرتب کرنا غلط ہوگا۔

(۶) نصاب میں خواہ کوئی بھی مضمون شامل کیا جائے۔ یا کوئی بھی طریقہ تعلیم اختیار کیا جائے۔ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ طریقہ تعلیم طالب علموں کی دلچسپی کا باعث ہو۔ اور وہ نفس مضمون کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ نصاب تعلیم کا طالب علموں کے پیشوں اور اقتصادی اور سماجی حالات کے مطابق ہونا نہایت ضروری ہے۔

(۷) تعلیم بالغان کا انتظام کرنے میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) بارہ سال سے کم عمر کا کوئی بچہ کسی مرکز میں کسی صورت میں بھی داخل نہ کیا جائے۔

(۲) کسی مدرسے کے طالب علم کو اجازت نہیں ملنی چاہیئے کہ وہ بالغوں کے مرکز میں بھی شام کے وقت شامل ہو سکے۔

(۳) بارہ اور سولہ سال کے درمیان عمر رکھنے والے لڑکوں کی تعلیم کا علیٰحدہ انتظام ہونا چاہیئے۔

(۸) رضاکار انجمنوں کا تعاون حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرلینی چاہیئے۔ اس سلسلے میں کام کرنے والی انجمنوں کی مناسب حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔

(۹) یونیورسٹیوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی زائد از نصاب سرگرمیوں کو وسیع پیمانے پر پھیلائیں۔ اور بہترین خواندہ بالغوں کو یونیورسٹی کے امتحانات میں شامل ہونے کی اجازت دیں۔

(۱۰) صنعتی اداروں کی تعداد میں اضافہ ہونا چاہیئے۔ اور ان میں صنعتی نصاب تعلیم کے علاوہ کلچرل اور تفریحی مضامین کو بھی شامل کرنا چاہیئے۔

(۱۱) تعلیم بالغان درحقیقت سماج کی تعمیر نو کا کام ہے اس لئے یونیورسٹیوں میں عملی طور پر سوشل سائنس کے پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔

(۱۲) کالجوں اور ہائی سکولوں کے اونچے درجوں میں پڑھنے والے طلبہ پر سوشل سروس کو لازمی قرار دیئے جانے کے امکانات پر غور کیا جائے۔ اس کے علاوہ تمام تعلیم یافتہ حضرات سے عموماً اور سرکاری ملازموں سے خصوصاً اپیل کی جائے۔ کہ وہ ناخواندگی کی لعنت کو دور کرنے میں محکمہ تعلیم کا ہاتھ بٹائیں۔

(۱۳) ریڈیو، گراموفون، سینما اور میجک لالٹین سے تعلیم بالغان کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے ان چیزوں کا تسلی بخش انتظام کرنا چاہیئے۔

(۱۴) تعلیم خواہ بالغوں کی ہو یا بچوں کی، اس کی کامیابی کی سب سے بڑی شرط استادوں کی ٹریننگ ہے

بچوں کو پڑھانے کے سلسلے میں جو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ وہ ان طریقوں سے مختلف ہیں۔ جو بالغوں کو پڑھانے میں استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ اس لئے تعلیم بالغان کے استادوں کی ٹریننگ کا مناسب انتظام ہونا ضروری ہے۔ موجودہ ٹریننگ سکولوں کے نصاب میں اس چیز کا اضافہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔

(۱۵) ہر صوبے میں معاینہ کرنے والے افسروں کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ جو تعلیم بالغان کی نگرانی کرنے پر مامور ہوں۔

(۱۶) اس وقت تک یہ کام رضاکار بالعموم بلا معاوضہ کرتے رہے ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس ضمن میں کام کرنے والوں کو معاوضہ دیا جائے۔

(۱۷) ہر مرکز پر ایک لائبریری کا ہونا ضروری ہے۔ ان لائبریریوں میں کتابوں کی تعداد بڑھانے کے لئے روپے کا انتظام ہونا چاہیئے۔ اور حکومتوں کو چاہیئے۔ کہ وہ ان کتابوں پر پوسٹیج وغیرہ کے معاملات میں بھی رعایتیں دے۔

(۱۸) عورتوں میں تعلیم کی نشر و اشاعت مردوں کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہے اور اس کا انتظام ہو جانا چاہیئے۔

(۱۹) ناخواندگی صرف دیہات تک ہی محدود نہیں۔ شہروں میں بھی ناخواندگی موجود ہے۔ شہروں کے ناخواندہ مزدوروں کو خواندہ بنانے کی مہم میں کارخانوں کے مالکوں کا تعاون حاصل کرنا چاہیئے۔ اور مزدوروں کی انجمنوں کے کارکنوں کو اپنا ہم خیال بنا کر اُن کے اثر و رسوخ سے فایدہ اُٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کارخانوں کے مالکوں پر جو اس سلسلے میں تعاون کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ خاص ٹیکس لگانے کے مسئلے کی طرف توجہ کی جا سکتی ہے۔

(۲۰) تمام سرکاری ملازموں پر یہ پابندی عاید ہونی چاہیئے۔ کہ وہ کسی ناخواندہ آدمی کو ملازمت میں نہ لیں۔

(۲۱) تعلیم بالغان کو چلانے کا کام محکمۂ تعلیم کے سپرد ہونا چاہیئے۔ محکمۂ تعلیم کو چاہیئے۔ کہ وہ دیگر محکموں کے ساتھ رابطۂ اتحاد قایم کرے۔ اور ایسے افسروں کا تقرر عمل میں لائے۔ جو سکیم کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔

(۲۲) بعض صوبائی حکومتوں کی مالی حالت محض ناخواندگی کو دور کرنے کے مصارف بھی برداشت نہیں کرسکتی۔ ایسی صورت میں مرکزی حکومت کا فرض ہونا چاہیئے۔ کہ وہ ان کی امداد کرے۔

(۲۳) ہر صوبے میں ایک محکمہ اطلاعات ہونا چاہیئے۔ جو تعلیم بالغان کے اعداد و شمار فراہم کرے۔ اس کے علاوہ ایک مرکزی محکمہ اطلاعات کا تعین بھی ضروری ہے۔ جہاں سے ملک بھر کے اعداد و شمار کو یکجا کرکے وقتاً فوقتاً شائع کیا جاسکے۔

(۲۴) اندازہ کیا گیا ہے کہ آنے والے بیس سال کے لئے اس سکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سالانہ کم و بیش ۳ کروڑ روپے کی لاگت آئے گی +

تعلیمی تجربات

سروے رپورٹ قصبۂ لسوہلی

اس سے پہلے ٹلہ اور رام نگر کے قصبوں کا سروے وہاں کے بچوں نے کیا اور اس کی تفصیل ہم نے رسالے میں شائع کر دی۔ ان کی دیکھا دیکھی اب ہیڈ ماسٹر صاحب لسوہلی نے بھی اپنے قصبہ کا سروے کرایا ہے۔ اور اس کی رپورٹ بغرض اشاعت بھیج دی ہے۔ اس رپورٹ میں چند باتوں کی کمی ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ قصبے میں مڈل سکول کے علاوہ اور کوئی پرائمری سکول بھی ہے یا نہیں۔ مڈل سکول میں پڑھنے والے بچوں کی تعداد کتنی ہے اور گرلز پرائمری سکول میں کتنی بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ قصبے میں اور کون کون سے سرکاری دفاتر ہیں۔ یہاں کی خاص صنعت و حرفت کیا ہے؟ بہرحال ہم شکریہ کے ساتھ اس رپورٹ کو شائع کرتے ہیں۔ امید ہے اور دیگر ادارے اسی قسم کی دوسری تعلیمی سرگرمیاں اپنی اپج اور جدت پسندی کی مدد سے پیدا کریں گے صرف دیہات یا قصبوں کا سروے کرنا ہی کافی نہیں۔ (غلام رسول نازکی)

نام مد	نام مخبر	معلومات
ابتدائی تاریخ	صدیا سنگھ دیو سنگھ گربان سنگھ ٹھاکر مڈل مہندر پال وحقیقت سنگھ متعلمان سکینڈ مڈل زیر نگرانی مولوی عبد الحمید و ماسٹر منیدلال ٹیچر مڈل سکول لسوہلی۔	قدیم روایات اور تاریخی واقعات سے معلوم ہوا ہے کہ اس جگہ کا نام پہلے لسوکھلی تھا۔ جو بعد میں بگڑ کر لسوہلی رہ گیا ہے۔ اس قصبہ کو لسوکریاں نے بسایا تھا۔ جس کا بنایا ہوا درگا بھگوتی کا مندر اس جگہ موجود ہے۔ یہاں ہوا بڑے زور سے چلتی ہے یہ قصبہ راجہ گان بلاوریہ کے وقت میں بہت بارونق ہو گزرا ہے چندربنسی راجپوت بلاوریہ کا راج قریباً ڈیڑھ ہزار سال رہا ہے پہلے یہ قصبہ عین دریا کے کنارے پر آباد تھا۔ مگر بعد میں نزدیک کی پہاڑی پر آباد ہوا۔

نام موضوع	نام مرسلہ	معلومات
محل وقوع	کاہن سنگھ کھیم چند متعلمان سکینڈ مڈل زیر رہنمائی ماسٹر چند لال و بہری رام صاحب۔	قصبہ بسوہلی تحصیل ہذا کا صدر مقام ہے اس کے عین جنوب مشرق کی طرف دریائے راوی بہتا ہے قصبہ سے نصف میل شمال کی جانب نالہ ہے جس کو نالہ چنجوہ کہتے ہیں علاوہ موسم برسات کے یہ نالہ ہمیشہ خشک رہتا ہے۔ یہاں ایک ہزار فٹ کی بلندی پر ایک قلعہ راجگان بلاوریہ کے وقت کا بنا ہوا ہے۔
سطح آب وہوا	”	اس کی سطح عموماً ہموار ہے آب و ہوا گرمیوں میں گرم اور سردیوں میں سرد ہوتی ہے۔ ساون ہوائیں ۱۵ اہاڑ سے بھادوں بلکہ اسوج تک کافی بارش برساتی ہیں۔ سردیوں کے موسم میں ماگھ۔ پھاگن۔ چیت کے مہینوں میں کافی بارش ہوتی ہے۔
پیداوار	سکھدیو سنگھ، شنکر دین متعلمان سکینڈ مڈل زیر نگرانی ماسٹر ہیراج ڈرائنگ ماسٹر و ماسٹر گوبند رام۔	پیداوار میں زیادہ تر چاول۔ گندم۔ مکی۔ جو۔ ماش۔ راجماش۔ کلتھی۔ تل۔ کپاس۔ ادرک۔ پیاز وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے پہاڑی علاقہ میں بنفشہ۔ گوچھیاں۔ تج پتر۔ برہمی۔ بالا۔ دھوپ۔ رسونت۔ شہد۔ گھی وغیرہ اشیاء بکثرت ملتی ہیں۔
پیشے	جسونت سنگھ۔ رتن سنگھ متعلمان سکینڈ مڈل زیر رہنمائی مولوی عبدالحمید انصاری و ماسٹر چندو لال ٹیچر بسوہلی۔	اس قصبہ کے لوگ عموماً غریب ہیں ملازمت کی طرف اُن کا رجحان زیادہ ہے چند اشخاص معمولی درجہ کے ملازم بھی ہیں۔ اس جگہ عرصہ دراز سے ایک مڈل سکول قائم ہے اور یہاں کے طلباء عموماً بوجہ غریبی مڈل تک ہی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس علاقہ کے اشخاص اعلےٰ ملازمتوں میں بالکل نہیں لئے جاتے۔ ٹھٹھیرے۔ لوہار۔ نجار۔ کمہار وغیرہ پیشہ ور ملتے ہیں ہریجن بھی کافی تعداد میں ہیں۔ اِن غریبوں کا گذارہ عموماً اپنی دستکاری پر ہے۔
آبادی	جسونت سنگھ۔ رتن سنگھ متعلمان سکینڈ مڈل زیر رہنمائی	خاص قصبہ بسوہلی کی آبادی ۲۳۸۳ اشخاص کی ہے۔ جن میں مرد ۱۳۰۳ عورتیں ۱۰۸۰

نام مد	نام مرتب	معلومات
	مولوی عبدالمجید ماسٹر بھگت رام صاحب ٹیچرو ماسٹر گوبند رام۔	خواندہ مرد ۷۴۵ خواندہ عورتیں ۱۲۲۶ ہندو مرد ۱۰۴۱ ہندو عورتیں ۸۴۸ مسلم مرد ۲۴۱ مسلم عورتیں ۲۱۹ سکھ مرد ۴ سکھ عورتیں ۱ عیسائی مرد ۱۰ عیسائی عورتیں ۱۲ کل تحصیل کی آبادی ۷۰۱۲۴ ہے جس میں سے ۳۶۷۴۷ مرد اور عورتیں ۳۳۳۷۷ ہیں۔ خواندہ مرد ۳۷۳۵ خواندہ عورتیں ۶۰۰
دکانیں	"	آباد دکانیں ۱۱۴ غیر آباد دکانیں ۱۰۰ بزازی والی دکانیں ۱۷ حلوا[illegible] ۱۰ نانبائی ۳ حجام ۳ رنگریز ۴ منیاری فروش ۳ درزی ۱۰ زرگر ۹ سبزی فروش ۳ موچی ۳ کتب فروش ۱ کریانہ کی دکانیں ۴۸۔
ذرائع بہم رسانی آب	تاراچند۔ کھیم چند متعلمان سکنڈ مڈل زیر نگرانی ماسٹر پدم نابھ و ماسٹر بھگت رام ٹیچر۔	قصبہ لیہ میں پینے کا پانی کنوؤں۔ باؤلیوں۔ تالاب سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس قصبہ میں ایک بڑا تالاب جس کا پانی تمام قصبہ کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ باؤلیوں اور کنوؤں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ کنوئیں ۱۰ باؤلیاں ۱۰ تالاب ۲ جوہڑ ۴ بعض اوقات بوجہ موسم گرما تالاب اور کنوئیں معہ باؤلیوں کے [illegible] ہوجاتے ہیں۔ اور پانی ماسوائے دریائے راوی کے اور کہیں سے

نام مد	نام سرویر	معلومات
سڑکیں	گنیش دت۔ اوم پرکاش متعلمان فسٹ مڈل زیر نگرانی ماسٹر سورج پرکاش و پنڈت بھر گوونت وغیرہ۔	لاری سڑک بننے سے پیشتر جموں سے سبہ ہلی تک کچی سڑک بنی ہوئی تھی۔ لیکن عرصہ چار سال سے کھٹوعہ سے لبو ہلی تک لاری سڑک تیار ہوئی تھی۔ مگر اب شومئے قسمت سے عرصہ دو سال کا ہوا۔ کہ لاری قصبہ میں نہیں آئی۔ اس کی وجہ نالہ بھیانی اور دیگر نالوں کا راستے میں حائل ہونا ہے اور سڑک کی بے قاعدگی ہے اگر بھیانی پہ پل بنایا جائے۔ تو لاری بآسانی آسکتی ہے۔
بازار	مدن لال۔ بیلی رام متعلمان تھرڈ مڈل زیر نگرانی ماسٹر چندو لال گوبند رام صاحب ٹیچر۔	قصبہ کا بازار قریباً پانچ فرلانگ لمبا ہے جس میں پتھر لگے ہوئے ہیں۔ گو برسات کے دنوں میں پانی بازار میں سے ہی بہتا ہے۔ مگر کوئی خاص دقت نہیں ہوتی۔ سمت ۱۹۹۷ میں بازار کا بارونق حصہ پختہ بن گیا ہے۔ بعض بعض گلیوں میں پختہ نالیاں بن گئی ہیں۔
صفائی	〃	صفائی کے لئے عملہ صفائی متعین ہے اس کا خرچ ڈسٹرکٹ فنڈ میں سے ادا ہوتا ہے آٹھ خاکروب اور ایک ماشکی صفائی کے لئے مقرر ہیں چونکہ قصبہ میں ہوا زیادہ چلتی ہے۔ اس لئے کوڑا کرکٹ کو اڑا کر بھی صفائی میں امداد دیتی ہے۔
بیماریاں	رتن سنگھ۔ چرنداس متعلم سکنڈ مڈل زیر نگرانی ماسٹر پدم ناتھ سائنس ماسٹر و ماسٹر ہیراج ڈرائنگ ماسٹر۔	ماہ بہانوں سے لے کر ماہ کاتک تک عموماً ملیریا کا زور رہتا ہے۔ اس سے بکثرت موتیں واقعہ ہوتی ہیں۔ موسم سرما میں نمونیا بھی ہوتا ہے قصبہ میں سرکاری شفا خانہ موجود ہے لوگ عموماً دیسی علاج پر زیادہ یقین رکھتے ہیں۔ کیونکہ قصبہ میں دیسی حکیم موجود ہیں۔ اور فیس وغیرہ بھی نہیں لیتے مگر اب انگریزی علاج کی طرف لوگوں کا رجحان ہو رہا ہے یہاں کے رہنے والوں کی جسمانی حالت از حد کمزور ہے۔

نام مد	نام مخبر	معلومات
تعلیم	دیاکرشن - نہندر پال متعلمان سکینڈ مڈل زیر نگرانی ماسٹر بھگت رام و مولوی عبدالحمید۔	لڑکوں کی تعلیم کے لئے قصبہ میں اس وقت ایک سرکاری اینگلو ورنیکلر مڈل سکول ہے سب سے پہلے ۱۹۲۵ء میں ایک سرکاری پرائمری سکول جاری ہوا۔ اور سمت ۱۹۶۳ میں ورنیکلر مڈل سکول بنا۔ اور سمت ۱۹۸۸ میں اینگلو ورنیکلر مڈل سکول بنایا گیا۔ گذشتہ سال نویں جماعت کے لئے ممبران قصبہ نے بڑی کوشش کی لیکن ناکامیاب رہی۔ اب موجودہ سال میں بھی کوشش کی گئی۔ مگر ٹرینڈ گریجو ایٹ کے نہ ملنے کی وجہ سے اس سال بھی نویں جماعت نہ کھل سکی۔ کہتے ہیں کہ پہلے یہاں سنسکرت پاٹھ شالہ جاری تھی جس میں سے کافی طالب علم تعلیم حاصل کر کے اچھے ودوان ہوا کرتے تھے اور ان کے خرچ کا انتظام راجگان بلاوریہ کے ذمے تھا۔
تعلیم نسواں	"	لڑکیوں کی تعلیم کے لئے سمت ۱۹۸۱ سے ایک سرکاری پرائمری سکول جاری کیا گیا ہے لڑکیاں کافی تعداد میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ ایک مکتب مسلم لڑکیوں کے لئے علیحدہ بھی جاری ہے جس کے لئے سرکاری گرانٹ ان ایڈ دس روپیہ ملتی ہے۔
صحت افزا مقام	ہری کشن - ہریم سنگھ متعلمان تھرڈ مڈل زیر نگرانی ماسٹر ہری رام و مولوی عبدالحمید صاحب ٹیچر سکول ہذا۔	تحصیل ہذا میں دہار سرتھل - کوڈ چنڈ بار - بانیل پیکرال صحت افزا مقامات ہیں۔ دہار سرتھل - موسم گرما کا صحت افزا مقام ہے۔ اس جگہ عموماً گوجر لوگ اپنے مال مویشی کے ساتھ نہایت آرام دہ زندگی گذارتے ہیں۔ اس جگہ دور دراز کے سیاح بھی بطور سیر آتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس پہاڑی پر جھیل باس کنڈ ہے۔ جس میں سے تین دریا یعنی نیرو - اوجھ - جمون توی

نکلتے ہیں اور وہاں ہر تیسرے سال ایک بڑا میلہ لگتا
بھدرواہ سے کافی لوگ میلہ میں آتے ہیں۔

کوڈی چینڈ یار ۔ یہ موضع بسوہلی قصبہ سے پندرہ میل کے
پر واقع ہے۔ اس علاقہ میں عمدہ لوہے کی کانیں ہیں گز
زمانے میں جبکہ لکڑی جنگلات سے عام ملتی تھی۔ لوگ ا
سے لوہا پگھلا کر قابل استعمال بناتے تھے۔ بعض اشیا
اس لوہے کی تیار شدہ موجود ہیں۔ دیگر لوہے سے عمد

مانجل ۔ دہار مانجل۔ جو کہ ٹھیوری کے عین بالمقابل ہے
کے مقابلے میں میدانی جگہ ہے۔ اور اس کا نظارہ قابل
ہے اور اس جگہ سے لاہور تک کی آبادجگہیں مطلع صاف
پر نظر آتی ہیں۔ صوبہ جموں میں یہ جگہ چھاؤنی کے لئے نہا
مفید ہے۔

سکرال ۔ یہ جگہ بسوہلی سے عین جانب شمال مغرب تیس
کے فاصلے پر واقع ہے اس جگہ دیوی کا مندر ہے اور بنچ
بھر کے لوگ یاترا کے لئے یہاں آتے ہیں اگر نالہ بھیا ڈ
سکرال تک سڑک بنائی جائے۔ تو یہ جگہ بھی ولیشنو
کی طرح پُر رونق ہو سکتی ہے۔

مشاہدات　　ہیڈ ماسٹر

بسوہلی کا قلعہ اور محلات کے کھنڈرات اور چند مندر
سلف کی یادگاریں ہیں اور یہ چند رنسی بلاوریہ خاندا
بنائے ہوئے ہیں۔ آج سے تقریباً پچاس سال پہلے
کی حالت اچھی تھی مگر اب غیر آباد ہونے کی صورت میں
خراب ہو چکی ہے بعض بعض کمرے موجودہ وقت میں بھی
استعمال ہیں۔ ان کی بناوٹ اور نقش و نگار دیکھ کر حلو

کہ کاریگر ابھی بنا کر چھوڑ گئے ہیں یہ محلات بعہد راجہ بھوپت پال بننے شروع ہوئے۔ اور راجہ مہندر پال تک ان میں اضافہ ہوتا رہا۔ ملک پنجاب میں اس نمونہ کے محلات کسی اور جگہ نہیں۔ اگر محلات میں دفاتر وغیرہ کھولے جاتے۔ تو یہ یادگار قایم رہ سکتی تھی۔ اور جو خرچ سکول اور تحصیل وتھانہ وغیرہ بنانے پر خرچ ہوا ہے نہ ہوتا۔ اب بھی محلات کا بہت سا حصہ درستی اور مرمت کے بعد قابل رہایش ہو سکتا ہے قلعے جو دو ان محلات کے عین مقابل ہیں۔ اُن میں سے ایک قلعہ کی تعمیر محض اسی غرض کے لئے کی گئی تھی۔ کہ وہ قیدیوں کے لئے جیل خانہ بنایا جائے چنانچہ راجگان بلاوریہ کے وقت میں قیدیوں کو اسی قلعہ میں بند رکھا جاتا تھا۔ اور دوسرا قلعہ جو نالہ جنجلہ کے اُس پار واقعہ ہے فوج رہتی تھی۔ اس قلعہ کی تعمیر شری مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب بہادر جی نے کرائی تھی۔ اس میں ایک دیوی کا مندر موجود ہے اور یاتری عموماً پرستش کے لئے جاتے ہیں۔ قلعہ جنجلہ گنجان جنگل میں واقعہ ہے اور راستہ بڑا دشوار گذار ہے۔ اگر جنگل کی کٹائی ہو کر سڑک تیار کی جائے۔ تو نہایت عمدہ سیر گاہ بن سکتی ہے تحصیلدار صاحب کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی ہے امید ہے کہ یہ کام جلدی پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔

یہاں پر زیادہ تر تجارت پیشہ لوگ آباد ہیں جبکہ یہ قصبہ بارونق تھا۔ اس وقت یہاں شالبافی کا کام نہایت عمدہ ہوتا تھا۔ اور دویم تجارت کا سلسلہ براستہ چمبہ۔ بھدرواہ کے ساتھ تھا۔ اور سویم راجدھانی تھی۔ اب چونکہ یہ تینوں باتیں اس قصبہ میں سے مفقود ہیں اس واسطے یہ قصبہ زیادہ غیر آباد

ہو گیا ہے اب قصبہ ہذا کی صورت آبادی لوہے کا برآمد کرنا ہے یا اگر کوئی اور کارخانہ سرکاری یہاں کھولا جائے ۔ تو اُمید ہے کہ قصبہ پھر اُسی طرح آباد ہو جائے۔ اور لوگ جو کہ مفلسی کا شکار ہو چکے ہیں۔ اپنی حالت کا سدھار کر سکیں۔

اِس قصبہ میں دو چیزیں اِس کی غیر آبادی کا باعث ہیں ایک تو بندر۔ اور دوسری آندھی۔ بندر اِس قصبہ میں اتنی تعداد میں موجود ہیں۔ کہ لوگوں کو کھانا تک نہیں تیار کرنے دیتے۔ اور اگر غفلت سے کہیں جوتا یا کپڑا باہر رہ جائے۔ تو فوراً اُٹھا کر لے بھاگتے ہیں بندر کی عادت عموماً چھلانگیں لگانا ہے اِس لئے سرکاری عمارات کے شیشہ ہائے شکستہ ہونے کی یہی ایک خاص وجہ ہے۔ آندھی۔ شیشے تو درکنار مکانوں کی چھتیں تک اُڑا لیتی ہے۔ کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ دومنزلہ مکانات کی ٹین آندھی سے اُڑ کر کہیں سے کہیں جا پہنچی ہے جس عمارت سرکاری کو دیکھو۔ اُس کے تمام شیشہ ہائے شکستہ ہونگے۔

اِس علاقہ میں چوری کی وارداتیں بہت کم ہوتی ہیں اور ڈاکہ کی واردات بالکل ناپید ہے۔

یہاں پر زمینداروں کو سبزیاں ترکاریاں پیدا کرنے کا شوق نہیں۔ گوشت کا استعمال بھی کم ہوتا ہے لوگوں کی خوراک حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق نہیں۔ اِسی لئے وہ عام طور پر بیمار اور زرد رنگ کے نظر آتے ہیں۔ اور اُن میں پھرتی۔ چالاکی۔ اور چستی نہیں پائی جاتی ٭

(امرناتھ بلگوترہ ہیڈ ماسٹر لبدولی)

۲۔ تعلیم بذریعہ قدرتی نشوونما

سب سے پہلے اس تجربہ کو پنڈت میرام نے کلیا میں موسوی یونیورسٹی کے ابتدائی سکولوں میں آزمایا تھا۔ اسوج سمت ۲۰۰۰ بکرمی میں پہلی بار میں نے مناسب ترمیم کے بعد اس کو سنٹرل بیسک سکول اودھم پور میں رائج کیا۔ کتک سمت ۲۰۰۰ میں میرا تبادلہ جموں کالج میں ہوا۔ اور سکول کے سٹاف نے اس تجربہ کو ملتوی کر دیا۔ جیسا کہ سمت ۲۰۰۱ میں میں پھر یہاں آیا۔ اور اس تجربے پر نئے سرے سے عمل ہونے لگا۔

یہ تجربہ ان قدیم وضع کے سکولوں کے خلاف ایک صدائے احتجاج ہے جن میں صرف نوشت و خواند اور حساب کے چند قواعد سکھائے جاتے ہیں جن میں دی جانے والی تعلیم کو انسان کی عملی زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور جو غیر فطری ماحول کی وجہ سے بچوں کے لئے قید خانے سے کم نہیں۔ اس تجربے کا مقصد یہ ہے کہ تعلیم کو فطری اور نظام معاشرت سے ہم آہنگ کیا جائے تا کہ یہ حقیقی بن سکے۔ بچے اس میں دلچسپی لینے لگیں۔ اگر ہم یہ سوال کریں۔ کہ اگر یہ بچے سکولوں کے طالب علم نہ ہوتے۔ تو دن بھر کیا کرتے رہتے؟ اس سوال کا جو کچھ جواب ہوگا۔ اسی کی بنا پر سکول کا پروگرام مرتب کیا گیا ہے۔ دن کا کام چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر حصے میں ذیل کے کام کئے جاتے ہیں۔ (۱) کھیلیں۔ (۲) کہانیاں۔ (۳) مشاہدات۔ (۴) دستی کام۔ ہر کام کی تفصیل ہیڈ ماسٹر کی رپورٹ میں موجود ہے یہ سارے مشغلے ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ اور مربوط ہیں۔ اور انفرادی طور پر ہر مشغلہ انسان کی حقیقی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ تجربہ فی الحال انسپکٹر صاحب مدارس جموں کی ہدایت کے مطابق صرف ابتدائی پانچ جماعتوں ہی میں جاری ہے۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ سکول کا سارا کام سکول کے اس نئے پروگرام کے تحت کیا جا سکے۔ تجربہ کو جاری کئے ہوئے اگرچہ بمشکل دو ماہ کا عرصہ گذرا ہے لیکن اس کا معائنہ کرنے کے بعد میں یہ دیکھ کر خوش ہوا ہوں کہ تجربہ کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس تجربے کا طلبہ سکول کے عملے اور عوام نے گرمجوشی سے استقبال کیا۔ بچوں کے لئے تو ابتدا ہی سے یہ مرغوب تجربہ تھا۔ البتہ استادوں کو شروع شروع میں اس کی کامیابی کا یقین نہ تھا۔ اب

وہ خوش ہیں - اور اس کے غیر متوقع حوصلہ افزا نتائج دیکھ کر اپنی کامیابی پر نازاں ہیں۔ عوام نے لکیر کا فقیر ہونے کی وجہ سے ابتداً اس کی مخالفت کی۔ لیکن سب بچوں کے جوش کو دیکھ کر وہ اس کی مخالفت کے بجائے اس کے مداح نظر آرہے ہیں۔

اب یہ محکمہ کا کام ہے کہ وہ ان مشکلات کو دور کرے - جو اس تجربے کو کامیاب بنانے کی راہ میں حائل ہیں۔　　(عبدالعزیز سلہریا)

سال گذشتہ بتاریخ ۸ اسوج سمت ۲۰۰۲ کو سکول ہذا میں زیر ہدایات جناب شیخ عبدالعزیز صاحب سلہریا ایک تعلیمی تجربے کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ جس کے بارے میں جامع ہدایات تحریری و تقریری فرمائی گئی تھیں چنانچہ اسی روز اس تجربہ کے تحت تعلیمی کام شروع کیا گیا - تجربہ ہذا میں تمام سکول کے کام کو چار پیریڈز میں اس طرح تقسیم کرنے کی ہدایت ہوئی کہ کچھ وقت کہانیاں سننے سنانے اور پڑھنے میں وقف کیا جائے۔ کچھ وقت کھیل میں۔ کچھ دستی کام میں اور کچھ وقت مشاہدات کے لئے رکھا جائے ہر ایک پیریڈ میں علمی کام اور عملی مشاہدہ کو جگہ دی جائے اور اس کا ریکارڈ بچوں کی ایک ہی کاپی پر جو چار حصوں میں تقسیم ہو رکھا جائے - علاوہ ازیں سکول میں سکول پولیس۔ بینک شاپ - پنچایت۔ انتظامی کمیٹی وغیرہ کا اجرا بھی کیا جائے۔

یہ تجربہ کیا ہے گویا صحیح معنوں میں بنیادی قومی تعلیمی کے مقصد کو پورا کرنے اور چلانے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ جس میں عملی کام - تعلیمی کام اور ارتباط کے علاوہ بچوں کی واقفیت عامہ اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ بچہ چھوٹی ہی عمر میں ہی اپنے ماحول طبیعی و سماجی کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے - اس تجربے کو فی الحال پہلے پانچ درجوں میں شروع کیا ہے ذریعہ تعلیم ہندوستانی رکھا گیا ہے - اسادہ اردو اور سادہ ہندی ہر دو زبانوں میں بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے ۔ مدرسین اور بچے ہندوستانی میں بات چیت کرتے ہیں۔ جس کا اثر یہ ہوا ہے - کہ ہر ایک پہلے درجہ کا بچہ بآسانی دو ماہ کے عرصہ قلیل ہی میں ہندوستانی سمجھنے کے قابل ہو گیا ہے - اور تھوڑی بہت ہندوستانی بول سکتا ہے دوسرے درجہ کے بچے چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہندوستانی میں ادا کر سکتے ہیں۔ تیسرے درجے اور اس کے اوپر کے درجوں کے بچے نہایت اچھی طرح ہر ایک بات کا اظہار ہندوستانی میں کر سکتے ہیں۔

کہانی | کہانیوں کی گھنٹی میں مدرسین۔ بچوں کو چھوٹی چھوٹی دلچسپ سبق آموز کہانیاں ان کے

معیار کے مطابق سناتے ہیں۔ اور ان سے سنتے ہیں۔ یہ کہانیاں زیادہ تر درسی کتاب سماجی ریڈر، تاریخی کہانیاں اور لائبریری کی کتب سے لی گئی ہیں۔ بے معنی اور توہمات سے بھری ہوئی اور شک و شبہ کی پھیلانے والی کہانیوں سے قطعی طور پر احتراز کیا جاتا ہے۔ کہانیوں کا ریکارڈ خوشخطی۔ ڈرائینگ اور چارٹس کے ذریعہ رکھا جاتا ہے دیگر مضامین جو اس کے ساتھ قدرتی طور پر مربوط ہو سکیں۔ نظر انداز نہیں کئے جاتے۔ بوقت ضرورت اشیاء کا عملی مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔

مشاہدات | مشاہدات کی گھنٹیوں میں بچوں کو ہر چیز کا حتی الامکان عملی مشاہدہ کرایا جاتا ہے اور اس کے بارے میں واقفیت بچوں سے ہی اخذ کی جاتی ہے ضروری ارتباط اور عملی کام ملحوظ نظر رکھے جاتے ہیں۔ اس سے بچوں کی واقفیت ٹھوس اور پختہ ہونے کے علاوہ عملی ہوتی ہے اس عملی واقفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ بچوں کا رجحان زیادہ سے زیادہ واقفیت حاصل کرنے کی طرف مائل ہو رہا ہے بچے اور والدین اس تجربے میں خاصی دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں عام پبلک بوقت مشاہدہ (دکانات۔ ورکشاپ۔ مکانات وغیرہ) بچوں کے ساتھ ہر ممکن امداد کرنے کے لئے تیار ہے۔ اب بچوں کو یہ احساس ہو چلا ہے۔ کہ وہ صرف پڑھی پڑھائی یا سنی سنائی باتوں اور چیزوں ہی پر یقین نہ کریں۔ بلکہ ہر ایک پہلو کی عملی طور پر جانچ پڑتال کریں۔ لیکن چند ایک وجوہات کی بناء پر جو آگے درج کی جائیں گی۔ بچوں کی خواہش پورے طور پر سرانجام نہیں پاتی۔ مشاہدات کا ریکارڈ چارٹس۔ تصاویر۔ لکھائی اور البم وغیرہ تیار کرکے رکھا جاتا ہے۔

کھیل | کچھ کھیل مدرسین نے بچوں کے لئے پہلے ہی مخصوص کر رکھے ہیں یہ کھیل اس قسم کے ہیں۔ کہ ان میں بچوں کے ہر ایک عضو کی نشو و نما ہو سکتی ہے۔ کھیلوں میں جو الفاظ اور جملے بچے استعمال کرتے ہیں وہ ان کی نوٹ بکوں پر درج کرایا جاتا ہے۔ کھیل کی ڈرائینگ کرائی جاتی ہے اس کے بارے میں واقفیت دی جاتی ہے۔ ضروری ارتباط نظر انداز نہ کرتے ہوئے کھیل ہی کھیل میں جملہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ اس سے بچوں کی نہ صرف تعلیمی حالت ہی بہتر ہو رہی ہے بلکہ بچے اپنی صحت کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں۔ ان میں اتفاق اور چستی کا عنصر پیدا ہو رہا ہے۔ اس طرح "آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام" کی مثال علیٰ صادق آتی ہے۔ کھیل سے بچوں کی تعلیم اور صحت دونوں نشو و نما پا رہی ہیں۔

دستی کام جس دستی کام کو تمام دنیا کے علماء و فضلاء تعلیم کا ایک خاص جزو قرار دیتے ہیں وہ بھی اِس سکول میں جاری ہے مختلف حرفہ جات کے تحت بچے دستی کام میں مشغول رہتے ہیں اور اس کے بارے میں مکمل واقفیت حاصل کر رہے ہیں۔ گویا ارتباط مضامین یہاں بھی اسی طرح جاری ہے جیسا کہ دوسری گھنٹیوں میں۔ چھوٹے بچوں کے دستی کام میں کنڈر گارٹن اور مٹی کی چیزیں بنانے کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ جس سے بچے اپنے ماحول کے پھول پھلوں اور ترکاریوں کے بارے میں مکمل واقفیت حاصل کرتے ہیں اور ان کے فوائد سے آگاہ ہوتے ہیں اِن میں دستی کام کرنے کی اہمیت پیدا ہو رہی ہے۔ چھوٹے اور بڑے کا سوال۔ اُونچ اور نیچ کا امتیاز مٹ رہا ہے ہر ایک بچہ دستی کام میں ایک ہی جیسی دلچسپی کا اظہار کر رہا ہے اور اس گھنٹی کی طرف بچوں کا خاص دھیان لگا رہتا ہے کہ کس وقت یہ گھنٹی آئے اور ہم دستی کام کریں۔ ہر ایک چیز جو دستی کام میں استعمال ہوتی ہے۔ اور ہر ایک اوزار کا نہ صرف عملی مشاہدہ کیا جاتا ہے بلکہ اِس کے بارے میں عملی واقفیت بھی حاصل کی جاتی ہے۔ اِس کا ریکارڈ بھی لکھائی۔ تصاویر۔ چارٹس اور البم کے ذریعہ رکھا جاتا ہے۔

بنیادی قومی تعلیم کا مدعا یہ ہے کہ جو کام کیا جائے یا جو واقفیت بچے حاصل کریں وہ ٹھوس اور عملی ہو یہ تجربہ پورے طور پر اِس مقصد کی تائید کرتا ہے بنیادی قومی تعلیم کی سکیم کے مطابق حرفہ یا طبعی اور سماجی ماحول کے ذریعے دیگر مضامین کا ارتباط کر کے تعلیم دینا ضروری ہے۔ اِس تجربہ میں یہ مقصد کہانیوں۔ مشاہدات۔ کھیل اور دستی کام کے ذریعہ حاصل ہو رہا ہے۔ گویا ہر ایک پیریڈ بذاتِ خود ایک مکمل سبق ہے۔ ماہرین نفسیات اور ماہرین فن تعلیم نے جو اصول حصولِ تعلیم کے بارے میں وضع فرمائے ہیں۔ یہ تجربہ عین اُن کے مطابق ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ تجربہ شاید اچھے کلرک پیدا نہ کر سکے۔ مگر یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ تجربہ اچھے شہری اچھے دستکار اور متجسس پیدا کریگا۔ ایک نئے متحدہ سماج کی بنیاد ڈالیگا۔ وطن کی خدمت کے لئے رضاکار پیدا کریگا۔ موجودہ وقت میں جبکہ ہندوستان ایک نہایت ہی نازک دور میں سے گزر رہا ہے اور ہمیں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہم ایسے شہری پیدا کریں جو کہ اپنی ذمہ واریوں اور اپنے حقوق و فرائض کو سمجھنے والے ہوں۔ تو ہمیں ضرور اس طرف پوری توجہ سے کام لینا چاہئے۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ ہماری گورنمنٹ اور پبلک بھی ہمارے ساتھ پورے طریق سے تعاون کریں۔

میں اپنے پڑوسی بھائیوں سے التجا کرونگا - کہ وہ بھی اسی قسم کے تجربات اپنے سکولوں میں جاری کریں۔ تاکہ اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ وہ وطن کی خدمت بھی کر سکیں - اگر وہ چاہیں - اس بارے میں ہدایات اور سکیم کی تفصیلات اس سکول سے حاصل کر سکتے ہیں۔

بہرحال باتیں ہوتے ہوئے بھی ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے یعنی ایک تو ہمارے پاس سکول سٹاف کی کمی ہے گویا سات جماعتیں جن میں مڈل کلاسز فارسی - عربی - سنسکرت اور انگریزی کے مضامین بھی پڑھائے جا رہے ہیں صرف چھ مدرسین اور ایک ہندی سنسکرت ٹیچر کام کراتے ہیں اگر کم از کم ایک مدرس کا اور اضافہ فرمایا جائے - تو ہمارا کام کچھ ہو سکتا ہے اور ہماری تکلیفات کا تدارک ہوتے ہوئے طلبہ بھی زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکتے ہیں۔ دوسری دقت یہ ہے کہ اس انتہائی گرانی کے باوجود بھی گرانٹ مدرسہ ہذا صرف ۔/۱۲۵ روپیہ جس سے تمام ضروریات و توضیحات کا میسر آنا ناممکنات میں سے ہے۔ لہذا پُر زور لیکن مؤدبانہ التجا ہے کہ کم از کم ایک مزید مدرس کا اضافہ فرماتے ہوئے موجودہ گرانٹ میں خاطر خواہ اضافہ فرمایا جائے۔

سات جماعتیں اور پونے دو صد کے قریب تعداد طلبہ ہونے کے باوجود سکول بلڈنگ صرف چار کمروں پر مشتمل رہی - جس میں پرانے وقتوں میں صرف تین جماعتیں بیٹھا کرتی تھیں - لہذا سکول بلڈنگ کے ساتھ مزید کمروں کی تعمیر بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ جتنا کہ سکول سٹاف اور موجودہ گرانٹ میں اضافہ - اس ضمن میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب سکول کے ساتھ چھوٹا سا زراعتی فارم تیار کیا گیا ہے اور کھلے ماڈلنگ میں بھی پانی کی ضرورت رہتی ہے ایسی صورت میں سکول ہذا کے ساتھ نلکہ و حوض کی تعمیر ازحد لازمی خیال کی جاتی ہے - امید ہے کہ ہماری تمام ضروریات پر ہمدردانہ غور فرمایا جائے گا - اور ہماری ان ضروریات کو پورا کر کے ہمیں سرفراز فرماتے ہوئے جلد ہی ارشادات فرمائے جائیں گے - تاکہ سکول ہذا کا کام اور زیادہ خوش اسلوبی سے سرانجام پا سکے +

لکھشمی لال
ہیڈ ماسٹر
سنٹرل بیسک سکول آدم پور

بنیادی تعلیم

سکولوں میں ذہنی پیمائش

عام طور پر لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ مختلف انسانوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ اُن کے جسمانی اعضاء ایک ہی طریقے پر اپنے مقررہ افعال سرانجام دیتے ہیں اُن کی نفسیاتی قوتیں ایک ہی قسم کے قوانین کے تحت کام کرتی ہیں مگر مدرس عموماً تھوڑے سے تجربے کے بعد ہی محسوس کرنے لگتے ہیں کہ مختلف بچوں میں نمایاں فرق ہوتا ہے گو وہ اس بات کو سمجھ لیتے ہیں کہ علم نفسیات اور علم افعال الاعضاء کے عام قوانین سب افراد پر یکساں طور پر حاوی ہیں۔ لیکن جسمانی قوتوں مزاج اور ذہنی قابلیت کے لحاظ سے اُن میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے بالغوں میں بھی ایسے اختلاف پائے جاتے ہیں لیکن اُن کو ہم زیادہ آسانی کے ساتھ بھانپ سکتے ہیں۔ بچوں کے یہ اختلافات عوام کی نظر سے اس لئے پوشیدہ رہتے ہیں کہ اُن کا بالغوں کے ساتھ زیادہ سابقہ نہیں پڑتا۔ اور عام طور پر ہر شخص بچوں کی باتوں کو "بچوں کی سی باتیں" سمجھ کر قابل توجہ بھی نہیں سمجھتا۔ لیکن مدرس ان اختلافات کو آسانی سے دیکھ سکتا ہے اگر وہ اُن کو نہیں سمجھتا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے کام میں یا کم از کم بچوں میں دلچسپی نہیں لیتا۔ یہ فرق مختلف طرح کے ہوتے ہیں ایک ہی عمر کے دو بچوں میں سے ایک بچہ دوسرے کے مقابلے میں زیادہ تندرست اور مضبوط ہوتا ہے یا ایک کی نظر دوسرے کے مقابلے میں تیز تر ہوتی ہے۔ ایک پھرتیلا ہوتا ہے تو دوسرا سست، ایک سنجیدہ مزاج تو دوسرا چنچل، ایک بچہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے تو دوسرا خلوت پسند ہے۔ ان جسمانی اور مزاج کی تفاوتوں کے علاوہ بچوں کی ذہنی قابلیت میں بھی فرق ہوتا ہے مثلاً ایک بچہ کڑی محنت کرنے پر بھی پڑھائی میں زیادہ ترقی نہیں کر سکتا، لیکن ایک اور بچہ اس سے کم عمر ہونے اور کم کوشش ہونے کے باوجود زیادہ ترقی کرتا ہے اس ذہنی قابلیت کا اندازہ لگانے میں مدرس تو کیا۔ ماہرین نفسیات بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں جس کی وجہ سے اکثر نقصان اُٹھانے کا

اختلال ہوتا ہے ذہنی قابلیت کا اندازہ لگانا مدرس کے لئے کئی طرح سے کارآمد ہو سکتا ہے اس اندازہ سے
مدرس اپنے طریقۂ تعلیم کو بچوں کی قابلیت کے مطابق ڈھال سکتا ہے اور اس سے پیشہ ورانہ تربیت کے
چناؤ میں مدد مل سکتی ہے۔ ذہانت کا اندازہ لگاکر ہم بچوں کو مختلف اور مناسب جماعتوں میں تقسیم کرکے
طریقۂ تعلیم کو زیادہ سے زیادہ موثر بنا سکتے ہیں اور انفرادی طور پر بچوں کی ذہنی اور دوسری ضروریات کی طرف
دھیان دے سکتے ہیں لیکن کبھی کبھی ایسے بچوں کا پتہ لگ سکتا ہے۔ جو مروجہ اعلیٰ تعلیم سے فائدہ اٹھا نہیں سکتے
لیکن وہ اعلیٰ پایہ کے کاریگر بن سکتے ہیں سیاسی اور سماجی کام کرکے سماج کی سیوا کرسکتے ہیں۔

ذہانت کی پیمائش کے طریقوں کا ذکر کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم دیکھیں کہ ذہانت
کسے کہتے ہیں۔ ماہرین نفسیات و تعلیم کے خیالات اس بارے میں مختلف ہیں عام طور پر ذہانت سے
یہ معنی لئے جاتے ہیں کہ انسان نئے حالات میں مشکلات کا مقابلہ کرنے میں کس قدر تیزی کے ساتھ
اور کس قسم کی مہارت سے کام لے سکتا ہے اور وہ کس حد تک پرانے تجربے سے فایدہ اٹھا سکتا ہے صاف
ظاہر ہے کہ اس قسم کی قوت تعلیم اور تجربہ سے ایک علیحدہ چیز ہے علم اور مخصوص تجربہ اس قوت اظہار کے نتیجے
ہیں مگر اس قوت کے ابتدائی موجب نہیں۔ اس قوت میں کون کون سی نفسیاتی قوتیں شامل ہیں؟ اس پر
بھی ماہرین کی رائیں مختلف ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ ذہانت ایک ایسی قوت ہے جس میں وحدت کارفرما
ہے بعض کی رائے ہے کہ ذہانت کئی مخصوص قوتوں کے مجموعے کا نام ہے ذہانت کیا ہے اور کیا نہیں۔
اس میں کون سے عنصر شامل ہیں اور کون سے نہیں؟ اس قسم کے مسایل کا حل ڈھونڈنے کے لئے تجربات
کئے جاچکے ہیں اور اعلیٰ ریاضیات کی مدد سے کم و بیش اندازہ لگایا گیا ہے کہ ذہانت میں ایک عام دماغی
قوت شامل ہے جس کے ذریعہ ہم مشکلات پر عبور پاسکتے ہیں یا ذہانت چند مخصوص قوتوں کا مجموعہ ہے۔
جس کی مدد سے ہم دماغی مسایل کو حل کرسکتے ہیں اور یہ مخصوص قوتیں ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر
ملی جلی رہتی ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے بہ آسانی جدا نہیں کرسکتے۔ بہرحال جس وقت ہم ذہنی قابلیت کا
اندازہ لگاتے ہیں اس وقت ہم ذہانت میں تمام امور شامل کرتے ہیں جس میں قوت ادراک، قوت
متخیلہ، قوت استدلال اور قوت فیصلہ وغیرہ شامل ہیں مثلاً مختلف قسم کی چیزوں میں مشابہت اور
اختلاف کا امتیاز، غلط اور صحیح وجوہات اور اسباب میں تمیز کرنا، مختلف شکلوں کی جانچ مختلف اعداد
میں مشترک تعلق کا پہچاننا، احکام کے مطابق کام کرنا وغیرہ وغیرہ۔

ذہنی معیار کا اندازہ مختلف قسم کے سوالات کے ذریعہ کیا جاتا ہے یہ سوالات ایسے ہوتے ہیں جن کے جواب کے لئے کسی خاص تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی - بلکہ زندگی کا تجربہ خود وہ باتیں سکھاتا ہے - سوالات ایسے ہوں - جن کے جواب عام ہوں - اور یہ جوابات اس نوعیت کے ہوں - کہ مختلف ممتحن یا ایک ہی ممتحن مختلف اوقات پر اُن کو ایک سے نمبر دیں - اور اس میں ذاتی رائے اور مزاجی کیفیت کو دخل نہ ہو - ایسے سوالات ہزاروں لڑکوں سے حل کرائے جاتے ہیں اور انہیں نمبر دیئے جاتے ہیں پھر اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ہر عمر میں اوسط درجے کے بچے سے کتنے نمبر حاصل کرنے کی توقع کی جاسکتی ہے اب اگر کسی دوسرے بچے سے یہی سوالات حل کرائے جائیں - تو اس کے حاصل کئے ہوئے نمبروں سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ذہانت کے اعتبار سے کس عمر کا بچہ اتنے نمبر حاصل کر سکتا ہے - یہ اس کی ذہنی عمر کہلائے گی - اگر بچے کی پیدائشی عمر اس ذہنی عمر سے کم یا زیادہ ہے تو وہ بچہ اسی نسبت سے ذہین یا غبی سمجھا جائیگا - زیادہ صحیح اندازہ لگانے کے لئے ذیل کا فارمولا استعمال کیا جاتا ہے -

$$\text{ذہنی معیار} = \frac{\text{ذہنی عمر (مہینوں کے حساب سے)}}{\text{پیدائشی عمر (مہینوں کے حساب سے)}} \times 100$$

۹۰ سے لے کر ۱۱۰ تک اوسط ذہانت سمجھی جاتی ہے یہ بات یاد رہے کہ افراد کی معلومات اور صلاحیت عمر کے لحاظ سے بڑھتی رہتی ہے لیکن ذہنی معیار ایک ہی رہتا ہے - ذہانت ۱۶ سال کی عمر تک بڑھتی جاتی ہے اس کے بعد نہیں - مگر اس کے یہ معنی نہیں - کہ ہم میں ۱۶ سال کے بعد سیکھنے کی قوت زائل ہو جاتی ہے جو کچھ ہم تجربہ اور تحصیل علم کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں - وہ دراصل علم اور تجربے کا جزو ہیں نہ ذہانت نہیں -

ٹیچرز ٹریننگ سکول سری نگر میں کئی سالوں سے ذہانت ماپنے کے لئے سوالات کا ایک سلسلہ اور اندازہ مقرر کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اگر یہ پیمانہ مکمل ہو جائے تو ہمارے مدرسین کے لئے بہت مفید ہوگا - لیکن کئی وجوہات کی بناء پر ابھی اس قسم کا پیمانہ تیار نہیں ہوا ہے ہم نے جو ٹیسٹ استعمال کئے ہیں - وہ وہ پنجاب کے ایک پروفیسر کے آزمائے ہوئے ہیں لیکن ہمارے ملک کے حالات کے مطابق بعض سوالات موزوں ثابت نہیں ہوتے - اور بعض سوالات FOOL PROOF نہیں ہیں اس کے علاوہ ہم ان کو ایسے ہزاروں لڑکوں پر نہیں آزما سکے - جن کی عمر ۸ سے ۱۶ سال تک کی ہو - اور ان میں وہ تمام بچے شامل

ہوں۔ جن ...... ایک ...... سے ایک ایک مہینہ زیادہ ہو۔ اسی لئے اس تجربے کے مکمل کرنے میں کافی وقت درکار ہوگا۔ ذیل میں چند ...... ٹیسٹ دئے جاتے ہیں جن کو مدرس اپنے سکولوں میں استعمال کرسکتے ہیں۔ لیکن ان کے ذریعہ ذہنی عمر کا اندازہ بہت صحیح نہیں ہوگا۔ تاہم دوسرے ٹیسٹ کی عدم موجودگی میں یہ ٹیسٹ (جو بینے صاحب کے نام کے ساتھ منسوب ہیں اور جو انہوں نے مدت تک لگاتار محنت اور تجربے کے بعد مرتب کئے ہیں) مفید ثابت ہوں گے۔

عمر ۳ سال:- (۱) بچہ اپنی ناک، آنکھ اور منہ کی طرف اشارہ کرسکتا ہے۔ (۲) چھوٹے چھوٹے فقروں کو دہرا سکتا ہے۔ (۳) دو ہندسوں کو ایک ساتھ دہرا سکتا ہے۔ (۴) آسان تصویروں میں سے مختلف اشیاء کو پہچان سکتا ہے۔ (۵) اپنا نام بتا سکتا ہے۔

عمر ۴ سال:- (۱) مادہ اور نر کی تمیز کرسکتا ہے۔ (۲) اپنے گرد و نواح کی چیزوں کو پہچان سکتا ہے (۳) تین ہندسوں کو ایک ساتھ دہرا سکتا ہے۔ (۴) دو خطوں میں چھوٹے بڑے کی تمیز کرسکتا ہے۔

عمر ۵ سال:- (۱) دو مختلف وزن کے ڈبوں میں جن کی شکل و صورت اور وزن ایک سا ہو تمیز کرسکتا ہے۔ (۲) ایک مربع شکل کی نقل اتار سکتا ہے۔ (۳) چار تک گنتی کرسکتا ہے۔ (۴) ایک مستطیل کے حصوں کو جس کو وتر کے ساتھ ساتھ کاٹا ہوا ہو۔ ملا کر دوبارہ وہی شکل بنا سکتا ہے۔ (۵) دس ٹکڑوں کے جملوں کو دہرا سکتا ہے۔

عمر ۶ سال:- (۱) دائیں اور بائیں کی پہچان کرسکتا ہے (۲) سولہ ٹکڑے والے جملے کو دہرا سکتا ہے۔ (۳) تین انسانی شکلوں میں سب سے زیادہ خوبصورت چہرے کو بتا سکتا ہے۔ (۴) ارد گرد کی چیزوں کی نسبت بتا سکتا ہے کہ اُن سے کیا کام لیا جاتا ہے۔ (۵) تین آسان احکام پورے طور پر انجام دے سکتا ہے۔ مثلاً میز پر سے میری چابی لاکر دروازہ بند کرو۔ (۶) اپنی عمر بتا سکتا ہے۔ (۷) صبح شام اور دوپہر میں فرق بتا سکتا ہے۔

عمر ۷ سال:- (۱) نامکمل تصویروں میں بتا سکتا ہے کہ ان میں کیا کمی ہے۔ (۲) گننے کے بغیر بتا سکتا ہے۔ کہ ہر ایک ہاتھ میں کتنی کتنی انگلیاں ہیں۔ اور دونوں میں کتنی؟ (۳) ایسی شکلوں کی نقل اتار سکتا ہے A E (۴) پانچ ہندسوں کو ایک ساتھ دہرا سکتا ہے۔ (۵) تین آسان تصویروں کو دیکھ کر بتا سکتا ہے۔ کہ ان میں کیا دکھایا گیا ہے۔ (۶) تیرہ مختلف سکوں کو گن سکتا ہے۔ (۷) چار عام نقدی کے سکوں کو بتا سکتا ہے (روپیہ، اٹھنی، آنی، پیسہ)

عمر ۸ سال:- (۱) چار ابتدائی رنگوں کو پہچان سکتا ہے (سرخ، سبز، نیلا، کالا)۔ (۲) ۲۰ سے ایک تک اُلٹی گنتی گن سکتا ہے۔ (۳) ۸ سے لے کر ۱۰ جملوں تک کی عبارت سن کر اس میں سے دو جملوں کا مفہوم دہرا سکتا ہے (۴) دو ایسی چیزوں میں فرق بتا سکتا ہے جن سے وہ واقف ہو۔ مثلاً (آلو اور دودھ، یا انڈا اور پتھر)۔

عمر ۹ سال:- (۱) ہفتے کے دنوں کے نام بتا سکتا ہے۔ (۲) امتحان دینے کا دن تاریخ مہینہ اور سال بتا سکتا ہے۔ (۳) دس بارہ جملوں کی عبارت کو سن کر اس میں سے ۶ کا مطلب دہرا سکتا ہے۔ (۴) اُن چیزوں کی تعریف کر سکتا ہے جن سے وہ واقف ہے۔ مثلاً سپاہی کیا ہے؟ شیر کیا ہے؟ وغیرہ۔ (۵) روپے کی ریز گاری سے واقف ہے۔ مثلاً حلوائی کو ایک روپیہ دیا۔ اس نے پانچ آنے کی مٹھائی دی۔ وہ کیا واپس کرے گا۔ (۶) مختلف وزن کے ہم شکل ڈبے وزن کے لحاظ سے ترتیب وار رکھ سکتا ہے۔

عمر ۱۰ سال:- سال کے مختلف مہینوں کے نام بتا سکتا ہے۔ (۲) نقدی کے عام سکوں کے نام بتا سکتا ہے۔ (۳) تین دیئے ہوئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کر سکتا ہے۔ مثلاً لڑکا آگ، سبزی وغیرہ۔ (۴) چار ایسے سوالات کے جواب دے سکتا ہے۔ جس میں عام ذہانت سے کام لینا ہو۔ مثلاً جب تمہیں سردی لگتی ہے تو تمہیں کیا کرنا چاہیئے۔ یا سکول جاتے ہوئے اگر یہ محسوس ہو۔ کہ دیر ہو گئی ہے۔ تو کیا کرنا چاہیئے

عمر ۱۱ سال:- (۱) کسی دئے ہوئے بیان میں غلطیوں اور مغالطوں کو جتلا سکتا ہے مثلاً کل پولیس نے ایک لڑکے کی لاش پائی۔ جس کے دو ٹکڑے کئے گئے تھے۔ کہتے ہیں۔ کہ اُس نے اپنے آپ کو خود مارا تھا۔ (۲) تین دیئے ہوئے الفاظ ایک ہی جملے میں استعمال کر سکتا ہے مثلاً کام، روپیہ، آدمی۔ (۳) تین منٹ میں ساٹھ الفاظ بول سکتا ہے۔ (۴) مجرد الفاظ کی تشریح کر سکتا ہے۔ مثلاً نیکی کیا ہے۔ دکان کیا ہے۔ (۵) کسی جملے کے مختلف الفاظ کو جو بے ترتیب ہوں۔ ترتیب دے کر بامعنی جملہ بنا سکتا ہے۔

عمر ۱۲ سال:- (۱) سات ہندسوں کو ایک ساتھ دہرا سکتا ہے (مثلاً میرے بعد دہراؤ ۲، ۳، ۷، ۶، ۵، ۱، ۹)۔ (۲) دئے ہوئے الفاظ کے تین ہم آواز الفاظ بنا سکتا ہے جیسے آگ، باگ، جاگ وغیرہ (۳) تین ایسے جملوں کو دہرا سکتا ہے۔ جس کے ۲۶ حرف ہوں۔ (۴) کسی تصویر کو دیکھ کر بتا سکتا ہے کہ اس تصویر کا مفہوم کیا ہے۔

عمر ۱۴ سال:- (۱) کاغذ کے مستطیل ٹکڑے کو کئی دفعہ تہ کر کے اس میں سوراخ کئے جائیں۔ تو بتا سکتا ہے کہ اس میں کل کتنے سوراخ ہو جائیں گے۔ (۲) دو مستطیل کاغذ کے ٹکڑوں کو ایک ساتھ مختلف حالتوں

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

اقتباسات

۱- از دفتر ناظم تعلیمات ریاست جموں و کشمیر

محکمہ کے نوٹس میں یہ بات آئی ہے کہ بعض منظور شدہ انجمنوں کے حکام نے اپنے سکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کو مدرسوں کے اندرونی انتظامات کے متعلق مکمل اختیارات نہیں دئے ہیں اور وہ مدرسے کے ضبط، انتظام اور دیگر معاملات میں خواہ مخواہ دخل دیتے رہتے ہیں اس سرکلر کے ذریعہ تمام متعلقہ اصحاب کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ہیڈ ماسٹروں کو مدرسے کے اندرونی انتظامات اور ماتحتوں کے کام کی نگرانی کا پورا اختیار ہونا چاہئے۔ محکمہ تعلیم کی پالیسی کے مطابق کسی بیرونی افسر کا ایسے معاملات میں دخل انداز ہونا قابل اعتراض ہونے کے علاوہ لڑکوں کی تعلیم و تدریس میں بھی حارج ہوتا ہے۔

تمام معاینہ کرنے والے افسروں کو لازم ہے کہ وہ سکولوں کے معاینہ کے وقت دیکھیں۔ کہ ان ہدایات پر باقاعدہ اور سختی سے عمل ہو رہا ہے یا نہیں؟ اگر کسی ادارہ میں اس حکم کی تعمیل نہیں کی جاتی۔ تو فوراً محکمے میں اس کی رپورٹ کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ گرانٹ ان ایڈ فارم مرتب کرتے وقت بھی اس امر کا ذکر کرنا چاہئے۔ اگر کسی افسر کی رپورٹ پر محکمہ کو اطمینان ہو جائے گا۔ کہ واقعی اس حکم پر عمل نہیں کیا گیا ہے۔ تو ایسے مدارس کی گرانٹ ان ایڈ میں تخفیف کی جائے گی۔ ناظم تعلیمات

۲- از دفتر سپیشل انسپکٹر فار مسلم ایجوکیشن سرینگر کشمیر

انسپکٹر صاحب مدارس جموں نے از راہ مہربانی میری توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ صوبہ جموں کے بعض مدارس میں مسلمان بچوں کو دینیات کی منظور شدہ کتابیں پڑھائی نہیں جاتیں۔ حالانکہ ان کو پڑھانے کا انتظام سکولوں میں موجود ہے۔ یہ بات قابل اعتراض ہے۔ محکمے کے احکام کی رو سے مسلمانوں، ہندوؤں

اور سکھوں کے لئے مذہبی تعلیم کا نصاب تیار کیا گیا ہے اور اس کے لئے کتابیں منظور کی گئی ہیں جن کو متعلقہ استاد (یعنی اردو یا عربی، ہندی اور گورمکھی کے استاد) پڑھاتے ہیں۔ لہذا ایسے تمام مدارس میں دینیات کی تعلیم آسانی سے دی جا سکتی ہے جہاں اردو یا عربی مدرس موجود ہیں۔ یا جہاں کوئی موزوں مسلمان مدرس لگا ہوا ہو۔ دینیات کی تعلیم مقرر شدہ نصاب کے مطابق دی جانی چاہئے۔ اور قرآن شریف کو پڑھانے کا انتظام کرنا چاہئے۔ جو دینیات کا لازمی جزو ہے۔ تمام اسسٹنٹ انسپکٹر صاحبان سے التماس ہے کہ وہ معائنہ کے وقت دیکھا کریں۔ کہ آیا پرائمری مدارس میں محکمہ کے ان احکام پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں؟ معائنہ کی کارروائی کی رپورٹ لکھتے وقت اُن کو خصوصیت سے لکھنا چاہئے کہ آیا دینیات اور قرآن شریف باقاعدہ پڑھایا جا رہا ہے یا نہیں۔ اور آیا مدرسین دینیات اور قرآن شریف کی اہمیت کو دوسرے مضامین کے مقابلے میں کم تو نہیں کرتے۔

دورے کی ڈائریوں میں بھی اس کا تذکرہ کرنا چاہئے۔ تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے۔ کہ اس سلسلے میں کام تسلی بخش طور پر چل رہا ہے۔

غلام احمد عثمانی

سپیشل انسپکٹر فار مسلم ایجوکیشن

۳۔ جون ۱۹۴۴ء کے آخری ہفتے میں جناب ناظم تعلیمات نے بعض پرائمری اور بنیادی مدارس کا ملاحظہ فرمایا۔ آپ پرائمری سکول نوگام کا کام دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آپ کے ساتھ انسپکٹر صاحب مدارس کشمیر اور مسٹر اور مسز شوارادُ بھی تھے۔ اُستادوں کو یہ بتانے کے لئے کہ مدرسہ کی کامیابی کن باتوں پر منحصر ہے۔ اور محکمہ کس چیز کو کامیابی سمجھتا ہے۔ ہم اس سکول کے لاگ بک ریمارکس کے بعض حصے چھاپ رہے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ اُستاد اپنے مدرسوں میں یہ اور اس قسم کی تحریکیں رائج کر کے تعلیم کے حقیقی مفہوم کو پورا کریں گے۔

"ایک ایسے ناظم تعلیمات کو جو تمام سکولوں میں فعالیت کا اصول رائج کرنے کا خواہش مند ہو۔ اور سکولوں کو بچوں کا قید خانہ بنانے کے بجائے اُن کے لئے عملی زندگی اور مسرت کا سرچشمہ بنانا چاہتا ہو۔ بہت سے مدرسوں کو دیکھ کر مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ذہنی نصب العین اور حقیقت میں کافی بعد ہوتا ہے لیکن اس سکول میں بچوں کا کام، ان کی مستعدی، اور عام چہل پہل کو دیکھ کر میں اور میرے ساتھ جو احباب تھے سب بہت خوش ہوئے ....

...... اس سکول کی تعداد میں جو معمولی اضافہ بھی موجودہ اول مدرس عبدالعزیز صاحب کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے مقامی لوگوں کے ساتھ بہت اچھے تعلقات قائم کئے ہیں اور ان کی ایک کمیٹی بنائی ہے جو سکول میں دلچسپی لیتی ہے۔ مدرسے اور عوام کا یہ تعاون تعلیمی کامیابی کے لئے ایک نیک شگون ہے اگرچہ سکول میں صرف دو استاد ہیں لیکن انہوں نے نہ صرف تعلیمی حالت کو اچھا بنایا ہے بلکہ بہت سے تعلیمی مشاغل اور منصوبے کامیابی کے ساتھ چلائے ہیں۔ جن میں سے میں بعض کا ذکر مختصراً کرتا ہوں۔

(۱) سکول اگرچہ بنیادی مدرسہ نہیں۔ لیکن اس کے پاس ایک اچھا خاصا فارم ہے جس میں پھول اور ترکاریاں بوئی گئی ہیں ایک لڑکا فارم منیجر ہے جو فارم کی تمام باتوں کو سمجھاتا ہے۔

(۲) بچوں سے مختلف قسم کی موزوں اور مناسب ڈرل کرائی جاتی ہے جس میں اُن کی عمر کا خیال رکھا جاتا ہے۔ وہ کافی دلچسپی کے ساتھ ڈرل کرتے اور کھیل کھیلتے ہیں۔

(۳) بچوں نے گذشتہ تعلیمی جلسے کے لئے تقریریں یاد کی تھیں۔ جو وہ روانی اور جوش کے ساتھ کر سکتے ہیں انہوں نے ایک چھوٹا سا ڈرامہ بھی کیا۔ جو خاصا کامیاب تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اظہار خودی کی صلاحیت کی باقاعدہ تربیت کی جاتی ہے۔

(۴) لڑکوں کے جلسے ہوتے ہیں جس میں وہ تقریریں کرتے ہیں اور مضمون پڑھتے ہیں اور ان کی ایک پنچایت ہے جو چھوٹے چھوٹے جھگڑوں اور مسایل کا فیصلہ کرتی ہے۔ پنچایت سیکرٹری سے بات چیت کرکے مجھے اندازہ ہوا۔ کہ لڑکے واقعاً سمجھداری سے اس میں حصہ لیتے ہیں۔ اور یہ محض نمائشی خانہ پُری نہیں ہے۔

(۵) طلبہ سکول میں خوش رہتے ہیں اور اس میں دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ امر ایک سکول کے لئے بہترین سند ہے۔

میں سکول کے اساتذہ (بالخصوص ہیڈ ماسٹر) کو اور اہل قریہ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ اور انسپکٹر کو ہدایت کرتا ہوں۔ کہ وہ سکول کی ہر طرح امداد کریں۔ اور ہیڈ ماسٹر کی ہمت افزائی کریں۔"

تعلیمی مضامین

۱- معلم کے اوصاف

معلم کا پیشہ بڑا اہم پیشہ ہے اور جب ہم نے یہ پیشہ اختیار کیا۔ تو ہمارے لئے یہ لازمی ہے کہ ہم اپنی ذات میں ایسے اوصاف پیدا کریں۔ جن میں ایک اُستاد کی کامیابی کا راز پنہاں ہو۔ چنانچہ میں چند ضروری باتیں اپنے ہم پیشہ بھائیوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جو میرے نزدیک ایک قابل اور کامیاب اُستاد کے لازمی اوصاف ہیں۔

ہمارے موجودہ طرز تعلیم میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ہمارے اساتذہ صاحبان عموماً اس امر پر زور دیتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو۔ زیادہ سے زیادہ علم بچے کے دماغ میں ٹھونس دیا جاوے۔ انہیں اس بات کی پرواہ نہیں کہ جو کچھ بچے کو سکھایا گیا ہے اُس نے اچھی طرح سمجھا اور ذہن نشین کیا یا نہیں۔ اور یہ کہ جو کچھ اُس نے سیکھا ہے اُس کی روزمرہ زندگی میں کارآمد ہے یا نہیں۔ استاد بالعموم بچے کے دماغ کو خالی برتن سمجھتے ہوئے اسے جلد از جلد مختلف اقسام کے علوم سے بھر دینا اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں لیکن یہ طریقہ بالکل غلط ہے اس میں شک نہیں کہ اس طریقے سے پڑھائے ہوئے طلبہ امتحان میں امتیازی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس طریقے سے تعلیم کا اصلی مقصد بالکل فوت ہو جاتا ہے سکول کی تعلیم کا مقصد بچے کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ دُنیا میں کامیابی سے زندگی بسر کر سکے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اُستاد ہمیشہ یہ کوشش کرتے ہیں۔ کہ لڑکا وہ سب کچھ سیکھ جائے جو وہ خود جانتے ہیں اور اُس کے نتائج عموماً خوفناک ہوتے ہیں۔

اس طرح بچوں کی وہ تمام صلاحیتیں اور قابلیتیں جو کہ دُنیا میں زندگی بسر کرنے میں مددگار ہو سکتی ہیں شروع سے ہی ناکارہ بنا دی جاتی ہیں اُن کی فطرت میں نامعلوم خوف، بزدلی، عدم اعتماد اور ناخود شناسی کا احساس پیدا کر دیا جاتا ہے وہ اپنے پاؤں پر خود کھڑا نہیں ہو سکتے۔ قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے میں معمولی معمولی

واقعات و حوادث سے انہیں آگاہ کرتے ہیں۔ انہیں کوئی ایسا موقعہ نہیں دیا جاتا کہ وہ خود سوچیں اور اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ زندگی کے مقصد اور اہم مسائل پر غور و خوض کریں، بحث کریں اور اُستاد کی مدد سے ان مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ اس لئے سب سے پہلی چیز جو کہ اُستاد کے پیش نظر ہونی چاہیئے وہ یہ ہے کہ وہ بچوں کے لئے ہر قسم کی دلچسپی کا سامان مہیا کرے۔ اُن کی تعلیم و تدریس میں ایسے ذرائع استعمال میں لائے۔ جو کہ اُن کے اپنے علم اور اس علم میں جو کہ اُستاد سکھانا چاہتا ہے ربط پیدا کر سکیں۔ اور بچے اپنی خوشی سے انہیں اپنے دماغ میں موزوں جگہ دیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اُستاد اپنے مضمون میں دلچسپی لے اور ہمیشہ اس مضمون کے متعلق زیادہ سے زیادہ واقفیت حاصل کرنے میں کوشاں رہے۔

اُستاد کو جماعت کے اُن بچوں کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے۔ جو غبی اور کند ذہن ہوں۔ اور اس وقت تک آگے نہ بڑھنا چاہیئے جب تک اُسے پورا یقین نہ ہو جائے کہ لڑکے اُسے اچھی طرح سے سمجھ گئے ہیں۔ اُسے اس بات کی پرواہ نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ اُسے بار بار سبق دہرانا پڑتا ہے بلکہ اُسے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے ہر ممکن سعی کرنی چاہیئے۔

اُستاد میں یہ قابلیت ہو۔ کہ وہ اپنے طریقۂ تعلیم اور زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات میں مطابقت پیدا کر سکے۔ کسی ایک ہی طریقہ سے لڑکوں کو مسلسل پڑھاتے چلے جانے کی بجائے اُسے نئے نئے اور بہتر طریقے عمل میں لانے چاہئیں۔

اُستاد کو اپنے آپ میں خود اعتمادی، بردباری، متحمل مزاجی اور استقلال کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔ مہربان اور مشفق ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہی چیزیں بچے کے دل میں اُستاد کے لئے عزت، محبت اور ایثار کے جذبات پیدا کرتی ہے اور اسی تعلق سے بچے اکثر کسی اُستاد کے مضمون میں دلچسپی لینا شروع کرتے ہیں۔

اُستاد بچوں کی مشکلات کو حل کرنے میں سچائی نیک نیتی اور ہمدردی سے کام لے۔ ایسے لوگوں میں جو محکمۂ تعلیم میں صرف روزی کمانے کی غرض سے داخل ہوتے ہیں عموماً یہ صفات ناپید ہوتی ہیں اور اغلب ہے کہ وہ لڑکوں کی زندگیوں کو خوشگوار بنانے کی بجائے تلخ بنا دیں۔ اس لئے بہتر ہو کہ صرف وہی لوگ اس محکمہ میں آئیں۔ جو درد دل رکھتے ہوں۔ جن میں قربانی ایثار اور محبت کے جذبات موجزن ہوں۔ جو ملک کے خیر خواہ اور بچوں کے سچے ہمدرد ہوں۔ جن کا مقصد قوم کی خدمت کرنا اور اچھے شہری پیدا کرنا ہو۔ اُستاد کی زبان بالکل سادہ،

سلیس اور صحیح ہونی چاہیئے۔ تاکہ اُس کا مفہوم بچے اچھی طرح سمجھ سکیں۔ اس کی آواز اتنی اونچی اور بارعب نہیں ہونی چاہیئے۔ جو بچوں کی نظروں میں اُسے ایک ملنسار دوست کی بجائے ایک سخت گیر حاکم بنا دے۔ اُستاد کو جماعت میں ایسی جگہ کھڑا ہونا چاہیئے۔ جہاں سے وہ تمام لڑکوں کی حرکات و سکنات کو اچھی طرح دیکھ سکے۔ یہ چیز جماعت میں ضبط قائم رکھنے میں اُستاد کی معاون ہوتی ہے۔ اس کے لئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ بچوں میں تقلیدی مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہ اُستاد کی ہر حرکت، اس کے لب و لہجہ، طرز گفتار، پوشاک، صفائی، پابندی وقت اور عادات کو بغور دیکھتے ہیں۔ ایسی ہی عادتیں اپنے آپ میں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُستاد اُن کے سامنے ایک نمونہ ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کو بھی اسی روپ میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے اُستاد کو چاہیئے کہ وہ اپنے میں ایسے اوصاف پیدا کرے۔ جو واقعی قابل رشک اور قابل نقل ہوں۔

اُستاد کو بچوں کی صحت کا خیال بھی رکھنا چاہیئے۔ اُسے دیکھنا چاہیئے کہ وہ کمرہ جہاں بچے تعلیم کے لئے بیٹھتے ہیں صاف، روشن اور ہوادار ہو۔ اور ان کے بیٹھنے کے لئے آرام دہ جگہ میسر ہو۔ کیونکہ ایسے حالات کی عدم موجودگی میں بچے سے خاطر خواہ کام لینا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔

اُستاد کو سائنس، تاریخ اور جغرافیہ پڑھاتے وقت لڑکوں کے تجسس، اور اُن کی تعمیری جبلتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ اُسے لڑکوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔ تاکہ وہ اُس سے سوال پوچھیں۔ اُس کے سامنے اپنی مشکلات ظاہر کریں۔ اُستاد کا فرض ہے کہ وہ نہایت خوش اسلوبی اور خندہ پیشانی سے اُن کا معقول حل سوچے۔ اُستاد کو اپنے مضمون پر پورا پورا عبور ہونا چاہیئے۔ جماعت میں جانے سے پہلے سبق کو پوری تیاری کرکے اسے دلچسپ اور موثر بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے +

اسد علی شاہ
(متعلم ٹریننگ کالج)

۲- جغرافیہ کی تعلیم کے چند اصول

یوں تو جغرافیہ کے ہر سبق کے لئے اپنا اپنا قاعدہ مقرر ہے مگر یہاں چند ایسے مشترکہ اصول بیان کئے جاتے ہیں جن کا ہر سبق میں ملحوظ رکھا جانا نہایت ضروری ہے۔

(۱) جغرافیہ کی تعلیم کیساتھ نقشہ کشی کا گہرا تعلق ہے اس لئے جغرافیہ پڑھانے کے دوران میں نقشہ کے استعمال کا صحیح طریقہ بھی بچوں کو سکھانا چاہئے۔ یہ بات ان کے ذہن نشین کرنی چاہئے کہ کسی مقام کی جغرافیائی واقفیت اس وقت تک نامکمل ہوگی جب تک کہ ہم اس مقام کے نقشے سے پوری طرح واقف نہ ہوں۔ بچوں کو نقشہ کے ساتھ اس درجہ آشنا اور مانوس کرنا چاہئے کہ وہ نقشے کا مطالعہ پوری دلچسپی اور اعتماد سے کرنے لگیں۔ جغرافیہ کے مشہور عالم فیرگریو کی رائے ہے۔ کہ جغرافیہ کی نوے فیصدی تعلیم نقشوں ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔

(۲) طلباء کی دلچسپی ان اشیاء میں پیدا کی جائے جو ان کے اپنے ماحول میں پائی جاتی ہیں۔ تاکہ وہ آس پاس کی چیزوں۔ انسانوں اور روزمرہ کے واقعات کا گہری نظر سے مطالعہ کریں۔ اور ان میں ارد گرد کے قدرتی مظاہر اور آس پاس کے رہنے والے لوگوں کی زندگی اور ان کی عادات کے جاننے کا شوق پیدا ہو۔

(۳) طبعی حالات کا انسان کی زندگی پر اثر دکھایا جائے۔ مختلف ملکوں کے قدرتی حالات کا وہاں کے باشندوں کے کاروبار۔ رہنے سہنے کے طریقوں۔ پوشاک۔ خوراک اور تہذیب پر کیا اثر پڑا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ دنیا کے بعض حصوں میں لوگ کھیتی باڑی کرکے اپنا پیٹ پالتے ہیں اور استوائی خطہ میں لوگوں کا پیشہ لکڑی کاٹنا ہے؟ کیا وجہ ہے؟ کہ بعض حصوں میں آبادی گنجان ہے۔ اور بعض حصے غیر آباد ہیں؟ انسان عناصر پر فتح حاصل کرنے کے لئے کون کون تدابیر کو عمل میں لایا ہے۔ مثلاً لائل پور کا ضلع آج سے ساٹھ سال پہلے ویران اور غیر آباد تھا۔ لیکن اب نہروں کے کھودنے کی وجہ سے وہاں فصلیں خوب پیدا ہوتی ہیں اور بڑی بڑی منڈیاں قائم ہوگئی ہیں۔ اور اسی وجہ سے تجارت کو ترقی ہوئی ہے۔

(۴) جغرافیہ کی تعلیم میں اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ کس طرح ایک خطے کے انسان اپنی ضروریات زندگی کیلئے دوسرے خطے کے انسانوں کے محتاج ہیں۔ مثلاً پنجاب کے لوگ بنگال کے لوگوں سے سن کی بوریاں

اور کوئلہ منگواتے ہیں اور بنگال کے لوگ پنجاب سے گیہوں۔ نیل نکالنے کے بیج وغیرہ منگواتے ہیں اسی طرح پہاڑی لوگ میدانوں کی پیداوار کے محتاج ہیں۔ اس طرح ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں کے ذریعہ اپنی روزانہ ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ان باتوں کو بخوبی ذہن نشین کرانے سے طلبا میں باہمی اشتراک اور انحصار کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

(۵) جو بات بتائی جائے۔ مثالوں اور نمونوں کے ذریعے بچوں کے دماغ میں اس کا پورا پورا تصور پیدا کیا جائے شروع شروع میں یہ تصور مشاہدے کے ذریعے ہی قائم ہوسکتا ہے جہاں تک ممکن ہو۔ اصل چیز کا مشاہدہ کرانا چاہئے ورنہ تصویر اور نمونے سے مدد لینی ضروری ہے مشاہدہ کے وقت بچے اشیاء مذکورہ اور مظاہر کو خود دیکھیں بھالیں۔ اور اس کی پورے طور جانچ پڑتال کرکے تجربہ حاصل کریں۔

(۶) تمام مشکلات کو باری باری حل کرنا چاہئے۔ کئی مشکلات کے جمع ہوجانے سے بچے گھبرا جاتے ہیں بہتر ہوگا۔ کہ اسباق الگ الگ مدارج میں تقسیم کرکے پڑھائے جائیں۔ مثلاً بچوں کو سکول کی نقشہ کشی سکھلانی مطلوب ہے تو پہلے اس کمرہ کا خاکہ کھچوانا چاہئے۔ جس میں بچے بیٹھتے ہیں۔ پھر پاس کے کمروں کا خاکہ پھر سارے سکول اور اس کے احاطے کا خاکہ کھچوانا چاہئے۔

(۷) روزمرہ ایک ہی طریقہ کو عمل میں لانا بھی جغرافیہ کی دلچسپی کو زائل کردیتا ہے طلباء کو مشاہدہ سیر اور سفرنامہ وغیرہ پڑھا کر جغرافیہ کا سبق دلچسپ بنایا جاسکتا ہے۔ سفرنامے روزناموں اور ماہواری اخباروں اور رسالوں میں عموماً شائع ہوتے ہیں ان کا جمع کرلینا کوئی مشکل کام نہیں۔ بہت سے مقامات اور لوگوں، جانوروں، عمارتوں، کارخانوں وغیرہ کی تصویریں بھی رسائل اور اخبارات سے فراہم کی جاسکتی ہیں جو جغرافیہ کی تعلیم میں بہت مدد دے سکتی ہیں۔

(۸) ایک بات کا تعلق دوسری بات سے ظاہر کرنا جغرافیہ کی تعلیم کا ایک خاص جزو ہے کیونکہ اس کی مدد سے اصول ذہن نشین ہوجاتا ہے۔ مثلاً جس بچے نے گاؤں میں سیر کرکے زمین کی مختلف قسموں اور وہاں کی آب وہوا کا مشاہدہ کیا ہو۔ اور یہ دیکھا ہے کہ ان کا تعلق گاؤں کی پیداوار کے ساتھ کیا ہے اس کے لئے آسٹریلیا۔ یا عرب یا امریکہ کی زمین کی ساخت اور آب وہوا معلوم کرکے وہاں کی پیداوار کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہ ہوگا۔

(۹) جغرافیہ کے طریق تعلیم میں ترتیب کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے مثلاً محل وقوع کا زمین کی بناوٹ پر۔ محل وقوع اور زمین کی بناوٹ کا آب وہوا پر۔ زمین کی بناوٹ اور آب وہوا کا پیداوار پر۔ زمین کی بناوٹ آب وہوا اور پیداوار کا انسانوں کے کاروبار و بودوباش پر اثر پڑتا ہے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں معلومات کا انحصار پیش رو امور پر ہے +

(شمس ناظقہ بی۔ اے بی ٹی۔ عمری نگر)

اُستادوں کی خط و کتابت

امتحانات

تسلیمات:

میں ایک ایسے موضوع پر خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ جس کو شاید میرے بعض ہم پیشہ اصحاب پسند نہ کریں لیکن اس مضمون میں میں اپنے زاید از بیس سالہ تجربے اور مشاہدے کی بنا پر بعض حقائق کو پیش کرنے کا خواہشمند ہوں۔ مجھے ہر سال اور ہر جگہ جا کر نئی باتیں مشاہدہ میں آتی ہیں۔ جو تصویر کے اس تاریک پہلو کو اور زیادہ نمایاں کر پیش کرتی ہیں۔ چند سال سے میرے دل میں ایک خلش سی ہے۔ کہ میں تصویر کے اس پہلو کو بے نقاب کروں۔ اور اپنے حاکموں اور عالی دماغ افسران تعلیم کو اصلاح کی طرف راغب کروں تاکہ یا تو وہ حالات کو دیکھ کر انہیں درست کریں۔ یا ممکن ہے ان خیالات پر میرے کئی ہم پیشہ اصحاب مجھ سے متفق ہوں۔ ان کیلئے یہ مضمون اظہار خیالات کی دعوت ثابت ہوگا۔ اور اس طرح تبادلہ خیالات کی صورت بھی نکل آئیگی۔ اور شاید کسی بہتری کی بھی۔ ہمارے محکمہ کی کتنی خوش قسمتی ہے کہ اس کی باگ ڈور اس وقت خواجہ غلام السیدین صاحب عالی دماغ ماہر تعلیم کے ہاتھوں میں ہے اس مضمون سے میرا مقصد اُن کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرانا ہے تاکہ جس طرح اُنہوں نے تھوڑے عرصہ میں محکمہ تعلیم کے مردہ جسم میں زندگی کی روح پھونک دی ہے۔ اسی طرح اس طرف بھی اپنا اصلاح کا ہاتھ بڑھا کر برائیوں اور نقائص کا قلع قمع فرمائیں۔

امتحان (قسط اول)

فن تعلیم پر جو مختلف کتب ماہرین تعلیم نے لکھی ہیں ان میں امتحان کا ذکر کچھ ایسے طریقوں سے کیا ہے اور اس کے مختلف نقائص کا ذکر کر کے اس کو ایسی شکل میں پیش کیا ہے گویا وہ ایک ڈراونا بھوت ہے جو طلبہ کو خواب میں بھی چین نہیں لینے دیتا۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے آج تک ادنیٰ ترین قابلیت سے لیکر اعلیٰ ترین قابلیت تک کی پڑتال کے لئے سوائے امتحان کے کوئی اور طریقہ ایجاد نہیں ہو سکا۔ اور ہم امتحان کو بدنام کرنے کے باوجود امتحان پر امتحان

لئے جا رہے ہیں۔ اور اکثر ان اصحاب کو بھی زبانی یا تحریری ٹیسٹ کی بھٹی میں ڈال دیا جاتا ہے جو اپنی تعلیم کے آخری مرحلے طے کر کے کئی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امتحان عام اصطلاح میں خوفناک بھوت ہی نہیں بلکہ ایک ناگزیر لعنت ہے۔

ماہرین تعلیم نے اس سلسلہ میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ میرے خیال میں ان کا مطلب یہ ہے کہ امتحان کو ڈراؤنی شکل نہ دی جائے۔ بلکہ آسان اور موافق فطرت طریقوں سے بچوں کی اصلی قابلیت کو جانچ لیا جائے مگر امتحان کی اہمیت میں فرق نہ آئے۔ اور غیر جانبداری اور انصاف کو ہرگز ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ امتحان کی بدنامی کے پردے میں کوئی بے انصافیاں کی جائیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ میرا مطلب ہمارے سکولوں میں امتحان کے طریقہ میں اصلاح سے ہے سکولوں میں امتحان کا کام ایسا ہے جس میں انتہا درجے کی انصاف پسندی اور غیر جانبداری کی ضرورت ہے تاکہ بچوں کی اصلی قابلیت کا پتہ لگ جائے۔ اور اس امر کا اندازہ ہو جائے کہ انہوں نے ایک جماعت کے نصاب پر اس حد تک عبور حاصل کر لیا ہے کہ وہ اگلی جماعت کے نصاب کو سمجھنے اور اس میں چلنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ مگر میں اپنے تجربے کی بنا پر نہایت افسوس سے کہتا ہوں۔ کہ بعض سکولوں میں امتحان میں اکثر بے انصافی یا طرفداری کی جاتی ہے جو ہمارے تعلیمی اداروں اور ہمارے معزز پیشہ کی بے عزتی کا باعث ہے اور میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ بعض جگہ یہ مدرسوں کے لئے ذریعہ آمدنی یا اثر و رسوخ حاصل کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔

ان حالات میں مجھے اندیشہ ہے کہ مدرس میں اخلاقی گراوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور یہ گراوٹ دن بدن روبہ ترقی ہے میرے پاس اس طرز عمل کی مثالیں موجود ہیں۔ میں مضمون میں وہ چند طریقے لکھونگا جس سے اس کام کو بعض لوگوں نے ذریعہ آمدنی بنا لیا ہے اور اگر مدرس سوسائٹی کا اہم ترین رکن ہے۔ تو میں اپنے افسران عالی دماغ سے بہ زور اپیل کرونگا۔ کہ وہ اسے اس اخلاقی گراوٹ سے بچائیں۔ اور اسے اپنے مقدس فرض کو درست طور پر نبھانے کے قابل بنائیں۔ مدرس ہر زمانہ میں افلاس زدہ رہا ہے۔ اور اس بیسویں صدی میں بھی اس کی اس مصیبت کا خاتمہ نہیں ہوا۔ لیکن اس نے اپنی دیانتداری۔ انصاف پسندی، بلند اخلاقی اور غیر جانبداری کی وجہ سے ہمیشہ دنیا سے خراج تعظیم و احترام وصول کیا ہے کیا یہ جائز ہے۔ کہ وہ پیسوں کی خاطر اپنی اس دولت کو کھو بیٹھے؟

آپ کا صادق

(ایک استاد)

تعلیمی خبریں

۱۔ کشمیر میں خواندگی کی رفتار

انگلستان کے سب سے مشہور تعلیمی اخبار ٹائمز ایجوکیشنل سپلیمنٹ لنڈن میں ایک مضمون شایع ہوا ہے۔ جس میں ریاست کشمیر کی خواندگی کی رفتار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہم اس کا ترجمہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے درج کرتے ہیں۔ (مدیر)

"اگرچہ ہندوستان کی اوسط خواندگی ۱۲،۲ ہے اور ریاست کشمیر کی ۶،۶ لیکن اس کے باوجود ریاستی مردم شماری کے کمشنر کپتان ریفورڈ کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ گذشتہ دس سال کے عرصے میں ریاست کشمیر نے تعلیم میں قابل ذکر ترقی کی ہے اوسط خواندگی ۴،۳ سے بڑھ کر ۶،۶ پر پہنچ گئی ہے اور ترقی کی یہ رفتار ریاست ٹراونکور کے علاوہ ہندوستان کی باقی تمام ریاستوں سے بہتر ہے۔

یہ امر کہ گذشتہ دس سال میں خواندہ آبادی کی تعداد دگنی ہوگئی ہے کشمیر کے جغرافیائی حالات کے پیش نظر خاص طور پر قابل اطمینان ہے کیونکہ پہاڑی علاقوں میں اشاعت تعلیم کا کام بہت مشکل ہوتا ہے۔ ریاست جموں و کشمیر رقبہ کے لحاظ سے قریب قریب انگلستان، سکاٹ لینڈ اور ویلز کے مجموعی رقبہ کے برابر ہے۔ اور اس کی آبادی چالیس لاکھ نفوس پر مشتمل ہے، لوگوں کی آبادی زیادہ تر وادیوں میں ہے گو ریاست کا شمار دُنیا بھر کے سب سے زیادہ پہاڑی حصوں میں ہے۔ زرعی زمین کل زمین کا ۶،۵ فیصدی ہے۔

کشمیر کی تعلیمی ترقی کا سب سے اہم جزو بنیادی تعلیم کی ترویج ہے جو کم و بیش مسٹر گاندھی کی وار دھا سکیم کے اصولوں پر تیار کی گئی ہے۔ سکیم کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کو اہم ترین چیزوں کی تعلیم دی جائے جس کا مرکز کوئی حرفہ ہو۔ تاکہ وہ لایق اور ذہینی شہری بن سکیں۔ ایک کمیٹی کی تجویز کے مطابق فیصلہ کیا گیا ہے کہ بنیادی مدرسوں میں سات سال کا کورس جاری کیا جائے۔ اور بتدریج تمام موجودہ پرائمری مدارس کو

جہاں پانچ سال کی تعلیم رائج ہے، سات سال کے بنیادی مدرسوں میں تبدیل کیا جائے۔ مغربی ممالک کی تعلیم کے مقابلے میں یہ ایک معمولی سا نصب العین معلوم ہوتا ہے لیکن ایک ایسے ملک میں جہاں آبادی بہت کم اور منتشر ہے اس قسم کی عملی سکیم بلند آہنگ کاغذی سکیموں سے زیادہ کامیاب ہو سکتی ہے اس کے تحت ہر پانچ سو کی آبادی رکھنے والے گاؤں کے بچوں کے لئے رفتہ رفتہ ایک پرائمری سکول قائم کیا جائیگا۔ زیادہ تعداد میں لڑکیوں کے مدرسے کھولے جائیں گے، اور لڑکیوں اور لڑکوں کے لئے مڈل اور ہائی سکولوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ کمشنر مردم شماری کے الفاظ میں اس سکیم کی بدولت عوام کو تعلیم میں زیادہ دلچسپی ہو گئی ہے اور وہ پہلے کی نسبت تعلیم کی زیادہ قدر کرنے لگے ہیں"

۲۔ چین کی تعلیم اور جنگ

چین کے وزیر تعلیم نے سنہ ۱۹۳۷ء سے سنہ ۱۹۴۲ء تک کے چند دلچسپ اعداد و شمار شائع کئے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ چین میں جنگ کی تباہ کاریوں کے باوجود تعلیمی ترقی کی رفتار میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ جنگ شروع ہونے سے قبل چین میں اعلےٰ تعلیم دینے کے ۱۰۸ ادارے تھے۔ سنہ ۱۹۳۷ء میں حالات کے تقاضے سے ان اداروں میں تخفیف ہوئی۔ اور یہ صرف ۹۷ رہ گئے۔ اس کے بعد ان میں اضافہ ہوا۔ سنہ ۱۹۴۱ء میں چین میں ۱۲۳ یونیورسٹیاں کالج اور صنعتی ادارے تھے۔ ایام جنگ میں اعلےٰ تعلیم کو کامیابی سے پھیلانے کے لئے تجویزیں سوچی گئیں۔ اور یہ تعلیم ملک کی جنگی ضروریات کو پورا کرنے کے علاوہ قوم کی تعمیر نو کا کام بھی ساتھ ساتھ انجام دے رہی ہے نصاب تعلیم کو مقرر کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ ان کتابوں میں چین کے خاص مسایل پر مضامین ہوں۔ ایک سو ادارے ایسے کھولے گئے ہیں جو وزارت تعلیم کے ماتحت ریسرچ اور تحقیقات کا کام کر رہے ہیں تاکہ قومی کاموں کا پروگرام مرتب ہو سکے۔ ۹ ایسے تربیتی ادارے ہیں جن میں قابل اور لائق مگر غریب طالب علمین کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ ان اداروں میں بہت سے اچھے طالب علم معلمی کی تعلیم حاصل کر کے قوم کے لئے مفید بنتے ہیں۔

جنگ سے پہلے چین کے ساحلی علاقوں میں مڈل سکولوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ اور اس کے مقابلے میں چین کے اندرونی حصے بالکل خالی تھے اب وزارت تعلیم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہر صوبے کے مختلف علاقوں کو

مڈل سکولوں کا جائزہ لینے کے لئے ایک سکیم مرتب کی جائے۔ مڈل سکولوں میں تعلیمی نصاب جنگی ضرورتوں کے مطابق تیار کیا گیا ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ شہریت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

چین میں عوام کی تعلیم کے تین حصے ہیں (۱) تعلیم بالغان (۲) تعلیم نسواں (۳) ابتدائی تعلیم۔ نانکن میں تعلیمی کانفرنس مارچ سنہ ۱۹۴۰ء میں منعقد ہوئی۔ اس میں فیصلہ کیا گیا کہ تقریباً ساڑھے ستر کروڑ ناخواندہ بالغوں کو خواندہ بنانے کے لئے ۸ لاکھ ادارے کھولے جائیں۔ جو موجودہ دو لاکھ اسی ہزار مدارس کے ساتھ مل کر بالغوں کے علاوہ ۹۰ فیصدی بچوں کو بھی تعلیم دے سکیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے سولہ لاکھ تربیت یافتہ استادوں کی ضرورت ہوگی۔ اس وقت ۱۸۵۱۰ ابتدائی مدارس اور ایک لاکھ ۳۸ ہزار عوامی مدرسے بالغوں کے لئے آزاد چین میں موجود ہیں۔ جنگ کی وجہ سے اس سکیم پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ جس کی رو سے ایک سال میں ملک کے ۴۰ فیصدی بچوں کو جبری تعلیم دی جا سکتی۔ اس وقت چین کی تمام کوششیں پرائمری مدارس کی توسیع میں لگی ہوئی ہیں۔ کیونکہ یہ عوامی تعلیم کا ایک اہم اور لازمی جزو ہے۔ عورتوں کی تعلیم چین میں تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ صرف اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں لڑکیوں کی تعداد گیارہ ہزار سے زیادہ ہے۔ اور ثانوی مدارس میں ایک لاکھ چالیس ہزار لڑکیاں زیر تعلیم ہیں +

(بقیہ صفحہ ۲۹) میں رکھ کر جو جو شکلیں بنی ہیں۔ اُن کو تجربہ کرنے کے بغیر کھینچ سکتا ہے۔

(۳) عام فہم مجرد اصطلاحوں میں فرق بتا سکتا ہے۔ مثلاً راجہ اور منسٹر میں کیا فرق ہے؟ اور سپاہی اور تحصیلدار میں کیا؟

اس سے زیادہ عمر کے ٹیسٹ دہرانے ضروری نہیں۔ کیونکہ ہمارے پرائمری سکولوں میں عام طور پہ بارہ تیرہ سال سے زاید کے بچے نہیں ہوتے +

دینا ناتھ در
ٹیچرز ٹریننگ سکول
سری نگر

بچوں کی دنیا

موجودہ جنگ کے ہتھیار

اس سے پہلے میں نے تم کو جنگ کے متعلق بہت سی باتیں بتائی ہیں گذشتہ رسالے میں میں نے تمہیں بتایا تھا کہ انگلستان کے بچے اس جنگ سے کیا کیا سیکھ رہے ہیں آج میں چاہتا ہوں۔ کہ تمہیں آلات کے متعلق کچھ باتیں بتاؤں۔ جو لڑائی لڑنے والی حکومتیں اس جنگ میں استعمال کر رہی ہیں۔

پرانے زمانے کی جنگوں میں توپ، بندوق، تیر، تلوار اور نیزہ استعمال کئے جاتے تھے۔ لیکن اب سائینس نے بہت ترقی کر لی ہے اور جہاں ہم سائینس کو اپنی زندگی کو پر لطف بنانے میں استعمال کرتے ہیں۔ وہاں اسی کی مدد سے ہم بربادی کے سامان بھی تیار کر سکتے ہیں۔ اس لئے آج کل کی جنگ میں توپ بندوق کے علاوہ ہوائی اور سمندری جنگ کے لئے بھی خاص خاص آلات کو کام میں لایا جاتا ہے۔ آج تم یہ سنو گے کہ بحری آلات حرب کون کون سے ہیں اور ان سے کیا کام لیا جاتا ہے۔

۱۔ آبدوز کشتی۔

یہ کشتی پانی کے اندر ہی اندر چلتی ہے۔ اور اس کی رفتار پانی کے اندر آٹھ سے بارہ میل فی گھنٹہ اور پانی سے باہر پندرہ سولہ میل ہوتی ہے یہ پانی کے اندر بجلی کے ذریعہ اور پانی سے باہر گیسولین کے انجن کی مدد سے چلتی ہے اس انجن سے نہ آواز نکلتی ہے نہ اس سے پانی سے بلبلے اٹھتے ہیں۔ اس لئے سطح سمندر کے اوپر سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا۔ کہ پانی کے اندر کوئی آب دوز کشتی موجود ہے جب کوئی آب دوز کشتی کسی جہاز کو ڈبونا چاہتی ہے تو اس کے دو خاص پنوار حرکت میں لائے جاتے ہیں کشتی کے اندر دو تین ٹنکیاں ہوتی ہیں۔ ان کا ڈھکنا کھول دیا جاتا ہے۔ اور پانی ان کے اندر چلا جاتا ہے اور کشتی وزنی ہو کر پانی کے نیچے ایک خاص گہرائی تک پہنچ جاتی ہے پھر پنواروں کی حرکت سے کشتی سطح پر آجاتی ہے اور جہاز پر حملہ کر کے اسے ڈبو دیتی ہے۔ اس کی شکل ایک سگار سے ملتی جلتی ہے۔ یہ کشتی ۴۸ گھنٹے سے زیادہ پانی کے

اندر نہیں رہ سکتی۔ تم شاید سوچتے ہوگے کہ اس کشتی کے اندر آدمی سانس کیوں کر لیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ فولادی پیپوں میں ہوا کو بہت زیادہ بھر کر رکھ لیتے ہیں۔ اندر مشین کے ذریعہ سے باہر سانس لیتے ہیں۔ مگر ہوا کا ذخیرہ ختم ہو جانے پر انہیں سطح پر آنا پڑتا ہے۔ آب دوز کشتی کو پکڑنا بہت مشکل کام ہے عام طور پر تباہ کن جہاز ان کی تاک میں لگے رہتے ہیں اور جب یہ سطح پر آتی ہیں۔ تو ان پر گولے برستے ہیں اس کے علاوہ بعض خاص آلات کی مدد سے بھی سمندر کے اندر ان کا پتہ لگا کر انہیں تباہ و برباد کیا جاتا ہے۔

۲ - تارپیڈو -

تارپیڈو دراصل ایک مچھلی کا نام ہے۔ جس میں قدرت نے برقی قوت رکھی ہے اور جس کے بدن سے برقی شعاعیں نکلتی رہتی ہیں اس شکل کا ایک آلہ جس کا نام تارپیڈو ہے آب دوز کشتی میں رکھا ہوتا ہے اور یہ ایک آتشیں گولہ پھینک کر جہازوں کو تباہ کر ڈالتا ہے۔ اس کی شکل بھی سگار سے ملتی جلتی ہے۔ یہ ایک خاص قسم کے ٹیوب میں رکھ کر بہا دیا جاتا ہے اور ٹیوب کا رخ اس جہاز کی طرف کیا جاتا ہے جس کو غرق کرنا مطلوب ہو۔ ذرا دیر کے بعد تارپیڈو خود بخود چلنے لگتا ہے اور جس جہاز سے ٹکراتا ہے اسے پاش پاش کر ڈالتا ہے۔

۳ - سرنگیں -

مقناطیسی سرنگ گول ناشپاتی سے ملتی جلتی ہے اس میں تین سو پونڈ تک آتش گیر مادہ بھر دیا جاتا ہے یہ مادہ سرنگ کی نصف جگہ گھیرتا ہے اور باقی خالی جگہ میں ہوا رہتی ہے تاکہ سرنگ پانی میں لٹکی رہے۔ اس کے اوپر والے حصے میں کچھ سینگ سے ہوتے ہیں۔ یہ سینگ ۵۰ پونڈ وزن کی ٹکر سے ٹوٹ سکتے ہیں۔ ان میں ایک خاص قسم کا بارودی مادہ ہوتا ہے۔ کسی چیز سے ٹکرا کر یہ سینگ ٹوٹ جاتے ہیں۔ نالی پھوٹ جاتی ہے اور مادہ بہنے لگتا ہے جب وہ آتش گیر مادہ کے پاس پہنچتا ہے تو وہ بھڑک اٹھتا ہے اور جس چیز سے ٹکرائے اسے تباہ کر ڈالتا ہے۔ ان سرنگوں میں مقناطیسی آلے لگے ہوتے ہیں۔ جب فولادی پیندے والے جہاز سطح سمندر سے گذرتے ہیں۔ تو یہ مقناطیسی آلے اس جہاز کو اپنی طرف کھینچ کر تباہ کر ڈالتے ہیں سرنگوں کو سمندر میں بچھانا۔ یا ان سے سمندر کو صاف کرنا بڑی ہمت اور دلیری کا کام ہے۔

غلام رسول نازکی

تعلیمِ جدید

تعلیم جدید

(سلسلۂ نو)

محکمۂ تعلیم حکومت جموّں و کشمیر کا ماہوار رسالہ

جلد ۱ | جموّں ماہ ستمبر ۱۹۴۴ء مطابق ماہ بہادوں سمت ۲۰۰۱ | نمبر ۱۰

شری مہاراجہ بہادر کی خدمت میں محکمہ تعلیم کی طرف سے خوش آمدید

حضور مہاراجہ بہادر کم و بیش چار ماہ ہم سے دُور رہنے اور اہم سیاسی فرائض انجام دینے کے بعد خیر و خوبی واپس تشریف لائے۔ ریاست بھر میں حضور کا شاندار استقبال ہُوا۔ ریاست میں قدم رکھتے ہی آپ نے دیکھا۔ کہ تمام ریاست کے لوگ آپ کے درشن کے لئے بے تابی سے منتظر ہیں۔ انہوں نے اپنی عقیدت کا اظہار سڑکوں کو ڈیوڑھیوں سے سجانے اور مہاراجہ بہادر پر گلباری کرنے سے کیا۔

ہمارے سکولوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں نے بھی قدم قدم پر آپ کا پُر تپاک استقبال کیا۔ اور ہر جگہ قطاروں میں حضور کو سلامی دی۔ سری نگر کے تمام سکولوں کے بچے ایک خاص نظام کے ماتحت آپ کے منتظر رہے۔ اور جس وقت آپ تشریف لائے۔ تو دعائیہ نعروں سے آپ کا استقبال کیا گیا۔

حضور مہاراجہ بہادر نے تخت نشینی کے دن سے ہی بچوں کی تعلیم و تربیت کے معاملات میں دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے۔ اور ایسے قوانین نافذ فرمائے ہیں جن پر عمل کرنے سے بچوں کی

تندرستی بحال رہ سکتی ہے اور وہ بڑے ہو کر مفید شہری بن سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک قانون کی رُو سے کوئی نابالغ لڑکا یا لڑکی حقہ یا سگریٹ نہیں پی سکتا۔ نابالغ لڑکے لڑکی کی شادی قانوناً ممنوع ہے۔ اور بچوں میں عام بیماریوں مثلاً چیچک وغیرہ کی روک تھام کے لئے ہر سال لاکھوں روپیہ صرف ہوتا ہے۔

آپ کو تعلیم کے معاملات میں بے حد دلچسپی ہے اور آپ کی خواہش ہے کہ ریاست کے تمام بچے تعلیم کے نور سے منوّر ہوں۔ ہر سال ساٹھ نئے پرائمری سکول کھولے جاتے ہیں تیس مدارس کو بنیادی مدارس میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ نئے مڈل اور ہائی سکول کھولے جاتے ہیں چھ سال گذرے آپ نے یہاں کی تعلیم کو زیادہ مفید بنانے کی غرض سے ایک تعلیمی کمیٹی مقرر فرمائی تھی۔ جس کی سفارشات آپ کی حکومت نے منظور کیں۔ اور انہیں سفارشات کی وجہ سے ریاست کی تعلیم میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔

حضور نے بچوں کے استقبال کو خاص طور پر بہ نظر تحسین دیکھا ہے اور راستے میں سکولوں کے بچوں کو مٹھائی کے لئے روپے عطا فرمائے۔ ایک فرمان کی رُو سے حال ہی میں حضور نے سرینگر کے ان تمام بچوں کی مٹھائی کے لئے ۵۱۰۰ روپے کی گراں قدر رقم کا عطیہ عنایت فرمایا ہے جنہوں نے آپ کے استقبال میں حصّہ لیا۔

دُعا ہے کہ خدا حضور مہاراجہ بہادر کے نیک ارادوں میں برکت دے۔ اور وہ دیر تک ہم پر حکمران رہیں +

"ادارہ"

بچّوں کی دُنیا

سری نگر میں بچوں کی کتابوں کی نمائش

سری یوراج بہادر

کا

افتتاحی خطبہ

۱۲ اگست ۱۹۴۴ء کو سری نگر میں بچوں کی کتابوں اور دستی کام کی نمائش شروع ہوئی نمائش کے ابتدائی انتظامات کو مکمل کرنے کے لیے نمائش کمیٹی ایک ہفتہ پہلے کام میں مصروف تھی۔ سری یوراج بہادر نے ازراہ نوازش اس نمائش کا افتتاح کرنا منظور فرمایا تھا۔ تعلیمی معاملات میں دلچسپی لینے والے حضرات کی آگاہی کے لئے مقامی اخبارات میں محکمہ کی طرف سے یہ خبر بہت پہلے شائع کی گئی تھی۔ حکومت کے منسٹروں اور افسروں کے پاس دعوتی رقعے بھیجے گئے تھے سری نگر کے تمام سرکاری اور امدادی مدارس کے بچے اور اُستاد ۱۲ اگست کی صبح سے ہی ایس۔ پی ہائی سکول میں موجود تھے ۶ بجے سری یوراج بہادر تشریف لائے۔ اور موٹر سے اُترتے ہی آنریبل ہوم منسٹر اور جناب ناظم تعلیمات نے آپ کا استقبال کیا۔ اور آپ کو استقبالیہ کمیٹی کے ممبروں سے ملایا۔ اس کے بعد یوراج بہادر نے نمائش کا ملاحظہ فرمایا۔ جناب ناظم تعلیمات مختلف دستی کاموں اور کتابوں کی وضاحت کرتے جاتے تھے۔ یوراج بہادر نے تمام کام کو دیکھ کر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ مجلس استقبالیہ کے صدر کے خطبہ کے بعد جناب ناظم تعلیمات نے نمائش کی غرض وغایت کے متعلق ایک تقریر کی۔ اور اس کے بعد سری یوراج بہادر نے اپنا افتتاحی خطبہ ارشاد فرمایا۔

جس کا ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے محکمہ تعلیم سری یوراج بہادر کا شکر گذار ہے کہ آپ نے وقت نکال کر اس نمائش کی افتتاحی رسم انجام دینے کی تکلیف فرمائی :

"ادارہ"

خواتین و حضرات !

مجھے اس دلچسپ تقریب میں شرکت کرنے سے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ جس میں محکمہ تعلیم نے سرکاری مدرسوں کے طلبہ کے دستی کام اُن کی اور اُن کے اُستادوں کی لکھی ہوئی کتابوں اور بچوں کے لئے چھپی ہوئی موزوں کتابوں کی نمائش کا انتظام کیا ہے۔ میں یہ دیکھ کر محظوظ ہوا ہوں۔ کہ ہمارے مدرسوں کے طلبہ نے دستی کام میں ترقی کی ہے۔ اس ملک کے لوگ اپنی صناعی اور کاریگری کی وجہ سے مشہور ہیں اور یہ نہایت اچھی بات ہے کہ تعلیم انہیں اس شاندار روایت کو برقرار رکھنے میں مدد دے سکے۔

جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے۔ میں اس وقت ڈون سکول میں ایک طالب علم ہوں۔ اور اس ادارے میں بھی حرفہ اور آرٹ پر زور دیا جاتا ہے۔ تاکہ طالب علموں کی ذہنی اور تخلیقی تربیت پہلو بہ پہلو ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس قسم کے کام کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔ اور اسی وجہ سے میں نے اس نمائش کا افتتاح کرنے کی دعوت کو قبول کر لیا۔

میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس نمائش کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ بچوں میں اچھی کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہو جائے۔ میں اس موقعہ پر تمام طلبہ کو ذاتی طور پر بتانا چاہتا ہوں۔ کہ وہ تمام ان سہولتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ جو انہیں کتابیں پڑھنے کے سلسلے میں حاصل ہیں۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ کتابیں پڑھنا بہت بڑی مسرت کا شغل ہے اِن کے ذریعہ ہمارے سامنے ایک ایسی دُنیا آجاتی ہے جس میں عظیم الشان مرد، عورتیں اور بچے ہیں۔ کتابوں کی یہ دُنیا ہمارے سامنے رومان اور سخت کوشی، مصیبت اور ایثار کی تصویریں رکھتی ہے۔ یہ دُنیا ہمیں نئے نئے خیالات اور بیش قیمت معلومات بخشتی ہے ہمیں ہمت، استقلال اور بے نفسی سکھاتی ہے اور فرصت کے اوقات کا نہایت خوشگوار مصرف کتابیں پڑھنا ہے۔ مجھے

اُمید ہے کہ اس نمائش میں شریک ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ آپ کتابوں کو ایک ناخوشگوار بوجھ سمجھنے کے بجائے انہیں اپنا دوست اور رفیق سمجھنے لگیں گے۔

میں ایک سازو سامان سے آراستہ بچوں کی لائبریری کے خیال کی تائید کرتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ ہز ہائینس کی حکومت اس عرضداشت پر نہایت ہمدردانہ غور کرے گی بچے اس وقت تک کتابیں پڑھنے کی خواہش کا پورا فایدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ جب تک اُن کے لئے ایک اچھی لائبریری موجود نہ ہو۔ اس صورت میں وہ پبلک لائبریریوں کے محتاج ہوں گے۔ جو بالغوں کے لئے مخصوص ہیں۔

میں اس نمائش کے منتظمین کو ان کے اس خوشگوار خیال کے لئے مبارکباد دیتا ہوں۔ اور نمائش کا افتتاح کرنے میں بے حد مسرت محسوس کرتا ہوں۔"

تعلیمی تحریکیں

یو۔پی میں بنیادی تعلیم کا تجربہ

(حوصلہ افزا نتیجے)

بنیادی تعلیم کا تجربہ یو۔پی کے تعلیمی انقلاب کا ایک حصہ ہے موجودہ تعلیمی رجحانات کو ہندوستانی حالات کے ساتھ منطبق کرنے کا دوسرا نام بنیادی تعلیم ہے۔

اس طرز تعلیم میں فرد کو مرکز قرار دے کر مختلف مضامین کو اس کے ساتھ مربوط کیا جاتا ہے۔ اور مجوزہ حرفہ کے آلات اور مشاغل اسباق کی توضیح و تشریح میں مددگار ثابت ہوتے ہیں اور بچے اس طرز تعلیم سے پڑھاتے ہوئے اسباق میں خود بخود دلچسپی کا اظہار کرنے لگتے ہیں حرفوں کی مدد سے بچے صحیح اندازہ لگانا، اظہار خودی، ڈیزائن بنانا سیکھ لیتے ہیں۔ حرفوں کے ذریعہ تعلیم دینے کا خیال کوئی نیا خیال نہیں۔ دی آنا۔ اور انگلستان کے ابتدائی مدرسوں میں بھی یہ طریق کار رائج ہے۔

اگست ۱۹۳۸ء میں الٰہ آباد میں ایک بیسک ٹریننگ کالج کھولا گیا۔ کام کو چونکہ بہت جلد چلانا مطلوب تھا۔ اس لئے بنیادی حرفوں میں اُستادوں کو صرف ۳ ماہ کی ٹریننگ دی گئی۔ اور ان حرفوں کو مختلف مضامین سے مربوط کرنے کا طریقہ بھی اسی ٹریننگ سکول میں دیا گیا۔ اور اس کا عملی تجربہ ان سکولوں کے ملحق پرائمری مدارس پر کیا گیا۔ اس ٹریننگ کالج میں بیک وقت ۲۵۰ اُستادوں کو ٹریننگ دی گئی۔ ہر ضلع میں ۹۰ پرائمری سکولوں کی پہلی جماعت کو بنیادی طرز میں تبدیل کیا گیا۔ یا یوں کہئے کہ سارے صوبے میں ۷اسو سکولوں میں یہ طریقہ عمل میں آیا۔ تمام مدرسین کو بنیادی طرز تعلیم کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ کیونکہ صوبہ کے تمام ابتدائی مدارس کو بنیادی مدارس میں تبدیل کرنا ہے اس کے ساتھ ہی معائنہ کرنے والے افسروں کو بھی ٹریننگ کالج میں ریفریشر کورس کے ذریعہ نئے طرز تعلیم سے روشناس کیا گیا۔ نارمل اور

سنٹرل ٹریننگ سکولوں میں بنیادی طرزِ تعلیم پر لایا گیا۔ تاکہ مدرسین سب کے سب اس طرزِ تعلیم سے واقف ہو جائیں۔ یہی تبدیلی عورتوں کے ٹریننگ سکولوں میں لائی گئی۔

جولائی سنہ ۱۹۴۱ع تک ۵ ہزار پرائمری مدارس بنیادی مدرسوں کی شکل میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ اور یہ سارے مدرسے نہایت مستعدی سے کام کر رہے ہیں اور نتائج بھی بہت حوصلہ افزا ہیں اب بچوں کو جبراً مدرسے نہیں لانا پڑتا۔ وہ سکول کا گھنٹہ بجنے سے پہلے جوق در جوق جمع ہو جاتے ہیں بہ دن کا دلچسپ پروگرام چلانے کے لئے مستعد اور بے تاب ہوتے ہیں اور جب چھٹی کا گھنٹہ بجتا ہے تو وہ اپنے گھروں کی طرف خوشی خوشی جانے کے بجائے ہچکچاہٹ سے جاتے ہیں۔ اس تبدیلی سے دیہاتی زندگی میں ایک قابلِ ذکر اثر ہوا ہے۔ ان سکولوں میں پڑھنے والے بچے زیادہ چالاک، زیادہ مستعد، ذہنی اور جسمانی طور پر بیدار نظر آتے ہیں کھیلیں، گانا، اور ناچنا اُن کی تعلیم کا ایک جزو ہے اور یہ بچے دیہاتی لوگوں کی تفریحِ طبع کا سامان کھیلوں، ڈراموں اور مذہبی قصوں کے سنانے سے فراہم کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستانی بچے رنگ، حسن، شکل اور گانے کے مشتاق ہوتے ہیں اس طرزِ تعلیم میں اُن کی ان تمام خواہشات کی تسکین کے اسباب موجود ہیں۔

سکیم کو مرتب کرنے اور اس پر عمل کرنے میں تمام متعلقہ اصحاب نے نہایت مستعدی اور سرگرمی کا اظہار کیا۔ ٹریننگ کالج نے سٹاف کو ٹریننگ دینے کے علاوہ استادوں کی واقفیت عامہ کو روز بروز بدلنے والے رحجانات سے آگاہ کرنا پڑا۔ اور اس غرض کے لئے اُن کو کتابیں لکھنا پڑیں۔ اور اس غرض کو پورا کرنے کے لئے سارا تعلیمی ادب نیا بنانا پڑا۔ کیونکہ اس موضوع پر کتابوں کی بہت کمی تھی۔ بچوں کے لئے اردو اور ہندی میں دلچسپ نظمیں لکھنی پڑیں۔ جن کا نہایت مفید نتیجہ نکلا۔ دستکاری کے کام میں مفید ثابت ہونے والی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اور اُن میں موزوں توضیحات کو استعمال کیا گیا۔ حساب کی کتابیں نئے زاویۂ نظر سے لکھی گئیں۔ اور تاریخِ عالم کو دلچسپ کہانیوں کے بھیس میں بیان کیا گیا۔ ان کتابوں کی مانگ اتنی زیادہ ہوئی۔ کہ بازار میں ان کا ملنا بہت مشکل ہو گیا۔

سکولوں میں روپے کی کمی ہونے کی وجہ سے استادوں اور بچوں کو حرفہ کا سامان حاصل کرنے میں دقت پیش آئی۔ چنانچہ انہوں نے لوکل چیزوں سے فائدہ اٹھایا اور اس مشکل پر غالب آئے۔ رنگ مختلف رنگوں کی مٹی، پھولوں اور پتوں سے بنائے گئے۔ کاغذ اور گتہ جو آج کل کمیاب بلکہ نایاب ہو رہا ہے

خود سکولوں میں تیار ہو رہا ہے۔

مدرسوں کے لئے نئی قسم کی عمارتیں تیار کی گئیں۔ ایک اینٹوں کا مکان جس پر جنگ سے پہلے ہزار روپیہ کی لاگت آئی تھی بہت قیمتی تصور کیا گیا۔ اور سکولوں کی عمارتوں کی تعمیر فی الحال ملتوی کر دی گئی، اس کے بجائے مقامی حالات کے مطابق اور تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے والے معمولی مکانات تعمیر کئے گئے۔ جن پر زیادہ سے زیادہ ایک ہزار روپے کی لاگت آتی ہے اور جو دو سو سے تین سو طلبہ تک کے لئے کافی ہے۔

تعلیمی تجربات

ایک مفید تعلیمی منصوبہ

(دلنہ سکول کی چاردیواری)

آج سے مدرسہ کھلنے سے پیشتر جب ہمارے طلبہ صحن مدرسہ میں کھیل کود اور باتوں میں مشغول تھے تو ان کی نظر پاس ہی کے ایک سیڈ فارم پر پڑی۔ جو ہمارے گاؤں کے ذیلدار نے بنایا تھا باغبان کو کیاریاں بناتے اور متعدد مزدوروں کو مختلف پودوں کی گوڈائی کرتے دیکھ کر ہمارے طلبہ کے جذبات اور خیالات میں بھی تحریک ہوئی۔ اور اس فارم کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ فارم کے ہرے بھرے اور شاداب پودے دیکھ کر ان کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات موجزن ہوئے۔ اسی اثنا میں راقم بھی سکول کے احاطہ میں داخل ہوا۔ جب میں نے یہ دیکھا۔ کہ بہت سارے لڑکوں کی نگاہیں فارم کی جانب لگی ہوئی ہیں اور سب ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو میں محو ہیں۔ کان دھرا تو سنتا ہوں۔ "اگر ہمارے اس کھیل کے میدان کو بھی ایک ایسے ہی سیڈ فارم میں تبدیل کیا جاتا اور ہم پاس والے چنار باغ میں کھیلیں وغیرہ کیا کرتے تو اچھا ہوتا" میں موقعے کی تلاش میں تو تھا ہی یہ فقرہ سنتے ہی طلبہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ ع

"ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا + وہ کونسا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا"

ذہین اور طباع بچے تو اس شعر کا اشارہ سمجھ گئے۔ اور جو بچے شعر کے مطلب کو نہ سمجھ سکے انہوں نے تشریح کا تقاضا کیا۔ میں نے شعر کی تشریح کرتے ہوئے باغ کے گرداگرد دیوار کھڑا کرنے کی مثال پیش کی۔ بہت سارے بچوں نے کہا "ماسٹر صاحب اگر ہمارا باغ بھی دیوار بنا کر پاس والے سیڈ فارم کی مانند ہو جائے تو دیوار بنانا کوئی بڑی بات نہیں" چنانچہ یہ طے ہوا۔ کہ اسی روز (۱۵ ارپیا کھ سمت ۲) کی تاریخ سے ہی دیوار کی تعمیر شروع کر دیں۔ میرا پہلا سوال یہ تھا کہ بچو! دیوار تعمیر کرنے سے پہلے ہمیں یہاں

کے پٹواری صاحب سے سکول کے ساتھ تعلق رکھنے والے رقبہ کی پیمائش کرانا ہے۔ بتاؤ پٹواری صاحب کو
اس کی پیمائش کروانے کے لئے یہاں سکول میں کس طرح لائیں؟" کچھ بچوں نے کہا کہ ہم جاکر اُس کو کہہ دیں گے
کہ ہمیں سکول کی دیوار تعمیر کرنا ہے۔ آپ مہربانی ہمارے ساتھ چل کر اُس حصّہ زمین کی پیمائش کیجئے اور
کچھ طلبہ نے فوراً کہہ دیا کہ ہم پٹواری صاحب کی خدمت میں ایک درخواست لے کر جائیں۔ اس تجویز کو
سب لڑکے سراہنے لگے اور درخواست لکھنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اتنی دیر میں ہمارے سکول کے
سب اساتذہ نیز ہیڈ ماسٹر صاحب بھی سکول میں وارد ہوئے۔ سکول کی چار دیواری سے باہر جب
ہیڈ ماسٹر صاحب نے مجھ کو بچوں کے اجتماع میں گھرا ہوا پایا۔ فرمایا "کیوں صاحب کیا بات ہے"
میں نے اُن کو یہ تمام واقعہ کہہ سنایا۔ وہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا "کہ بچوں کے دل میں ایک اچھے
پرجاکٹ کی تحریک ہوئی ہے" بسم اللہ کیجئے اور طلبہ کی سرگرمی اور شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کام کو
آج ہی سے خوبی سے انجام دینے کی تیاریاں کیجئے۔ یہی تو ہماری تعلیم کا منتہائے مقصود ہے" چنانچہ انہوں
نے یہ مشورہ دیا کہ جس گریڈ کو جس وقت تفریحی مشاغل کے کرنے کا پیریڈ ہو۔ اُس گریڈ کو اُس وقت
بنیادی طریقۂ تعلیم کے مقصد ارتباط کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کرا دیجئے۔ سکول کھلنے کا گھنٹہ بجا۔ بچوں
نے دُعا سے فراغت پائی۔ اور میں نے پہلے ہی پیریڈ سے اس کام کا بیڑا اٹھانے کی ٹھانی۔ ساتویں گریڈ
کو باہر لایا۔ اُن سے سوال کیا کہ بچو! بتاؤ دیوار بنانے کے لئے ہمیں کس کس چیز کی ضرورت ہے؟ انہوں
نے جواب دیا کہ (۱) لکڑی کے دو لمبے لمبے تختے۔ (۲) دو ایک بیلچے۔ (۳) ایک دو موسلیاں اور چند
کدال کی ضرورت ہو گی جناب" اچھا لکڑی کے دو تختے کتنے لمبے اور کتنے چوڑے ہونے چاہئیں؟ کہا تین گز
لمبے اور ۱۲ گرہ اونچے یا چوڑے۔ میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ وہ تختے لائیں گے کہاں سے؟ ایک بچے نے جس
کا نام حیدر علی تھا کہا جناب ہمارے گھر میں ہیں۔ میں جاکر لاتا ہوں۔ چنانچہ اُس کے ساتھ اپنے چپراسی کو
دیا۔ بیلچے تو اپنے مدرسے میں تھے۔ کدال کو لانے کا ایک بچے نے وعدہ کیا۔ اور تیسرے لڑکے نے موسلیاں
لانے کے لئے کہا۔ چند منٹ کے وقفے کے بعد یہ سب چیزیں فراہم ہوئیں۔ اور لڑکے شوق سے کام کرتے
معلوم ہوئے۔ میں نے بچوں سے کہا اچھا چلو کام شروع کر دیں۔ ایک بچے نے جواب دیا۔ جناب دیوار بنانے
سے پہلے اس کی بنیاد کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے لئے اس کے نیچے مٹی کی ایک چھوٹی سی مینڈھ بنائی جاتی
ہے تاکہ دیوار ہر جگہ یکساں سطح کی ہو جائے۔ مینڈھ بنانے کا کام شروع ہوا۔ چار گز لمبائی کی مینڈھ تیار

کی کی گھنٹہ بجا اور ساتواں گریڈ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اب اُن کو اردو پڑھانے کا وقت تھا۔ لڑکوں نے کہا جناب پٹواری صاحب کو احاطے کی پیمائش کے لئے درخواست لکھیں گے۔ میں نے کہا ہاں ہاں لکھو۔ چنانچہ لڑکوں نے ذیل کے مضمون کی درخواست پٹواری صاحب کے نام لکھی۔

جناب پٹواری صاحب حلقہ دلنہ گذارش ہو۔

جناب عالی

ہم طلبہ مدرسہ دلنہ اپنے سکول کے احاطے کے گرداگرد ایک دیوار بنانا چاہتے ہیں تاکہ ہم اس میں ایک خوبصورت باغیچہ بنا سکیں۔ براہ کرم ہمارے مدرسے تک تشریف لا کر اس کے احاطے کا پورا تعین کاغذات اور اپنی پیمائش سے کریں۔ عنایت ہوگی +

نیازمندان

طلبہ گورنمنٹ بیسک سکول دلنہ

بذریعہ جناب ہیڈ ماسٹر صاحب دلنہ

جب درخواست لکھنے سے فارغ ہوئے تو اسی گریڈ کے دو لڑکوں تفضل حسین اور فیروز الدین نے پٹواری کے پاس جانے کا ذمہ لیا اور اسی وقت چلے۔ تھوڑی دیر کے بعد پٹواری صاحب اپنے کاغذات کی پوٹلی اور جریب کش لے کر تشریف لائے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب سے علیک سلیک کے بعد میں ہیڈ ماسٹر صاحب اور ساتویں گریڈ کے بچے ان کے ساتھ ہوئے۔ اور احاطے کی پیمائش شروع ہوئی۔ کچھ لڑکوں نے ماپنے کی زنجیر اٹھائی اور آگے آگے چلے اور ساتھ ساتھ پٹواری صاحب کے کام کو دیکھتے رہے۔ قریب قریب آدھ گھنٹہ تک احاطے کی پیمائش ہوتی رہی۔ ہم ساتھ تھے ہمارے بچے بھی ساتھ تھے۔ ہمارے لڑکوں نے بیگھہ۔ گھماؤں۔ کنال۔ مرلہ۔ ایکڑ۔ میل۔ مربع گز۔ مربع فٹ اور رقبہ چار دیواری سے متعلق بہت ساری باتیں سیکھ لیں۔ پٹواری صاحب نے سکول کے ساتھ الحاق رکھنے والے رقبے کی نشان دہی کی اور چلے گئے۔ پندرھویں تاریخ کو دیوار کا صرف اتنا ہی کام ہوا۔

$\frac{16}{10}$ آج تفریحی مشاغل کے پیریڈ میں چھٹے گریڈ کو باہر لایا گیا۔ دیوار بنانے کا کام شروع ہوا۔ میں نے بچوں سے سوال پوچھا کہ بھئی دیوار کس چیز سے بناؤ گے؟ کہا جناب مٹی سے۔ میں نے کہا کہ مٹی لاؤ گے کہاں سے، کہا جناب اسی دیوار کے ساتھ ساتھ اندر کی طرف سے ایک خندق سی کھود کر مٹی حاصل

کریں گے۔ اور ٹوکریوں کے ذریعے اس میں ڈالنے جائیں گے۔ میں نے کہا کہ یہ مٹی کس قسم کی مٹی ہے بچوں نے کہا جناب یہ چکنی مٹی ہے اس کے بعد مٹی کے جملہ اقسام پر بحث ہوئی۔ اُن کی خصوصیات کو الگ الگ واضح کردیا۔ مختلف فصلوں کی نشو ونما کے لئے مختلف قسم کی مٹی کی ضرورتوں پر بحث ہوئی۔ اور بچوں نے ان تمام باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔ میں نے چند ایک لڑکوں کو لکڑی کے تختوں کی پیمائش ایسے لئے کہا کہ جناب ہماری دیوار ۳ × ۱ × ½ گز کی تیار ہوگی۔ بچے کام کرتے گئے اور میں نے ساتھ ساتھ ان سے کپڑوں کے بھاؤ گزوں اور گرہوں کے حساب سے پوچھے۔ بچے بھی ساتھ ساتھ جوابات دیتے گئے دیوار کی لمبائی۔ چوڑائی اور ضخامت ماپتے گئے۔ چار دیواری کا رقبہ نکالتے گئے چھٹی کا گھنٹہ بجا۔ سامان کو اندر لے جا کر بچے اپنے گھروں کو سدھارے۔

۱۷ ۴/۱۰ آج تفریحی مشاغل کے پیریڈ میں پانچویں گریڈ کو پرنہ جکیٹ پر کام کرنے کا موقعہ دیا گیا۔ کام کرنے کے شوق میں بچے بہت خوش تھے میں نے اُن سے سوال پوچھا۔ یہی یہ لکڑی کے تختے کس لکڑی کے بنے ہیں۔ جواب دیا جناب یہ توت کے درخت کی لکڑی ہے۔ اس پر گاؤں کے درخت جنگلات کے درخت جنگلات کے فوائد۔ محکمہ جنگلات۔ گارڈ۔ فارسٹر۔ ڈی۔ الیف۔ او۔ اُن کے فرائض تعمیری لکڑی۔ جنگل اور آب و ہوا۔ جنگل اور بارشیں۔ پہاڑی علاقہ اور میدانی علاقہ۔ گرمی اور سردی۔ بارہمولہ کی گرمی اور گلمرگ کی خوشگوار ہوا۔ کشمیر کے صحت افزا مقامات۔ ہندوستان کے صحت افزا مقامات۔ ہندوستان کی بارش۔ مون سون ہوائیں۔ خلیج بنگال۔ بحر ہند۔ کوہ ہمالیہ۔ بارش ہونے کے اسباب اور بہت سی باتیں جو اس ضمن میں مربوط ہوسکتی تھیں۔ سب آگئیں ہر لڑکوں کو ۱۰ افقیت دی گئی۔ دیوار کو بناتے بناتے تین روز گذر گئے تھے۔ آج میں نے لڑکوں سے پوچھا کہ بھئی کتنی لمبی دیوار تیار ہوگئی ہے گز اٹھا کر ناپا۔ تو ۹ گز ۱۳ گرہ دیوار بن چکی تھی۔

۱۸ ۴/۱۰ آج صبح کے وقت آسمان کچھ ابر آلود سا تھا۔ میرے سکول میں آتے ہی لڑکے تشویش میں بول اٹھے "ماسٹر صاحب! آداب　　آج بارش ہو۔ تو ہماری سب محنت اکارت جائیگی۔ میں نے کہا کیوں؟ کہنے لگے۔ کہ ابھی تو ہم نے دیواریں پاٹی ہی نہیں ہیں۔ اگر خدانخواستہ بارش آجائیگی۔ تو یہ گر جائینگی۔ میں نے کہا اچھا پھر دیوار کو گرنے سے بچانے کے لئے کیا کروگے۔ بچو! کہا جناب دیوار پاٹیں گے۔ اس کے بعد بارش آنے تو ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ میں نے کہا کہ بھئی اس کو پاٹو گے کس چیز سے؟ انہوں نے کہا کہ دھان کی

خشک گھاس اور پرانی ٹہنیاں ۔۔۔ اوپر درختوں کی چھوٹی چھوٹی شاخیں اور پتے وغیرہ اور اُس کے
اوپر تھوڑی سی گیلی مٹی ۔۔۔ پوچھا گیا کہ گھاس کہاں سے ملی۔ بچوں نے یک لخت جواب دیا۔ ماسٹر صاحب
دیوار پاٹنے کے لئے اصلی گھاس استعمال نہیں کرتے۔ اس کے لئے چوپاؤں کی پسماندہ گھاس استعمال کرتے
ہیں ہم سب بچوں نے جنگلوں میں دیکھا کہ گھاس کے انبار بیکار پڑے ہوئے ہیں جا کر ہم لاتے ہیں بس پھر کیا تھا
تھوڑی سی دیر میں گھاس کے انبار سکول کے صحن میں لگ گئے۔ اور دیوار اوپر سے پاٹی گئی۔

۹ بجے کل سب دیوار کو مکمل طور پر نہیں پاٹا گیا تھا۔ اس لئے آج ہمارے آنے سے پہلے ہی
لڑکوں نے اپنے ادھورے کام کو مکمل کر دیا۔ درختوں کی کچھ اور شاخوں کی ضرورت محسوس کرتے
ہوئے طلبہ اپنے گھروں سے کلہاڑے لائے۔ اس لئے کہ سکول کے بید کے درختوں سے
شاخیں کاٹیں۔ گاؤں کے لڑکے سکول آنے سے پہلے ہی درختوں پر چڑھنے کی مشق کرتے ہیں چنانچہ
دو ایک لڑکے بید کے درختوں پر چڑھ کر ٹہنیاں کاٹنے لگے۔ کچھ لڑکے ان کو نیچے جمع کرتے رہے
کلہاڑی اور ۔۔۔ طلبہ سے آلات کی تفصیل پوچھی۔ اور آلات کا ذکر کرتے کرتے۔ کلہاڑی۔ آرہ۔ تیشہ
بڑھئی کے اوزار۔ معمار کے اوزار۔ لوہار کے اوزار۔ موچی کے اوزار۔ کمہار کے اوزار کے متعلق پوچھا گیا۔
بچوں نے تسلی بخش جوابات دیئے۔ اور جن باتوں کا جواب نہ جانتے تھے۔ اُن کے جوابات میں ہم نے
بھی اُن کی واقفیت بڑھانے میں مدد دی۔ شاخوں کے بارے میں آج پھر درختوں کا ذکر ہوا کشمیر کے
مشہور درختوں کے نام۔ ان کے پھل۔ کشمیر کے مشہور میوے۔ کشمیر کی اشیائے درآمد و برآمد ذرائع
آمد و رفت۔ گھوڑا۔ گاڑی۔ لاری۔ موٹر۔ سمندری جہاز۔ ہوائی جہاز۔ پرانے زمانے کے ذرائع آمد و رفت
موجودہ دور کی ترقی۔ سائنس کی حیرت انگیز ایجادات۔ پرانے زمانے کے لوگوں کی بود و باش۔ نئے
زمانے کے لوگوں کی تہذیب و تمدن۔ بائیسکل۔ موٹر۔ ہوائی جہاز۔ ریل۔ ریڈیو۔ وائرلیس۔ گراموفون
مختلف قسم کے زہریلے گیس۔ عالمگیر جنگ میں گیسوں کے خطرناک اثرات۔ موجودہ جنگ کی ہولناکیوں
کا ذکر۔ جرمن۔ ہٹلر۔ نازی فوجیں۔ اتحادی فوجیں۔ روس۔ برطانیہ۔ امریکہ۔ چین۔ جاپان۔ ہندوستان
اور ان کا نقشوں پر مطالعہ اور مشاہدہ کرواتا۔ میں اُن کو نقشے پر محاذ جنگ اور لڑائی کے مشہور مقامات
کا مشاہدہ کروا رہا تھا۔ کہ ایک لڑکے نے سوال کیا کہ ماسٹر صاحب موجودہ جنگ نے دنیا پر کیا اثر
ڈالا۔ بجائے اس کے کہ میں اس لڑکے کو اس سوال کا جواب دے دیتا۔ میں دیگر طلبہ سے اس سوال

کا جواب اخذ کرنے لگا۔ لڑکوں نے اس سوال کے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق مختلف جوابات دئیے۔ کسی نے کہا کہ غریب لوگ بھوکوں مر رہے ہیں۔ ایک نے کہا کہ دنیا کی ہر ایک چیز مہنگی ہو گئی ہے۔ تیسرے نے کہا۔ کہ لاکھوں اور کروڑوں لوگ روزانہ موت کے گھاٹ اتارے جا رہے ہیں۔ چوتھے نے کہا روزانہ کروڑوں روپے کا سامان جنگ سمندر کی نذر ہو رہا ہے۔ پانچویں نے کہا کہ اچھے اچھے جہاز ڈوب جاتے ہیں۔ غرض بچوں نے آہستہ آہستہ وہ سب کچھ کہہ دیا جو جنگ کے خطرناک اثرات کے بارے میں ان کو کہنا لازم تھا۔

ستمبر ۲۰ آج صبح چوتھے گریڈ کے بچے ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس یہ شکایت لے کر آئے کہ ماسٹر صاحب! ہم کو دیوار پر کام کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ اس شکایت کے جواب میں ہیڈ ماسٹر صاحب نے انہیں کہا۔ کہ بچے تم چھوٹے لڑکے ہو۔ بیل کو ہاتھ میں اٹھا نہیں سکتے۔ ٹوکری میں مٹی بھر کر ٹوکری کو اٹھانے سے قاصر ہو۔ زمین کھودنا تمہارے لئے مشکل ہے۔ لیکن انہوں نے کام کرنے کے لئے اصرار کیا۔ آخر ہیڈ ماسٹر صاحب نے مجھے بلا کر کہا کہ ماسٹر صاحب آج ان بچوں کو دیوار کا کام کروا دیجئے۔ اور کام کرنے لگے ان سے آتے ہی میں نے کدال کے متعلق سوال پوچھا کہ بچو بتاؤ۔ یہ کدال کس چیز کا بنا ہوا ہے۔ اچھا بتاؤ یہ لوہا پہلے سے ہی ایسا بنا ہوا تھا کیا۔ نہیں جناب یہ لوہا تو پہلے ایسا نہیں تھا۔ یہ سیدھے سادے لوہے کا کوئی ٹکڑا ہوتا۔ اچھا بتاؤ اس کو ایسی شکل کس نے دی۔ جناب لوہار نے۔ کس طرح۔ بھٹی میں ڈال کر۔ ہتھوڑے کی چوٹیں مار کر۔ سندان پہ کوٹ کر۔ سان پر چڑھا کر تب کہیں جا کر اس کی یہ شکل بن گئی۔ جو آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ اچھا بتاؤ تو سہی اس کا دستہ کس چیز کا بنا ہوا ہے! جناب یہ لکڑی کا دستہ ہے۔ یہ کاہے کی لکڑی ہے؟ جناب یہ بانس کی لکڑی ہے۔ کیا بانس کے درخت ہمارے یہاں کشمیر میں پائے جاتے ہیں؟ نہیں جناب یہاں نہیں ہوتے۔ یہاں کی آب و ہوا ان کے موافق نہیں۔ اس لئے یہاں پھولتے پھلتے ہیں۔

نارنگی۔ آم اور کیلے کے درخت یہاں نہیں پائے جاتے کیا؟ بچوں نے جواب دیا۔ جناب یہاں یہ درخت نہیں ہوتے۔ البتہ سیب۔ ناشپاتی۔ آلوچے۔ گلاس۔ بادام۔ انگور۔ اخروٹ اور خوبانی کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں اور کشمیر پھلوں کی وجہ سے بہت ہی مشہور ہے۔ کیا کشمیر پھلوں کے علاوہ اور کسی بات کے لئے مشہور ہے؟ ایک لڑکے نے کہا ہاں جناب۔ یہاں کی صنعت و حرفت خاص کر شال

دوشالے بہت مشہور ہیں۔ کیا اِن باتوں کے علاوہ اِس کی شہرت کا کچھ اور بھی باعث ہے؟ دوسرے لڑکے نے جھٹ جواب دیا ہاں جناب ہم نے اُردو کی چوتھی کتاب میں پڑھا ہے ۔ کہ " یہاں جھیل ڈل میں کھیت چرائے جاتے ہیں" میں نے کہا بہت خوب اچھا تم کو یاد ہے بتاؤ جھیل ڈل کہاں ہے۔ سب لڑکوں نے ایک آواز ہو کر جناب وہ شہر سری نگر میں ہے۔ میں نے پوچھا سری نگر کیا ہے۔ ایک لڑکے نے کہا جناب یہ کشمیر کا موسم گرما کا دارالخلافہ ہے۔ اچھا یہ تو بتاؤ موسم سرما کا دارالخلافہ کیا ہے؟ جناب جموں۔ کیا جموں کو نقشہ پر دکھا سکتے ہو؟ ہاں جناب دکھائیں گے۔ نقشہ لایا گیا۔ بچوں نے جموں اور کشمیر دکھایا۔ میں نے پوچھا بتاؤ سری نگر سے جموں تک کس قدر فاصلہ ہے ایک لڑکے نے کہا جناب دو سو میل کا فاصلہ ہے ۔ خاطر اگر ہم جموں جائیں کس راستے جائیں گے؟ جناب بانہال کارٹ روڈ سے۔ یہ تو بتاؤ کہ جموں جاتے ہمارے راستے میں کون کون سے مشہور مقامات آ جائیں گے۔ اسلام آباد کوٹ، بٹوت۔ رام بن وغیرہ آتے ہیں۔ اچھا یہ جو تمہارے سکول کے سامنے سے سڑک جا رہی ہے یہ کونسی سڑک ہے سب لڑکوں نے متفق ہو کر کہا جناب اس کو جہلم ویلی روڈ کے نام سے پکارتے ہیں۔ بتاؤ یہ کہاں سے کہاں کو جاتی ہے؟ جناب یہ بھی سری نگر سے راولپنڈی تک کتنی دور ہے۔ جناب دو سو میل۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر سری نگر سے راولپنڈی جانا ہو۔ تو راستے میں کون کون سے مشہور مقامات آ جائیں گے؟ جناب بارہمولہ۔ رامپور۔ مہورا۔ اوڑی۔ چکوٹھی۔ ہٹیاں۔ دوپٹہ۔ دومیل۔ کوہ مری وغیرہ۔ چھٹی کا گھنٹہ بجا۔ لڑکے کام کے ساتھ ساتھ اسباق حاصل کرنے میں اس قدر لطف اٹھا رہے تھے کہ گھر جانے کا انہیں خیال بھی نہ تھا۔ لیکن جسمانی کمزوری کو دیکھتے ہوئے میں نے ان کو گھر جانے کے لئے کہا۔ اور وہ گھروں کو چلے گئے

۲۱ ستمبر اب دیوار کا کام تقریباً پایہ تکمیل تک پہنچ ہو گیا تھا۔ صرف تھوڑا سا کام تھا اور اندازہ لگا کر معلوم ہوتا تھا کہ آج کی تاریخ کو یہ تھوڑی سی دیوار کی تعمیر ختم ہو جائیگی۔ چنانچہ اپنے اپنے تفریحی مشاغل کے وقتوں میں ہر ایک گریڈ نے کام کیا اور ساتھ ساتھ عمل کے دوران میں اسباق کے ارتباط کے جو جو مواقع پیدا ہوتے گئے ۔ بیان کرتا گیا۔ چار بجنے کو تھے کہ ساتویں گریڈ کے بچے خوش ہو کر مجھ سے کہنے لگے۔ جناب ماسٹر صاحب دیوار کا کام ختم ہو گیا ہے۔ میں نے ان کے کام کو سراہنے کے لئے چند ایک تحسین و آفرین کے کلمے زبان سے ادا کئے۔ آج کا دن گورنمنٹ بیسک سکول دلنہ کے عملی کام کی تاریخ میں ایک ضروری اور اہم دن ہے جب ہمارے ننھے ننھے بچوں نے اپنی جرأت ہمت

اور جولانی کی بدولت ایک ایسے کام کو انجام دیا ہے جس کی ہم اساتذہ کو بھی بادی النظر میں اس قدر توقع نہ تھی۔ مگر سچ ہے ع

مشکلے نیست کہ آساں نشود + مرد باید کہ ہراساں نشود

ہمارے بچوں نے ایک ہفتے سے جس کام کو بیڑا اٹھایا تھا۔ وہ آج پورا ہوا۔

۲۲/۱۰ آج سامنے والے بنجر قطعۂ زمین میں ہل چلانے کا سوال بچوں میں پیدا ہوا۔ ہم سے آکر مشورہ پوچھنے لگے۔ ہم سب اساتذہ نے اُن سے کہا کہ بابا آج تک جس جانفشانی اور متواتر مشقت سے تم نے دیوار بنائی ہے اس تمام سعی کی تہ میں یہ بات مُضمر ہے کہ اس قطعہ زمین کو ہل چلا کر چھوٹے سے باغیچے میں تبدیل کر دو۔ چنانچہ لڑکوں سے سوال کیا گیا۔ کہ اس زمین کو باغیچہ بنانے کے لئے ہم تم کیا کر سکتے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ پہلا کام ہل چلانا ہے اور دوسرا کام اس کی چھوٹی چھوٹی کیاریاں بنانا۔ اس کی خوبصورت روشیں تیار کرنا۔ اس کی آبیاری اور آبپاشی کے وسائل سوچنا۔ اسی اثناء میں ایک لڑکے محمد رمضان جماعت ششم نے اپنے کندھوں پر ایک ہل اور بیلوں کی ایک دُبلی پتلی جوڑی آگے آگے لائی۔ باقی لڑکے یہ منظر دیکھ کر کچھ جھینپنے لگے۔ اور کچھ ہنسنے لگے اور کچھ خوش ہوئے۔ محمد رمضان نے ہل چلایا۔ باقی لڑکے دیکھ رہے تھے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر اس زمین میں ہل چلایا گیا۔ اور چار لڑکوں نے جنہیں ہل چلانا آتا تھا باری باری ہل چلایا۔ ہل چلانے کے دوران میں اُن کو قدیم آلات کشاورزی اور جدید آلات کشاورزی کے نفع و نقصان کے متعلق واقفیت دی گئی۔ کشمیری ہل۔ راجا ہل۔ پنجابی ہل جس کے الگ الگ نمونے ہمارے مدرسے کے شو روم میں موجود ہیں دکھائے گئے۔ زمین کو گہرا کھودنے کے فائدے۔ سطحی طور پر کھودنے کے نقصانات۔ کھاد کی قسمیں۔ ہڈیوں کا کھاد۔ گوبر کا کھاد۔ راکھ کا کھاد۔ کیمیائی کھاد۔ اور کھاد کو اچھے طریقے سے رکھنے اور استعمال کرنے کی واقفیت بچوں کو دی۔

۲۳/۱۰ جب ہل چلا کر فارغ ہوئے تو بچے اپنی کارکردگی پر نہایت خوش اور مسرور دکھائی دے رہے تھے آج فارم کو چار بڑے بڑے حصوں میں بچوں نے خود ہی تقسیم کر لیا۔ اور بچوں نے خود ہی ان حصوں کے الگ الگ نام رکھ دئے۔ پلاٹ ۱ و پلاٹ ۲ و پلاٹ ۳ اور پلاٹ ۴۔ بچوں نے یہ فیصلہ بھی اسی وقت کیا کہ کونسا پلاٹ کس گریڈ کو دیا جائے۔ ہم مدرس لوگ الگ ان کی کارکردگی کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کی قوتِ فیصلہ کی داد دے رہے تھے ان میں اب

عملی کام کرنے کا اس قدر [illegible] ہو گیا ہے کہ یہ لوگ خود کیاریاں ناپتے ہیں۔ خود ہی اس کی روشیں بناتے ہیں۔ خود ہی اس کی مینڈھیں بنا کرتے ہیں خود ہی کیاریوں کی لمبائی چوڑائی دریافت کرتے ہیں آج لڑکوں نے [illegible] کو دیا۔ پلاٹ ۲ چھٹے گریڈ کو دیا۔ پلاٹ ۳ پانچویں گریڈ کو دیا۔ اور پلاٹ ۴ چوتھے گریڈ کو دیا۔ اس کے بعد آج ہی سب لڑکوں نے اپنے اپنے پلاٹ کو چھوٹی چھوٹی کیاریوں میں تقسیم کر دیا۔

۲۴؍اپریل ۴۴ء آج بچے کیاریوں کی ترتیب و تدوین میں منہمک ہیں۔ آج انہوں نے ہر ایک لڑکے کو اپنی کیاری الگ الگ دے رکھی ہے تاکہ ہر ایک لڑکا دوسروں کی دیکھا دیکھی اچھے سے اچھا کام کرے

آج کیاریوں میں مختلف قسم کی ترکاریاں موجود ہیں۔ طلبہ نے اپنے پاس اپنی اپنی کیاری کا انفرادی طور پر باضابطہ ریکارڈ رکھا ہے اس ریکارڈ میں انہوں نے اپنی کیاری کا خاکہ۔ اس کی لمبائی چوڑائی اور رقبہ۔ کیاریوں کی نلائی۔ گوڈائی کی تاریخ۔ آبپاشی کی تاریخ۔ سبزی کی قسم۔ کیاری میں کتنے پودے ہیں۔ پنیری کب لگائی؟ کونسا مہینہ تھا؟ کتنا عرصہ ہوا؟ اس کو پکنے میں کتنی دیر لگے گی؟ [illegible] کون سبزی خرید لیگا؟ کتنے کو خرید لیگا؟ غرض اس قسم کی ہر ایک بات ریکارڈ میں موجود ہے۔ بچوں کو ہر وقت جب وہ کام کرنے کے لئے کیاری پر آجاتے ہیں۔ عملی کام کے ساتھ ساتھ سب باتوں کی واقفیت دی جاتی ہے۔ مثلاً جنرل سائنس، ریاضی، زباندانی اور سوشل سٹڈی کے ذخیرے اس میں موجود ہیں جو وقت وقت پر ان کے سامنے رکھے جاتے ہیں۔

سید محمد رضوی
ٹیچر دلنہ

تعلیمی مضامین

(۱)
تعلیمی سجاوٹ

آج سے پانچ چھ سال پہلے کشمیر کے اُستادوں کا بالعموم یہ خیال تھا۔ کہ مدرسے کی چار دیواری کو اندر سے رنگ برنگ کے کاغذوں، انگریزی فارسی اور اُردو کے چارٹوں سے سجانا ہی سجاوٹ کے مقصد کو پورا کر دیتا ہے۔ چنانچہ اکثر پرائمری مدارس میں انگریزی زبان میں لکھی ہوئی نصیحتیں، ضرب الامثال وغیرہ دیواروں پر چسپاں ہوتی تھیں۔ انگریزی زبان کے علاوہ فارسی زبان میں بڑے بڑے فلسفیوں کے اقوال لکھ کر دیواروں پر لگائے جاتے تھے۔ اور جو اُستاد نیا آتا تھا۔ وہ شاید اظہار علم کی نیت سے اس قسم کے چارٹوں میں اضافہ کرتا جاتا تھا۔ اس بات کی طرف استادوں کا ذہن بھی نہیں جاتا تھا۔ کہ آخر ان نصیحتوں اور کار آمد باتوں کا بچوں کو کیا فایدہ ہو سکتا ہے جو اِن زبانوں سے قطعاً ناواقف ہیں اور انگریزی حروف اور ٹیڑھی سیدھی لکیروں میں کوئی فرق نہیں کر سکتے۔ بعض دفعہ یوں بھی ہوتا تھا کہ بچوں کو مقامی حالات کا تو بہت کم علم ہے لیکن دیواروں پر اُستادوں کے بنائے ہوئے دُور دراز ملکوں کے نقشے آویزاں ہیں۔ مثلاً دوسری یا تیسری جماعت کے کمرے میں افریقہ کا نقشہ! اور زیادہ تعجب تو اس بات پر ہے۔ کہ اگر بچے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر مقامی حالات کے بارے میں کچھ دریافت کرنا چاہتے۔ یا مقامی حالات کے متعلق کوئی نقشہ یا چارٹ بنا بھی لیتے۔ تو اُستاد اُن کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتے۔ اور اس کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے اس کا مضحکہ اُڑاتے۔

گذشتہ پانچ چھ سال کے عرصے میں کشمیر میں تعلیمی بیداری پیدا ہو گئی ہے اُستادوں کو مختلف ذرائع سے معلوم ہونے لگا ہے کہ بچوں کو سب سے پہلے اپنے ماحول کی واقفیت دینا، اور ان کی قوت مشاہدہ کی تربیت کرنا بہت ضروری ہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی جاننے لگے ہیں کہ مختلف رنگوں

کے نقشوں اور نافابل فہم زبانوں میں لکھے ہوئے چارٹوں کو دیواروں پر لگائے رکھنا بے کار ہے انہیں اب اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چارٹ در اصل استاد کو اس کا کام خوبی سے انجام دینے میں مدد دیتے ہیں اور مختلف مضامین کو پڑھانے کے دوران میں ان چارٹوں سے مدد لی جا سکتی ہے اور سبق کو زیادہ موثر اور مفید بنایا جا سکتا ہے۔ میں اس مضمون میں مختلف مضامین کی تعلیم کو موثر بنانے کے لئے چند چارٹ تجویز کروں گا۔ امید ہے کہ استاد یہ چارٹ اور ان کے علاوہ اسی قسم کے دوسرے مفید چارٹوں کو تیار کر کے ان سے تعلیم میں کام لیں گے۔

۱۔ **سوشل سٹڈیز** یہ مضمون نہایت اہم ہے کیونکہ ہم جہاں کہیں رہیں۔ وہاں سماجی اور طبعی ماحول سے ہمیں مفر نہیں۔ قدرت کے عناصر ہمارے آگے پیچھے دائیں بائیں موجود ہیں۔ اور انسان نے قدرت کی پیدا کردہ خام اشیاء کو استعمال کر کے انہیں اپنے مقصد کے لائق بنا دیا ہے۔ اس لئے اس مضمون کی نسبت واقفیت حاصل کرنا بہت ضروری ہے

۱۔ مقامی حیوانات اور نباتات کی تصویریں۔ بعض صورتوں میں یکجا اور بعض صورتوں میں الگ الگ۔ ہر حیوان اور ہر قسم کی نباتات کا مختصر سا حال عام فہم اور سادہ زبان میں لکھا ہو۔

۲۔ معدنیات کی تصویریں۔ ان کا استعمال، فایدے، نقصانات اور جائے پیداوار وغیرہ۔

۳۔ موسموں کے تغیر و تبدل کو نقشوں اور چارٹوں کے ذریعہ ظاہر کرنا۔

۴۔ گاؤں یا قصبہ کا نقشہ، جس میں پیداوار، ذرائع آمد و رفت، اہم مقامات وغیرہ نمایاں طور پر دکھائے گئے ہوں۔

۵۔ علاقہ یا قصبہ کا نقشہ جس میں نزدیک کے شفاخانہ، ڈاک خانہ، اسکول اور مقامی حاکم کے رہنے کی جگہ کو نمایاں طور پر دکھایا گیا ہو۔

۶۔ نزدیک کے عجائب گھروں کا ملاحظہ کرنے کے بعد بچوں سے الگ الگ چارٹ بنوانا۔ اور ان کو مناسب درستی کے بعد کمروں میں لٹکانا۔

۷۔ ملک کی اہم عمارتوں کے نقشے تیار کرانا۔ اور ان کا مختصر حال لکھ کر بچوں کے لئے مفید بنانا۔

۸۔ مقامی بازاروں میں دستیاب ہونے والی چیزوں کی فہرستیں اور ان کے ملنے کی جگہوں کی نشان دہی۔

۹- ایسے نقشے تیار کرانا جس میں علاقہ یا قصبہ سے آنے جانے والی ریلوں، لاریوں اور موٹروں کا وقت روانگی دوسرے مقامات تک کا فاصلہ اور کرایہ وغیرہ لکھا ہو۔

۱۰- کارخانوں کی فہرستیں ان میں تیار ہونے والی چیزیں اور مختصر سا حال۔

۱۱- مختلف پیشہ وروں کی تصویریں جب وہ کام میں مصروف ہوں۔ مثلاً قالین باف قالین بُن رہا ہے۔ درزی کپڑے سی رہا ہے۔ دھوبی کپڑے دھو رہا ہے۔ اور تصویروں کے نیچے اُن کی معاشرت کا تھوڑا سا حال لکھ دینا۔

۱۲- مختلف ترکاریوں کے نقشے - بیج بونے اور فصل کاٹنے کے وقت استعمال فائدے اور نقصانات اپرورش کا طریقہ۔

۱۳- مقامی پیداوار کا نقشہ۔

۱۴- درآمد و برآمد کا مقابلہ۔ (گراف کے ذریعہ)

۱۵- بارش کی سالانہ اوسط۔ (گراف کے ذریعہ)

۱۶- مشہور مقامات کے نقشے اور اُن کا حال۔

۱۷- ملک کے لوگوں کی تقسیم پیشوں کے ذریعہ - یہ بھی مختلف قسم کے چارٹوں کے ذریعہ واضح کیا جا سکتا ہے۔

۱۸- چارٹ کے ذریعہ ملک کی حکومت کی ہیئت ترکیبی کی توضیح۔

۱۹- مختلف ممالک اور مختلف وقتوں کے سکوں کی تصویریں۔

۲۰- عہد حاضر اور زمانہ قدیم کے بڑے لوگوں کی تصویریں اور ان کا مختصر حال، اس سلسلے میں ملک کے سیاست دان، علماء و فضلا، شاعر اور ادیب، وغیرہ تمام قسم کے بڑے لوگوں کا خیال رکھا جائے۔

۲۱- گراف کے ذریعہ دنیا کے ممالک کا تعلیمی اندازہ۔

۲۲- ذرائع آمد و رفت میں تدریجی ترقی - آج کل کے زمانے میں مختلف ملکوں میں ذرائع آمد و رفت تصویروں کے ذریعہ۔

۲- جنرل سائنس

۱- ورزش کے فائدے۔ مثلاً دو تصویریں جن میں سے ایک تندرست اور توانا اور دوسری تصویر کسی کمزور انسان کی - اس سے ظاہر کیا جائے۔

کہ ورزش کرنے والا انسان تندرست ہوتا ہے اور دوسرا کمزور۔

۲- دانتوں، کپڑوں اور بدن کے اجزا کی صفائی کے چارٹ، توضیحات کیلئے ضروری تصویریں بنائی جائیں۔

۳- سبزیاں کھانے کے فایدے۔ وقت پر خوراک کھانے کی اہمیت کے چارٹ وغیرہ۔

۴- انسانی پنجر جس میں مختلف اعضا کے کاموں پر روشنی پڑتی ہو۔

۵- جسم کے مختلف حصوں کی تصویریں۔ جن سے اُن کی بناوٹ معلوم ہو جائے۔

۶- صحت کو قایم رکھنے کے چند عام اصول علیحدہ علیحدہ چارٹوں کے ذریعہ۔

۷- کشمیر میں دھان کی قسمیں۔ ہر قسم کا نمونہ اور مختصر حال۔

۸- ریشم کا کیڑا۔ کس طرح پرورش پاتا ہے۔ کس طرح کویہ بناتا ہے اس کی اہمیت مختلف حالتوں میں اس کی تصویریں۔

۹- نئی ایجادیں۔ موٹریں، ہوائی جہاز، جنگی سامان، تار، ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہ، ان تمام چیزوں کی الگ الگ تصویریں۔ اور ان کے موجدین کا مختصر حال ان کی بناوٹ اور فایدے۔

۱۰- مختلف پھولوں کی تصویریں۔ ان کے نام اور اُن کا حال۔

۱۱- متعدی بیماریاں اور اُن کی روک تھام۔

۱۲- سائنس کی دلچسپ معلومات۔

۱۳- ہماری زمین۔ اس کی روزانہ اور سالانہ گردش۔ تصویروں کے ذریعہ۔

۱۴- نظام شمسی۔

۱۵- چاند کی شکلیں۔

۱۶- مختلف مفید چیزیں بنانے کے طریقے۔ مثلاً صابن، خوشبودار تیل، روشنائی وغیرہ۔

۱۷- آلات کتاوزری کی تصویریں اور ان کا استعمال۔

۱۸- تھرمامیٹر کی تصویر اور اس کا استعمال۔

۴- زبان دانی (۱) تصویروں کے ذریعہ پڑھنے کی مشق مثلاً "آپ کا خط ملا۔ چار کتابیں اور دو ٹوپیاں ارسال ہیں۔ ان کی رسید لکھ بھیجیں" اس عبارت میں لفظ "چار کتابوں اور

دو ٹوپیوں " کے بجائے ان چیزوں کی تصویریں یا مثلاً (شیر کی تصویر) دھاڑتا ہے۔ تو سارا (جنگل کی تصویر) گونج اُٹھتا ہے۔

۲۔ زبان کی کثیر الاستعمال غلطیوں کا چارٹ اور ان کی جگہ صحیح محاورات،

۳۔ تذکیر و تانیث کی غلطیوں کا چارٹ۔

۴۔ مختلف زبانوں کے ادیبوں اور شاعروں کی تصویریں۔ ان کا مختصر حال اور کلام کا نمونہ۔

۵۔ قواعد سکھانے کے لئے مختلف چارٹ۔

۶۔ غلط محاورات کے بجائے صحیح محاورات کی فہرست۔

اس قسم کے اور بھی بہت سے چارٹ تیار ہو سکتے ہیں بشرطیکہ استاد بنانا چاہیں۔ تعلیم کو دل چسپ اور بامعنی بنانے کے لئے مدرسے میں ایک عجائب خانہ کا انتظام بھی بہت ضروری ہے جہاں نہ صرف چارٹ بلکہ دوسری چیزیں بھی سلیقہ سے رکھی جاسکتی ہیں۔ اس کی نسبت بھی میں پھر کبھی لکھوں گا +

(غلام رسول نازکی)

(۲)

اچھابل سکول فارم

ہر انسان کو زندہ رہنے کے لئے ہوا پانی اور خوراک کی اشد ضرورت ہے ان تینوں چیزوں میں سے اگر ایک بھی نہ ہو۔ تو زندہ نہیں رہا جا سکتا۔ خوراک کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہم جس حرفہ سے کام لیتے ہیں۔ وہی زراعت کا فن کہلاتا ہے۔ خوراک پیدا کرنے کا کام ہندوستان میں کسان کرتا ہے۔ جو ملک بھر کا اَن داتا ہے۔ لیکن خود اس کی مفلوک الحالی اور پریشانی کی داستانیں اس قدر دل دوز اور لرزہ خیز ہیں کہ کوئی شخص اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کسان کی حالت کو سدھارنے کی اہمیت روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور درد دل رکھنے والے لوگ اس کی اصلاح کی فکر میں لگے ہوئے ہیں ایسے تمام لوگوں کا خیال ہے کہ کسان کی تمام مصیبتوں کی جڑ اس کی بے علمی ہے جاہل ہونے کی وجہ سے وہ اپنی زمین سے زیادہ فصلیں اگانے کے علمی طریقوں کو کام میں نہیں

لاتا۔ اور مروجہ ناقص طریقوں میں تبدیلی کرنا سب سے بڑا گناہ سمجھتا ہے۔ اور نتیجہ ظاہر ہے کہ اس کی زمین سے بہت کم پیداوار ہوتی ہے۔ اس تھوڑی سی مقدار کو بھی وہ اچھی طرح سے خرچ کرنے کا سلیقہ نہیں رکھتا۔ بے علم ہونے کی وجہ سے عاقبت بین نہیں۔ اس لئے فصل سمیٹنے کے وقت سے ہی وہ زمینوں کی پیداوار کو مسرفانہ طریقے خرچ کرنے لگتا ہے۔ سال بھر کی کمائی ایک دو ماہ میں تلف کر ڈالتا ہے۔ اور باقی دس مہینے ساہوکار کے رحم و کرم پہ پڑا رہتا ہے۔ جو اُسے من مانی شرح سود پر روپیہ دیتا ہے اور فصلیں پکتے ہی وہ اس کے کھیتوں پر قابض ہو جاتا ہے۔ اور یہ پھر اسی چکر میں پھنس جاتا ہے۔ وہ چار سال کے اندر اندر اس کی زمینیں سرمایہ داروں اور سود خواروں کے ہتھے چڑھ جاتی ہیں اور یہ قلاش اور مفلس بن کر در بدر ہوتا ہے۔ مناسب اور کافی مقدار خوراک نہ ملنے کی وجہ سے یہ اور اس کے معصوم بچے طرح طرح کی بیماریوں میں مُبتلا ہو جاتے ہیں۔

لہذا ہماری تعلیم کا ایک مقصد ہونا چاہیئے۔ کہ ہم عوام کو زراعت کے نئے اور سائنٹیفک اصولوں سے واقف کریں۔ تاکہ وہ اس سے زیادہ فصلیں پیدا کر سکیں۔ جس سے عوام کی بنیادی ضرورت رفع ہونے کے علاوہ افراد بھی خوشحال ہوں گے۔ افراد کی خوشحالی ملک کی خوشحالی ہے۔ ہماری کتابی اور نظری تعلیم سے ایسا ممکن نہیں۔ اس لئے حکومت کشمیر نے سنہ ۱۹۳۸ء میں ہندوستان کے ایک مشہور ماہر تعلیم کی قیادت میں اس ملک کی تعلیم میں انقلاب لانے کا بیڑا اُٹھایا۔ جس کی ابھی اگرچہ ابتدا ہے۔ لیکن نتائج حوصلہ افزا ہیں۔

میں اچھابل کے سکول میں مدرس ہوں یہ سکول بھی ایک بنیادی مدرسہ ہے اس سکول میں میں نے زراعت کے کام کو ایک مشغلہ کے طور پر شروع کیا ہے اچھابل ایک صحت افزا مقام ہے۔ جہاں دُور دُور سے لوگ، آتے رہتے ہیں۔ آبادی کم و بیش ایک ہزار نفوس پر مشتمل ہے حکومت کی طرف سے یہاں سمت ۱۹۶۹ میں ایک ابتدائی سکول کھولا گیا تھا۔ سمت ۱۹۹۷ میں یہ مدرسہ بنیادی مدرسہ بنایا گیا۔ سمت ۹۷-۱۹۹۸ میں مدرسے کے ملحقہ میدان کی بنجر شگافی کی گئی۔ سمت ۱۹۹۹ میں چند کیاریاں تیار ہوئیں۔ سمت ۲۰۰۰ میں اتنی کیاریاں بنیں۔ کہ سکول کے ہر بچے کے سُپرد ایک ایک کیاری ہے۔ جس میں وہ استاد کی رہنمائی میں بڑے شوق سے کام کرتے رہتے ہیں اور اپنی معلومات میں اضافہ

کرکے تعلیم کو دلچسپ اور عملی بناتے ہیں۔ ہر بچہ روزانہ اس نمونہ کی ڈائری لکھتا ہے۔

۱	۲	۳	۴	۵
کیاری کا نمبر	تاریخ	روزانہ کام کا مختصر حال	تجربات	مشکلات

تجربات کے خانے میں بچے مشاہدے میں آئی ہوئی نئی باتیں درج کرتے ہیں اور مشکلات کے خانے میں وہ باتیں لکھتے ہیں جنہیں وہ سمجھ نہ سکے تھے۔ یہ باتیں اگر نوعیت کے لحاظ سے عام ہوں۔ تو بچے آپس میں بحث و مباحثہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے تجربات کی بناء پر اپنی مشکلات کا حل ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

سکول فارم کا حساب بھی رکھا جاتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے :-

۱	۲	۳		
نام اشیاء	تاریخ	نام درجہ	آمد و خرچ	کیفیت

اسی طرح تمام سکول کے فارم کا سالانہ حساب کتاب بھی رکھا جاتا ہے :-

۱	۲	۳	۴		۱	۲	
تاریخ	نام درجہ	نام سبزی	وزن	آمدنی			خرچ
				روپے۔ آنے۔ پائی	نام چیز	بیج	روپے۔ آنے۔ پائی

اس سے جہاں بچے حساب کتاب رکھنے کا سلیقہ سیکھتے ہیں وہاں ان میں آمد و خرچ کا صحیح اندازہ بھی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ آمدنی کے مقابلے میں خرچ کم رکھنے کا اصول اور آمدنی میں اضافہ کے ذرائع پر عمل کرنا سیکھ جاتے ہیں گذشتہ سال جب کام کی ابتداء ہوئی تھی فارم سے سکول کو سولہ روپے سے زائد آمدنی ہوئی۔ اور اس سال بیس سے تیس روپے تک کی آمدنی کا امکان ہے +

غلام رسول شاہ
ایڈیشنل ٹیچر اچھا بل

بنیادی تعلیم

ٹیچرز ٹریننگ سکول اور سنٹرل بیسک سکول

سری نگر

کے متعلق بعض مشاہیر کی رائیں

(چند مختصر اقتباسات)

—:۱:—

مجھے بنیادی تعلیم کے ساتھ بے حد دلچسپی ہے جس قدر میں دیکھتا ہوں۔ کہ بنیادی تعلیم عام ہو رہی ہے۔ اتنا ہی مجھے اطمینان ہو جاتا ہے کہ ہم نے عوام میں حقیقی تعلیم پھیلانے کا صحیح راستہ اختیار کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہندوستان میں بنیادی تعلیم کی ابتداء گذشتہ چند سالوں کی سب سے بڑی تخلیقی کامیابی ہے۔

دیگر بنیادی مدارس کی طرح میں نے ان اداروں کے چلانے والوں میں بھی وہ خاص مستعدی اور گرمجوشی دیکھی۔ جو تمام مشکلات پر غالب آتی ہے۔

اُن حرفوں کی تعداد بہت بڑی ہے جو مشغلوں یا بنیادی حرفوں کے طور پر سکھائے جا رہے ہیں۔ میں نے اِن اداروں میں ایک بہت خوشگوار اور دلچسپ وقت گذارا۔ اور جو کچھ کیا گیا ہے یا کیا جا رہا ہے اُسے بے حد پسند کیا۔

(پنڈت) جواہر لال نہرو۔

—:۲:—

اِن اداروں (ٹیچرز ٹریننگ سکول اور سنٹرل بیسک سکول سری نگر) کی مستعد اور سرگرم

فضا دیکھ کر مجھ پر بہت خوشگوار اثر پڑا۔ استاد اور شاگرد دونوں کا مصمم ارادہ ہے کہ وہ بنیادی طریقہ تعلیم کی عملی قدر و قیمت سے پورا فائدہ اٹھائیں۔ اور مجھے خصوصیت سے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ حرفہ اور آرٹ پر کافی زور دیا جاتا ہے۔

جان سارجنٹ
(ایجوکیشنل کمشنر گورنمنٹ آف انڈیا)

—— ۳ ——

میں نے سارے ہندوستان کے دورے میں کوئی دوسرا ٹریننگ سکول نہیں دیکھا جس میں بنیادی سکیم حقیقی معنوں میں عمل کرنے کا ایسا مکمل اور مرتب پروگرام موجود ہو۔ کسی ایسے مدرسے کو مصروف عمل دیکھنا بھی بذات خود تعلیم ہے اس ادارے نے اتنی قلیل مدت میں جو کامیابی حاصل کی ہے وہ بہت غیر معمولی ہے۔

یو۔ بایون
(ڈپٹی پریذیڈنٹ برما کونسل)

—— ۴ ——

مجھے ٹیچرز ٹریننگ سکول کو دیکھنے اور اس کے کام کا معائنہ کرنے سے بہت خوشی ہوئی۔ زیر تربیت اساتذہ چست، مستعد اور ذہین معلوم ہوتے ہیں اور اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کام میں کافی دلچسپی لیتے ہیں۔ تین بنیادی حرفوں کے علاوہ اور بہت سے حرفے مشغلوں کے طور پر سکھائے جاتے ہیں۔

مرکزی بنیادی مدرسے کے بچے اپنے کام میں دلچسپی لیتے نظر آتے ہیں اور یہ چیز بذات خود خراج تحسین کی مستحق ہے۔

(بابو) سمپورنانند
(سابق وزیر تعلیم یو۔پی)

—— ۵ ——

میں نے آج صبح ٹیچرز ٹریننگ سکول اور بیسک سکول کا معائنہ کیا۔ اور ان دو اداروں میں

جن نئے تعلیمی رجحانات کو عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے ان کو دیکھ کر میں بہت محظوظ ہُوا۔ حرفوں کا انتخاب، اور ان کا تعلیمی مضامین سے ارتباط، تعلیم کو صرف عملی بنانے کے بجائے بچوں میں فن کارانہ صلاحیتوں کا بیدار کرنا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس تحریک کے منتظمین قابل ذکر ذہانت اور ذہنیت کے مالک ہیں۔

(سر) این گوپالاسوامی آئینگر
(پرائم منسٹر۔ حکومت کشمیر)

—— ۶ ——

تعلیمی مسایل کو حل کرنے کے لئے ٹیچرز ٹریننگ سکول میں جو نئے تجربات کئے جا رہے ہیں اُن کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ٹریننگ کے پروگرام کو جس احتیاط سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس سے اس کے مرتب کرنے والوں کی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کشمیر کا ملک صدیوں تک صناعوں اور فن کاروں کی سرزمین رہ چکا ہے۔ اگر ملک کی اس صنعتی روایت کی یاد چھوٹے چھوٹے بچوں کے دلوں میں تازہ کی جائے۔ اور اس کے ساتھ انہیں موجودہ نمونوں سے روشناس کیا جائے۔ تو اس کے ذریعہ ایسے تعلیمی طریقوں کی بنیاد پڑے گی۔ جو آجکل کے رائج کردہ طریقوں سے کہیں بہتر ہیں۔

(۱) (خان بہادر سر) عزیز الحق
(ممبر حکومت ہند)
(۲) ڈاکٹر شجاع الدین
(۳) ابوالحسن

—— ۷ ——

ٹیچرز ٹریننگ سکول سری نگر نے اپنی زندگی کے مختصر سے عرصے میں بنیادی تعلیم کو عمل میں لانے کے سلسلے میں جو اچھے اور حوصلہ افزا نتایج دکھائے ہیں۔ انہیں دیکھ کر بہت خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔ یہ کام نیا ہونے کی وجہ سے بہت مشکل تھا۔ کیونکہ چلانے والوں کے سامنے کوئی نمونہ نہ تھا۔ جس کو سامنے رکھ کر وہ کامیاب ہو جاتے۔ لیکن سکیم کے بنیادی اصولوں کی صحت پر پورا

یقین رکھتے ہوئے کام چلانے والوں نے ان تھک محنت اور کوشش سے کام کیا اور جو نتائج برآمد ہوئے۔ اُن کے لئے ہیڈ ماسٹر اور اس کے رفقاء کار کو ناز کرنا چاہیئے۔

(ڈاکٹر) ذاکر حسین

(پرنسپل جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی)

—: ۸ :—

میں ان مختلف مشاغل اور سرگرمیوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ جو اس سکول میں جاری ہیں۔ اور نظریوں کو عملی جامہ پہنانے میں سکول کے چلانے والے نہایت مستعدی سے کام لے رہے ہیں یہاں طلبہ کی ترقی کا اندازہ لگانے کے لئے صحیح اور مکمل ریکارڈ رکھے جاتے ہیں۔

جعفر علی خان

(ہوم منسٹر ریاست جموں و کشمیر)

—: ۹ :—

جو تجربہ کشمیر میں کیا جا رہا ہے وہ سارے ہندوستان کے لئے اہمیت اور ہندوستان کے تمام ماہرین تعلیم کو چاہیئے۔ کہ وہ اس تجربہ کا دلچسپی اور ہمدردی سے مطالعہ کریں۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں۔ کہ میں اراداتاً بغیر کسی سابقہ اطلاع آیا تھا۔ اس لئے سکول کے لئے پہلے سے تیار رہنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ میں اس معائنہ سے بے حد محظوظ ہوا۔

(پروفیسر) اے۔ کے واڈیا

(میسور یونیورسٹی)

—: ۱۰ :—

میں مرکزی بنیادی مدرسہ میں بچوں کی مسرت اور شوق کو دیکھ کر خاص طور پر خوش ہوا۔ اور یہ بات میرے لئے خاص طور پر دلچسپی کا باعث ہے کہ اگرچہ گذشتہ پانچ سال سے بچوں کا بنیادی حرفہ کتائی بنائی ہے اور وہ اسے برابر کرتے رہے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس سے اُکتائے نہیں۔ بلکہ کام کو زیادہ خوش اسلوبی سے انجام دینے پر آمادہ نظر آتے ہیں اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ پہلے سے زیادہ اچھے کاریگر ہیں۔

اگر میں بچوں کو نئی تعلیم میں مصروف نہ دیکھتا۔ تو مجھے یہ یقین کرنے میں تامل ہوتا۔ کہ ایسا کام بھی ممکن ہے بچے جو چیزیں تیار کر رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر قوی امید ہے کہ نئی تعلیم کی یہ نہر اس منبع سے نکل کر ریاست کے طول و عرض کو سیراب کرے گی۔ جن لوگوں نے اس کام کو آغاز کیا تھا۔ انہیں یقیناً اس بات سے خوش ہونا چاہئے۔ کہ ان کے تخیل نے جو خواب دیکھا تھا وہ حقیقت کا جامہ پہن رہا ہے۔

اے۔ ای۔ فٹ
(ہیڈ ماسٹر دون سکول ڈیرہ دون)

———:۱۱:———

میں نے اس معائنہ میں جو کچھ دیکھا۔ وہ میری توقعات سے بڑھ کر ہے جو استاد اس وقت زیر تربیت ہیں جب وہ اپنے سکولوں میں واپس جائیں گے۔ تو ان کے خیالات میں وسعت ہوگی۔ اور جو تعلیم انہیں دی جا رہی ہے۔ اس سے انہیں بہت سے فایدے ہونگے۔

ڈبلیو۔ ایل۔ ڈالٹن

———:۱۲:———

یہ خوشی کی بات ہے کہ حکومت کشمیر کے ارباب بست و کشاد نے اپنی حکمت اور بصیرت کا ایسا اعلیٰ ثبوت دیا ہے کہ کشمیر اب نہ صرف سیاحوں کے لئے بلکہ ماہرین تعلیم کے لئے بھی ایک زیارت گاہ بنتا جاتا ہے میں دربار کشمیر اور تعلیم کے بیدار مغز رہنماؤں کو دلی مبارکباد دے رہا ہوں۔ اور جس کام کا انہوں نے اس شاندار آغاز کیا ہے۔ اس کی کامیابی کا خواہشمند ہوں۔

اے۔ سی۔ سی۔ ہاروے
(پرنسپل گورنمنٹ کالج لدھیانہ)

———:۱۳:———

۲۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو میں نے مسٹر کے۔ جی۔ سیدین ڈائرکٹر ایجوکیشن کی معیت میں ٹیچرز ٹریننگ سکول اور سنٹرل بیسک سکول سری نگر کا معائنہ کیا۔ میں نے اس کام کے ملاحظہ میں تین گھنٹے کے قریب نہایت دلچسپی سے گذارے۔ اور جو کچھ میں نے دیکھا۔ اس سے بے حد محظوظ ہوا۔ میں اس موقعہ پر معائنہ کا تفصیلی حال نہیں لکھوں گا۔ بلکہ صرف اسی امید کے اظہار کو کافی سمجھتا ہوں۔ کہ مجھے بہت جلد دوبارہ ان اداروں کو معائنہ کرنے کا وقت ملے۔ اور اگر ممکن ہو۔ تو میں عملی طور پر اس دلچسپی کا اظہار کرسکوں۔ جو مجھے اس قسم کے اداروں کے ساتھ ہے۔

(دستخط) بی۔ این راؤ
پرائم منسٹر ریاست جموں و کشمیر

تعلیمی خبریں

لنڈن

مسٹر جان سارجنٹ ایجوکیشنل ایڈوائیزر گورنمنٹ آف انڈیا نے گذشتہ دنوں الیسٹ انڈیا ایسوسی ایشن لنڈن کے ایک اجلاس میں ہندوستان کے تعلیمی مستقبل پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"بنیادی قومی تعلیم، تعلیم کے صحیح اصولوں پر مبنی ہے اور سنٹرل ایڈوائیزری بورڈ نے اپنی سفارشات میں اس کو شامل کیا ہے۔ لیکن اگر اس سکیم کو عملی صورت دیتے وقت اس کو ذریعہ آمدنی بنانے کی کوشش کی گئی۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ کام اچھی طرح نہیں ہو سکے گا۔ سکیم کے ابتدائی مرحلوں میں ضروری ہوگا۔ کہ تعلیمی اخراجات کے لئے روپیہ قرض لیا جائے۔ میں نے ہندوستان کے بعض ماہرین اقتصادیات سے بات چیت کی ہے اور خلاف توقع مجھے اُن سے یہ معلوم کرکے اطمینان ہوگیا ہے۔ کہ اس سکیم اور اس قسم کی دوسری مفید سکیموں پر عمل کرنے کے لئے روپیہ کا انتظام ہو سکتا ہے بشرطیکہ ملک کے قدرتی ذرائع کو کام میں لایا جائے۔ اور آمدنی میں اضافہ کے طریقے معلوم کرکے ان کو استعمال کیا جائے۔ اگر یہ بات صحیح ہے۔ تو اس قسم کے قرضہ کا انتظام فوراً ہونا چاہیئے۔ تاکہ کام جلدی شروع کیا جاسکے۔ اس کام کو جس قدر جلد شروع کیا جائے گا۔ اتنا ہی ہندوستان اور تمام دُنیا کے لئے فایدہ مند ثابت ہوگا۔ اس سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سکیم کو چلانے میں صرف مالی مشکلات حایل ہیں۔ مجھے یہ بھی اندازہ ہے کہ ہندوستان کے اندر اور باہر بعض خود غرض اشخاص ہندوستانیوں کی ناخواندگی اور بے علمی سے فایدہ اُٹھا کر ہندوستانی عوام کو لوٹنے کے عادی ہیں۔ اور وہ عوام کی بیداری کو دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔ بہر حال ہندوستانی عوام میں تعلیم کو پھیلانے میں محنت کی ضرورت ہے اور میں بخوبی واقف ہوں۔ کہ اطمینان اور فراغت کا زمانہ فراغت سے بیٹھے رہنے سے حاصل نہیں ہو سکے گا۔"

اُستادوں کی خط و کتابت

۱۔ اعجاز صاحب کا خط

مکرمی تسلیم۔ تعلیم جدید جون ۱۹۴۳ء میں ناکام بیسک سکول کے ایک استاذ کی طرف سے ایک خط شائع ہوا ہے انہوں نے اپنے خاص تجربے کی بناء پر ظاہر کیا ہے کہ عوام میں تعلیم کی دلچسپی پیدا کرنے کے لئے ان کے مذہبی شوق کو اُبھارا جائے۔ اور مذہب کی مدد سے تعلیم کی طرف راغب کیا جائے۔ میرے دوست کا خیال ہے۔ کہ مذہب کی مدد پر جو تحریک بھی چلائی جائے۔ وہ کامیاب رہی ہے۔ ادارہ تعلیم جدید نے اساتذہ کو اس موضوع پر اظہار خیال کی دعوت دی ہے چنانچہ میں بھی اس سلسلے میں چند خیالات پیش کرتا ہوں۔

مجھے معلوم ہے کہ ناکام سکول میں تعلیم حاصل کرنے والے بچے اور اُستاد ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک ایسے مقام پر جہاں ہندو اور مسلمان دونوں فرقے رہتے ہوں۔ اور مدرسے کے عملہ میں بھی مسلمان اور ہندو اساتذہ ہوں۔ مذہبی وعظ و نصیحت کا طریقہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان استاذ خالص ہندو آبادی میں یا ایک ہندو استاذ خالص مسلمان آبادی میں ایسا کرہی نہیں سکتا۔ اس لئے یہ تجویز محدود ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ اگر مدرس اپنے فرائض کامیابی کے ساتھ انجام دینا چاہتا ہے۔ تو اس کو مذہبی پالیسی کے بجائے سماجی اصلاح کی پالیسی اختیار کرنی چاہیئے۔ یعنی لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرکے اُن کے مجلسی ارتقاء کی خاطر کوشش کرنی چاہیئے۔ ریاست جموں و کشمیر کے اکثر دیہات ایسے ہیں جہاں آمد و رفت کے ذرائع محدود ہیں۔ بعض ایسے دیہات میں بسنے والے لوگ مقامی مشاورتی کمیٹیاں بنا کر اپنے اقتصادی حالات بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا ذرا سی ترغیب سے ایسا کرنے پر تیار ہو سکتے ہیں مدرس کو چاہیئے۔ کہ ان مجالس میں شامل ہو کر اُن کو مفید مشورے دے۔ اُن میں ترقی کی خواہش

اور خدمت کا شوق پیدا کرے۔ اور آئے دن کے جھگڑوں سے اُن کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرے اور باہمی میل جول بڑھانے اور ایک دوسرے کی امداد کرنے کی طرف راغب کرے۔ اسی طرح بُری رسموں کی پیروی کے نقصانات بیان کرکے اُن کو صحیح راستہ دکھائے۔ غرض مدرس لوگوں کے سوشل حالات کو درست بنانے میں کوشش کرکے اپنے اثر و رسوخ میں اضافہ کر سکتا۔ اور سکول کو آباد کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

اس بارے میں ایک ذاتی مشاہدہ بیان کرتا ہوں جس میں شاید بعض احباب کو دلچسپی ہو۔ پکھر پورہ پرائمری سکول میں جو تین چار سال سے ہی قایم ہؤا اب لڑکوں کی تعداد دوسو تک پہنچ چکی ہے اور اس میں مزید اضافہ کی توقع ہے اس لئے یہ سکول کافی کامیاب سمجھا جاتا ہے۔ اس کی شہرت سُن کر مجھے بھی سکول دیکھنے کا شوق پیدا ہؤا۔ چنانچہ میں وہاں گیا۔ اور جیسا میں نے سُنا تھا۔ ویسا ہی پایا۔ اس کامیابی کی اصل وجوہ معلوم کرنے پر پتہ چلا۔ کہ مدرس نے لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قایم کئے ہیں اور وہ اُن کے ساتھ ہر ایک غم اور خوشی کے موقعہ پر شریک ہوتا ہے۔ اُن کے سماجی حالات کو درست بنانے میں دن اور رات کوشاں ہے۔ اور سوشل ریفارم میں اس نے کافی حصہ لیا ہے۔ غرض وہ اُن کو ہر نیک کام کی طرف مایل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس وجہ سے سکول نے اتنی مقبولیت حاصل کی ہے اور اُستاد تعلیمی مقاصد میں کامیاب ہے۔

غلام حسن اعجاز مدرس چرار شریف

۲۔ فدا صاحب کا خط

مکرمی ایڈیٹر صاحب تعلیم جدید۔ سری نگر

میں اس خط کے ذریعہ نیز اٹیہ کے دیہاتی مدرسین کی حوصلہ شکن مشکلات کا مختصر سا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ اِن مشکلات کی تفصیل نہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے۔ اس اجمال سے آپ تفصیل کا اندازہ خود ہی لگا سکتے ہیں۔

۱۔ دیہات اور تعلیم دیہات میں تعلیم کا شوق بالکل مفقود ہے خصوصاً سرکاری سکولوں کی تعلیم کے متعلق اِن "خود ساختہ دانشمندوں" کا خیال ہے کہ یہ مذہب

اور دین سے بغاوت ہے۔ اُستاد کو سب سے پہلے اس مشکل کے حل کرنے کے ذرایع پر غور اور عمل کرنا پڑتا ہے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ چند لوگوں نے محض اپنی مطلب براری کے لئے ان لوگوں کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ حصول تعلیم بے دینی ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اگر عوام میں تعلیم عام ہوگئی۔ اور لوگ اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے لگے۔ تو ان کے مفاد معرض خطر میں پڑ جائیں گے۔

مدرس اگر فرض شناس ہو۔ تو اُسے گھر گھر جا کر لوگوں کو تعلیم کا شوق دلانا پڑتا ہے کئی شریف دیہاتی تو صاف لفظوں میں انکاری جواب دے کر ہمیشہ کے لئے اُستاد کے تقاضوں سے دامن چھڑا لیتے ہیں۔ اور بعض کل پرسوں کا بہانہ کر کے ٹال دیتے ہیں۔ اور ان میں سے جو چند ایک ہفتے میں دو تین بار بچوں کو سکول بھیجنے کا وعدہ کرتے ہیں وُہ اُستاد پر گویا بڑا احسان کرتے ہیں تعلیم کے مخالفین بھی اس کی مخالفت بدستور کرتے رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ مدرس کا وقار دیہاتیوں میں کم ہو جاتا ہے۔

مُدرس مالی حالات کے لحاظ سے بھی عموماً پریشان رہتا ہے اس لئے وہ اس ذریعہ کو کام میں لاکر بھی لوگوں کو تعلیم کی طرف راغب نہیں کر سکتا۔ اس کی اپنی تنخواہ اس قدر قلیل ہے۔ (اور وُہ بھی کبھی وقت پر نہیں مل سکتی) کہ اُس کا اپنا گذارہ بھی مشکل ہوتا ہے۔ چہ جائے کہ وُہ اوروں کی مدد کرتا پھرے وُہ خود اوروں کی مدد کا محتاج ہوتا ہے اور اس لئے گاؤں کے دوکاندار کے کرم کا محتاج ہونے کی وجہ سے اس کی وقعت اور بھی کم ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد کثرت فرایض کا بوجھ اس کی کمر ہمت کو توڑنے کے لئے تیار ہوتا ہے حکام کے نت نئے احکام آتے رہتے ہیں اور اُن کی بجا آوری میں اُسے اتنا وقت نہیں مل سکتا۔ کہ وُہ اِن مشکلات کا مقابلہ کر سکے۔ اس کے علاوہ مدرسین کو بالعموم اپنے منشاء کے خلاف تبدیل کیا جاتا ہے اور وُہ تن دہی اور دلچسپی سے کام نہیں کر سکتے +

(فدا حسین بلتستانی)

اقتباسات

تحصیل بڈگام کی تعلیمی حالت

کسی مقام کے حالات مرتب کرتے وقت رپورٹ تیار کرنے والے کو اس خاص مقام کے اقتصادی، معاشرتی اور سماجی حالات کا بہ غور جایزہ لینا پڑتا ہے اس مقام کے عوام کے رجحانات اور اس کی وجوہات دریافت کرنا ضروری ہوتا ہے اور زمانے کے گذرنے کے ساتھ اس جگہ کے لوگوں کے رجحانات میں جو جو تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ ان کے اسباب پر غور کرکے معلوم کرنا پڑتا ہے کہ حالات کے تقاضا سے اس جگہ کے لوگوں نے ترقی کی ہے۔ یا اُن کی معاشرت میں انحطاط اور زوال کارفرما ہے۔

اِن اصولوں کے پیش نظر میں نے تحصیل سری پرتاپ سنگھ پورہ کے متعلق یہ رپورٹ مرتب کی ہے کہ یہ تحصیل سری نگر کے جنوب مغرب میں واقع ہے اور اس کا رقبہ ۴۸۸ مربع میل ہے۔ تحصیل پلوامہ کے بعد یہ تحصیل صوبہ کشمیر کی سب سے بڑی تحصیل ہے وادیٔ کشمیر کی زمین بالعموم چار قسموں میں منقسم ہے۔ میدانی، کریوہ، ترائی اور پہاڑی۔ یہ تحصیل بھی اس خصوصیت سے خالی نہیں۔ البتہ کریوہ قسم کی اراضی دوسری تحصیلوں کے مقابلے میں یہاں زیادہ ہے۔ میدانی علاقوں میں دھان کی کاشت ہوتی ہے کیونکہ دھان کے پودوں کی پرورش کے لئے پانی کا ہونا ضروری ہے۔ کریوہ قسم کی زمین میں بالعموم گیہوں، مکی، جَو اور مختلف دالوں کی کاشت کی ہوتی ہے ان فصلوں کا بار آور ہونا نہ ہونا بارش کے وقت پر برسنے نہ برسنے پر منحصر ہوتا ہے۔ ترائی کے علاقوں میں زمینیں شور اور بنجر ہیں۔ اس لئے اِن سے کوئی قابل ذکر پیداوار نہیں ہوسکتی، پہاڑی علاقوں میں گنجان جنگلات ہیں اور عوام اور حکومت دونوں کے لئے فایدہ مند۔

تعلیم کے لحاظ سے یہ علاقہ بہت پسماندہ ہے اور اس کے نتیجہ میں یہاں کے عوام بے حد ضعیف الاعتقاد اور کم کوشش واقع ہوئے ہیں اُن کے دلوں میں یہ بات ذہن نشین ہوگئی ہے کہ انسان تقدیر کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی

کی طرح ناچتا ہے اور انسان کی ہر قسمت کوشش اس کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ جو کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ انسان کے بس میں کچھ نہیں۔ یہ لوگ تقدیر کے بہانے سے عمل کی دنیا سے کوسوں دور اور بیچنا مفروضہ نقصان اور ناامیدی میں ہیں۔ ان عقاید کی تبدیلی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یہ لوگ علم کے نور سے منور نہ ہوں۔ اور علم و عمل کے فوائد سے عملی طور پر آگاہ نہ ہو جائیں۔ محکمہ تعلیم نے اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر صاحبان کے تقرر سے ملک کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر لیا ہے۔ ایک طرف سے ان لوگوں کا کام یہ ہے کہ وہ دیہاتی مدارس کے اُستادوں کے ساتھ مل جل کر کام کر کے انہیں مفید تعلیمی طریقوں سے آگاہ کریں۔ اُن کی مشکلات کو حل کرنے میں اُن کی مدد کریں۔ اور دیہاتی مدرسوں کے وجود کو دیہاتیوں کے لئے ایک مفید سماجی ادارہ بنائیں۔ دوسری طرف ان لوگوں کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ عوام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ میل جول بڑھائیں۔ اُن کے معاملات میں دلچسپی لیں۔ مدرسے کو زندہ کر کے اس میں عوام کے لئے کشش کے اسباب فراہم کریں۔ تعلیمی کونسل بنائیں۔ اور دیہاتیوں کے جلسے منعقد کرا کر اُن کے اور سکول کے درمیان رابطہ اتحاد قائم کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ جہاں تک میری ذات کا اور میری معلومات کا تعلق ہے یہ سب سرگرمیاں جاری ہیں۔

اس تحصیل کے لوگوں کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ کاشتکاری ہے۔ باقی کوئی ذریعہ ایسا نہیں جسے قابل ذکر کہا جا سکے۔ بے علمی کی وجہ سے یہ لوگ فن زراعت کے نئے نئے اصولوں سے بالکل ناواقف ہیں اور اگر انہیں اس کے متعلق کچھ واقفیت دی بھی جائے۔ وہ اس پر عمل کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ کیونکہ بے علمی کی وجہ سے وہ پرانے طریقوں میں تبدیلی کرنا سب سے بڑا گناہ سمجھتے ہیں گھریلو دستکاری کے ضمن میں یہ علاقہ بہت پیچھے ہے۔ حکومت نے فن کاشتکاری کو فروغ دینے کے لئے بہت کچھ کیا ہے عوام کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ کرایہ کی زمینوں میں میوہ دار درختوں کے باغ لگوائیں۔ فصلوں کو بچانے کی تدبیروں پر عمل کریں۔ لیکن بدقسمتی سے اِن ہدایات پر عمل نہیں ہوتا۔ اور کسان مفلوک الحال اور نادار بنتا جاتا ہے۔ اِن تمام مصائب کا خاتمہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا۔ جب تک تعلیم عام نہ ہو جائے۔ تحصیل کے تمام باشندوں کو تعلیم یافتہ بنانا فی الحال ممکن نہیں۔ البتہ موجودہ ناخواندگی کے تناسب میں کمی پیدا کی جا سکتی ہے۔ اور ایسا کرنا بھی اگرچہ مشکل ہے۔ لیکن پھر بھی ہمارا ہی کام ہے۔

اس علاقہ میں آمد و رفت اور باربرداری کے ذرائع بہت محدود اور مشکل ہیں راستے ناہموار اور دشوار گذار ہونے کی وجہ سے گاڑیاں اور لاریاں علاقہ کے بہت کم حصوں میں آجاسکتی ہیں بڈگام سے سری نگر تک پختہ سڑک ہے اور اس پر بارہ مہینے آمد و رفت رہتی ہے۔ دوسری سڑک سری نگر سے ماگام جاتی ہے بمشکل تیس چالیس گاؤں ایسے ہیں جو ان دو سڑکوں کے گرد و نواح میں آباد ہیں۔ اور اُن کے لئے اِدھر اُدھر جانا آنا مقابلتہً سہل ہے۔ باقی ساری تحصیل کریوؤں اور ٹیلوں سے بھری ہوئی ہے سڑکیں کچی اور تنگ ہیں۔

اس تحصیل میں کل ۲۷۶ گاؤں ہیں اور یہ سارے گاؤں ایک دوسرے کے ساتھ چھوٹی چھوٹی پگ ڈنڈیوں کے ذریعہ سے ملے ہوئے ہیں۔ ان پگ ڈنڈیوں پر بمشکل گھوڑا چلایا جاسکتا ہے ورنہ عام طور پر پیدل ہی چلا جاسکتا ہے۔ برف کے دنوں میں یہ پگ ڈنڈیاں برف میں دب جاتی ہیں۔ اور ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک پہنچنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔

گذشتہ مردم شماری کی رو سے اس تحصیل کی کل آبادی ۱۷۴۵۸۳ انفوس پر مشتمل ہے جن میں ۹۵۲۷۳ مرد اور ۷۹۳۱۰ عورتیں ہیں۔ مسلمان زیادہ ہیں۔ مفصل اعداد و شمار ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

	مرد	عورت
مسلمان (سُنی)	۸۱۴۱۶	۶۷۷۳۴
مسلمان (شیعہ)	۱۱۲۶۵	۹۴۳۲
ہندو (کشمیری پنڈت)	۱۳۹۱	۹۸۱
سکھ	۱۱۹۷	۱۱۵۳
خواندہ	۴۸۴۲	۳۱۱

اس حساب میں ایک مربع میل کے اندر ۳۵۰ آدمی رہتے ہیں تحصیل خاص کے بعد یہی وہ تحصیل ہے جہاں سکھوں اور شیعہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد آباد ہے کشمیری پنڈتوں کی تعداد اس تحصیل میں بہت کم ہے۔ لیکن خواندگی کا تناسب ان میں نہایت حوصلہ افزا ہے یہ لوگ اس تحصیل میں پچانوے فیصدی کے تناسب سے خواندہ ہیں۔ لیکن جہاں یہ بات قابل تعریف ہے

وہاں یہ امر قابل افسوس ہے کہ ان کی عورتیں سب کی سب ناخواندہ ہیں۔ مسلمانوں کا حال تعلیم پستی کے لحاظ سے نہایت خراب ہے اور خواندہ لوگوں کی اوسط اس قدر کم ہے کہ اس کا تذکرہ نہ کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ حکومت نے ان کو تعلیم پر مائل کرنے کی بہت کوششیں کی ہیں۔ لیکن اُن کا نتیجہ حوصلہ افزا نہیں نکلا۔ مسلمانوں کے لئے مخصوص وظائف مقرر کئے گئے ہیں۔ اور بعض رعائتیں دی گئی ہیں مگر یہ لوگ اس کی طرف چنداں دھیان نہیں دیتے۔ عورتیں سب کی سب ناخواندہ ہیں۔ اس افسوسناک صورت حالات کا علاج محکمۂ تعلیم کے کارندوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اگر وہ مدرسوں کو سماجی اداروں میں تبدیل کریں۔ آئے دن جلسے کریں۔ تعلیمی جلوس نکالیں۔ عوام کے ساتھ راہ ورسم بڑھائیں۔ اور انہیں احساس دلائیں۔ کہ مدرسہ اُن کی خدمت کر رہا ہے تو نتیجہ حوصلہ افزا نکلے گا۔ مسلمانوں کے دو فرقوں سنی اور شیعہ میں سے شیعہ فرقہ کی حالت زیادہ پسماندہ ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ زمانہ جدید کے رجحانات سے بے خبر اور علم کے فوائد سے ناآشنا ہیں۔ وہ اس تعلیم کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ اس کا واحد علاج میرے خیال میں یہ ہے کہ شیعہ آبادی رکھنے والے گاؤں میں مستعد اور لائق شیعہ اُستادوں کو مقرر کیا جائے۔ جو اپنے فرائض کا احساس رکھنے کے علاوہ دردِ دل کی دولت سے بھی مالا مال ہوں۔ جن کے دل قومی خدمت کے جذبہ سے معمور ہوں۔ اور جو اپنی اَن تھک محنت سے عوام کے دلوں سے اوہام پرستی کا قلع قمع کر دیں۔ اس وقت ساری تحصیل میں شیعہ اُستاد تین چار سے زیادہ نہیں ہیں سکھوں کی حالت مسلمانوں کے مقابلے میں کسی قدر بہتر ہے تاہم ترقی کی بہت گنجائش ہے۔ تمام تحصیل کے سکولوں میں کشمیری پنڈت بچوں کی تعداد ۶۵ ہے کشمیری پنڈتوں میں بعض مجلسی رکاوٹیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے دیہاتی نوجوانوں کو آسانی سے بیویاں نہیں ملتیں۔ لہذا ان کی جماعت میں بچوں کی تعداد کم ہو گئی ہے۔ ان کے بعض بچے سری نگر میں بھی پڑھتے ہیں۔ جہاں وہ اپنے رشتہ داروں کے ہاں رہتے ہیں۔ سرکاری مدارس میں سکھ طالب علموں کی تعداد ۱۳۰ ہے مجھے اپنے دوروں میں یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوتی ہے کہ سکھوں میں حصول تعلیم کا شوق بیدار ہو چکا ہے۔ اس وقت مسلمان بچوں کی تعداد جو زیر تعلیم ہیں ۲۳۰۰ ہے جو اُن کی کثیر آبادی کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہے۔ ہندوؤں کی کل آبادی کا ۸ء۴۱ فیصدی سکھوں کی آبادی کا ۴ء۲۶ فیصدی اور مسلمانوں کی کل تعداد کا ۸ء۱ فیصدی

(یعنی ایک فی صدی سے کم !) بچے سکولوں میں زیر تعلیم ہیں۔

تمام مدرسوں میں بطور وظائف ۷۰ اور ۸۰ روپے ماہوار کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں اور عوام کی موجودہ پست حالی کے پیش نظر یہ رقم بالکل قلیل ہے۔ اگر حالات اجازت دیں۔ تو وظایف میں اضافہ کیا جائے۔

سرکاری سکولوں میں کل ۷۵ اُستاد ہیں حکومت کی طرف سے امداد پانے والے پرائیویٹ مدرسوں میں دس اُستاد ہیں اور ایسے مدرسے صرف پانچ ہیں۔ ان میں سے اکثر میں تعداد طلبہ بہت زیادہ اور اُستاد صرف دو ہیں۔ اس کے مقابلے میں سرکاری مدرسوں میں بالعموم ایک ایک اُستاد ہے اور پانچ پانچ جماعتیں۔ اگر ہو سکے۔ تو اس کی طرف توجہ دی جائے۔ کیونکہ موجودہ صورت میں کسی خاص فایدے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ کل سرکاری مدرسے ۶۴ ہیں یا بہ الفاظ دیگر بارہ گاؤں کی آبادی کے لئے ایک سکول ہے، جو نہایت کم ہے، بچے دُور دُور سے مدرسوں میں نہیں آسکتے۔ اور ان کی ایک کثیر تعداد اس وجہ سے بھی تعلیم سے محروم رہتی ہے۔

میرے خیال میں دو دو گاؤں کے لئے ایک مدرسہ ہونا چاہیئے۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا۔ ہم تعلیم کی توسیع اشاعت کے مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ صحیح ہے۔ کہ حکومت کے لئے ایسا کرنا مشکل ہے اور جب تک عوام کو تعلیم کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ نہ ہو۔ اور وہ مدرسوں کو عام کرنے کے سلسلے میں حکومت کا ہاتھ نہ بٹائیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہمارے ملک کے عوام ابھی اس قدر روشن خیال نہیں ہیں۔ کہ وہ اس تعمیری کام کی طرف توجہ دیں۔ یہ کام پبلک اداروں کو فوراً ہاتھ میں لینا چاہیئے۔

اس تحصیل میں بنیادی مدرسوں کی تعداد چار ہے۔ اس تحصیل کے لوگ اِن مدرسوں میں کافی دلچسپی لیتے ہیں۔ اور علاقہ کے طول و عرض سے مجھے کہا گیا ہے۔ کہ اُن کے گاؤں میں بھی بنیادی مدرسے کھولے جائیں۔ مکتبوں کی تعداد ۱۳ ہے۔ پاٹھشالہ کوئی نہیں۔

لڑکیوں کی خواندہ تعداد مایوس کن ہے عورتوں کی کل تعداد ۷۹۳۱۰ ہے اور ان میں سے صرف ۱۱۳۱ لکھی پڑھی ہیں ساری تحصیل میں لڑکیوں کے لئے صرف تین پرائمری سکول ہیں۔ اور ان سکولوں میں زیادہ سے زیادہ سوا سو لڑکیاں زیر تعلیم ہیں مدرسہ جانے والی عمر کی لڑکیوں کی

تعداد ۱۵۸۶۲۳ ہے اس لحاظ سے لڑکیوں کی تعلیم تحصیل بیں نفی کے برابر ہے۔

اس تحصیل میں دو لوئر مڈل سکول سرکاری اور چار مڈل سکول امدادی ہیں۔ اور ہائی سکول کوئی نہیں۔ مزید کم از کم چار مکمل مڈل سکولوں اور تین ہائی سکولوں کی سخت ضرورت ہے ان ہائی سکولوں میں سے ایک چرار شریف دوسرا بڈگام اور تیسرا بیروہ میں کھولا جانا چاہیئے۔ کیونکہ مقامی حالات کے پیش نظر یہ تینوں مقام بہت بڑی اہمیت کے مالک ہیں۔

اس تحصیل کے لوگ ہر سال ۵۰۳۰۰ روپے بطور مالیہ ادا کرتے ہیں سکول فنڈ ۳۰۰۰ روپیہ ہے۔ ہندوستان کی چند ترقی یافتہ ریاستوں میں کل آمدنی کا بیس فیصدی تعلیم و تربیت پر صرف کیا جاتا ہے۔ اگر یہاں بھی اس سکیم کو زیر غور لایا جائے۔ تو بہت فائدے کی امید ہے +

دینا ناتھ پارمو
اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس
بڈگام

اُستادوں سے خطاب

اُستاد کی شخصیت

میں نے اپنے ایک گذشتہ مضمون میں اس امر کا ذکر کیا تھا کہ سکول کی کامیابی کا تقریباً سارا دارومدار اُستاد کی شخصیت پر ہوتا ہے وہی اپنی فرض شناسی سے اس کو بناتا ہے اور وہی اپنی غفلت اور بے توجہی سے اس کو بگاڑ سکتا ہے۔ میں آج کی بات چیت میں آپ کے سامنے چند ایسے سکولوں کا ذکر کروں گا۔ جہاں میں نے اس اصول کو بہت وضاحت کے ساتھ کارفرما پایا ہے۔ میں سکولوں کے نام اس وقت مصلحتاً حذف کرتا ہوں۔ لیکن جن اُستادوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ یقیناً خود کو پہچان سکیں گے۔

پہلا سکول یہ ایک پرائمری سکول ہے جو عرصے سے قائم تھا۔ لیکن نہایت سست رفتاری اور جمود کی حالت میں تھا۔ ایک اچھے استاد کے تقرر نے نہ صرف سکول کی بلکہ گاؤں بھر کی کایا پلٹ کر دی ہے۔ سال بھر سے کم کے عرصے میں طلبہ کی تعداد تین گنا ہو گئی ہے۔ بچوں میں آزادی کے ساتھ بات چیت کرنے، نظمیں پڑھنے، کہانیاں سُنانے، تقریریں اور ڈراما کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے وہ سکول کو اپنا سکول سمجھتے ہیں اور اس کی ترقی سے خوش ہوتے ہیں اگر کوئی معائنہ کرنے والا باہر سے آتا ہے تو یہ بچے کافی خود اعتمادی کے ساتھ خود ہی اپنے سکول کے مختلف کام اور مشاغل اسے دکھاتے ہیں۔ اور اس کے سوالوں کے جواب دیتے ہیں ان کی تعلیمی حالت (لکھنے پڑھنے کے اعتبار سے) اچھی ہے۔ حالانکہ سو کے قریب طلبہ کے لئے صرف دو اُستاد ہیں۔ اور اس کے ساتھ اُنہوں نے دستکاری، باغبانی میں کافی امید افزا کام کیا ہے۔ دو باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بچوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سکول میں خوشی سے آتے ہیں۔ اور خوش رہتے ہیں گاؤں کے تمام لوگ ہیڈ ماسٹر کے معتقد ہیں اور اس نے ان کا پورا پورا اعتماد

حاصل کر لیا ہے۔ وہ سکول کی ہر خدمت انجام دینے کو تیار ہیں اور ان کی سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ اس مدرس کا وہاں سے تبادلہ نہ ہو۔

اُستاد کی اس غیر معمولی کامیابی اور ہر دل عزیزی کا سبب کیا ہے؟ اس کی علمی قابلیت نہیں کیونکہ وہ تو شاید انٹرنس پاس بھی نہیں ہے اس کو تعلیمی طریقوں سے غیر معمولی واقفیت نہیں۔ کیونکہ اس کی ٹریننگ بہت معمولی ہے۔ دوسرے پرایمری سکولوں کی طرح اس کے پاس وسایل اور ذرایع بہت کم ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ اس کو اپنے کام سے اور اپنے بچوں سے سچا لگاؤ ہے اور وہ خود کو ان کا اور گاؤں والوں کا خادم سمجھتا ہے اور اس کے دل کو یہ لگن ہے کہ وہ بچوں کی زندگی کو اچھی باتوں اور اچھی چیزوں سے مالا مال کرے۔ اس کے ساتھ اس کی عام سمجھ بوجھ بھی اچھی ہے، اس لئے اسے لوگوں سے برتاؤ کرنے کا طریقہ آتا ہے۔ یہی معمولی لیکن کمیاب صفات اس کی کامیابی کی ضامن ہیں۔

دوسرا سکول یہ ایک پرایمری سکول ہے، جو چند ماہ ہوئے کھولا گیا ہے۔ اُستاد نے اپنی کوشش سے اور گاؤں والوں کے ساتھ عمدہ مراسم قایم کر کے اس میں پچاس سے زیادہ بچے جمع کر لئے ہیں سکول کی عمارت اوسط سے بھی گھٹیا ہے لیکن یہ چیز اُستاد کو نہیں ستاتی۔ کیونکہ قدرت نے عمارت کے چاروں طرف ایک نہایت خوبصورت میدان عطا کیا ہے جس میں پانی کی ندیاں بہتی پھرتی ہیں۔ اور درختوں کا سایہ، گرمی کے زمانے میں، جنت سے کہیں زیادہ خوش آیند ہے بچے یہیں بیٹھتے ہیں۔ یہیں پڑھتے ہیں۔ یہیں کھیلتے ہیں اور اس وجہ سے سکول کی چاردیواری میں پہنچ کر جو اجنبیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کو گھر کے ماحول سے ایک جُدا چیز سمجھا جاتا ہے۔ وہ بات سرے سے غائب ہے اُستاد نے ابتداء میں اس بات پر زیادہ زور نہیں دیا۔ کہ بچے کتاب کے بہت سے صفحے پڑھ جائیں یا تختی لکھنے لگیں۔ اس نے ان کو رام کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کو گیت اور نظمیں اور چھوٹے چھوٹے ڈرامے اور کہانیاں سکھائی ہیں ان کو سکاؤٹنگ اور ڈرل کے بہت سے کھیل کھلائے ہیں ان سے ان کے گرد و پیش کے دلچسپ ماحول کے متعلق گفتگو کر کے ان کی عام واقفیت کو بڑھایا ہے اور اس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ یہ بچے سکول میں خوش ہیں۔ اگر یہ فضاء قایم رہی۔ تو اس اُستاد کو غیر حاضری کے مشکل مسئلے سے دوچار ہونا نہیں

پڑھے گا۔ بچوں کو زبردستی کھینچ کر سکول لانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ وہ ایسے ہی ہنسی خوشی یہاں آئینگے جس طرح کھیلنے یا گائیں چرانے جاتے ہیں ہاں ایک بات اور! یہ سارے بچے قمیص اور نکر پہنے ہوئے تھے۔ چند ہفتے کے اندر اندر اس اُستاد نے ان غریب بچوں کے والدین کو اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ انہیں ایک یونیفارم بنا دیں۔ شاید ساٹھ ستر فیصدی اُستاد ایسے موقع پر وہی پرانا عذر پیش کرتے۔ کہ یہ لوگ اس قدر غریب ہیں۔ کہ کپڑا مطلق نہیں بنا سکتے۔ ممکن ہے۔ یہ بات اپنی جگہ سچ ہو۔ لیکن واقعہ قیاس اور دلیل دونوں سے زیادہ اٹل چیز ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ایک چھوٹے سے گاؤں کے کسان غریب بچوں نے یہ مناسب لباس بنوا لیا تھا۔ اور وہ نہایت مستعدی کے ساتھ اپنی تعلیم اور کھیل اور دیگر مشاغل میں مصروف تھے!

تیسرا سکول یہ ایک بیسک سکول ہے ان میں پانچ اُستاد ہیں۔ جو سب ٹرینڈ ہیں۔ اور سو کے قریب طلبہ ہیں۔ عمارت میں صرف تین چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں۔ ساتھ ایک بہت مختصر سا احاطہ ہے۔ جس میں باغبانی کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس سکول کا بنیادی حرفہ زراعت ہے۔ مادی اعتبار سے یہ حالات امید افزا معلوم نہیں ہوتے۔ لیکن چونکہ ہیڈ ماسٹر میں سمجھداری اور فرض شناسی ہے اس لئے پہلی تین جماعت کے بچوں کی تعلیمی حالت بہت قابل اطمینان ہے وہ باغبانی کے متعلق موٹی موٹی باتیں سمجھ گئے ہیں۔ اور سوالوں کے جواب دے سکتے ہیں۔ پہلی جماعت کے بچوں میں بھی خاصی حرف شناسی پیدا ہوگئی ہے۔ ان میں اظہار خودی کی صلاحیت بیدار ہو رہی ہے جس کا اظہار نظموں اور کہانیوں وغیرہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اُستادوں کی ڈائیریوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بحیثیت مجموعی اُنہوں نے ربط کے اصول کو سمجھ لیا ہے اور وہ مختلف مضامین کے بیشتر عنوانوں کو حرفے کے ساتھ یا سماجی اور طبعی ماحول کے ساتھ ربط دے سکتے ہیں زمین کی کمی کی وجہ سے زراعت کا کام پوری کامیابی کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن تقسیم کار کے اصول پر عمل کر کے کم سے کم اتنا ہو گیا ہے۔ کہ بچہ ایک چھوٹی سی کیاری کی دیکھ بھال کر کے اس فن میں دلچسپی اور معلوماتِ حاصل کرنے لگا ہے میں نے ایسے بھی سکول دیکھے ہیں۔ جہاں محض زمین کی تنگی کو اُستادوں نے کام نہ کرنے کے لئے کافی عذر سمجھ لیا ہے اور وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جہاں خلوص اور ارادے کی قوت موجود ہوتی ہے۔ راستہ خود بخود نکلتا چلا آتا ہے۔

مبارک ہیں اچھے سکولوں کے ایسے استاد جو باوجود مالی دقتوں کے باوجود ذاتی پریشانیوں کے باوجود سامان اور اسباب کی کمی کے، باوجود سماج کی ناقدری اور ناواقفیت کے اپنے اپنے گمنامی کے گوشوں میں اس تعلیمی اور اخلاقی جہاد میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی پرخلوص کوششوں کے نتائج اخباروں کے صفحوں میں نہیں چھپ سکے۔ نہ ڈھنڈورچی ڈھول پیٹ کر ان کا اعلان کریں گے لیکن وہ ضائع نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ ان کا اظہار ہوگا۔ بچوں کی سیرت کی عمدگی میں، ان کی ذہنی بیداری میں، ان کی انسانی دوستی اور اشتراک عمل کی صلاحیت میں، اور رفتہ رفتہ ان کی ملک اور قوم کی بہتری میں!

چوتھا سکول

آخر میں تصویر کا ایک دوسرا رُخ بھی دیکھ لیجئے۔ یہ ایک مڈل سکول ہے جہاں نو دس اُستاد ہیں۔ ایک مڈل سکول کے لئے کافی تو نہیں۔ بہرحال اس امری سکول سے بہتر حالت ہے۔ جہاں سو بچوں اور پانچ جماعتوں کے لئے صرف دو اُستاد ہیں۔ بچے بھی ہوتی اور خاصی وسیع عمارت ہے۔ جس میں ہوا اور روشنی کا اچھا انتظام ہے۔ یقیناً اگر تین چار کمرے اور ہوتے تو سہولت ہوتی۔ لیکن دو یا تین کمروں کی عمارت سے تو یقیناً بہتر ہے! سکول کے ساتھ کافی بڑا احاطہ ہے۔ جہاں باغبانی اور کھیل ورزش وغیرہ اچھی طرح ہوسکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ بادی النظر میں ایسے حالات موجود ہیں۔ جن میں کسی سکول کو کامیابی کے ساتھ چلایا جاسکتا ہے۔ لیکن سکول نہیں چلتا! کیوں؟ اس لئے کہ اگر آپ ایک اچھا خاصا مجسمہ بنا کر کھڑا کردیں۔ لیکن اس میں رُوح نہ پھونکیں۔ تو وہ بے جان ہی رہے گا۔ اس میں حرکت نہ پیدا ہوسکے گی۔ سکول کے جسم بے جان میں روح پھونکنے کے لئے اچھے اُستاد کی ضرورت ہے۔ لیکن اس سکول کو بدقسمتی سے یہ نعمت نصیب نہیں۔ چنانچہ سکول میں نہ تعلیمی حالت اچھی ہے۔ نہ دستکاری ہے۔ نہ کوئی عمدہ اور بارونق فارم ہے۔ نہ ورزش اور کھیلوں میں مستعدی ہے۔ نہ کمرے تعلیمی سامان سے مُزیّن ہیں۔ نہ (بالعموم) بچوں میں چہل پہل اور مسرت حیات کے آثار ہیں۔ کام کی خانہ پُری ہوتی ہے۔ اردو ہندی، تاریخ، جغرافیہ حساب وغیرہ سب کچھ پڑھایا جاتا ہے۔ لیکن سکول کو دیکھ کر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا۔ کہ اس کے بنانے میں کسی اُستاد نے تخیل یا نظر یا سمجھداری سے کام لیا ہو۔ یا اس بات کی کوشش کی ہو۔ کہ بچوں کی زندگی یا ان کے ذہنی،

اور عملی شوقوں کو مالامال کرے۔ یا ان کو معاشرتی ماحول سے روشناس کر کے بہتر شہری بنانے کی کوشش کرے۔ یا فطرت کی گوناگوں نعمتوں سے لطف اندوز ہونا سکھے۔ جنت کشمیر پر بہار اور خزاں دونوں کا حسن آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ نباتات اور حیوانات کی دنیا، جس میں تعلیم کے بے اندازہ امکانات بھرے ہوئے ہیں۔ ان کو چاروں طرف سے دعوت نظارہ اور دعوت عمل دیتی ہے۔ سیاحوں کی آمد سماجی مطالعے کے بے شمار مواقع پیدا کرتی ہے۔ لیکن جب دل اور دماغ کی آنکھیں بند ہوں۔ تو بے حسی اور جمود کا کوئی علاج نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اچھا اور فرض شناس اور بچوں کو سمجھنے اور ان سے محبت کرنے والا اُستاد جو پورے سکول کو تن تنہا چلاتا ہے مڈل سکول کے اِن دس اُستادوں سے کہیں زیادہ بچوں کو فایدہ پہنچا رہا ہے۔ اور ان کی تربیت زیادہ کامیابی کے ساتھ کر رہا ہے۔

بے شک شخصیت کا فرق بڑی حد تک خدا داد ہوتا ہے۔ لیکن کیا کبھی فرض ناشناس اُستادوں نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے کہ قدرت نے ان کو کس قدر صلاحیت بخشی تھی۔ اور اُنہوں نے کس حد تک اپنی غفلت اور بدشوقی سے اس کو زایل کر دیا ہے +

خواجہ غلام السیدین
ناظم تعلیمات

نصیحت

بچۂ شاہیں سے کہتا تھا عقابِ سالخورد
اے ترے شہپر پہ آساں رفعتِ چرخِ بریں
ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخِ زندگانی انگبیں
جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر
وُہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

(بالِ جبریل)   اقبالؒ

تعلیمِ جدید

تعلیم جدید

(سلسلۂ نو)

(محکمۂ تعلیم حکومت جموں و کشمیر کا ماہوار رسالہ)

نمبر ۱۲	جموں ماہ نومبر سنہ ۱۹۴۴ء مطابق ماہ کاتک سمت ۲۰۰۱	جلد ۱

تعارف

اس نمبر میں آپ کو بعض اچھے اچھے مضامین پڑھنے کو ملیں گے۔ ہم ان میں سے بعض کا سرسری ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔

(۱) ہمیں خوشی ہے کہ جناب ناظم تعلیمات نے اپنی مصروفیت میں بھی حسب معمول اپنا مضمون لکھنے کے لئے وقت نکال لیا ہے تعلیم جدید کے لئے وہ ہر ماہ باقاعدگی کے ساتھ لکھتے رہے ہیں صرف پچھلے ماہ بعض ضروری مشاغل ایسے آپڑے کہ وہ اپنا مضمون نہ لکھ سکے۔ اب کی بار انہوں نے اس "ناگزیر غیر حاضری" سے پیدا شدہ خلاء کو ایک بڑے ہی اچھے مضمون کے ذریعہ پُر کر دیا ہے۔ اس کے لئے ہم اُن کے بے حد شکر گزار ہیں۔ مضمون کا سحر آفرین اثر آپ پر اس کے پڑھنے کے بعد ظاہر ہوگا۔ وہ جو غالب نے ایک جگہ کہا ہے۔

شعر
پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

اس کی ایک نمایاں مثال یہ مضمون ہے اس "اتفاقیہ رکاوٹ" نے صاحب مضمون کے قلم میں تاثیر کی ایک ایسی برقی رو بھر دی ہے کہ اگر آپ کے دل میں زندگی کی کچھ بھی حرارت باقی ہے تو ناممکن ہے کہ آپ اس کا جھٹکا محسوس نہ کریں۔

(۲) "وزیٹر بیورو پروجیکٹ" بیسک سکول بٹوت کے طلبا کا ایک تعلیمی منصوبہ ہے۔ بٹوت کے پُرفضا مقام نے اس سکول کے بچوں کے لئے ایک دلچسپ اور اچھوتا تعلیمی امکان پیدا کر دیا ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ سلہریا صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر اور سکول کے عملہ کی کوششوں سے بچے اس مفید تعلیمی امکان سے مستفید ہونے لگے ہیں۔ اس تجربہ سے آپ کوئی نئے امکانات سوجھیں گے۔ جو آپ اپنے ماحول میں رہ کر بچوں کے لئے پیدا کر سکتے ہیں!

(۳) "فرنٹیر کی تعلیمی حالت" والا مضمون بھی آپ کے مطالعہ کی چیز ہے اس سے ریاست کے دُور افتادہ حصوں میں آپ کو تعلیمی دقتوں کا اندازہ ہو سکیگا۔ کیا عجب آپ میں سے بعض حضرات اس سلسلے میں کوئی مفید تجاویز پیش کر سکیں اس مضمون کیلئے ہم بلبل صاحب کے شکر گزار ہیں جنہوں نے جنگی مصروفیوں میں بھی تعلیمی دلچسپی کو قائم رکھا ہے۔ (ادارہ)

اُستادوں سے خطاب

پھر وہی "اچھا اُستاد!"

میں گذشتہ ماہ آپ لوگوں سے بات چیت نہیں کر سکا۔ لیکن اس کی وجہ سے آپ کو فایدہ ہی ہوا، یعنی ایک بہتر چیز (ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کا مضمون) پڑھنے کو ملی۔ اس مضمون میں انہوں نے اپنے مخصوص اور دلکش انداز میں ایک اچھے استاد کی قلمی تصویر کھینچی ہے آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ اس رسالے میں بھی اور اپنی تقریروں و تحریروں میں بھی میں ہمیشہ اور بار بار اس "اچھے استاد" کا ذکر کیا کرتا ہوں۔ آخر یہ کیوں؟ بات یہ ہے کہ تعلیمی سکیموں کو کامیاب کرنے کیلئے بہت سی شرطیں ہیں لیکن ان میں سب سے مقدم اور ناگزیر شرط ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ استاد اچھے ہوں۔ جس طرح ایک گھڑی کا چلنا اس کے فنر پر منحصر ہے اور فنر ایک چھوٹی سی سوئی کے ناکے پر ٹکا ہوتا ہے اسی طرح نظام تعلیم کا دار و مدار تمام تر استاد کی شخصیت پر ہے۔ وہی اس کو بناتا ہے اور وہی اس کو بگاڑتا ہے۔ ذرا غور تو کیجئے کہ یہ "نظام تعلیم" اور "تعلیمی سکیمیں" کیا چیز ہیں؟ ان بڑے بڑے الفاظ کا مطلب کیا ہے؟ جب آپ ان کا تجزیہ کریں گے اور حشو و زوائد کو ہٹا کر ان کی حقیقت تک پہنچیں گے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ اس تمام پیچیدہ گورکھ دھندے کی تہ میں بس وہی اُستاد اور اس کے شاگرد رہ جاتے ہیں ایک شخصیت ہے جو دوسری شخصیتوں پر اثر ڈال رہی ہے۔ ایک دماغ ہے جو دوسرے دماغوں کو بناتا اور سنوارتا ہے۔ ایک روح ہے جو دوسری روحوں کی رہنمائی کرتی ہے شعوری طور پر بھی اور غیر شعوری طور پر بھی۔ اگر یہ شخصیت، یہ دماغ، یہ روح گھٹیا ہے تو اس سے دوسروں پر اچھا اثر کیسے پڑے گا! اگر اس میں شرافت، عقل اور اچھے اخلاق اور اچھی قدروں کا جلوہ ہے تو اس سے یقیناً تمام بچے (اور بڑے) فایدہ اٹھائیں گے جنکو اسکی صحبت نصیب ہوگی۔ اس عقیدے کی وجہ سے تعلیم کی اصلاح کرنے والے بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اچھے اُستادوں کا انتظام کرلو، تعلیم خود بخود بہتر ہو جائیگی۔ اور اس مطالبہ کا مقصد صرف یہی نہیں کہ استاد خود کو قابل اور فرض شناس اور شریف بنائیں بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ سماج کی طرف سے ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ صحیح قسم کے لوگ تعلیم کے محکمہ کی طرف آئیں، اُن کی تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ انتظام ہو، ان

کو اتنی تنخواہ دی جائے کہ وہ اپنی اہم جسمانی، دماغی اور خاندانی ضروریات کو پورا کرسکیں۔ سوسائٹی میں ان کی اتنی قدر اور عزت کی جائے جس کے وہ مستحق ہیں اور اس قسم کی سہولتیں بہم پہونچائی جائیں۔ کہ وہ مدرسوں میں خوش دلی، دیانت اور عزت نفس کے ساتھ کام کرسکیں۔ میں ذاتی طور پر اس بات کا قایل نہیں ہوں کہ سوسائٹی کی طرف سے یا تعلیمی حکام کی طرف سے یا تعلیمی مدبرین کی طرف سے استادوں کے سامنے فرائض کی ایک لمبی سی فہرست پیش کردی جائے لیکن ان کے حقوق کو نظر انداز کیا جائے۔ گویا وہ عام انسانوں سے مختلف اور بلند ہستیاں ہیں جن کی مادی ضروریات اور شہری اور تمدنی حقوق کی طرف توجہ کرنا غیر ضروری ہے!

آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ آج کل ایک تعلیمی کمیٹی ریاست کے تعلیمی مستقبل کے لئے ایک پروگرام مرتب کر رہی ہے تاکہ جنگ کے بعد کے زمانے میں جو ان بدل زیادہ کٹھن مسایل پیش آنے والے ہیں۔ ان کو حل کرنے اور جنگ سے پھیلنے کی جو محرومیاں اور ناکامیاں ہیں۔ اُن کو دور کرنے کے کام میں تعلیم بھی اپنا بوجھ اُٹھا سکے۔ اور یہ بوجھ اور ذمہ داری کیا ہے؟ ایک ایسی نسل کی تربیت کرنا جس میں ان مسایل کو سمجھنے کی صلاحیت ہو۔ اور ان محرومیوں اور ناکامیوں کی تلافی کرنے کا حوصلہ ہو جو اس وقت سماج کی بیشتر حصے کی زندگی پر حاوی ہیں۔ اگر آپ اس دوسری ذمہ داری کے پہلو پر غور کریں تو آپ محسوس کریں گے کہ اس مقصد کے لئے ایک طرف تو تعلیم کو بہت زیادہ پھیلانے اور وسیع کرنے کی ضرورت ہے (آپ کے ہاں تو ۹۴ فیصدی لوگ ابھی تک ایسے ہیں جو کچھ پڑھ بھی نہیں سکتے!) اور دوسری طرف اس کا معیار بلند کرنے اور اس کے ذریعہ طلبا میں زیادہ ذہانت، زیادہ عملی کارکردگی اور زیادہ سماجی احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ آنے والا زمانہ صنعت وحرفت کا زمانہ ہوگا، جمہوری سیاست کا زمانہ ہوگا، سائنس کا زمانہ ہوگا، بہت بڑے پیمانے پر منصوبہ بندی (Planning) کا زمانہ ہوگا۔ اور ان سب چیزوں کو چلانے والے لوگ کہاں ہوں گے؟ یہی طلبا جو آج ابتدائی اور ثانوی مدارس میں یا کالجوں میں تعلیم پا رہے ہیں اگر ان کے دماغوں میں روشنی، ان کے دلوں میں گرمی، اور ان کے ہاتھ میں ہنرمندی نہ ہوگی۔ تو وہ اس مشکل فرض کو کیسے پورا کریں گے؟ وہ نہایت پیچیدہ سیاسی اور سماجی مسئلوں کو کس طرح سمجھیں گے اور اس غلط قسم کے پروپگنڈے کا کیسے مقابلہ کریں گے جو سائنس کی مدد سے بے پناہ قوت حاصل کر چکا ہے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ نہ لوگوں کو آزادانہ رائے میسر ہو، نہ وہ شرافت اور غیر جانب داری کے ساتھ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ سلوک کرنے کے قابل بن سکیں؟ وہ مشینوں کے اس آنے والے دور میں مستعدی اور کامیابی کے ساتھ کیسے کام کرسکیں گے۔ اگر تعلیم محض نظری اور کتابی ہوگی اور سماج کی الٹی ریت ہاتھ کا کام کرنے والوں کو حقارت

کی نظر سے دیکھے گی یا کم سے کم ان کو دفتروں میں قلم چلانے والوں کے مقابلے میں کم درجے کا سمجھے گی؟ اور رہی "دل کی گرمی" تو وہ اس تعلیم کے ذریعہ کہیں پیدا نہیں ہو سکتی جو بچے کو (صریحاً یا رمزاً) یہ سکھائے کہ دنیا میں انفرادی کامیابی اور اپنی ذات کے لئے دولت یا قوت کا حاصل کرنا انسان کا سب سے بڑا فرض ہے جبتک تعلیم انسان کی انسانیت اور فرد کے سماجی احساس کو بیدار نہ کریگی۔ وہ ایک بہتر دنیا کی تعمیر میں کوئی حصہ نہیں لے سکتی لہٰذا ہم جو تعلیم کی سکیم بنانا چاہتے ہیں اس میں تعلیم کی توسیع اور اس کے باطنی اصلاح دونوں کے خواہشمند ہیں۔ لیکن اس میں دو مشکلات ہیں توسیع کے لئے تو روپیہ درکار ہے جس کا فراہم کرنا حکومت کا کام ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ کس حد تک اس فرض کو ادا کر سکیگی۔ اس کا دارو مدار بڑی حد تک اس بات پر ہے کہ ملک کے وسایل اور ذرایع سے کام لے کر حکومت کہاں تک ریاست کی دولت میں اضافہ کر سکتی ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہہ لیجئے کہ سائنس سے مدد لے کر زراعت اور صنعت و حرفت کو کہاں تک ترقی دیتی ہے تاکہ قومی تعمیر کے کاموں کو چلانے کے لئے وسایل مہیا ہو سکیں۔ بعض ریاستوں نے جنگ کے بعد کی تعلیمی ترقی کے لئے بڑی بڑی رقمیں منظور کی ہیں۔ حیدر آباد نے ستر ہ سال میں کوئی دو سو کروڑ روپیہ صرف کرنے کا منصوبہ بنایا ہے مجھے امید ہے کہ ہماری ریاست بھی حتی الامکان اس سلسلے میں دور اندیشی اور فیاضی سے کام لے گی۔ لیکن دوسری مشکل شاید روپیہ کی فراہمی سے بھی زیادہ بڑی ہے تعلیم کی "باطنی اصلاح" کے لئے اور اسکو آنے والے زمانے کی ضروریات کے ساتھ ہم آہنگ بنانے کے لئے ایسے استادوں کی ضرورت ہے جو ان تمام باتوں۔ اصولوں اور قدروں کو سمجھتے ہوں۔ جو نہ صرف دماغ کی روشنی، دل کی گرمی اور ہاتھ کی ہنرمندی کے قابل ہوں بلکہ ان صفات کو روزمرہ کے تعلیمی قالب میں ڈھال سکیں۔ آپ نے دیکھا ہر چیز کی تان وہیں آکر ٹوٹتی ہے! کیا آپ اس کٹھن فرض کو انجام دے سکیں گے؟ اس کا جواب میں نہیں دے سکتا، یہ جواب آپ میں سے ہر ایک کو اپنے ضمیر کی عدالت کے سامنے دینا ہوگا!

آیئے! آخر میں آپ کو ایک کتاب کا ذکر سناؤں جو بدقسمتی سے میں نے خود نہیں پڑھی (کیونکہ وہ حال ہی میں انگلستان میں شایع ہوئی ہے اور ابھی ہندوستان تک نہیں پہونچی) لیکن اس پر ایک اچھا اور خاصا مفصل ریویو پڑھا ہے کتاب کا ذکر اس موقع پر شاید آپ کو بے تعلق معلوم ہو لیکن جیسا کہ آپکو آخر میں اندازہ ہوگا میری اس بات چیت سے اس کا ایک حد تک تعلق ہے اور پھر اچھی کتاب کا ذکر تو ہمیشہ شوق سے سننا چاہیئے! اس کتاب کا نام ہے (In the Margins of the chaos) یعنی "ابتری کے حاشیے پر" اور اس میں ان بدنصیب پناہ گزینوں کی کہانی بیان کی گئی ہے جو گذشتہ تیس سال میں یورپ کی خوفناک جنگوں کی وجہ سے

ایک ملک سے دوسرے ملک میں مارے مارے پھرتے رہتے ہیں اور جن کے دکھ درد کو بانٹنے اور ان کو تباہی سے بچانے کیلئے بعض شریف اور دردمند لوگوں اور انجمنوں نے بہت قابل قدر اور انتھک کام کیا ہے کتاب کے مصنف کا تعلق عیسائیوں کے کویکر (Quaker) فرقے سے ہے جو سماجی خدمت کیلئے خاص طور پر مشہور ہیں۔ اس نے اس کتاب میں بتایا ہے کہ سنہ ۱۹۱۴ء سے لیکر جب اتفاقاً اس نے دو بلجیمین بچوں کو اپنی نگرانی میں لے لیا تھا کیونکہ وہ بالکل بے یار و مددگار تھے، سنہ ۱۹۱۴ء تک اس نے اور دوسرے کارکنوں نے یورپ کے مختلف ملکوں میں کس کس طرح ایسے لاکھوں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی خبر گیری کی جن کا زندگی کے ساتھ رشتہ ہی ٹوٹ چکا تھا۔ اس میں ان دردناک اور ناقابل یقین واقعات اور مشاہدات کا بیان ہے جو اس عرصہ کے دوران میں اس کو اور اس کے رفقائے کار کو پیش آئے کیا آپ آسانی سے اس بات کا یقین کریں گے۔ کہ گذشتہ جنگ عظیم کے بعد قحط کی وجہ سے یورپ کے بعض ملکوں میں لوگوں نے نہ صرف مردہ گھوڑوں کو کھا لیا تھا بلکہ ان کے ... اور تمام سازو سامان کو پانی میں اُبال اُبال کر بطور شوربے کے پیا تھا؟ یا یہ کہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ایک جگہ ایک یتیم خانہ قائم کیا اور بچوں کی پرورش کی وجہ سے مجبور ہو کر یہ قاعدہ بنایا کہ وہاں صرف وہی بچے لئے جائیں گے جن کے ماں باپ دونوں مر چکے ہوں۔ مگر ایک لاچار باپ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے بے ماں کے بچے اس قاعدے کی وجہ سے یتیم خانہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ تو اُس نے جا کر خودکشی کر لی تاکہ قاعدے کی رُو سے بچے وہاں داخل ہو سکیں اور کم سے کم ان کی جان بچ جائے! جب یہ لوگ قحط زدہ بچوں میں خوراک تقسیم کرنے جاتے تھے تو ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی اور خوراک اتنی کم کہ وہ اس کو سب بچوں پر حصہ رسد تقسیم نہ کر سکتے تھے بلکہ بعض بعض کو دیتے تھے تاکہ کم سے کم ان کی جان بچ جائے۔ اگر خوراک کو سب پر تقسیم کر دیتے۔ تو ایک بھی زندہ نہ رہ سکتا! (شاید بنگال کے واقعہ کے بعد ہمیں یہ باتیں قرین قیاس معلوم ہوں!) مصنف نے گذشتہ تیس سال نہ صرف اس قسم کا کام انگلستان میں رہ کر کیا۔ بلکہ فرانس، جرمنی، بلجیم، روس، سپین اور وسطی یورپ کے کئی ملکوں میں جا کر مہینوں نہایت جانفشانی اور ہمدردی کے ساتھ اس انسانی فرض کو انجام دیا۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ میں یہ باتیں آپ کو کیوں سنا رہا ہوں۔ سنئے! یہ مصنف اور سماج کی سیوا کرنے والا کون ہے؟ یہ ایک عورت ہے جس کا نام ہے مس ... اور وہ ایک سکول کی اُستانی ہے! کیا اس قسم کے لوگوں کا حال پڑھ کر ہم ازسرنو انسانوں کی فطری شرافت پر ایمان لانے کو تیار نہیں ہو جاتے۔ وہ ایمان جس کی بنیادوں کو جنگ، سرمایہ داری، شہنشاہیت اور عام لوگوں کی خودغرضی اور حرص نے تہ و بالا کر دیا ہے۔

(خواجہ غلام السیدین)

تعلیمی تحریکیں

سرینگر میں بچوں کی کتابوں اور دستکاری کی نمائش

۱۲ راگست ۱۹۴۴ء سے ۱۸ راگست ۱۹۴۴ء تک محکمۂ تعلیم جموں و کشمیر کے زیر اہتمام ایس۔ پی ہائی سکول سرینگر کے احاطے میں بچوں کی کتابوں اور دستکاری کی ایک نمائش منعقد ہوئی۔ نمائش کی رسم افتتاح یوراج بہادر شری کرن سنگھ جی نے انجام دی۔ آپ نے نمائش کے مختلف شعبوں کو نہایت دل چسپی کے ساتھ ملاحظہ فرمانے میں کافی وقت صرف فرمایا۔ رسم افتتاح کے موقعہ پر حکومت کے وزیروں کے علاوہ تمام سرکاری افسروں اور شہر کے سرکردہ اصحاب نے بھی شمولیت کی۔ شری یوراج بہادر نے ان تمام کاموں میں خصوصی دل چسپی کا اظہار فرمایا۔ جنہیں بچوں نے کیا تھا۔ اور جن کے ذریعہ سے اُن کی تخلیقی قوتوں اور اظہار خودی کا پتہ چلتا تھا۔

نمائش کے معاینہ کے بعد شری یوراج بہادر شامیانہ کے نیچے رونق افروز ہوئے۔ مجلس استقبالیہ کے صدر نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا۔ جس میں شہر سری نگر میں بچوں کی ایک لائبریری قایم کرنے کی ضرورت بیان کی گئی۔ اس کے علاوہ ریاست میں موجودہ ناظم تعلیمات کی قیادت میں تعلیم کی جو نئی تنظیم اور مدرسوں میں مختلف حیثیتوں سے ترقی ہوئی ہے خطبہ میں اس کا بھی خاص طور پر ذکر کیا گیا۔

خطبۂ استقبالیہ کے بعد جناب خواجہ غلام السیدین صاحب ناظم تعلیمات نے شری یوراج بہادر سے درخواست کی۔ کہ وہ نمائش کی افتتاحی رسم انجام دیں۔ اپنی تقریر کے دوران میں آپ نے فرمایا۔ کہ ہز ہائینس کی حکومت کس طرح تعلیم کی تنظیم اور اس کو صحیح اور ترقی پسند بنیادوں پر قایم کرنے کی فکر میں ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ اس نمائش کو منعقد کرنے کے دو مقصد ہیں۔ ایک یہ کہ بچوں کے والدین اور سرپرست

اس دستی کام کو دیکھ سکیں۔ جو ان کے بچے سکولوں میں اکثر کرتے رہتے ہیں دوسرے یہ کہ بچوں کو فرصت کے اوقات میں پڑھنے کی طرف مائل کیا جا سکے تاکہ وہ کتابوں کے ذریعہ اپنی علمی دلچسپیوں میں اضافہ کر سکیں ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے نمائش میں کئی سو دستی کتابیں مہیا کی گئی تھیں۔ جو بچوں کی لکھی ہوئی تھیں یا ان کے استادوں نے تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھنے کے سلسلے میں لکھی تھیں۔ آپ نے صدر مجلس استقبالیہ کی اس درخواست کی تائید کی۔ کہ سری نگر میں بچوں کی ایک لائبریری کھولی جائے۔ اور فرمایا۔ کہ اس نمائش کے انتظام اور ترتیب کے سلسلے میں کام کا اکثر حصہ خود بچوں نے انجام دیا ہے جناب ناظم تعلیمات نے مسز کلارنس کاسک کا شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے نمائش کے اخراجات کے سلسلے میں -/۵۰۰ روپے کا گراں قدر عطیہ عنایت فرمایا تھا۔

اس کے بعد شری یوراج بہادر تالیوں کے درمیان خطبہ استقبالیہ کا جواب دینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ تقریر کے دوران میں آپ نے نمائش کے متعلق بہت دلچسپ اور حوصلہ افزا ریمارکس پاس کئے۔ بچوں کے کتب خانہ کے مطالبہ کے ساتھ اظہار ہمدردی فرمایا۔ اور امید ظاہر کی۔ کہ ہز ہائینس کی حکومت اس تجویز پر ہمدردانہ غور کرے گی۔ شری یوراج بہادر کے تشریف لے جانے پر معزز مہمانوں نے نمائش کا ملاحظہ فرمایا۔

نمائش کا ایک اہم شعبہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ اردو، ہندی، گورمکھی، انگریزی، عربی، فارسی اور سنسکرت کتابوں کا تھا۔ اس شعبے کی طرف تمام ناظرین کی توجہ زیادہ تھی۔ اس میں بہت سی مشہور کتابیں رکھی گئی تھیں جن پر مصنفوں کے فوٹو اور دستی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔

دوسرے شعبے میں بچوں کی دستکاری کے نمونے تھے oil اور water colour اور lino painting کے عمدہ نمونے، گتے، کپڑے اور لکڑی کی بنی ہوئی چیزیں۔ چھوٹی چھوٹی کتابیں، مختلف سائزوں کے چھوٹے چھوٹے صندوق۔ گتے کی فائلیں، کھلونے، کاغذ اور صابن۔ پھولوں اور پودوں کے نمونے۔ نمائش گاہ میں قرینے سے رکھے گئے تھے۔ تمام ریاست کے بنیادی مدرسوں کی طرف سے نہایت دلچسپ اور پسندیدہ چیزیں آئی تھیں۔

ٹیچرز ٹریننگ سکول سری نگر اور ہندو میموریل سری نگر نے سکول جانے کی عمر سے پیشتر کے زمانہ میں تعلیم دینے کے طریقے دکھائے۔ اس شعبہ میں تین سال اور ۵ سال کے درمیان عمر رکھنے والے بچے کھیلوں

میں مصروف تھے۔ گاتے جاتے تھے اور ڈراما کھیلتے جاتے تھے والدین کے لئے یہ چیز ایک عملی نمونہ تھی۔ کہ کس طرح سکول بھیجنے سے پہلے بچوں کو گھنٹوں مصروف رکھا جا سکتا ہے۔ اور کس طرح وہ تخلیقی کھیلوں میں مصروف رہ کر اپنی تربیت آپ کر سکتے ہیں۔

مہمانوں کی خاطر تواضع ڈراموں، گانوں، نظموں اور تقریروں وغیرہ کا انتظام بھی نمائش کی ایک نمایاں خصوصیت تھی۔ کشمیری شاعروں کے کلام کو پروگرام میں خاص طور پر شامل کیا گیا تھا۔ بچوں کا ایک مناظرہ بھی منعقد ہوا۔ جس میں بچوں کے زیر بحث "بہتر کشمیر" کا موضوع تھا۔ مختلف سکولوں کے بچوں نے اس میں حصہ لیا۔ اور کشمیر کی بہتری کے متعلق اپنی تجاویز پیش کیں۔

۱۸ اگست نمائش کا آخری دن تھا۔ اور یہ دن خواتین اور لڑکیوں کے لئے وقف تھا۔ تقریباً ۶۰ سرکاری اور امدادی سکولوں کی لڑکیاں اس روز نمائش دیکھنے آئیں۔ ان کے علاوہ تقریباً دو ہزار لڑکیاں اور سینکڑوں خواندہ اور ناخواندہ خواتین نمائش دیکھنے آئیں۔

سری نگر کے تمام سکولوں اور نزدیک کے دیہاتی سکولوں نے باری باری اپنے بچوں کو نمائش میں بھیج دیا۔ اس طرح تقریباً ۲۰ ہزار طالب علموں کے لئے ممکن بنایا گیا۔ کہ وہ نمائش کو دیکھ سکیں۔ ہر گروہ کو مقرر کردہ اُستاد نمائش دکھانے جاتے تھے۔ جو اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ بچوں کو نمائش دیکھنے سے تعلیمی فایدہ ہو۔ نمائش دیکھنے والے اصحاب میں سے یورپین اور ہندوستانی حضرات وخواتین نے اظہار اطمینان کیا۔ اور اس کام کو سراہا۔ جو ریاست میں تعلیمی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے سلسلے میں کیا جا رہا ہے سری نگر میں بچوں کی کتابوں اور دستکاری کی یہ پہلی نمائش اس طرح کامیابی سے ختم ہوئی۔ جموں میں اسی قسم کی ایک شاندار تعلیمی نمائش مارچ ۱۹۴۴ء میں منعقد ہوئی تھی +

(ادارہ)

تعلیمی تجربات

ایک مفید تعلیمی منصوبہ

بسلسلہ ماہ ستمبر ۱۹۴۴ء

(۲)

۲۰ کیاریاں بالکل تیار ہیں تمام سبزی اپنے جوبن پر ہے۔ لیکن ان کے پودے ابھی بالکل ننھے اور نازک ہیں۔ طلباء ان کے دن شمار کرتے ہیں اور ہر طریقے سے ان کی نگہبانی کرتے ہیں نہ صرف سکول کے اوقات میں بچوں کو فارم کی فکر دامن گیر ہوتی ہے بلکہ سکول سے چھٹی ہو کر بچے اپنے گھروں میں بستے اور جزدان وغیرہ چھوڑ کر اپنی اپنی کیاریوں کی نلائی۔ گوڈائی اور آبپاشی کرنے کے لئے پھر آجاتے ہیں پانچ سات دن سے ندی کے پانی میں کمی واقع ہوئی ہے۔ اور بہت مدت سے آسمان سے کچھ پانی وغیرہ بھی نہیں برسا ہے۔ زمیندار لوگ پانی کی ایک ایک بوند کے لئے ترستے ہیں۔ اس خشک سالی کے عالم میں ہمارے بچوں کے فارم کے لئے پانی کہاں سے آتا۔ پودے جو کل سرسبز اور شاداب دکھائی دے رہے تھے پانی کے نہ ملنے سے کچھ کچھ مرجھانے شروع ہوئے ہیں بچے دیکھ کر بے چین ہو کر ہمارے پاس آکر پانی کے متعلق بات چیت کرتے ہیں اور ہم ان کو صبر کی تلقین کرتے ہیں۔

۳۰ آج پندرہ دن کی فصلی تعطیلات کے بعد مدرسہ پھر سے کھلا ہے ہمارے گاؤں کے بچے صبح و شام ان تعطیلات میں بھی بلا ناغہ کیاریوں کی نگرانی کے لئے آتے تھے۔ لیکن دور کے دیہات کے بچے اپنی کیاریوں کو ۱۵ دن کے بعد دیکھنے کے لئے بے تاب نظر آرہے تھے۔ چھٹیوں میں دو تین روز پہلے خوب پانی برسا اور سب لوگوں کی امیدیں اور آسیں پوری ہوگئیں۔ ہمارے بچے بھی خوش ہیں سب کے سب بہت مسرور دکھائی دے رہے ہیں آج واقعی کیاریوں کا سبزہ آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا کر رہا ہے۔

۳ آج بچوں کی کیاریوں میں مرچیں۔ ٹماٹر۔ بینگن۔ ساگ منڈی۔ بھٹے۔ کپاس اور لوبیا

تیار ہیں۔ اگرچہ ابھی تمام سبزی خام ہے لیکن اس کی کثرت دیکھ کر دل کی کلی کھل جاتی ہے سکول میں آتے ہی ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا۔ کہ "کچھ مرچوں کو طلبا سے چنوا کر اساتذہ اور سب بچوں کے سامنے لایا جائے۔" چنانچہ چھٹے گریڈ اور ساتویں گریڈ کے بچے اپنے قمیضوں کے دامنوں میں تھوڑی دیر کے بعد سیر سیر بھر مرچیں لے آئے۔ بچوں نے مرچیں لائیں اور سب اساتذہ کے سامنے برآمدے میں ایک میز پر رکھ دیں بچے آج اپنی کوششوں اور اُن کے نتائج پر بہت خوش تھے اُنہیں اس بات کا مشکل سے یقین آتا تھا کہ اُنہی کے نازک ہاتھوں نے ہی وہ مرچیں پیدا کی ہیں۔

سب مدرس تفریح کے وقت برآمدے میں جمع ہو گئے بچے بھی اپنے کمروں سے نکل آئے۔ اساتذہ نے اُن کی کارکردگی پر تحسین و آفرین کا اظہار کیا۔ ادھر اُدھر کی بات چیت کے بعد اساتذہ میں یہ طے پایا کہ ان مرچوں کو سب طلباء اور اساتذہ کے سامنے بولی پر نیلام کر دیا جائے۔ تا کہ بچے 'بولی' دینے کی حقیقت سے بھی واقف ہو جائیں۔ اور ساتھ ساتھ مرچیں بھی بک جائیں۔ طلبا کو برآمدے میں قطار در قطار بٹھایا گیا۔ اور مرچیں اُن کے سامنے میز پر رکھی گئیں۔ چپراسی نے بولی دینا شروع کی۔ اور "ان مرچوں کے واسطے بولو" پہلا فقرہ تھا جو بے ساختہ طور پر چپراسی کے منہ سے نکلا۔ محمد علی جماعت ہفتم نے بولی دینے میں پہل کی اور "ایک آنہ" کہہ کر چپ سادھ لی۔ اس پر ماسٹر رادھا کرشن جی نے "دو آنے" کہا۔ ماسٹر غلام حسین صاحب نے تین آنے تک بولی کو بڑھا دیا۔ اس کے بعد باقی اساتذہ اور بچوں نے زیادہ قیمت ہونے کے خیال سے چپ سادھ لی۔ چپراسی نے دو چار بار "اس کے واسطے بولو" کے فقرے کو دہرایا۔ لیکن کوئی بولی کو اس سے زیادہ نہ بڑھا سکا۔ اس کے فوراً بعد ہی ہیڈ ماسٹر صاحب کے ایما سے تین آنے کی بولی ماسٹر غلام حسین صاحب کے نام پر ختم ہوئی اور ماسٹر صاحب موصوف نے اپنے مرچوں کو سنبھال کر رومال میں گھر لے جانے کے لئے باندھا۔ جیب سے تین آنے کی نقدی نکال ماسٹر پریم ناتھ جی مدرس انچارج آفس کو داخل خزانہ کرنے کے لئے دے دی۔ جنہوں نے اس سرکاری نقدی کو ایک باضابطہ ریکارڈ میں درج فرمایا۔ انہوں نے ایک رجسٹر مرتب کیا ہے۔ جس میں وہ سبزیوں کی آمدنی کا ریکارڈ درج کرتے ہیں۔

۶ اپریل ۴۴ء آج ساتویں گریڈ کے بچوں نے بیان کیا۔ کہ ہماری کیاریوں میں جتنے بینگن اور ٹماٹر ہیں۔ اُن کو جمع کر کے اگلے روز کی طرح سب اساتذہ اور بچوں کے سامنے 'بولی' دلوائیں۔ تا کہ ہم لوگ بھی اپنی

اپنی کیاریوں کی سبزیوں کی قیمت اپنی کاپی میں درج کر کے اس بات پر فخر کریں۔ انہیں وعدہ دیا گیا کہ تفریحی مشاغل کے پیریڈ میں وہ بے شک بینگن اور ٹماٹر کو چن کر بولی دلوا سکتے ہیں۔ چنانچہ تفریحی مشاغل کا پیریڈ آن پہنچا۔ طلباء بینگن اور ٹماٹر کاٹنے کے لئے کیاریوں پر آئے۔ یہ دونوں سبزیاں جمع کر کے برآمدے میں میز پر لا رکھیں۔ تفریح کا وقت قریب آگیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے چپراسی کو زبانی ہدایت کی۔ کہ تمام اساتذہ اور بچے سکول کے برآمدے میں جمع ہوں۔ مدرس اور بچے برآمدے میں آئے۔ بولی شروع ہوئی۔ لیکن اب کی بار چپراسی سے بولی نہ دلوائی گئی۔ بلکہ گریڈ ہفتم کے ایک لڑکے غلام نبی نے بولی پکارنے کا ذمہ لیا۔ غلام نبی نے "اس کے واسطے بولو" کا فقرہ زبان سے نکالا۔ تو ماسٹر غلام رسول صاحب نے آٹھ آنے کہا غلام نبی آٹھ آنے، آٹھ آنے، پکارتا جاتا تھا کہ چھٹے گریڈ کے ایک بچے عبد الرحمان نے بارہ آنے کہا۔ غلام نبی بارہ آنے پکارتا گیا کہ اسی اثناء میں ماسٹر جانکی ناتھ جی نے ایک روپیہ کہا۔ بولی ماسٹر صاحب موصوف کے نام پر ختم ہوئی۔ طلباء یہ سماں دیکھ کر ہنس رہے تھے اور اساتذہ حیران تھے کہ آخر بچوں کی محنت ٹھکانے لگی۔ قارئین کو شاید پڑھ کر حیرت ہوگی کہ بینگن اور ٹماٹر تھوڑے۔ اور اس قدر ان کی قیمت کون ادا کر سکتا ہے میں تو یہ کہتا ہوں کہ بعد میں جب ان ٹماٹروں اور بینگنوں کے تولنے کے لئے ترازو اور باٹ لائے گئے۔ ان کا وزن ہوا۔ بازار کے نرخوں کا اندازہ لگایا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ خریدنے والا اچھے خاصے نفع میں تھا۔ اس دوران میں طلباء کو باٹ دکھائے گئے۔ ان سے مختلف اوزان کے متعلق عملی طور پر واقفیت بہم پہنچائی گئی۔ تولہ۔ ماشہ۔ چھٹانک پاؤ۔ سیر۔ من۔ خروار کے متعلق جو باتیں مربوط ہو سکتی تھیں سب آگئیں۔ خروار اور من کے گر سکھائے گئے۔ سبزیوں کی اقسام کا ذکر ہوا۔ آلو۔ گنڈے۔ ٹماٹر۔ بینگن۔ شلغم۔ کدو۔ کریلے۔ ساگ۔ ندرو۔ گاجر وغیرہ کا ذکر ہوا۔ ان کے لئے زمین۔ ان کے لئے کھاد۔ کھاد کی اقسام۔ مختلف سبزیوں کے نرخ۔ موجودہ نرخوں کی بحث۔ کشمیر کی سبزیاں۔ سبزیوں کے فوائد۔ وٹامنز کا ذکر۔ کشمیر کے میوے۔ ان کی دوسرے ممالک میں مانگ۔ ان کی برآمد۔ ذرائع آمد و رفت۔ موٹر۔ لاری۔ بیل گاڑی۔ موجودہ ذرائع آمد و رفت۔ پرانے زمانے کے ذرائع آمد و رفت۔ پرانے زمانے کی ڈاک رسانی کے طریقے۔ اُس زمانے کی زندگی کی دھیمی رفتار۔ اس زمانے کی تیز رفتاری۔ ہر دو زمانوں کا سماجی۔ اقتصادی۔ معاشرتی لحاظ سے آپس میں مقابلہ سائینس کی حیرت انگیز ایجادات کا پورا پورا ذکر ہوا۔

۸ ۵/۲۰۱ آج سکول کھلنے کے ساتھ ہی بچوں نے راج ماش کی لوبھیاں جمع کرنے کے لئے اصرار کیا۔ تفریحی مشاغل کے پیریڈ میں پانچویں گریڈ کو لوبھیاں جمع کرنے کے لئے باہر نکالا گیا۔ چنانچہ جب اُن کا یہ پیریڈ تھا راقم کا گھنٹہ اُس وقت خالی تھا۔ طلباء لوبھیاں چننے لگے۔ آدھ گھنٹے تک یہ کام جاری رہا۔ دوران کام میں اُن کو موٹھی۔ مونگ۔ ماش۔ چنا۔ راج ماش۔ مسور۔ کلتھی اور دیگر دالوں کی جملہ اقسام کی واقفیت دی گئی۔ اِن کی پیداوار کے لئے زمین۔ اِن کے لئے آب و ہوا کی ضرورت۔ دالوں کی بحث بطور غذا۔ اِس میں حیاتین کی موجودگی۔ حیاتین کی ضرورت انسانی بقا کے لئے۔ سبزیاں۔ دالیں۔ انڈے۔ گوشت۔ مکھن۔ چاول۔ گندم کی روٹی، دودھ اور دیگر غذائیں۔ اِن کی خصوصیات۔ اعضائے ہاضمہ کا بیان۔ دوران خون۔ دل۔ جگر۔ معدہ۔ گردے۔ اِن کا کام۔ کھانے کے اوقات میں پابندی۔ کم کھانے کے فوائد۔ زیادہ کھانے کے مضرات۔ زود ہضم اور دیر ہضم غذائیں۔ کھانے کا اچھی طرح سے چبانا۔ دانت اور اُن کی حفاظت۔ مسواک کے فائدے۔ روزانہ داتن کرنے کی تلقین۔

۹ ۵/۲۰۱ آج سکول لگنے سے آدھ گھنٹہ پیشتر ہی سب اساتذہ سکول میں وارد ہوئے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کہہ سنا کر بچوں کے فارم کا موضوع سامنے آیا۔ جس پر تبادلۂ خیالات ہونے لگا۔ ماسٹر غلام رسول صاحب نے ایک تجویز پیش کی کہ کیوں نہ آج تفریح کے گھنٹے میں بچوں کو ٹھیکہ اور اس کے متعلقات سے متعلق واقفیت بہم پہنچائی جائے۔ اور سبزی کی فروخت مرکزی خیال ہو۔" ہیڈ ماسٹر صاحب بولے وہ کیسے ؟ غلام رسول صاحب نے جواباً کہا کہ مکی تیار ہے اور جن کیاریوں میں مکی بوئی گئی ہے اُن کو اسی طرح ٹھیکہ پر دئے جانے کا سوال سب اساتذہ اور بچوں کے سامنے چھیڑا جائے۔ چنانچہ تجویز قابل تعریف تھی۔ کیونکہ بچے عملی طور پر ٹھیکہ اور ہماری ساری باتوں کے نشیب و فراز سے قدرتی طور پر واقف ہو سکتے تھے۔ اس لئے جب مقررہ وقت آیا۔ تو سب بچوں کو برآمدے میں جمع کیا گیا اور کہا۔ بچو! ہمارے فارم میں مکی کی تین کیاریاں ہیں۔ یہ تمہارے نازک ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اِن کو ہم لوگ ایک ہی دفعہ نہیں کاٹیں گے۔ البتہ اگر آپ اور ہم میں سے کوئی صاحب ان کو آج سے ہی ٹھیکہ پر لینے کا خواہاں ہو۔ وہ لے سکتا ہے۔ اور بعد میں اپنی مرضی کے مطابق اس کو جس وقت چاہے کاٹ سکتا ہے بچوں کو سمجھایا۔ کہ ٹھیکہ کیا ہوتا ہے۔ اور بڑے بڑے ٹھیکہ دار لوگ کس طرح ٹھیکہ جات کو اپنے حق میں منظور کروانے کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر بولی دیتے ہیں۔ جنگلات کے ٹھیکہ جات۔ سڑکوں کے ٹھیکہ جات۔

پلوں کے ٹھیکہ جات اور سرکاری عمارات کے ٹھیکے۔ پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ۔ سڑک اور اس کی آمدنی۔ اس کی مرمت۔ جہلم ویلی روڈ۔ اس کے دونوں طرف سفیدے کے قد آور درخت۔ سفیدے کی لکڑی اس کے فوائد۔ میچس فیکٹری۔ بارہمولہ کی اہمیت۔ وہاں کی میچس فیکٹری۔ لکڑی چیرنے کے کارخانے۔ بچے بچوں کو سمجھایا۔ کہ ٹینڈر کس طرح دیئے جاتے ہیں۔ اپنے سکول میں سامان کے لئے ٹینڈر دینے کا حال۔ ٹھیکہ لینے کے لئے کچھ رقم بطور ایڈوانس داخل کرنے کا ذکر۔ ٹھیکہ جات کا بعض اوقات بے انتہا نفع اور بعض اوقات بے پایاں نقصان۔ یہ باتیں سمجھائی گئیں۔ اور پھر مکی کا پلاٹ ٹھیکہ پر دیئے جانے کا سوال درپیش ہوا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب بولے "کہئے ان مکی کے پلاٹوں کے لئے کون ٹھیکہ دار ٹھیکہ پر لے سکتا ہے۔ ایک کونے سے عبدالرحمان نے ایک روپیہ کہا۔ اور اس کے بعد محمد رمضان جماعت ششم نے ایک روپیہ آٹھ آنے کہا۔ فیروز الدین جماعت ہفتم نے ایک روپیہ نو آنے" کہا۔ اساتذہ اور بچے جو بولی دینے کے خواہش مند دکھائی دیتے تھے کبھی پلاٹ کی طرف نگاہیں ڈالتے تھے۔ اور کبھی چپراسی کی طرف جو "بولی" پکار رہا تھا۔ تھوڑی دیر نہ گذرنے پائی تھی کہ ماسٹر رادھا کرشن صاحب نے "ایک روپیہ دس آنے" کہا۔ چپراسی پانچ منٹ تک "ایک روپیہ دس آنے" پکارتا رہا۔ لیکن اساتذہ اور بچوں میں سے گھاٹے کے خیال سے اس سے بڑھ کر کوئی "بولی" دینے کی جرات نہ کر سکا۔ آخر ٹھیکہ ماسٹر صاحب کے نام پر دیا گیا۔ ماسٹر صاحب کا خیال تھا کہ وہ گھاٹے میں رہے۔ لیکن ٹھیکہ لینے کے تین یوم بعد جب ماسٹر صاحب نے مکی کاٹ لی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے پولے بنائے۔ فروخت کرنے کے لئے سڑک پر رکھ لی۔ اور تانگہ بانوں سے پونے تین روپیہ کی نقدی وصول کر لی۔ تب جا کر انہیں معلوم ہوا کہ اس میں دوگنا فایدہ ہوا۔ تمام لڑکوں کو اس بات سے آگاہ کیا گیا۔

۲۶/۹/۴۴ آج جناب ناظم تعلیمات ہمارے سکول میں معائنہ فرمانے کے لئے تشریف فرما ہوئے سکول وغیرہ کا ملاحظہ فرمانے کے بعد جب آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو باہر تشریف لاتے وقت آپ نے بچوں کے فارم کا بھی ملاحظہ فرمایا۔ آپ نے اس کی آبپاشی کے وسائل کے متعلق استفسار فرمایا۔ اس کی آبیاری کا ذریعہ معلوم کرنے کے بعد آپ نے اس فارم کو ہر رنگ میں مزید توسیع دینے کی ہدایات دیں۔ جو نہایت مفید اور کارآمد تھیں۔ آپ نے سکول کی چار دیواری کا بھی بہ نفس نفیس ملاحظہ فرمایا۔ نیز آپ نے اس نوٹ بک کا بھی ملاحظہ فرمایا جس میں اس منصوبے کے اندراجات درج تھے۔

۱۶ ستمبر آج تفریحی مشاغل کے پیریڈ میں ہر ایک گریڈ کے بچوں نے اپنے اپنے وقت پر کیاریوں کی آبپاشی کی۔ آج بھی سبزیاں پورے جوبن پر ہیں۔ آج تک فارم کی آمدنی پونے چار روپیہ کے لگ بھگ ہے۔ گو فارم کا پلاٹ زیادہ بڑا نہیں۔ تاہم بچوں کی ان تھک محنت کا نتیجہ ہے کہ اس قدر آمدنی ہوئی۔ اور آئندہ بھی ہونے کی توقع ہے۔ آمدنی اور فارم پر بچوں کے سیکھے ہوئے اسباق اور عمل کا باضابطہ ریکارڈ روزانہ درج ہوتا رہتا ہے۔ اس منصوبے کے عملی اسباق کبھی ختم ہونے میں نہ آئیں گے اس لئے کہ اس میں علم و عمل کے بھرپور خزانے موجود ہیں۔

سید محمد رضوی
بیسک سکول دلنہ

تعلیمی مضامین

بچوں کی تقدیر والدین کے ہاتھ ہے

بچوں کی زندگی کا ابتدائی اور قیمتی زمانہ والدین کی نگرانی میں گزرتا ہے۔ یہ وُہ نازک دَور ہے۔ جس میں بچے وُہی کچھ بن سکتے ہیں جو اُن کے والدین چاہتے ہیں۔ اصل میں والدین ہی دُنیا میں بہترین آدمی اور بہترین قسمتیں پیدا کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اپنی اِس اہم ذمہ داری کو محسوس کریں۔ وُہ والدین جو اپنے اندر اِس ذمہ داری کا احساس پیدا نہیں کرتے۔ اور اپنے دماغوں سے بچوں کی درست تربیت کرنے کا کام نہیں لیتے۔ اُن کی اولاد عام طور پر بزدل۔ وہم پرست۔ ضدی۔ جاہل اور دوسروں کی محتاج ہُوا کرتی ہے۔ اُن میں انسانی صفات اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہونے کے برابر پائی جاتی ہے وُہ قدم قدم پر زندگی سے بیزار نظر آتے ہیں اور آگے جا کر زندگی کے کھیل میں بازی ہار بیٹھتے ہیں۔ جس کا الزام "تقدیر" کے سر تھوپتے ہیں۔ حالانکہ تقدیر کا اِس میں نہ دخل ہے نہ قصور! قصور ہے۔ تو والدین کا ہے جو فرض ناشناس بن کر اپنے بچوں کی تقدیر خود بگاڑ لیتے ہیں۔

بچے چھٹپن میں اپنے والدین کی ہر حرکت کی نقل کرتے ہیں۔ اُن کے چال چلن، طرزِ گفتگو، نشست و برخاست، اخلاق اور عادات کا عکس دن بدن بچوں میں گہرا ہوتا جاتا ہے۔ اِس دَور میں بچے اپنے سامنے پڑی ہوئی اشیاء اور گزرتے ہوئے واقعات کا نفع و نقصان، اور اچھائی اور بُرائی معلوم کرنے کے اہل نہیں ہوتے ہیں۔ ایک بچہ اپنے سامنے دیکھتے ہوئے سُرخ انگارے کو خوبصورت کھلونا سمجھ کر ہاتھ میں اُٹھا لینے کو دوڑتا ہے ایسے موقعوں پر والدین ہی بچوں کو اچھائی اور بُرائی سے آگاہ اور خطرے سے باہر کر سکتے ہیں۔ اور اپنی بروقت اور مناسب نگرانی اور اچھی تربیت سے ان میں اچھی عادات و صفات پیدا کر سکتے ہیں۔

اچھی تربیت سے مُراد یہ نہیں۔ کہ بچوں کو مکلف خوراک کھلائی جائے۔ قیمتی کپڑے پہنائے جائیں۔

یا مدرسے تک کتابیں اٹھانے کے لئے نوکر اور گھر پر پڑھانے کے لئے بڑی تنخواہوں والے استاد رکھے جاتے ہیں۔ اکثر دفعہ دیکھا گیا ہے۔ کہ بچے اس قسم کی سہولتیں رکھتے ہوئے بھی آئندہ زندگی میں بودے اور نکمے ثابت ہوتے۔ اچھی تربیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ انہیں سچ بولنے اور صاف و پاک رہنے کا عادی بنایا جائے اپنے بزرگوں، ہمسایوں اور پڑوسیوں کی عزت کرنا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ محبت اور رواداری سے پیش آنا سکھایا جائے۔ انہیں محنت و مشقت کرنے کی طرف راغب کیا جائے۔ ان کے فکر و نظر کو آزاد چھوڑ کر انہیں درست رائے قائم کرنے اور دور رس نگاہ پیدا کرنے کے قابل بنایا جائے۔ ان میں خودداری اور ذاتی اعتماد کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ اور زیادہ احتیاط اس بارے میں کی جائے۔ کہ ان میں خوف۔ بزدلی اور وہم پیدا نہ ہونے پائے۔ کیونکہ یہ چیزیں دیمک کی طرح زندگی کو چاٹ جاتی ہیں۔

بچے بہت سی کار آمد اور مفید قوتیں ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن خوف۔ بزدلی اور وہم لے کر نہیں آتے یہ قباحتیں والدین اُن میں خود پیدا کرتے ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب بچے گھر میں شرارتیں کرتے ہیں تو انہیں یہ کہہ کر کہ "چپ رہو۔ ورنہ ابھی مدرسے بھیج دیں گے" "وہ دیکھو بلی آئی ابھی تمہیں کھا جائیگی" ڈرایا جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی "ماسٹر جی" کو ہوا بنا کر روتے ہوئے بچوں کو چپ کرایا جاتا ہے "مدرسے" "بلی" اور "ماسٹر جی" کا نام سن کر ہی بچے اپنے سامنے ہولناک بلاؤں کی ڈراؤنی تصویریں پھرتے دیکھ کر لرز اٹھتے ہیں۔ یہ والدین کی پہلی حماقت ہے۔ جو وقتی طور پر بچوں کو خاموش کرانے کے لئے ان میں ہمیشہ کے لئے خوف، بزدلی اور وہم پیدا کر دیتی ہے۔ ایسے بچے مدرسے جانے سے بچے مدرسے کے خوفناک تصور سے اور راستہ چلتے ہوئے درخت، کتے۔ بلی وغیرہ کے نام سے کانپ اٹھتے ہیں۔ شام کو چھپے ہیں گھر کی دہلیز سے قدم باہر نہیں رکھ سکتے۔ ایسے بچے زندگی میں کیا بن جائینگے؟ آپ اس کا خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان میں بہادری اور مشکلات کا سامنا کرنے کی کوئی اہلیت باقی نہیں رہتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ ان کی نامکمل زندگی ناکارہ بن جاتی ہے جس کے ذمہ وار صرف ان کے والدین ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح اکثر والدین اپنے بچوں کی ہر بات اور ہر کام میں اپنے خیالات، اور اپنے فیصلے ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ اپنے ذہنی معیار سے ان کے ذہن کو ناپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کے زاویہ نظر کو اپنے زاویۂ نظر سے بدلنا چاہتے ہیں۔ والدین کی اس غیر قدرتی حرکت سے بچے اپنے ضمیر، دماغ اور خیالات کی آزادی کھو بیٹھتے ہیں۔ وہ دوسروں کے دماغ، افکار اور عادات کے غلام بن جاتے ہیں۔ اُن کی یہ غلامی تدریجی طور

ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ بڑے ہو کر بے جا رسوم دقیانوسی اوہام اور دوسروں کے خیالات کا غلام ہو کر ایک "مجبور زندگی" گزارتے ہیں۔ اگر زندگی "حرکت" اور "آزادئ فکر و نظر" کا نام ہے۔ تو ان کی زندگی زندگی کہلانے کی مستحق نہیں۔

بچوں کی زندگی کو ناکام بنانے میں "احساس کمتری" کا بھی زبردست دخل ہے۔ اور یہ بچوں میں بار بار کی ڈانٹ چھانٹ۔ جھڑکنے اور توہین کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ تنگ دل اور کوتاہ نظر والدین اپنے بچوں کو بات بات پر جسمانی سزائیں دیتے ہیں۔ ڈانٹ ڈپٹ بتاتے ہیں ان کو جھڑکتے اور ان کی بے عزتی کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت کا نہ لحاظ کرتے ہیں نہ احترام۔ بچے یہ مار پیٹ۔ یہ بے عزتی۔ یہ توہین سہہ لیتے ہیں۔ جس سے ان کے والدین یہ سمجھتے ہیں۔ کہ بچے سدھر گئے۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر رہتے ہیں۔ کہ ان کے بچوں کی شخصیت آہستہ آہستہ فنا ہو رہی ہے۔ وہ غریب اپنی نگاہوں میں آپ ذلیل ہوتے جاتے ہیں۔ ان میں شکست کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ پوری طرح "احساس کمتری" کی زد میں آکر زندگی کے اصلی جوہر یعنی خودداری سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

غرض جو والدین اپنے بچوں میں ڈرا کر، دھمکا کر، سزا دیکر، شرمندہ اور ذلیل کرکے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ ان میں اچھے اخلاق پیدا کرنے، اور ان کی اچھی تربیت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ مغالطہ میں۔ وہ دراصل نئی نسل میں خوف۔ وہم۔ احساس کمتری۔ جذبات شکست اور غلامانہ عادات پیدا کرکے زندگی کے بڑھتے ہوئے کارواں کی چال میں سستی وہ پیدا کر رہے ہیں۔ وہ ننگی، بھوکی، مفلس، ناکام اور ذلیل زندگیوں کو جنم دیتے ہیں۔ جو قدم قدم پر چیختی، چلاتی، روتی اور سسکتی نظر آتی ہیں جو ہر راہگذر کے سامنے دست سوال بڑھا کر بھک منگوں کی صورت اختیار کرتی ہیں۔ اس قسم کے کوتہ اندیش والدین اپنے بچوں کے ساتھ ملک کی تقدیر بھی بگاڑتے ہیں۔

برعکس اس کے جن بچوں کو والدین شروع ہی سے نڈر۔ بے باک اور آزاد رہنا سکھاتے ہیں۔ جن کے ضمیر اور دماغ کو سوچنے اور سمجھنے کی آزادی دی جاتی ہے۔ جنہیں اپنے بڑوں کی تعظیم ہمعصروں سے محبت اور چھوٹوں پہ شفقت کرنا سکھایا جاتا ہے۔ مساوات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جنہیں سچائی، صفائی شرافت اور خلوص کو اپنا مطمح نظر بنانے کا عادی بنایا جاتا ہے۔ اپنے گرد و پیش کے حالات کا جایزہ لینے کے لئے آزادی دی جاتی ہے۔ اپنے رجحانات اور نقطہ نظر کے اظہار کا موقع دیا جاتا ہے جنہیں غلطیوں

پر خواہ مخواہ سزا نہیں دی جاتی۔ توہین نہیں کی جاتی ہے بلکہ ان کی شخصیت کا احترام کرتے ہوئے خندہ پیشانی سے مناسب اصلاح کی جاتی ہے۔ جنہیں مدرسے اور اُستاد سے نہیں ڈرایا جاتا۔ جن میں خوف وہم اور مجبوری کا احساس پیدا نہیں کیا جاتا۔ اور جنہیں ابتدا ہی سے مشکلات کا مقابلہ کرنے اور اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ وُہی کارزارِ زندگی میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اُن کی دُنیا میں آزادی اور خوشحالی پائی جاتی ہے وہاں ہر شخص اپنے حال میں خوش دکھائی دیتا ہے۔ کوئی کسی کا دست نگر نہیں ہوتا۔ ان خوش نصیب انسانوں کی تقدیر بلند اور شاندار بنانے والے ان کے والدین ہُوا کرتے ہیں۔

غرض والدین اپنے بچوں کی زندگی کے معمار ہیں۔ وہ جیسی زندگیاں چاہیں بنا سکتے ہیں۔ جس سانچے میں چاہیں ڈھال سکتے ہیں اور اس کا بہترین وقت بچوں کا زمانہ طفولیت ہے۔ جب والدین کو اس بات کا علم ہو جائے۔ کہ بچوں کی تقدیر کیا ساری دُنیا کی تقدیر اُن کے ہاتھ ہے۔ تو انہیں بچوں کی اچھی تربیت کرنے کے فرائض نہایت باریک بینی مستعدی اور ہوشیاری سے انجام دینے چاہیں۔ آنے والی نسل اور کل کی بننے والی قوم کی قسمت کا بننا اور بگڑنا والدین کی عقل و دانش پر منحصر ہے۔

اکثر لوگوں کو یہ کہتے سُنا گیا ہے کہ " اچھی تربیت کے لئے دولت اور سرمایہ کی ضرورت ہے۔ لیکن دُنیا نے آج تک جو مفکر، موجد، اہل قلم، سائنسدان، سیاستدان، عالم اور مُدبر پیدا کرلئے۔ ان میں سے اکثر امیر گھرانوں میں نہیں بلکہ غریب گھروں میں پیدا ہوئے۔ وہ اگرچہ مادی ضروریات کے لحاظ سے تنگ رہے۔ لیکن اُن کے والدین نے اُن کی درست تربیت کرنے اور ذہنی ضروریات فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا +

حسین علی انصاری

استاد زبان

ٹیچرز ٹریننگ سکول سری نگر

(۲)

مدرسہ میں بدنی سزا نہیں ہونی چاہئے

بدنی سزا کے موضوع پر بہت بحث مباحثے ہو چکے ہیں اور ماہرین تعلیم اس اصلاحی تجویز کے متعلق متضاد رائے رکھتے ہیں اس معاملے ست عموماً مراد بید لگانا ہی لیا جاتا ہے اس لئے یہ ضروری امر ہے۔ کہ ہم بنیادی اصولوں کو جن پر اس کا دارومدار ہے اچھی طرح سے سمجھ لیں۔

نفسیات سزا (Psychology of Punishment) سزا اور انعام دو جذبے ہیں ایک منفی اور دوسرا مثبت۔ جزا بلحاظ نفسیات مطلوبہ عادات کے پیدا کرنے کا ایک بہتر ذریعہ ہے لیکن اول الذکر کاروباری دنیا ہو یا ہمارے چال چلن کو بنانے میں زیادہ موثر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک آدمی معمولی حیثیت سے رہ کر انعام حاصل کرنے کا خواہشمند نہیں ہوتا ہے۔ لیکن سزا سے بچنا چاہتا ہے ایک منظم حکومت میں کسی کو انعام نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ اس نے دوسرے شخص کی جسم و مال کی عزت کی ہے یا چلن کی اور دیانت داری سے کام لیا ہے۔ جس کی ہر ایک آدمی سے توقع کی جاتی ہے لیکن اس معیار سے بوجہ مار پیٹ یا چوری کر لینے سے سزا ملتی ہے۔ اس لئے سلوک کی دنیا میں۔ ریاست یا حکومت کی طرح سزائیں انعام سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔

سزا کا مقصد (Purpose of Punishment) سزا کی کیا غرض ہے؟ اس سوال کے مختلف جواب ہیں۔ مگر ایک جواب جو ہمیں زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے یہ ہے:- کہ مجرم نے قصور کیا ہے اور قصور کی سزا ملنی چاہئے۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ دانت کے بدلے دانت۔ مجرم کو اتنی ہی تکلیف برداشت کرنی چاہئے۔ جتنی کہ اس نے اس شخص کو دی جس پر اس نے سختی کی ہے لیکن جذبہ انتقام ایک کینہ اور خود غرضانہ فعل ہے اس حالت میں عموماً جرم کے مطابق سزا نہیں ہوتی۔ اور غصہ کی حالت میں زیادہ سزا دی جاتی ہے اس انتقامی مقصد کی وجہ سے سکول میں سزا کی ضرورت نہیں ہے اور استاد جو سزا دیتا ہے اس کا مقصد محض بدلے سے مختلف ہونا چاہئے۔

(۲) سزا کا دوسرا مقصد ہے کہ مجرم محسوس کرے کہ قانون اور قواعد سے توڑے نہیں جا سکتے ہیں۔ اگر قانون شکنی کی جائے۔ تو قانون اپنی عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے مجرم کو سزا دیتا ہے۔

(۳) سزا کا ایک اور مقصد مجرم کو جرم سے دوبارہ مرتکب ہونے سے روکنا ہے اور دوسرے اشخاص کو نقصان سے بچانا ہے۔

(۴) لیکن سزا کا صحیح نظریہ یہ ہے کہ یہ مجرم کو درست کرنے کا ایک ذریعہ ہے ضروری شرط یہ ہے کہ سزا مجرم کی اصلاح میں مدد کرے۔ اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب مجرم اپنے قصور کو مانتا ہے۔ اور اپنے کئے پر نادم ہوتا ہے اور ایسا ارادہ کرتا ہے کہ وہ کبھی جرم کا مرتکب نہ ہوگا۔ عام طور پر سزائیں جن سے افسوس اور شرم پیدا ہو۔ بڑی عمر کے بچوں کے لئے زیادہ موثر ثابت ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان میں جذبۂ خودداری پیدا ہوا ہوتا ہے پرانے طریقہ تعلیم میں سزا کے مندرجہ بالا مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے بدنی سزا کو ایک ذریعہ تعلیم خیال کیا جاتا تھا۔ مگر دور ماہرین نفسیات اور تعلیم بدنی سزا کو ایک اصلاحی درسی ذریعہ ماننے سے انکار کرتے ہیں

(۱) ان کی رائے میں درد قوت (Energy) کی زیادہ مقدار کو ضایع کر دیتا ہے۔ اور ہمارے نظام اعصاب (Nervous System) کو کمزور کر دیتا ہے درد فطرتاً ایک عیب ہے اور اس کا استعمال ہمارے دل پر بہت برا اثر پیدا کرتا ہے - اس لئے بدنی سزا ان بچوں کے لئے خاص طور پر نامناسب ہے جو جسمانی لحاظ سے کمزور ہوں۔ اور جن کی طبیعت جوشیلی ہو- اور اس کا استعمال ان بچوں کے ساتھ جو ناز و نعمت میں پلے ہوں۔ اور بہتر طریقوں سے متاثر ہو سکتے ہوں۔ ایک ظلم ہے۔

(۲) بدنی سزا بچوں کو سرکش بنا دیتی ہے اگر ہم اس کی وجہ اُن پر واضح طور پر روشن نہ کر دیں۔ اور اگر اس کے ساتھ جذبہ ناانصافی بھی شامل ہو جائے۔ تو مدرس کے لئے یہ جذبہ نفرت پیدا کر دیتی ہے مدرس بچوں کے اعتماد کو کھو بیٹھتا ہے اور بچوں کے چال چلن سنوارنے کے مشن میں ناکامیاب رہتا ہے۔

(۳) بدنی سزا بچوں کو چڑ چڑا بنا دیتی ہے اور آخر کار اُن کی طبیعت آتشی بن جاتی ہے۔

(۴) بدنی سزا بچوں میں غلاموں کا سا خوف وہراس پیدا کر دیتی ہے۔ بچے ڈرپوک و بزدل ہو جاتے ہیں۔ جس قوم کے نونہال بزدل ہوں۔ وہ قوم دنیا کی زندہ قوموں کی صف میں شمار نہیں ہو سکتی۔ اور اس کا مستقبل مایوس کن ہوتا ہے۔ اور آخر کار وہ صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔ موجودہ طریقہ تعلیم غلامانہ ذہنیت پیدا کرنے کی وجہ سے بہت بدنام ہے۔ یہ امر نہایت نامناسب ہے کہ بچوں کو درد کے نظاروں سے آشنا کیا جائے۔ اس سے ان کی طبائع سخت ہو جاتی ہیں اور اُن میں ہمدردی کا جذبہ کم ہو جاتا ہے

استاد کو چاہئے کہ بچوں کو قدرت کے خوبصورت مناظر کا مشاہدہ کرائے۔ (Words worth) انگلستان کا مشہور شاعر لکھتا ہے کہ قدرت بہت اچھے طریقے سے ہمیں تعلیم دے سکتی ہے قدرت کے مناظر کا بچوں کے دل پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے استاد کو چاہئے کہ بدنی سزا سے پرہیز کرے۔ اس لئے استاد کو چاہئے ضبط کا مدار اس بات پر ہے کہ ایسے طریقوں سے بچوں پر حکومت کی جائے کہ وہ بالکل محسوس نہ کریں۔ اس لئے (No Corporal punishment) بدنی سزا بالکل نہ ہو۔ ایک معیار ہونا چاہئے جس کو حاصل کرنے کے لئے ہر استاد کو کوشش کرنی چاہئے۔ جس قدر اس سزا سے پرہیز کیا جائیگا۔ اتنا ہی بہتر ہوگا۔ اور اس کی منسوخی اساتذہ کی طرف سے ہونی چاہئے۔ موجودہ وقت میں باقاعدہ تحریک جاری ہو گئی ہے کہ اس کو منسوخ کیا جائے۔ انگلستان۔ جرمنی اور امریکہ (U.S.A.) کی بعض ریاستوں میں بدنی سزا جائز سمجھی جاتی ہے لیکن اٹلی اور مشرقی ممالک چین۔ جاپان۔ مصر اور ٹرکی میں اس کو خلاف قانون قرار دیا گیا ہے۔

مدرسہ میں استاد کا درجہ ایک مشفق رہنما کا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ طلبا کی سیکھنے میں مدد کرے۔ اور ان کی مشکلات کو دور کرے۔ اس کے عوض وہ طلبا کی فرمانبرداری اور اعتماد حاصل کر سکتا ہے۔ یہ پروگرام طلبا کو پسند ہے اور وہ اس استاد کے کام کو پسند کرتے ہیں جو اس پروگرام پر عمل کرتا ہے پس ہمیں معلوم ہوا کہ بدنی سزا کا کوئی اخلاقی اثر نہیں ہے اس کے اثرات صرف منفی ہیں۔ اگر ہم ضبط کو برقرار رکھنے کے لئے صرف بدنی سزا پر بھروسہ رکھیں گے۔ تو مندرجہ ذیل ناتسلی بخش نتائج پیدا ہوں گے۔

(۱) کچھ لڑکے بالکل ہٹ دھرم ہو جائیں گے۔ (۲) کچھ چالاک اور فریبی ہو جائیں گے۔ (۳) کچھ بالکل مایوس اور پست ہمت ہو جائیں گے۔ ان کے لئے سزا اصلاح اور ترقی میں رکاوٹ پیدا کریگی۔ ان برے نتائج کو دور کرنے کے لئے ہمیں بدنی سزا سے زیادہ اخلاقی طریقوں سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

(۱) استاد میں خوش مزاجی اور ذاتی کشش ہونی چاہئے۔ تاکہ وہ طلبا کی توجہ کو قائم رکھ سکے!

(۲) ہمدردی اور دلچسپی مدرسہ کے حفاظتی الفاظ (watch words) ہونے چاہئیں۔ یہ اصول موجودہ ماہرین نفسیات کے نظریہ کو ظاہر کرتے ہیں۔

(۳) ہمیں بچوں کو فطرتاً برا نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ ہمارا یہ نقطہ نگاہ ہونا چاہئے کہ ان کو خدا کا عکس بنایا گیا ہے ہمیں ان کو فرشتہ سمجھنا چاہئے۔ اور ان سے نہایت مہربانی سے سلوک کرنا چاہئے۔ محبت سے

محبت پیدا ہوتی ہے۔ اعتماد سے اعتماد بڑھتا ہے۔ وحشیانہ سلوک نفرت اور حکم عدولی کا جذبہ پیدا کرتا ہے دُنیا کے بڑے بڑے پیشوا (Educators) بھگوان کرشن۔ مہاتما بُدھ۔ عیسٰے مسیح حضرت محمدؐ صاحب محبت کا پیغام لائے۔ موجودہ وقت میں مہاتما گاندھی دُنیا کی ایک برگزیں ہستیوں میں سے ہیں اب بھی عدم تشدد کا پرچار کرتے ہیں۔

(۴) ہمیں بچوں کے لئے تو ذاتی اشتغال (Self activity) پیدا کرنے چاہئیں۔ اس سے ان میں تعاون اور خوشگوار تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔ بُنیادی مدارس (Basic Schools) میں مربوط اسباق ضبط کی ایک عمدہ مثال ہے بچے خود تجربات کرتے ہیں اور توجہ۔ دلچسپی اور ضبط قائم رکھتے ہیں۔

(۵) ہمیں بچوں کو انتظام مدرسہ میں ذمہ داری دینی چاہیئے۔ ذمہ داری سے جذبہ خود داری۔ خود ضبطی پیدا ہوتے ہیں وہ اسبات کو محسوس کرنے لگتے ہیں۔ کہ ضبط قدرت کا پہلا قانون ہے اور وہ ایسے کام کرنے سے باز رہتے ہیں جو ایک شریف آدمی کی شان کے خلاف ہوں۔

(۶) ہمارا ماٹو (Motto) بچوں کے ساتھ بلا لحاظ مذہب وملت وفاداری اور خدمت ہونا چاہیئے اس لئے ہمارے سکول خوف وہراس کی جگہ نہیں ہونے چاہئیں۔ بلکہ کلچر۔ صحت۔ خوشی اور سوسائٹی کی خدمت کے مراکز ہونے چاہئیں۔

اُستادوں سے اپیل

قوموں کی فلاح وبہبود ہمیشہ چوٹی سے (تعلیم یافتہ طبقہ) سے شروع ہوتی ہے اور بتدریج نیچے کی طرف پھیلتی جاتی ہے ریاست کا مستقبل استادوں کے ہاتھ میں ہے اس لئے ان سے پُرزور اپیل ہے۔ کہ وہ مطالعہ سے اپنے تجربہ کو وسیع اور دماغ کو روشن اور دِل کو نرم بنائیں تاکہ وہ ریاست سے جہالت کی تاریکی۔ بے علمی۔ توہم پرستی اور سوسائٹی کی طبقاتی منافرت کو دُور کرکے اپنے پیارے وطن کو صحیح معنوں میں کشمیر جنت نظیر بنادیں۔

پنڈت بیلی رام بڑہ
ٹیچرز ٹریننگ سکول جموں

کشمیر فرنٹیر کی تعلیم پر ایک سرسری نظر (۳)

کشمیر فرنٹیر زندگی کی ہر دوڑ میں دیگر اقوام سے پیچھے رہا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ تعلیمی پستی ہے مڈل سکولوں میں تو اب تعلیمی چرچے بلند ہونے لگے ہیں۔ مگر پرائمری سکولوں کی حالت اب بھی ناگفتہ بہ ہے۔ زمینیں قابل ہیں۔ مگر بارش رحمت نہیں۔ شمشیریں جوہر دار ہیں مگر زنگ آلود۔ نہ جانے ان "لاتنے پھٹے ہوئے کپڑوں" میں کتنے شکسپیر کتنے اقبال اور کتنے جواہر لال ہوئے ہوں گے۔ خشک پہاڑوں کی فلک بوس چار دیواریاں ہیں اور یہ روندے ہوئے مظلوم لوگ ہیں جن پر عناصر کا ظلم و ستم ہے اور زمانے کے نشیب و فراز سے یہ ناواقف لوگ، بعض فرض ناشناس حکام کی چیرہ دستیاں ہیں اور یہ بے زبان لوگ!

کشمیر فرنٹیر کو فلک بوس پہاڑوں کا ایک نہ ٹوٹنے والا سلسلہ تہذیب و تمدن سے منقطع کرتا ہے جس کے درے بہت دشوار گذار ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ لداخ۔ کرگل اور اسکردو میں تعلیمی خشک سالی کثرت سے پائی جاتی ہے فرنٹیر جانے والا راستہ چونکہ کوہ کندن و کاہ بر آوردن کے مترادف ہے اس لئے اسسٹنٹ انسپکٹر صاحبان بھی ایک زمانے میں معدود ہیں۔ چند سکولوں کا سرسری معائنہ جو بمشکل دو ماہ پر مشتمل ہوا کرتا تھا، فرمایا کرتے تھے اور بعض سکول ایسے بھی ہیں۔ جن کا معائنہ سمت ۱۹۹۷ تک کبھی کیا ہی نہیں گیا۔ بعض اسسٹنٹ انسپکٹر صاحبان مڈل سکولوں میں بیٹھ کر ہی دور دراز گوشوں کے پرائمری سکولوں کا معائنہ فرمایا کرتے تھے وہ یوں کہ مدرس کو لاگ بک سمیت بلا بھیجا۔ اور اسی مدرس کے بتائے ہوئے اعداد و شمار پر لاگ بک لکھ دیا۔ اندریں حالات فرنٹیر کی تعلیمی کشتی سمت ۱۹۹۷ تک برابر بے علاج رہی۔

فرنٹیر میں تعلیمی پستی کی وجوہات

(۱) مُلّا پرستی۔ فرنٹیر کے مُلّا تعلیم کو وہی زک پہنچا رہے ہیں جو ابتدائی دور میں سری نگر کے مُلّا پہنچا چکے ہیں۔ عوام کو یہ اپنے سحر سامری سے مسحور کر چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ موجودہ تعلیم پڑھنے سے طلبا بے دین،

ہو جاتے ہیں حالانکہ سکولوں میں عربی پڑھانے کے خاص انتظامات ہیں۔

(۲) بعض بد دیانت حکام کی بے رُخی بلکہ رخنہ اندازی۔ مفاد خصوصی کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسے حکام جن کا پبلک کے ساتھ بلا واسطہ تعلق ہے تعلیم کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے رہتے ہیں۔ وہ صرف یہی چاہتے ہیں کہ عوام جہالت اور فلاکت کے شکار ہوں۔ محکمہ تعلیم کے افسروں کی پبلک کی نظر میں اتنی وقعت نہیں۔ جتنی ایک پٹواری یا کانسٹیبل کی ہے۔ بات یہ ہے کہ محکمہ تعلیم کے حکام کے پاس تہذیب، خلق نرمی اور عجز و انکسار ہے۔ لیکن فرنٹیئر میں اس کی مانگ نہیں۔ وہاں جبر اور تشدد سے کام لیا جاتا ہے اور محکمہ تعلیم والوں کو اسی کے خلاف جہاد کرنا ہے اس لئے افسران تعلیم کو قدم قدم پر رکاوٹوں اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور جس وقت بد دیانت حکام دیکھ لیں گے۔ کہ یہاں تعلیمی بیداری ہو رہی ہے اور ان کے مفاد خصوصی متزلزل ہو رہے ہیں۔ تو وہ شاید مدرسین کے خلاف طرح طرح کا پروپیگنڈا کریں گے۔

بہت عرصہ پہلے ایک اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز کو فرنٹیئر میں ایک ندی پار کرنی تھی۔ پل نہ تھا۔ لوگ انسپکٹر کا نام سُن کر جوق در جوق چلے آئے۔ اور ایک آدمی نے اس کو کندھے پر سوار کیا۔ اور ندی پار کرنے لگا۔ راستے میں جس وقت اس شخص کو پوچھنے پر معلوم ہوا۔ کہ وہ محکمہ تعلیم کا انسپکٹر ہے تو اس شخص کو اپنی حماقت پر غصہ آیا۔ بلکہ روایت یہ ہے کہ وہ انسپکٹر صاحب کو ندی ہی میں چھوڑنے لگا تھا!

(۳) سرمایہ داروں کی چالیں۔ گنتی کے کچھ سرمایہ دار بھی تعلیمی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکاتے رہتے ہیں۔ اُن کا نصب العین بھی یہی ہے کہ عوام خواب غفلت سے بیدار نہ ہوں۔ اس لئے یہ بھی تعلیم پھیلنے نہیں دیتے۔

(۴) اُستادوں کی کم علمی، جہالت اور تعلیم کے حقیقی مفہوم سے ناواقفیت، اکثر مدرسین کو مڈل پاس مڈل کے بجائے اگر "قصہ پاس" کہا جائے تو بہتر ہے کہ بعض اُستاد بمشکل معمولی نوشت و خواند کر سکتے ہیں۔ اردو گرامر کو انہوں نے قطعاً جلا وطن کر دیا ہے گفتگو میں گرامر کی غلطیاں عام ہیں پنڈت ... اسسٹنٹ انسپکٹر فرنٹیئر ڈویژن نے اس طرف خصوصیت سے توجہ فرمائی تھی۔ انہوں نے ایک سرکلر جاری کیا تھا۔ جس کی رُو سے ہر تحصیل کے پرائمری سکولوں کے مدرسین ہفتہ وار اپنے مضامین لکھ کر مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر کے نام ارسال کرتے تھے۔ اور وہ دُرستی کے بعد واپس بھیج دیا کرتے تھے یہ مضامین بھی دلچسپ

غلطیوں سے پُر ہوتے تھے۔جن کے اعادے کی یہاں گنجائش نہیں۔

گذشتہ چند سال کی اصلاحات

کشمیر فرنٹیئر کی اہم تعلیمی ضرورت کو ہمارے موجودہ بیدار مغز ڈائیرکٹر ایجوکیشن نے پورا کر دیا ہے اور وہ یہ کہ فرنٹیئر کے لئے ایک علیحدہ اسسٹنٹ انسپکٹر مقرر کیا۔جس کا ہیڈ کوارٹر فرنٹیئر کے قلب یعنی کرگل میں رکھا گیا ہے۔اس افسر کی امداد کے لئے ایک اے۔ڈی۔آئی کا تقرر بھی عمل میں آیا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا۔کہ پرائمری سکولوں پر اب باقاعدہ پابندیاں عاید ہو ئیں۔وہ سکول بند کر کے اب کہیں نہیں جا سکتے مدرسین کو اب اپنی کارکردگی کا ذمہ وار اور جواب دہ رہنا پڑے گا۔امید ہے کہ یہ مستحسن قدم سکولوں کی ترقی اور کامیابی کا باعث ہوگا۔نئی تحریکوں کو چلانے اور سکولوں کی حالت کو بہتر بنانے میں فرنٹیئر کے پہلے اسسٹنٹ انسپکٹر پنڈت شریدر جو ڈو نے بہت فرض شناسی اور محنت سے کام کیا۔

بعض اصلاحی تجاویز

(۱) لائبریری کتب، رسایل اور اخبارات کا مطالعہ اساتذہ کے لئے لازمی اور جبری قرار دیا جائے اور ہر معلیئنے پر معاینہ کرنے والے افسر اپنے آپ کو مطمئن کریں۔کہ مدرسین نے لائبریری کی کتابیں رسایل وغیرہ سے کافی استفادہ کیا ہے یا نہیں۔

(۲) ہر ماہ کے آخیر پر نزدیک کے مڈل سکول میں ایک جنرل ٹیچرز میٹنگ کا انتظام کیا جائے جس میں آس پاس کے پرائمری سکولوں کے اُستاد کی شمولیت کو لازمی قرار دیا جائے۔اس میٹنگ میں تعلیمی امور پر بحث ہونی چاہئیے۔اور ہر مدرس پر کچھ نہ کچھ تقریر کرنے کی پابندی عاید کی جائے۔

(۳) مضامین کی اصلاح بدستور مڈل سکولوں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان کے سپرد کی جائے۔وہ اس کے لئے اپنے قابل ترین اُستادوں کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔ہیڈ ماسٹر صاحبان پرائمری سکولوں کے سلیبس کے مطابق مضامین کی ایک فہرست بھیجدیا کریں۔جس کے مطابق وہ درستی کے لئے مضامین تیار کرینگے۔

(۴) اُستادوں کا انتخاب مقابلہ کے ذریعہ ہو۔اور زیادہ نمبر حاصل کرنے والے امیدوار کو اوروں پر ترجیح دیجائے۔

(۵) جو اُستاد تعلیمی لحاظ سے نہایت ہی ناقابل ہوں۔ان کو دوسرے محکموں میں بھجوایا جائے مثلاً پولیس

یا گیم اور (وہڑدی) ان کی جگہ اچھے اچھے اُستادوں کو مقرر کیا جائے۔

(۶) تیسری جماعت کے بعد سکولوں میں مقامی زبان کا استعمال بند کر دیا جائے۔

(۷) پانچویں جماعت تک کتابیں مفت تقسیم کی جائیں۔ تاکہ بچے زیادہ تعداد میں پڑھنے کے لئے سکول آجائیں۔ کیونکہ اس علاقہ کے لوگ سخت غریب ہیں۔

(۸) تعلیم کی طرف ترغیب و تحریص دینے کے لئے خصوصی وظایف مقرر کئے جائیں۔

(۹) مڈل سکولوں میں آٹھویں جماعت کے امتحان کا معیار بلند کیا جائے۔ اور ہیڈ ماسٹروں کو ہدایت کی جائے۔ کہ وہ صرف قابل طلبا کو ترقی دیا کریں۔

(۱۰) سکولوں میں تعلیمی سامان فراہم کرنے کی طرف توجہ دی جائے۔

(۱۱) جبری تعلیم کا نفاذ۔ ہر نمبردار پر لازم ہو۔ کہ وہ اپنے گاؤں کے سکول میں کم سے کم بیس لڑکے داخل کرے۔ ورنہ اس کی نمبرداری معرض خطر میں پڑ جائے گی۔ لداخ، کرگل، اسکردو، اور خپلو کے قصبوں میں جبری تعلیم کا نفاذ کیا جائے۔

(۱۲) مڈل سکولوں کے اساتذہ بالخصوص اچھی شہرت والے اور نیک سیرت ہوں۔ جو غیر مقامی مدرسین فرنٹیئر بھیجے جاتے ہیں۔ اُن کو بڑی چھان بین کر کے منتخب کیا جائے۔ وہاں دیانتدار قابل جفاکش اور فرض شناس استادوں کی ضرورت ہے۔

(۱۳) استادوں کی مشکلات کم کی جائیں۔ ان کی تنخواہیں اُنہیں وقت پر دی جائیں۔ ان کو اپنے اپنے مقامات پر متعین کیا جائے۔ لوکل اور نان لوکل اُستادوں کو فرنٹیئر الاؤنس دیا جائے۔

(۱۴) ہر سکول میں کم از کم دو مدرس ہوں۔ اور کسی خاص مقام کی آبادی کے مطابق وہاں اُستاد کا تقرر ہو۔ مسلم آبادی میں مسلمان اُستاد، بودھ آبادی میں بودھ اُستاد لگائے جائیں۔ مذہبی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کیا جائے۔

(۱۵) ملاؤں، تاجروں اور غیر ملکی سرمایہ داروں، پر قیود عاید کی جائیں۔ کہ وہ تعلیم کی اشاعت میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔

(۱۶) فرنٹیئر کے اسسٹنٹ انسپکٹر اور اے۔ ڈی۔ آئی کو خصوصی اختیارات دئے جائیں۔ اسوقت تک فرنٹیئر کی تاریخ میں صرف ایک دفعہ انسپکٹر صاحب اس علاقہ کا دورہ فرما چکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ وقت بچانے اور مدرسین کی موجودہ مشکلات کو کم کرنے کے لئے اسسٹنٹ انسپکٹر کے اختیارات مقابلتہً وسیع ہوں۔

(۱۷) لڑکیوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں۔ اسطرف توجہ مبذول کیجائے۔ لداخ، کرگل، اسکردو اور خپلو میں گرلز مڈل سکول کھولے جائیں۔

[illegible]

بنیادی تعلیم

ٹورسٹ بیورو پروجیکٹ

(گورنمنٹ بیسک سکول بٹوت)

ریاست جموں و کشمیر کے صحت افزا مقامات میں سے بٹوت ایک مشہور و معروف مقام ہے جہاں پر موسم گرما میں ہندوستان سے لوگ سیر و سیاحت کے لئے آتے رہتے ہیں یہ مقام صوبہ جموں میں ریاست بھر کی لمبی پہاڑی موٹر روڈ یعنی بانہال کارٹ روڈ پر واقع ہے یہاں سے پچاس میل کے فاصلے پر بھدرواہ کا مشہور قصبہ آباد ہے جس کو چھوٹا کشمیر کہتے ہیں۔ بٹوت سے بھدرواہ تک پختہ سڑک تیار ہو رہی ہے کشتواڑ یہاں سے قریباً اسی میل اور ڈوڈہ ۴۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور یہ دونوں مشہور قصبہ ہیں۔ اسی طرح یہاں سے سنہ سر اور پتنی ٹاپ دو مشہور تفریح گاہیں ہیں۔ سنہ سر میں ایک وسیع میدان ہے جس کے بیچوں بیچ ایک چشمہ ہے۔ یہ مقام نہایت دلفریب ہے حکومت کی طرف سے یہاں ایک خوبصورت ڈاک بنگلہ بنوایا گیا ہے۔ ڈاک بنگلہ کے علاوہ ایک جنگلات کا ریسٹ ہاؤس بھی ہے۔ اس سال سیاحوں کی سہولت کے لئے سنہ سر اور پتنی ٹاپ دونوں مقاموں پر قہوہ خانے حکومت کی طرف سے کھولے گئے ہیں۔ جہاں سیاحوں کو سیاحت کے دوران میں چائے ملتی ہے۔ ان علاقوں کی آب و ہوا خوشگوار اور پیداوار کشمیر کی سی ہے۔ ان تمام علاقوں کی تجارتی منڈی بٹوت ہے۔ بٹوت کی خصوصیات کی وجہ سے یہاں سیاحوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ موسم گرما شروع ہوتے ہی سیاحوں کی آمد شروع ہوتی ہے۔ اور ساون بھادوں میں خوب رونق ہوتی ہے۔

گورنمنٹ جموں و کشمیر نے ریاست میں سیاحوں کی تعداد بڑھانے اور ان کے آرام و آسایش کے انتظامات اطمینان بخش طریقے پر کئے ہیں لیکن گورنمنٹ اکیلی یہ کام سرانجام نہیں دے سکتی۔ ضرورت ہے کہ باشندگان ریاست اس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھیں اور ہم بھی اپنے دل میں قوم اور ملک کی خدمت کا جذبہ پیدا کریں۔ چونکہ ہمارے ملک کے جغرافیائی حالات ایسے ہیں۔ کہ یہ بیرونی ملکوں کے لوگوں

کو اپنی طرف مائل کرنا ہے جن کی آمد سے ہمارے ملک کی تہذیب و تمدن اور اقتصادی حالات پر خوشگوار اثر پڑنے کا امکان ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے مہمانوں کی تکالیف کو حتی المقدور ہر طرح سے دور کرنے کی کوشش کریں۔ اور اپنے ملک کو سویزرلینڈ کی طرح ایک نمونہ بنائیں۔

ہمارا منصوبہ یہ ہے کہ ہم اس فردوس کو سویزرلینڈ سے بھی زیادہ اہمیت اور وقعت دیں ہمارے مہربان والئے حضور مہاراجہ بہادر نے جب سے عنانِ حکومت اپنے ہاتھوں میں لی ہے ان کی یہی آرزو رہی ہے کہ ان کی پیاری رعایا اور ان کا پیارا ملک دیگر ممالک سے بڑھ چڑھ کر رہے۔ ان حالات کے پیش نظر ہمارے والئے ملک نے بیدار مغز افسروں کی خدمات مستعار لی ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی رعایا حکومت میں اُن کی شریک ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ مدرسوں میں آئندہ بننے والے شہریوں کی تربیت اس ڈھنگ پر کی جائے۔ کہ ان میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آپ نے یہاں کے محکمہ تعلیم کی باگ ہندوستان کے مشہور و معروف ماہر تعلیم جناب خواجہ غلام السیدین کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے اور ہماری ریاست کی تعلیم حیرت انگیز ترقی کر چکی ہے ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے جناب شیخ عبدالعزیز صاحب سلہریا ایم۔ اے بی۔ ٹی اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس اودہم پور کے ارشاد کے مطابق اس سکول کی طرف سے مقامی سیاحوں کی سہولت کے لئے ایک وزیٹرز بیورو قائم کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ سکول کے طلبا باہر سے آئے ہوئے سیاحوں کی خدمت کریں۔ اور اُن کے قیام کو خوشگوار بنانے میں حصہ لیں۔ علاوہ بریں طلبا اس تحریک کو چلانے سے بہت کچھ تعلیمی فائدہ بھی حاصل کر سکتے ہیں جیسا کہ ان کے سروے سے آگے پتہ چلیگا۔

اصلی مقصد تک پہنچنے کے لئے ہم نے فی الحال سکولوں کے بچوں کے ذریعہ سیاحوں کا ایک سروے حاصل کیا ہے۔ اور ان کی سہولت کے لئے سکول میں ایک وزیٹرز بیورو نام سے دفتر کھولا ہے۔ جہاں پر سیاحوں کو سکول کے اوقات کے بعد واقفیت بہم پہونچائی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ طلبا کے ذریعہ اور اُستادوں کی نگرانی میں کیا جاتا ہے۔

اس مقصد کو مکمل کرنے کے لئے بٹوت اور اس کے اردگرد کے علاقے کو مختلف وارڈوں میں تقسیم کیا گیا ہے ہر ایک وارڈ میں اُستادوں کی نگرانی میں ایک ایک ٹولی جس میں ہر ایک درجے کے

لڑکے شامل ہیں مندرجہ ذیل اعداد و شمار حاصل کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہے جو روزانہ اپنے اپنے وارڈ وں کے سیاحوں کے پاس جاتے ہیں اور متعلقہ اندراجات اپنے اپنے پروجیکٹ بک میں مندرجہ ذیل طریقے سے لکھ دیتے ہیں۔

(۱) نام سیاح - (۲) تعداد افراد کنبہ - (۱) مرد - (ب) عورت - (۱) پندرہ سال کی عمر تک - (ب) ۳۰ سال کی عمر تک - (ج) ۵۰ سال کی عمر تک - (د) ۵۰ سال سے زاید عمر - (۳) آنے کی تاریخ (۴) جانے کی تاریخ - (۵) کہاں سے آئے - (۶) کس غرض سے آئے - (۷) کیا وہ اپنی غرض میں کامیاب ہوئے ؟ اگر ہوئے تو کہاں تک اگر نہیں تو کیوں ؟ (۸) یہاں پر اُن کو کسی قسم کی تکلیف تو نہ ہوئی - اگر ہوئی تو اس کا علاج کیا ہو سکتا ہے - (۹) ماہوار آمدنی - (۱۰) پیشہ - (۱۱) کل خرچ - (۱) آنے کا خرچ - (ب) کرایہ مکان - (ج) کھانے پینے کا خرچ - (د) جانے کا خرچ - (ہ) متفرق اخراجات -

جیسا کہ مندرجہ بالا سوالوں سے پتہ چلا ہے طلبا سیاحوں کے پاس آنے جانے سے طلبا کی جھجک دور ہو سکتی ہے اُن سے گفتگو کرنے اور اُن کے رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے گفتگو وغیرہ کے طریقے طلبا کی سماجی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اساتذہ صاحبان اس سلسلے میں اپنی ٹولیوں سے علیحدہ طور مختلف پروجیکٹ تیار کراتے ہیں۔ جس کے ذریعہ طلبا کو مفصل واقفیت بہم پہونچائی جاتی ہے طلبا ایسے پروجیکٹ کا گرم جوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مختلف ٹولیوں نے مختلف پروجیکٹ اس وقت تک تیار کئے ہیں۔ جن میں سے کچھ آئندہ "تعلیم جدید" کی کسی اشاعت میں شایع کئے جائیں گے۔ فی الحال صرف یہاں آئے ہوئے سیاحوں کی تعداد ہمارے بچوں نے ماہ جیٹھ سنہ ۲۰۰۱ سے ماہ بھادوں تک معلوم کی ہے جو درج کیجاتی ہے۔

نقشہ نمبر ۱

	۱۵ سال تک	۳۰ سال تک	۵۰ سال تک	۷۵ سال تک	۱۰۰ سال	۱۰۰ سال سے زاید
مرد	۱۱۰	۹۱	۷۴	۹	۳	×
عورت	۸۴	۱۰۵	۳۶	۱۰	۱	×

نقشہ نمبر ۲

تعداد سیاحان جو مختلف مقاصد سے اخیر ساون سمت ۲ تک بٹوت وارد ہوئے۔

	سیر و سیاحت	تجارت	مریض
مرد	۲۶۰	×	۲۷
عورت	۲۱۷	×	۱۹

نقشہ نمبر ۳

سیاح کہاں کہاں سے آئے۔

	ریاستی	سیالکوٹ	امرتسر	لاہور	دہلی	فیروزپور	ملتان	گوجرانوالہ	غیر ملکی
مرد	۸۹	۶۳	۱۵	۸۶	۳	۲	۳	۴	۲۲
عورت	۶۷	۴۸	۵	۹۳	۲	۱	۱	۵	۱۴
میزان	۱۵۶	۱۱۱	۲۰	۱۷۹	۵	۳	۴	۹	۳۶

کارکردگی وزیٹرز ونڈو:۔ از روئے رجسٹر آج تک ۱۰۷ سیاحوں کو مختلف امور کی واقفیت بہم پہونچائی گئی۔ اس ریکارڈ میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے ملنا چاہتے تھے۔ جن کا پتہ ان کو معلوم نہ تھا۔ یہ امر قابل مسرت ہے کہ ایسے حضرات سے طلباء سکول نے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ علاوہ اس کے وزیٹرز ونڈو کے ذریعہ سکول لائبریری سے سیاحوں نے کتابیں بھی حاصل کیں۔ جس کی وجہ سے انہیں سکول میں دلچسپی ہوئی۔

محمد کاظم بی۔ اے۔ بی۔ ٹی
ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول
بٹوت

اُستادوں کی خط وکتابت

مدرسوں کی مشکلات

ہم ذیل میں ایک استاد کا خط شایع کرتے ہیں جس میں انہوں نے استادوں کی مشکلات بیان کی ہیں اور محکمہ کے بعض قاعدوں وغیرہ پر تنقید کی ہے۔ ہم ایسی نکتہ چینی کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اگر دوسرے استاذہ یا تعلیمی افسر اس کی تائید یا تردید میں کچھ لکھیں گے یا ان کا معقول حل بتائیں گے۔ تو ہم ان کے مضامین خوشی کے ساتھ شایع کریں گے۔ (ادارہ)

میں ذیل میں ان چند مشکلات کا ذکر کر رہا ہوں۔ جن کے متعلق میرا خیال ہے کہ ہر مدرس کو ان سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ کسی سکول میں یہ ایک صورت میں پیش آتی ہیں۔ اور کسی سکول میں کسی دوسرے رنگ میں۔

ان مشکلات کی درجہ بندی یوں ہو سکتی ہے۔ (۱) سماجی مشکلات۔ (ب) انتظامی مشکلات۔ (ج) تعلیمی مشکلات۔ (د) قوانین محکمہ۔

تعلیمی مشکلات کے بارے میں میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ہر اُستاد کو موجودہ نصاب میں عموماً اور بنیادی تعلیم کے نصاب میں خصوصاً ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ بنیادی حرفوں کا نصاب نامکمل ہے اور مضامین کی زیادتی اور وقت کی کمی کی وجہ سے تعلیم ادھوری رہ جاتی ہے۔ پہلی جماعت کے بچوں کو پہلی ششماہی میں صرف زبانی گفتگو اور اظہار خودی کی تربیت دینا مناسب ہے لکھائی پڑھائی اِس منزل میں نصاب سے خارج ہے۔ عام طور پر دیہاتی اس طرز عمل سے مطمئن نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذہنی استعداد کے مطابق سمجھتے ہیں۔ کہ تعلیم صرف لکھانے اور پڑھانے کا نام ہے۔ مربوط نصاب کے سلسلے میں استادوں کو ترمیم و تغیر کا حق حاصل ہے لیکن سارے استادوں میں اتنی اہلیت نہیں ہوتی۔ کہ وہ مناسب ترمیم و اصلاح کر سکیں۔ نصاب پر عمل کرنے اور عمل کے دوران میں پیش آمدہ مشکلات کو حل کرنے کا کوئی ایسا طریقہ نہیں کہ اُستاد ایک

دوسرے سے مل کر اور سوچ بچار کر کے مشکلات کا حل تلاش کر لیتے۔ گنتی کا تلفظ ناقص اور غیر قدرتی ہونے کے علاوہ مشکل بھی ہے اس سے بڑی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور بچے دسویں جماعت تک عموماً اس غلط فہمی کے شکار رہتے ہیں۔ تقسیم سادہ کا صحیح قاعدہ بعض اُستاد بھی نہیں جانتے۔ بچے اس قاعدے کو بڑی محنت اور مدت کے بعد سمجھ سکتے ہیں۔ مذہبی تعلیم کا معقول انتظام مدرسوں میں نہیں ہے۔ اگرچہ احکام موجود ہیں کہ مذہبی تعلیم باضابطہ دی جائے۔ اور سال کے اختتام پر رپورٹ بھیجی جائے۔ لیکن کوئی باقاعدہ نصاب اس ضمن میں محکمہ نے مرتب نہیں کیا۔ ابتدائی درجوں کے لئے ایک آسان عربی رسم الخط سکھانے والی کتاب کی ضرورت ہے تاکہ مسلمان بچے شوق سے سکول آیا کریں۔ اسی طرح ہندوؤں اور سکھوں کی مذہبی تعلیم کا موزوں انتظام ہونا چاہئے۔ استادوں کا ذاتی مطالعہ محدود ہے اس لئے وہ جدید تعلیمی تجربات اور نئے رجحانات سے ناواقف اور محکمہ کے نئے قوانین اور رجحانات سے بے خبر رہتے ہیں۔

سماجی مشکلات میں ذیل کی باتیں قابل ذکر ہیں دیہاتیوں میں عموماً تعلیم کا شوق بالکل نہیں ہوتا۔ اُستاد اگر دیانتدار اور فرض شناس ہو۔ تو وہ ان کے خیالات میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ لیکن گاؤں کے سربرآوردہ اشخاص عوام کی بیداری میں اپنا نقصان سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ استادوں کی سرگرمیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اور ان کے خلاف شکایتیں کرنے لگتے ہیں دیہاتی بچے بالعموم گندے رہتے ہیں اور اپنے ماحول کے اثر کی وجہ سے صفائی پسند نہیں ہوتے۔ جس سے سکول کی مجموعی صفائی پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اس وجہ سے استاد ایک طرف پریشان رہتے ہیں۔ اور افسر دوسری طرف شکایت کرتے ہیں سکولوں میں حاضری کم ہوتی ہے کیونکہ عوام سخت غریب ہیں۔ اور وہ اپنے بچوں کی تعلیم کے مقابلہ میں اُن کا ایک یا دو آنے کمانے کو زیادہ نفع بخش اور بہتر سمجھتے ہیں۔

انتظامی مشکلات کے ضمن میں ذیل کی باتیں عرض کی جاتی ہیں مختلف مقامات کے مقامی حالات کے پیش نظر سکولوں میں چھٹیاں نہیں ہوتیں۔ مثلاً ایک ہی گاؤں میں ایک مڈل سکول اور ایک پرائمری سکول ہو۔ تو پرائمری سکول میں فصلی چھٹیاں اور مڈل سکول میں گرمی کی چھٹیاں منائی جاتی ہیں مقامی حالات دونوں مدرسوں کے یکساں ہیں پھر بھی یہ امتیاز اور فرق نہ معلوم کس بناء پر روا رکھا جاتا ہے۔ اساتذہ کے تقرر کے وقت اُستاد کی شخصیت ذاتی اثر و رسوخ اور قابلیت کو جانچنے کی ضرورت

ہوتی ہے ۔ صرف کسی امتحان کا پاس کرنا کافی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اکثر دفعہ اس قسم کے تقرر سے نتیجہ خراب نکلتا ہے اردو مدرسین کے چناؤ کے وقت اس وقت کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ کہ آیا وہ قرآن شریف پڑھا سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ خود قرآن شریف کو رواں بھی نہ پڑھ سکتا ہو۔ تو اس سے اوروں کو پڑھانے کی توقع رکھنا بے سود ہے موجودہ ناظم تعلیمات کی تشریف آوری کے وقت سے تعلیم میں بے شمار اصلاحات ہوئیں۔ خصوصاً سکولوں میں اُستادوں کی تعداد بڑھائی گئی۔ لیکن ایک ہی مدرسے میں یکساں تنخواہ لینے والے استادوں کے تقرر سے نظم و نسق میں فرق پڑ جاتا ہے۔ ماتحت اُستاد اول مدرس کے احکام اور ہدایات کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور کبھی کبھی نوبت لڑائی جھگڑے تک بھی پہونچ جاتی ہے۔ چنانچہ بعض اوقات جب کوئی اول مدرس کسی ماتحت کے خلاف افسروں کے پاس رپورٹ بھیجتا ہے۔ مجرم کو معمولی سی سزا دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ دیہاتی مدارس میں مکانات نہ ہونے اور تنگ و تاریک ہونے کی شکایت عام ہے۔ دیہاتی اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اور کسی خاص مقام پر سکول کھولنے کی سفارش کرنے والے افسر بھی اس کا خیال نہیں کرتے۔ اس سے مدرس مختلف پیچیدگیوں میں پڑ جاتا ہے اس کے علاوہ اکثر ضروری سامان بھی سکول کو وقت پر نہیں ملتا۔ بعض سکولوں کے زوال و انحطاط کی وجہ جناب ناظم تعلیمات کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ مثلاً بعض جگہ ایک یا دو سال کے امیدوار کو تجربہ کار سمجھ کر اول مدرس مقرر کیا جاتا ہے یا صرف مسلمان آبادی والے مقامات پر ہندو اُستاد کا اور صرف ہندو آبادی والے مقام پر مسلمان اُستاد کا تقرر کیا جاتا ہے جن سے بعض اوقات مدرس کو مکان اخوراک وغیرہ کی تکلیف ہوتی ہے۔ بعض دور دراز کے دیہاتی اُستادوں کو وقت پر تنخواہیں نہیں ملتیں۔ اور وہ مصیبت میں پڑ جاتے ہیں۔ بنیادی مدارس میں ان اُستادوں کو لگایا جاتا ہے جو سکول کے بنیادی حرفہ میں ٹرینڈ نہیں ہوتے۔ اس لئے وہ اطمینان بخش کام نہیں کر سکتے۔ یہ شکایت ان سکولوں میں زیادہ عام ہے۔ جہاں بنیادی حرفہ زراعت ہے۔ اس بات کو سپروائیزر صاحبان اور دوسرے معائنہ کرنے والے افسروں نے بھی نوٹ کر لیا ہے۔ مثلاً میرے مدرسہ میں جہاں بنیادی حرفہ زراعت ہے اور اُستاد ایسے ہیں جن کا بنیادی حرفہ لکڑی کا کام تھا۔ ایک مڈل جے۔ وی ہے۔ اور تین ایسے استاد ہیں جنہوں نے زراعت کا حرفہ سیکھا ہوا ہے ممکن ہے کہ بعض مڈل یا ہائی سکولوں میں ایسے۔ بی۔ ای۔ سی اساتذہ ہوں۔ جنہوں نے زراعت کا فن سیکھا ہے اجس کے بنیادی سکول کی بھی ایسی ہی حالت ہے۔ مدرسین کو بعض اوقات

اپنے اپنے مقامات پر متعین نہیں کیا جاتا۔ جس سے ان کی پریشانی میں اضافہ اور سکول کے کام میں حرج ہو جاتا ہے۔

قوانین محکمہ کے بارے میں ذیل کی باتیں توجہ طلب ہیں نئے پرائمری سکولوں کے مدرسین کا گریڈ بالعموم ۲۵-۱-۳۰ ہوتا ہے اور اس گریڈ میں عام طور پر کم تجربہ اور نئے استاد ہی ہوا کرتے ہیں قدرتی طور پر ان نئے سکولوں کی باگ ان نئے اور ناتجربہ کار استادوں کے ہاتھوں میں دی جاتی ہے جو سکولوں کے نظم و نسق، کامیابی اور ناکامی کے اصولوں سے واقف نہیں ہوتے۔ اور نیا مدرسہ ان کے ہاتھوں پھولنے پھلنے کے بجائے تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ بہتر ہوگا۔ کہ نئے کھلنے والے سکولوں کے گریڈ ۲۵-۱-۴۰ کے بجائے ۴۵-۱-۲۰ کے رکھے جائیں۔ تاکہ ان مدرسوں کو ابتدا میں ہی تجربہ کار استاد مل جائیں۔ اور وہ شروع ہی سے کامیاب اور عوام کی توجہ کا مرکز بن سکیں۔ Stagnation کے بارے میں میں نے ایک دفعہ "تعلیم جدید" میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اور باقی استادوں کو دعوت دی تھی کہ وہ اپنے خیالات سے مستفید کریں۔ لیکن کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ یہ معاملہ نہایت پرانا اور اہم ہے۔ پہلی جماعت کا لڑکا اس جماعت میں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سال رہ سکتا ہے اور ڈیڑھ گذر جانے پر خواہ وہ اس قابل ہو یا نہ ہو۔ اسے دوسری جماعت میں ترقی دی جاتی ہے۔ اور اکثر حالات میں وہ اس جماعت کے ساتھ چلنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اور تھوڑے عرصے میں سکول چھوڑ دیتا ہے اس قانون میں ترمیم اور اصلاح کی ضرورت ہے۔ مڈل سکولوں میں قاعدہ ہے۔ کہ پرائمری ڈیپارٹمنٹ سے فارغ ہونے پر مڈل ڈیپارٹمنٹ میں داخلہ پانے کے لئے بچوں سے فیس وصول کی جاتی ہے۔ بنیادی مدارس میں پہلے درجہ سے ساتویں درجہ تک ایک ہی ڈیپارٹمنٹ ہے۔ لیکن اس کے باوجود بچوں سے پانچویں درجہ کا امتحان پاس کرتے وقت یہ فیس وصول کی جاتی ہے۔ میری نگر میں تعلیم پانے والے دیہاتی لڑکوں سے بھی ٹیوشن فیس لی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ مالیہ ادا کرتے وقت سکول ٹیکس باقاعدہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ اس قاعدے میں ترمیم کی ضرورت ہے استادوں کی تبدیلیاں بالعموم بے وقت کی جاتی ہیں ضرورت ہے۔ کہ تین سال سے پہلے کسی بھی صورت میں کسی استاد کو ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسے میں تبدیل نہ کیا جائے۔ امتحان کے مروجہ طریقوں میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔

نورالدین صوفی
اول مدرس بیسک سکول صفاپور

اقتباسات

ابتدائی تعلیم کا مسئلہ

تحصیل بڈگام کی تعلیمی حالت کا ذکر کرتے وقت میرے دماغ میں ریاست بھر کی تعلیمی پستی کا خیال آیا۔ اعداد و شمار کے پیش نظر اگرچہ پتہ چلتا ہے کہ تحصیل بڈگام تعلیمی دوڑ میں بہت پیچھے ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی علاقوں میں حالات تسلی بخش ہیں۔

ہمارے سامنے ایک نہایت ہی اہم قومی مسئلہ ابتدائی تعلیم کا ہے اور اس مسئلہ کے حل میں ہماری قومی بہبودی کا راز مضمر ہے آج کل کشمیر کے رہنما "نیا کشمیر" کا راگ الاپتے ہیں۔ لیکن نئے کشمیر کا تعمیر کرنا تب تک ناممکن ہے۔ جب تک کہ اس کی موجودہ تعلیمی حالت سدھر نہ جائے۔

میں اس مضمون میں ان اسباب پر بحث کروں گا۔ جن کی وجہ سے ہمارے ملک کے دیہات میں تعلیم عام نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان اسباب کے سمجھنے کے بغیر ہمارے لئے کسی حل کا تجویز کرنا ناممکن ہے اندازہ ہے کہ اس ملک میں ایسے بچوں کی تعداد دس لاکھ سے زاید ہے جو کہ مدرسوں میں داخل ہونے کے قابل ہیں۔ ابتدائی مدارس کی تعداد بارہ سو کے لگ بھگ ہے۔ جن میں تقریباً ڈیڑھ سو بنیادی مدارس بھی شامل ہیں۔ ان مدارس میں پڑھنے والے بچوں کی تعداد غالباً پچاس ہزار سے زیادہ نہیں۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ تعداد کس قدر مایوس کن ہے! اور یہ بات کتنی قابل افسوس ہے۔ کہ سو بچوں میں سے صرف ۲۵ بچے تعلیم حاصل کر رہے ہوں اور باقی ۷۵ بچوں کی زندگی جہالت کی نذر ہو جائے۔ ان حالات میں ایک تعلیم یافتہ شہری محب وطن یا ایک افسر تعلیم کا کیا فرض ہے؟

اس کے جواب میں میری یہی رائے ہے کہ جب تک ایک تعلیم یافتہ شہری اپنے ان پڑھ ہمسایہ اور ہم وطن کو زیور تعلیم سے آراستہ نہ کرے۔ وہ خدا اور خلق کے سامنے جواب دہ ہو گا۔ کیونکہ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے معصوم اور ان پڑھ اور معصوم بھائی کو بھی اس چشمہ نور سے فیضیاب کرے۔ جس کی روشنی سے اُن کی آنکھیں نورانی ہیں میرا یہ بھی خیال ہے کہ رہنمایان وطن کی کوشش بھی تب تک بارآور

نہیں ہوسکتی۔جب تک کہ وہ تعلیمی سدھار کے لئے کوئی عملی قدم نہ اٹھائیں۔یہی ایک صورت ہے جس سے وہ لوگوں کو آزادی کی صحیح قدروقیمت سے آگاہ کرسکتے ہیں۔ آزادی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ عوام آزادی کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ان کی ذہنیتیں شستہ اخلاق پاکیزہ،معاشرت معیاری اور خیالات بلند ہوں۔ ورنہ آزادی کو سمجھے بغیر اس کی رٹ لگانا فضول ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ذمہ وار نظام حکومت کے حصول کے بغیر تعلیم کا عام ہونا مشکل ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تعلیم کے بغیر ذمہ وار نظام حکومت کا قائم ہونا ممکن نہیں۔ آخر ذمہ وار نظام حکومت سے کون سے مقاصد پیش نظر ہوں گے؟ اس پر ذرا غور فرمائیں۔ ذمہ وار نظام حکومت میں ہمیں پیٹ بھر روٹی ملے گی۔ احساس ذمہ واری پیدا ہوگا۔ صفائی کا خیال پیدا ہوگا، لوگ بے جا خوف وخطر سے آزاد ہونگے۔ قوم کی بہتری پر ذاتی بہتری کو ترجیح دی جائے گی۔ ہر شخص کو وطن کی بہبودی کا خیال ہوگا، تعصب اور حسد کے بجائے محبت اور آشتی دل میں جاگزیں ہوں گے۔ رواداری عام ہوگی۔ اور انصاف ہر شخص کا نصب العین ہوگا۔ مزدور کو محنت اور مشقت کا معاوضہ بہ اندازہ مشقت ملیگا۔ ایسا اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ قوم کے افراد اپنے آپ میں، اچھی ذہنیت اور بلند خیالی کی اہلیت پیدا کریں۔جس کی بدولت اُن کے دل میں ایک ذمہ وار شہری کی زندگی بسر کرنے کی اُمنگ پیدا ہوجائے۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔جب ہمارے بچوں کو ایسی تعلیم دی جائے۔کہ وہ بڑے ہوکر اپنے نیک خیالات کو عملی جامہ پہنائیں۔اور قوم کی بہبود حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہیں۔برعکس اس کے اگر ۵۰ فیصدی بچے تعلیم سے محروم رکھے جائیں تو قوم کی کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوسکتی۔ آج کے بچے کل کے شہری ہوا کرتے ہیں اگر وہ تعلیم سے بے بہرہ ہوں۔ تو اُن کے دلوں میں ذمہ واری کا احساس پیدا ہونا ناممکن ہے اس لئے ضروری ہے۔کہ ریاست کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے ملکی رہنما تعلیمی فروغ کے مسئلہ کو اپنے پروگرام میں خاص طور پر شامل کریں۔ ورنہ ملک کی ترقی کی رفتار دھیمی پڑ جائے گی۔ اور اس کا خمیازہ قوم کو بھگتنا پڑے گا۔ ان حالات میں میں یہ سمجھتا ہوں۔کہ حصول ذمہ وار نظام حکومت کی تحریک ایک تعلیمی تحریک ہے آئیے اب ہم ذرا اس مسئلہ پر غور کریں گے۔کہ کن وجوہات سے ہماری ریاست میں تعلیمی حالت اتنی پست ہے اور یہ پستی زیادہ تر ابتدائی مدارس میں کیوں غالب ہے؟

اس کی چند وجوہات ہیں موجودہ طرز تعلیم کی بنیاد ہندوستان میں لارڈ ولیم بنٹنگ نے ۱۸۳۵ء میں

ائی تھی - اس کے مشیر خاص لارڈ میکالے نے (جو مغربی تعلیم کا دلدادہ اور مشرقی تعلیم سے متنفر تھا) اس تعلیم کے ڈھانچہ کو زندہ رکھنے کی سر توڑ کوشش کی - جس میں وہ کامیاب رہا - اس وقت ہندوستان بھر میں مشرقی علوم کا دور دورہ تھا - مکتبوں اور پاٹھ شالاؤں میں عربی اور سنسکرت کی تعلیم دی جاتی تھی - لوگوں کو اس تعلیم کے ساتھ قدرتی انس تھا - وہ اس تعلیم کو حصول معاش کا ذریعہ بنانے کی نیت سے حاصل نہیں کرتے تھے - بلکہ تعلیم بغرض تعلیم حاصل کی جاتی تھی اگرچہ نصاب تعلیم میں اتنے مضامین شامل نہ تھے - لیکن حقیقت میں عام تعلیم یافتہ لوگوں کی ذہنیت ایک سچے تعلیم یافتہ کی ہوا کرتی تھی - ایک تعلیم یافتہ غیر تعلیم یافتہ کو بنظر حقارت نہیں دیکھتا تھا بلکہ پنڈتوں اور مولویوں کی یہی کوشش ہوا کرتی تھی - کہ ہر شخص تعلیم یافتہ بنے -

جب ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا وقار قائم کیا - انہیں کلرکوں اور ایجنٹوں کی ضرورت پڑی - جو سب کے سب باہر سے منگائے نہ جا سکتے تھے - اس لئے ان لوگوں کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی - کہ ہندوستانیوں کی ایک جماعت کو اس طرز کی تعلیم دی جائے - جس سے کہ وہ ان کی حکومت کے ابتدائی اور معمولی کام چلانے میں ممد ثابت ہوں - اس پالیسی کو ولیم بنٹنک نے میکالے کے مشورہ سے عملی جامہ پہنایا - پچھلے سو سال میں اس طرز کو مقبول بنانے کے لئے حکومت نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ سب پر عیاں ہے - پڑھے لکھے نوجوانوں کو نوکری ملی - دفتروں میں ان کا وقار بڑھتا گیا - اور حکومت کا مدعا پورا ہوتا رہا - اس طرح ایک اور جماعت وجود میں آئی - جو عوام سے کنارہ کش ہو کر اپنے ناخواندہ بھائیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگی - اور نتیجہ یہ ہوا - کہ تعلیم عام نہ ہو سکی - صرف بارسوخ آدمی اپنے بچوں کو تعلیم دلانے میں کامیاب ہوئے - اور جن کا نہ رسوخ تھا - نہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد نوکری ملنے کی توقع وہ اس تعلیم سے کوئی فایدہ نہ اٹھا سکے - نتیجہ یہ ہوا - کہ پچھلے سو سال میں ملک کے صرف دس فیصدی لوگ تعلیم یافتہ بن سکے -

لیکن ان حالات کے باوجود ہمارے سامنے اس وقت کوئی دوسری صورت نہیں - اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اس طرز تعلیم سے (اگرچہ بنیادی طور پر یہ ناقص ہے!) جتنا فایدہ ہم اٹھا سکیں اٹھانے کی کوشش کریں - اس میں شک نہیں کہ قوم کے موجودہ رہنما اور ماہران تعلیم موجودہ طریقہ تعلیم میں ایسی تبدیلیاں لانے کی فکر میں ہیں جن کی مدد سے عوام کو تعلیم دی جا سکے - لیکن یہ تبدیلی یک لخت نہیں بلکہ بتدریج کامیاب

ہو سکتی ہے۔ بنیادی مدارس روز بروز ہندوستان کے مختلف صوبوں اور خاص کر خوش قسمتی سے ہماری ریاست میں جناب ناظم تعلیمات کی نگرانی میں قایم کئے جا رہے ہیں۔ اور ہمیں یہ توقع ہے: کہ ہمارے بچے صحیح تعلیم سے بہرہ ور ہو کر ملک اور قوم کے لئے مفید ہوں گے لیکن اتنا ہی کافی نہیں کیونکہ ہمارے سامنے چند مزید اہم نقایص اور مشکلات ہیں۔ جن کو روکے بغیر ہمارا ابتدائی تعلیم کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

ابتدائی تعلیم کی غرض و غایت صرف یہی نہیں۔ کہ ہم بچوں کو ثانوی اور اعلےٰ تعلیم کے لئے تیار کر سکیں بلکہ اس تعلیم کا مدعا یہ ہے کہ عوام میں خواندگی پھیل جائے۔ شہری اور دیہاتی عورت مرد بچے بوڑھے سب خواندہ بن کر اپنا اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دیں اور ملک سے جہالت کو دور کریں۔ پڑھائی لکھائی حساب اور جغرافیہ کے بنیادی اصولوں سے واقف ہو کر اپنے کاروبار کو فروغ دے سکیں۔ قرض، بیماری اور مقدمہ بازی کے شکار نہ ہوں۔ اس مدعا کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ حکومت کے لئے ابتدائی تعلیم کا پھیلانا خوراک کے بہم پہونچانے سے کچھ کم ضروری نہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے ہماری ریاست میں بارہ سو ابتدائی تعلیم کے مدارس میں تقریباً ستر ہزار بچے تعلیم پا رہے ہیں۔ کل لڑکوں کی تعداد جو پڑھنے کے قابل ہیں تین لاکھ سے زاید بتلائی جاتی ہے۔ یعنی اس وقت صرف ۲۵٪ بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ باقی کے لئے ہمیں مدرسوں کی تعداد بڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ سب بچے خواندگی حاصل کر سکیں۔ جو عوامی نقطۂ نگاہ سے ان کا پیدائشی حق ہے مگر اس کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے کیونکہ کوئی بھی اچھی سی اچھی سکیم تب تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس کے چلانے کے لئے روپیہ موجود نہ ہو۔ شکر کا مقام ہے کہ ہمارے موجودہ مدبر ناظم تعلیمات کی تحریک سے حکومت نے فیاضانہ پالیسی کا عملی قدم اٹھایا ہے اب رفتہ رفتہ ریاست کی آمدنی کا ۹ فیصدی تعلیم پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ لیکن ناخواندگی کے اس بحر بے کراں کو عبور کرنے کے واسطے یہ رقم بہت ہی ناکافی ہے۔ چند ترقی یافتہ ریاستوں نے اپنی آمدنی کا ۱۵ فیصدی تعلیم کی اشاعت کے لئے وقف کر رکھا ہے جس کی تقلید کرنا ہمارا بھی فرض ہے۔

جماعت پنجم کی تعلیم کے خاتمے پر وہ بچے جو بعد میں تعلیم کو جاری نہیں رکھ سکتے دوبارہ ناخواندگی کے شکار ہو جاتے ہیں اور یہ شکایت عام طور پر دیہاتوں میں عام ہے۔ کیونکہ خواندگی کو برقرار رکھنے کے لئے اُن

کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ شہر میں تو بچے ہائی اور مڈل سکولوں میں تعلیم پاتے ہیں لیکن دیہات میں پرائمری پاس کردہ طلبہ کی حالت قابل رحم ہے۔ وہ مدرسے کو چھوڑ کر لکھنے پڑھنے کے شغل سے لاتعلق ہو جاتے ہیں اور تھوڑے عرصے میں لکھنا پڑھنا بھول جاتے ہیں اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان دیہات میں جگہ جگہ کتب خانے قایم کئے جائیں۔ اور ان کو منظم کرنے کے لئے تجربہ کار اُستاد مقرر ہوں جو بالغ خواندہ دیہاتیوں کو کتب خانوں کی طرف راغب کر کے نہ صرف اُن کی خواندگی کو برقرار رکھنے کا انتظام کریں۔ بلکہ اُن کے دلوں میں مطالعہ کا شوق بھی پیدا کریں تعلیمی ماحول پیدا کرنے کے لئے دل چسپ اخبارات رسالے، چیدہ چیدہ خبروں اور جدید معلومات کے نقشے نوشتے اور دلکش تصویریں لٹکائی جائیں۔ اس سے دیہاتی لوگ مستفید ہوں گے۔

جماعت اول میں درج شدہ طلبہ میں سے بالکل کم تعداد اوپر کی جماعتوں تک تعلیم قایم رکھ سکتی ہے۔ دیہاتی مدارس کے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ بیس میں سے ۶ یا ۷ بچے جماعت پنجم تک اپنی پڑھائی کو جاری رکھتے ہیں باقی بیچ میں ہی بھٹک جاتے ہیں جس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے :-

(ا) جماعت اول کے کچھ بچوں کو مقررہ میعاد کے گذرنے پر بھی ترقی نہیں دی جاتی۔ مدرس کی کم توجہی سے بچے بہت عرصہ غیر حاضر رہ کر مقررہ میعاد یعنی اٹھارہ ماہ میں بھی قابل ترقی نہیں بن سکتے۔ اور زاید المیعاد ہو جاتے ہیں۔ مدرسین اپنے سر سے بلا ٹالنے کے لئے اُن کو پہلے ہی خارج کر دیتے ہیں کیونکہ محکمہ تعلیم کی طرف سے مدرسین سے زاید المیعاد لڑکوں کی موجودگی پر جواب طلب کیا جاتا ہے۔ اس طرح طلبہ کی بڑی تعداد شروع سال میں ہی مدرسہ سے کم ہو جاتی ہے۔

(ب) بدقسمتی سے بہت سے مدارس میں اور خاص کر دیہاتی مدرسوں میں نئے امیدوار یا ناتجربہ کار مدرس تعینات کئے جاتے ہیں جن میں فنی اہلیت بہت کم ہوتی ہے جو نفسیات کے چھوٹے موٹے اصولوں سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ بچوں سے برتاؤ کرنا نہیں جانتے یا پبلک سے لڑ پڑتے ہیں یا قومی خدمت کے جذبہ سے عاری ہوتے ہیں رفتہ رفتہ اُن کے وجود سے مدرسہ روبہ تنزل ہو جاتا ہے کم تعداد گھٹتی رہتی ہے اور عوام مدرسہ میں دل چسپی لینے کے بجائے اس سے متنفر ہو جاتے ہیں سال رواں میں میرے تجربے میں آیا ہے۔ کہ جہاں بھی مدرسے کی تمام ذمہ واری ایک نئے امیدوار پر ڈالی گئی۔ تعداد

طلبہ گھٹتی رہی۔ برعکس اس کے جہاں نئے مدرسوں میں قابل اور تجربہ کار استاد بھیجے گئے وہاں تعداد بھی تسلی بخش رہی اور پبلک کا تعاون بھی حاصل ہُوا۔ اس لئے میں حکام مجاز سے پُر زور مگر مودبانہ الفاظ میں التماس کروں گا۔ کہ وہ براہ کرم تعلیمی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے نئے امیدواروں اور ناتجربہ کار استادوں کا تقرر پرائمری مدارس میں اور خاص کر گاؤں کے سکولوں میں جہاں عموماً ایک ہی مدرس کو مدرسہ چلانا پڑتا ہے۔ عمل میں نہ لائیں۔ اور مدرسین کے تبادلہ کے موقع پر متعلقہ مقامی افسروں سے بھی استصواب کر لیا کریں۔

میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں۔ کہ ایک ہی مدرس کے لئے پانچوں جماعتوں کا پڑھانا نہ صرف ناقابل عمل ہے۔ بلکہ مدرس کی صحت پر بھی اثر ڈالتا ہے۔ جماعت اول سے پنجم تک مدرس کو ایک دن میں بیس کے قریب سبق دینے پڑتے ہیں بھلا ایک مدرس سے یہ توقع ہم کیسے رکھ سکتے ہیں۔ وہ اپنا فرض منصبی بوجہ احسن انجام دے سکے اور پانچوں جماعتوں کا نصاب مقررہ وقت کے اندر اندر ختم کر سکے۔ اس کے علاوہ کھیل ورزش، سکاؤٹنگ، تعلیم بالغان، دیہات سدھار اور اسی قسم کی دوسری تعلیمی تحریکیں جن کے بغیر تعلیم نامکمل سمجھی جاتی ہے کس طرح صحیح طور پر چلائی جا سکتی ہیں۔ ان حالات میں مدرس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے افسران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بوقت معائنہ کچھ اِدھر اُدھر کر کے کام چلائے۔ اس میں شک نہیں کہ مالی مشکلات کی وجہ سے محکمہ ہر ایک مدرسہ کے لئے دو یا تین اُستادوں کا تقرر عمل میں نہیں لا سکتا۔ لیکن اس معمہ کا حل کسی حد تک یہ ہو سکتا ہے۔ کہ مدرس کو مدرسہ میں دو وقت حاضر ہونے کی ہدایت ہو۔ اور وہ دو یا تین جماعتوں کو صبح اور باقی جماعتوں کو شام کے وقت پڑھایا کرے۔ لیکن یہ کام صحیح معنوں میں ان ہی اُستادوں سے ہو سکتا ہے جن کا دل حُبّ وطن کے جذبہ سے گرم ہو اور وہ اس کام کو قومی خدمت سمجھیں۔

دیہات میں تعلیم کو عام اور مرغوب کرنے کے لئے نصاب تعلیم کا اُن کے ماحول کے مطابق مرتب کرنا ضروری ہے۔ دیہاتیوں کی زندگی شہریوں سے مختلف ہے اُن کا کام زیادہ تر زمینداری کا ہے۔ اُن کے نصاب میں کاشتکاری اور تجارت کے متعلق مضامین کا ہونا نہایت اہم ہے۔

ان تمام اصلاحات کے باوجود تعلیم کا عام ہونا مشکل ہے جب تک کہ ناخواندہ اور بے علم دیہاتیوں میں اس کا موثر پروپیگنڈہ نہ کیا جائے۔ جناب ناظم تعلیمات کے زیر ہدایت میں نے گاؤں گاؤں میں پروپیگنڈہ کا کام جاری کر رکھا ہے تعلیمی کمیٹیاں قایم کی جا رہی ہیں سرکردہ اصحاب کا تعاون حاصل کر کے بڑھنے بڑھنے تعلیمی

جلسے منعقد کئے گئے ہیں، اور میں یہ محسوس کرتا ہوں۔ کہ اس تمام تحریک کا اثر اَن پڑھ کسانوں پر بہت اچھا ہو رہا ہے۔ ایک اچھے مقرر کی تقریر سن کر اس کو اپنی پستی، قرضداری، اور جہالت کا احساس ہوتا ہے۔ پروپگنڈہ کی مدد سے بہت سے ایسے مدرسوں میں تعداد بڑھ گئی۔ جہاں مدرسہ رو بہ زوال تھا۔ میں کسی آئندہ مضمون میں اس کے متعلق اعداد و شمار پیش کروں گا۔ میرا خیال ہے کہ اگر تمام تعلیمی افسر بھی مدرسے میں چند گھنٹے قیام کرکے معائینے کے علاوہ لوگوں میں تعلیمی شوق ابھارنے کی کوشش فرمائیں، مقامی حالات سے واقفیت حاصل کریں۔ اس کام کو معائینہ سے بھی زیادہ اہمیت دیں۔ تو اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ بڑے افسروں کی وعظ و نصیحت چھوٹے افسروں کے پروپگنڈے کے مقابلے میں زیادہ موثر ثابت ہوگی۔

بعض بعض مقامات پر صرف پروپگنڈہ ہی کافی نہیں۔ بلکہ جبری تعلیم کا اجراء ضروری ہے کیونکہ بہت سے دیہات ایسے ہیں جہاں کسان مدت سے محرومیوں اور ظلموں کے شکار ہوکر تعلیمی مبلغ کی وعظ و نصیحت کی غلط تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ چند مخصوص علاقوں میں تعلیم لازمی قرار دی جائے تاکہ وہاں کے باشندوں کو تعلیم حاصل کرنے کی عادت پڑ جائے۔ اور ملحقہ گاؤں کے لوگ بھی اُن کی تقلید کریں۔

یہ مضمون اتنا وسیع اور یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حل صرف یہیں تک محدود نہیں عام لوگوں اور خاص کر دیہاتیوں کی بےبسی اور مفلوک الحالی کو محسوس کرتے ہوئے ہر ایک تعلیم یافتہ نوجوان کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ ان کے افلاس کو دور کرنے کی خاطر اور صحیح خیالات کی اشاعت میں سرگرمی سے کام لے۔ اور ابتدائی تعلیم کے مسئلہ کا حل سوچ لے اور اس پر عمل پیرا ہو کر قومی خدمت کا ثبوت پیش کرے۔ ایسا کرنے سے ملک کی ناداری اور تباہی دور ہوسکتی ہے لیکن اسی صورت میں ممکن ہے جب پڑھے لکھے نوجوان بقول حالی اور درد دل کی دولت سے مالا مال ہوں۔

چیست انسانی؟ بتید ن از غم ہم سائیگان + از سموم نجد در باغ عدن پژمال شدن
آتش قحطے کہ در کنعاں بسوزد باغ و کشت + بر فراز تخت مصر از تاب وے بریاں شدن

(پنڈت) دینا ناتھ پارمو
اے۔ ڈی۔ آئی۔ بڈگام

تعلیمی خبریں

ٹیچرز ٹریننگ سکول سرینگر کی چھٹی سالگرہ

۱۳؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو شام کے پانچ بجے ٹیچرز ٹریننگ سکول سری نگر کی چھٹی سالگرہ منائی گئی۔ صدارت کے فرائض آنریبل مسٹر بی۔ این راؤ وزیر اعظم ریاست نے انجام دیئے۔ پروگرام کے مطابق حکام ریاست، ممبران اسمبلی، پبلک لیڈر اخباروں کے نمایندے سوا پانچ بجے سکول کے احاطے میں تشریف لائے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع معمولی چائے وغیرہ سے کی گئی۔ کیونکہ ہنگامی قوانین کے تحت پچاس سے زیادہ مہمانوں کے لئے پُرتکلف چائے کا انتظام نہیں کیا جا سکتا!

چائے پینے کے بعد معزز مہمانوں نے سکول کی مختلف سرگرمیوں کا جائزہ لیا۔ تینوں بنیادی درسوں کے بچے کام میں مصروف تھے بعض کھدر بن رہے تھے۔ اور بعض تولئے۔ کچھ بچے نوار بن رہے تھے۔ اور کچھ چرخوں اور تکلیوں پر سوت کات رہے تھے اور کچھ چرخوں پر دھاگوں کو بٹ رہے تھے۔ زراعت کا حرفہ سیکھنے والے اپنا کام کر رہے تھے اور استاد بھی مربوط اسباق کا خاکہ بورڈ پر دکھا کر بچوں کو نئی تعلیم کے اصولوں کے مطابق پڑھا رہے تھے کچھ بچے ابری بنا رہے تھے اور کچھ کارڈ بورڈوں سے صندوقچی ڈبے وغیرہ تیار کر رہے تھے ایک سکشن میں سکول جانے کی عمر سے پیشتر کے بچوں کی پرورش اور تربیت کے طریقے دکھائے جا رہے تھے۔ دوسری طرف بعض بچے لکڑی کا کام کر رہے تھے اور اچھی اچھی چیزیں بنا رہے تھے۔

زیر تربیت استاد بھی اپنے اپنے مشغلوں میں مصروف تھے۔ جن میں سے سوزن کاری، برتن سازی، کاغذ سازی، مشارخ سازی اور مختلف پھلوں سے مربے بنانے کا کام، صابن سازی، روغنائی اور خوشبودار تیل بنانے کا کام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ چند استادوں نے پھلوں کے مربے کی ایک چھوٹی سی بوتل آنریبل وزیر اعظم کی خدمت میں بھی پیش کی۔ جو اسی وقت تیار کیا گیا تھا۔ جس کو آپ نے خندہ پیشانی سے قبول فرمایا۔

سکول کی عمارت میں سکول میں بنی ہوئی چیزوں کی نمائش کا انتظام تھا جس میں استادوں کی لکھی ہوئی

کتابیں، چارٹ اور آرٹ ماسٹر اور نگارخانہ تمام مہمانوں کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ شریمتی رامیشوری نہرو نے ان تصویروں کی بابت فرمایا تھا کہ ان تصویروں میں زندگی ہے کیونکہ یہ زندگی کی تصویریں ہیں۔

نمائش اور بچوں کا کام دیکھنے کے بعد تمام حاضرین مطمئن نظر آرہے تھے میں نے خود دیکھا۔ کہ بچوں کا کام دیکھتے وقت اکثر حضرات نے بچوں سے بہت سے مشکل سوال کئے اور وہ اُن کے مناسب جواب پاکر بہت خوش ہوئے۔ ایک بزرگ نے ایک کھدر بننے والے بچے سے پوچھا کہ اس تانے میں کل کتنے دھاگے ہیں۔ اس نے بتایا کہ ایک انچ میں سو دھاگے ہیں اس کے بعد انہوں نے تانے کا ایک دھاگا کاٹ ڈالا۔ اور اس کو رتیہ کی آنکھ سے باہر نکال دیا۔ اور بچے سے دھاگہ جوڑنے کو کہا جو اس نے بہت جلد جوڑ کر دکھا دیا۔ اسی طرح ایک بچہ لکڑی پر رندہ کر رہا تھا۔ ایک صاحب نے اس سے کہا کہ وہ اس رندے کے اجزاء الگ الگ کرکے پھر جوڑے۔ بچے نے یہ سارا کام دو تین منٹ میں کر دکھایا۔

اس کے بعد پروگرام کے مطابق سب حاضرین جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔ جہاں سائبان لگایا ہوا تھا۔ اور کافی تعداد میں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ آنریبل وزیراعظم نے کرسی صدارت کو رونق بخشی اور پیرزادہ غلام رسول صاحب ہیڈ ماسٹر ٹیچرز ٹریننگ سکول نے اپنی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ رپورٹ میں آپ نے پرانی تعلیم اور نئی تعلیم کا فرق، ایجوکیشنل ری آرگنائزیشن کمیٹی کے قیام ٹیچرز ٹریننگ سکول کے قیام اور چھ سال کے عرصے کے اندر اس کے کام کی تفصیل بتائی۔ اور استادوں کو کس طرح اس ادارہ میں تربیت دی جا رہی ہے۔ کون کون سے مضامین پڑھائے جا رہے ہیں، کن بنیادی حرفوں اور شغلوں میں ان کو ٹریننگ دی جا رہی ہے۔ ان سب حالات پر روشنی ڈالی۔ اور وہ رائیں پڑھ کر سنائیں۔ جو ہندوستان کے ماہرین تعلیم و ماہرین سیاسات نے وقتاً فوقتاً اس ادارہ کے ملاحظہ کے بعد اس کے بارے میں لکھی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ بہت کچھ کیا گیا ہے لیکن کام کی نوعیت کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ ابھی ابتدا بھی نہیں ہوئی۔ اور آپ نے امید ظاہر کی کہ وہ مسلسل کوشش اور سعی پیہم سے کام لے کر کام کو زیادہ خوش اسلوبی سے انجام دیں گے۔

اس کے بعد جناب خواجہ غلام السیّدین صاحب ناظم تعلیمات نے اپنی تقریر میں فرمایا۔ کہ کچھ دن ہوئے ہیڈ ماسٹر ٹیچرز ٹریننگ سکول سری نگر نے میرے سامنے خواہش ظاہر کی کہ وہ ایک تقریب منانا چاہتے ہیں جس میں سرینگر کے سربرآوردہ اصحاب کے علاوہ حکام نمائیندگان پریس اور ممبران اسمبلی مدعو کئے

ہیں۔ اور انہیں کام کا ملاحظہ کرنے اور اپنی تجاویز پیش کرنے کی دعوت دی جائے۔ میں نے ہیڈ ماسٹر
اس خیال کو پسند کیا۔ اور انہیں اجازت دی۔ کہ وہ ایسا کریں۔ اور خوشی کی بات ہے کہ آنریبل
یم منسٹر نے اس تقریب کی صدارت منظور فرمائی۔ آج سے ۶ سال پہلے ہز ہائینس کی حکومت نے
ں ایک ایجوکیشنل ری آرگنائزیشن کمیٹی قایم کی تھی۔ جس نے ریاست میں ایک نئی تعلیم کا
ڈھنگ ڈالا ہے۔ نئی تعلیم کی نمایاں خصوصیات دو ہیں۔ اول یہ کہ پرانی تعلیم نے تعلیم اور زندگی تعلیم یافتہ
ناخواندہ لوگوں کے درمیان رابطہ اتحاد قایم کرنے کے بجائے اختلاف کی خلیج قایم کردی تھی اور تعلیم یافتہ
ں نے یہ مفروضہ قایم کرلیا تھا کہ وہ صرف دماغی کام کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ہاتھ سے کام
نا اُن کی توہین ہے۔ نئی تعلیم اس فرق و امتیاز کو مٹانا چاہتی ہے اور دماغی کام اور ہاتھ کے کام
ں ہمنوائی پیدا کرکے تعلیم یافتہ لوگوں اور عوام میں یک جہتی پیدا کرنے کی مدعی ہے۔ دوسرا اصول
ہے کہ پرانی تعلیم کی رُو سے سکول اور سماج میں ہم آہنگی نہ تھی۔ ایک تعلیم یافتہ یا سند یافتہ شخص
پنے سماجی مسائل سے اس قدر ناواقف اور بےخبر ہوتا تھا۔ گویا وہ کسی دوسری دنیا کا باشندہ ہے
ں تعلیم چاہتی ہے کہ مدرسہ کو سماجی سرگرمیوں کا مرکز بنایا جائے۔ اور اس میں اس ڈھنگ پر تعلیم
ی جائے کہ یہ ہونہار اور نوخیز بچے جب شہری بن جائیں تو اپنے سماج کے لئے مفید ثابت ہوں۔
ج آپ نے دیکھا ہے کہ بچے سکولوں میں وہی کام کرتے ہیں جو ہمارے عوام اپنی روزمرہ زندگی میں
ینے کے عادی ہیں۔ اور انہیں وہی حرفے سکھائے جا رہے ہیں جو ہماری سماج میں چالو ہیں مجھے اس بات
اندازہ ہے کہ اس سکیم کے خلاف بعض غیر مناسب نکتہ چینیاں بھی ہوئی ہیں نکتہ چینوں کا خیال ہے
ایسے بعض اداروں میں جو کچھ دکھایا جاتا ہے وہ درحقیقت بچوں اور استادوں کی بنائی ہوئی چیزیں نہیں
وتیں۔ بلکہ بازار سے خریدی جاتی ہیں! لیکن امید ہے کہ آپ حضرات کو استادوں اور بچوں کو عملاً کام
تے دیکھ کر ان نافہم اور بدبین حضرات کی معاملہ فہمی اور خلوص کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اگرچہ انہوں نے
ہی یہاں کا کام نہیں دیکھا۔ لیکن الہامی طور پر انہیں سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں
سکول کے کارکنوں نے پنڈت جواہر لعل نہرو جیسے صاحب بصیرت اور حکومت ہند کے تعلیمی مشیر مسٹر
ان سارجنٹ جیسے ماہر تعلیم کو تو دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ لیکن ان حقیقت شناس حضرات نے
غیر مشاہدہ کے سکیم کے تمام نقایص کو سمجھ لیا ہے۔ میں اس موقعہ پر اس سکول کے ہیڈ ماسٹر اور استادوں

کو علی الاعلان مبارکباد دینا چاہتا ہوں جنہوں نے میری تجاویز پر عمل کر کے اس درسگاہ کو ایک زندہ ادارہ بنا دیا۔ اور یہی لوگ اس کامیابی کیلئے مستحق تحسین ہیں۔ کیونکہ تجویزیں پیش کرنا یا کام پر تنقید کرنا آسان ہے اور میرا تو اتنا ہی کام ہے۔ برخلاف اس کے شب و روز کی محنت سے تجویزوں کو عملی جامہ پہنانا بہت مشکل اور صبر آزما کام ہے جو ان لوگوں نے کر کے دکھایا ہے جب کوئی مجھے اس سکول کی یا اس سکیم کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہے تو میں اُن سے یہی کہتا ہوں کہ مبارکباد مجھے نہیں ان لوگوں کو دو جن کا یہ کارنامہ ہے جب میں اپنے کشمیر کے قیام پر نظر ڈالوں گا۔ تو مجھے اس بات کی بہت خوشی ہوگی۔ کہ اُستادوں کا ایک اچھا مدرسہ یہاں قائم ہو گیا۔ کیونکہ یہ کسی تعلیمی سکیم کو کامیابی سے چلانے کی شرطِ اوّل ہے آخر میں انہوں نے حکومت کے نئے وزیر تعلیم اور خاص کر سر گوپالا سوامی آینگر کا شکریہ ادا کیا۔ جن کی توجہ اور مدد سے یہ کام چلا۔

جناب ناظم تعلیمات کی تقریر کے بعد آنریبل پرائم منسٹر نے اپنی صدارتی تقریر فرمائی۔ اور کہا "میں آج کی تقریب کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوا ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ میں نے ایک دفعہ اس ریاست کو نمونہ کی ریاست بنانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ جس پر بعض لوگوں کو اعتراض تھا لیکن میں اس خواہش پر نادم ہونے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ یہ ممکن ہے کہ میں اپنے قیام کے دوران میں اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکوں۔ لیکن اس کے لئے کوشش کرنا ہمارا آپ کا سب کا فرض ہے۔

آج جب میں نے اس سکول کے استادوں اور بچوں کا کام دیکھا ہے اس سے ریاست کے مستقبل کی طرف سے مجھے اطمینان ہو گیا ہے اور خیال ہوا ہے کہ کم از کم تعلیم کے معاملے میں یہ ریاست نمونے کی ریاست بنتی جا رہی ہے میں مسٹر سیدین کو اس کامیابی پر مبارکباد دے رہا ہوں کہ اُن کی سعی پیہم سے کشمیر کو بھی ہندوستان کے تعلیمی نقشہ پر جگہ مل گئی ہے۔ ہر ایک ریاست فخر کر سکتی ہے جسے مسٹر سیدین ایسے مشہور ماہر تعلیم کی خدمات بحیثیت ناظم تعلیمات میسر ہوں۔"

جلسہ شام کے ساڑھے سات بجے ختم ہوا۔ نمائش کو دیکھ کر بعض سرکاری اور غیر سرکاری سر برآوردہ اصحاب نے خواہش ظاہر کی کہ نمائش کل دن کے لئے بھی خواتین کے لئے کھلی رہے۔ جناب ناظم تعلیمات نے اس بات کی اجازت دے دی۔

جلسہ گاہ میں پردہ نشین خواتین کے لئے خاطر خواہ انتظام کیا گیا تھا۔

غلام رسول نازکی
لٹریری اسسٹنٹ

بچّوں کی دُنیا

یورپ کا کشمیر (۱)

بچو! تم جانتے ہو ہمارا کشمیر اپنے دلکش باغوں، جھیلوں، وادیوں، پہاڑوں اور قدرتی نظاروں کی وجہ سے ساری دُنیا میں مشہور ہے لوگ اسے دُنیا کی جنت کہتے ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں ہر سال ہزاروں آدمی پنجاب، ہندوستان اور دُنیا کے دوسرے ملکوں سے چلکر سیر کے لئے یہاں آتے ہیں اور یہاں کی قدرتی خوبصورتی اور خوشگوار آب وہوا کا لطف اُٹھاتے ہیں۔ یورپ میں بھی اس قسم کا ایک ملک ہے جس کا نام سوئٹزرلینڈ ہے اور جسے یورپ کا کشمیر کہتے ہیں اٹلی، فرانس، انگلستان، جرمنی اور دوسرے مغربی ملکوں کے امیر لوگ جو دُور ہونے کی وجہ سے ہمارے کشمیر تک نہیں آسکتے۔ وہ اکثر گرمیوں کے موسم میں یورپ کے کشمیر یا سوئٹزرلینڈ چلے جاتے ہیں اور وہاں کے خوبصورت قدرتی نظاروں کی خوب سیر کرتے ہیں۔ آج ہم تمہیں اس ملک کے متعلق کچھ باتیں بتائیں گے۔

سوئٹزرلینڈ ایک چھوٹا سا ملک ہے جو اٹلی سے شمال کی طرف یورپ کے وسطی حصے میں واقع ہے۔ یہاں پہاڑوں کا ایک اونچا سلسلہ ہے جسے ایلپس کے پہاڑ کہتے ہیں یہ پہاڑ اپنی اونچائی اور قدرتی خوبصورتی کی وجہ سے ساری دُنیا میں مشہور ہیں۔ ان میں سے بعض تو سارا سال برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ جب تازہ برف پہاڑوں پر گرتی ہے تو جمی ہوئی پرانی برف بوجھ سے دب کر ڈھلوانوں سے نیچے کی طرف سرکنا شروع کر دیتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ نیچے وادی میں پہنچ جاتی ہے جمی ہوئی برف کے ان بڑے بڑے تودوں کو گلیشیئر کہتے ہیں اور ان پر جب سورج کی روشنی پڑتی ہے۔ تو پہاڑ اور وادیاں جگ مگ جگ مگ کرنے لگتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ چاندی کا ایک بڑا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے دریا انہی برفانی گلیشیئروں سے نکلتے ہیں۔

اونچے برفانی پہاڑوں سے اُتر کر نیچے کی طرف چیل کے درختوں کے جنگلات اور گھاس کی

خوبصورت چراگاہیں ہیں اور ان سے نیچے وادیوں میں گاؤں، بستیاں، سڑکیں اور شہر ہیں جنیوا
یہاں کا ایک مشہور شہر ہے جو اپنی خوبصورتی اور گھڑیوں کی وجہ سے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ پچھلے
بڑے جنگ کے بعد دنیا کے ملکوں نے آئندہ امن کے لئے لیگ آف نیشنز کے نام سے جو مجلس
بنائی تھی اس کا دفتر بھی اسی شہر میں تھا۔

سوئیٹزرلینڈ میں کوئلہ نہیں نکلتا۔ اس لئے لوگ جلانے کے لئے لکڑی کا ہی استعمال کرتے ہیں
لکڑی اور گھاس کو یہاں کے لوگ بڑی ضروری چیز سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جاڑے کے موسم میں برفانی سردی
سے بچنے کے لئے مکانوں کو دن رات گرم کیا جاتا ہے اور مویشیوں کو تھان پر بندھے بندھے
چارہ اور گھاس ڈالنی ہوتی ہے اس لئے بہت سے دیہات میں گھروں کے ساتھ عموماً چھوٹی چھوٹی
چراگاہیں اور لکڑیوں کے بڑے بڑے ٹال ہوتے ہیں۔

ان چراگاہوں میں مویشیوں کو چرنے کے لئے کھلا نہیں چھوڑا جاتا۔ بلکہ احتیاط سے گھاس کو کاٹ
کر جمع کر لیا جاتا ہے اور پھر سکھا کر ضرورت کے وقت مویشیوں کو چارہ ڈالا جاتا ہے بکریاں اور
گائیں پہاڑی چراگاہوں میں چرنے کے لئے لے جائی جاتی ہیں۔ ان چراگاہوں میں رہنے کے لئے
لکڑی کی چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ ایک جھونپڑی میں مویشیوں کے لئے سوکھی
گھاس جمع رہتی ہے۔ اور دوسری میں دودھ، مکھن، پنیر وغیرہ تیار کرنے کا سامان۔ اس کے ساتھ ہی
ایک اور جھونپڑی میں عموماً کسان کا لڑکا اور اس کی بہن رہتے ہیں۔ وہ گایوں کا دودھ دوہتے ہیں
ان سے مکھن اور پنیر تیار کرتے ہیں۔ سردیوں کے لئے گھاس کاٹ کر سکھاتے ہیں۔ اور ہر دوسرے
تیسرے دن ان میں سے ایک تیار شدہ مکھن اور پنیر کو لے کر نیچے گاؤں میں بیچنے کے لئے
لے جاتا ہے۔ اور وہاں سے اپنے کھانے پینے کا سامان لے کر واپس آ جاتا ہے +

(باقی پھر)

صغرا بیگم
ایس۔ دی۔ کلاس
ٹیچرس ٹریننگ سکول جموں
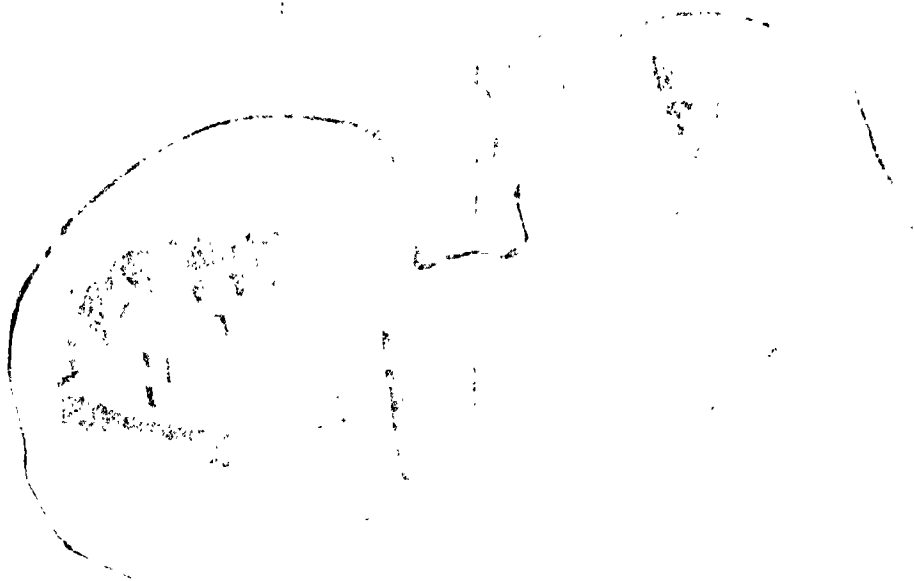
تعلیمِ جدید

(محکمۂ تعلیم حکومت جموں و کشمیر کا ماہوار رسالہ)

تعلیم جدید

(سلسلۂ نو)

جلد ۲ | بابت مارچ ۱۹۴۵ء مطابق پھاگن سمت ۲۰۰۱ | نمبر ۴

اس ماہ کے لکھنے والے اصحاب

۱۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب پرنسپل جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔
۲۔ جان نیوزم۔
۳۔ مقبول انور داؤدی صاحب۔ سب ایڈیٹر تعلیم و تربیت لاہور۔
۴۔ پروفیسر محمود ہاشمی صاحب۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔
۵۔ غلام رسول نازکی صاحب، منشی فاضل، ادیب فاضل۔
۶۔ فضل حسین کیف صاحب، منشی فاضل، ادیب فاضل۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۰۵

ایڈیٹر:۔ غلام رسول نازکی

تعارف

"ادارہ"

سرسری نظر میں

اس رسالے میں آپ کو بہت سی چیزیں ایسی ملیں گی جن کے مطالعہ سے آپ کی معلومات میں اضافہ اور آپ کے تخیل کو وسعت ملے گی۔ تعلیمی مضامین میں ایک مضمون "تعلیم اور ہمارے مدرسے" ہندوستان کے جلیل القدر اور نامور ماہر تعلیم ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب کا لکھا ہوا ہے جو انہوں نے آج سے بہت سال پہلے لکھا ہے۔ اور ہندوستان کے ایک ماہنامہ سے ہم نے اس کو لیا ہے۔ تعلیم کا عمل (PROCESS) کیا ہے اور ایک شخص کے خیالات و احساسات کو دوسرے شخص کے ذہن میں منتقل کرنے کا عمل کس طرح سے ہو جاتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے آپ اس مضمون کو غور سے پڑھیں۔ ممکن ہے پہلی دفعہ آپ اس پر حاوی نہ ہو سکیں۔ لیکن کوشش کیجئے۔ مشکل حل ہو جائے گی۔ اس مشکل مسئلہ کو ایسے آسان لفظوں میں ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب کے بغیر اور کوئی شخص ادا نہیں کر سکتا۔ اور پھر مضمون کے شروع میں ہی ڈاکٹر صاحب کی لطیف طنز دیکھئے کہ ہر وہ شخص زندگی کے دوسرے شعبوں میں ناکام ہوتا ہے وہ تعلیم کے شغل کے طور پر "ماہر تعلیم" بن بیٹھتا ہے "تعلیم نسواں" جناب انور روڈی صاحب مدیر معاون رسالہ تعلیم و تربیت لاہور کا مضمون بھی قابل ملاحظہ ہے۔

"روس میں بچوں کے کتب خانے" ایک نمونہ ہے دیکھ لیجئے کہ متمدن اور ترقی یافتہ قومیں زندگی کی دوڑ میں کتنی تیز رفتار ہیں۔ ایک ہی شہر میں ایسا بچوں کا کتب خانہ ہے۔ جس میں ۸۴ ہزار کتابیں ہیں۔ اور روس کے ہر گاؤں میں ایک ایک بچوں کا کتب خانہ!

یہ بیداری است یا رب یا بخواب!

تعلیمی خبروں کے عنوان کے تحت ہندوستان کے دیگر صوبوں اور ریاستوں کا تعلیمی حال سن لیجئے۔ نئی کتابوں پر تنقید کے سلسلے میں پروفیسر محمود ہاشمی صاحب ایم۔اے۔ ایل۔ایل۔بی کا مضمون درج کیا جاتا ہے محمود صاحب جوان سال ہونہار اور مسلم الثبوت نقاد ہیں انکے مضمون کو پڑھکر آپ خوش ہونگے۔

اُستادوں سے خطاب ——— غلام رسول نازکی

تعلیمی رسالہ

ہمارے پاس اب بھی اکثر اُستادوں کی طرف سے خطوط آتے رہتے ہیں کہ رسالہ سال بھر کے لئے سکول کے لئے منظور ہوا ہے۔ اس لئے اس کے چندے کی رقم کا بل بھیج دو۔ تا کہ چندہ بھیجد یا جائے۔ اس قسم کے خطوط بہ کثرت آتے ہیں اور ریاست کے طول و عرض سے آتے رہتے ہیں اس سے مجھے خیال ہوا۔ کہ دراصل ہمارا رسالہ (جو سکولوں میں التزام کے ساتھ جاتا ہے۔ اور جس کا مقصد یہ ہے کہ ہر اُستاد اس کی ایک ایک سطر پڑھ کر اپنے اور بیرونی دُنیا کے درمیان رابطۂ محبت قایم کرے) ہر استاد کے پاس پہنچتا تو ہے۔ مگر اکثر اس کو پڑھنے کی زحمت برداشت نہیں کرتے۔ اس سے رسالہ کے اجراء کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اور حکومت کا روپیہ ضایع ہماری محنت اکارت اور استادوں کو اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کا ایک اچھا موقع ہاتھ سے جاتا ہے۔

ہم نے کوشش کی ہے۔ کہ رسالہ کے ذریعہ آپ کو تعلیم کے جدید رجحانات سے آگاہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہمیں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے۔ اس کا فیصلہ ہم آپ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ البتہ ہم آپ کو یہ بتلانے کی کوشش کریں گے۔ کہ اس ضمن میں ہم نے کیا کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیرِ نظر پرچہ سلسلہ نو کا سولھواں پرچہ ہے۔ اس سولہ ماہ کے عرصہ میں ہم نے تعلیمی مضامین کے تحت کم و بیش ۴۵ مضامین شایع کئے۔ جن میں مطالعہ کے طریقے، زبان پڑھانے کا فن، تاریخ کی تعلیم، علم ریاضی، سزائیں، اظہارِ ذات کی تربیت، تعلیمی سجاوٹ، مختلف دستکاریوں کی اہمیت، جغرافیہ کی تعلیم، مضمون نویسی، سکول لائبریری، غرض تمام مضامین کو موثر طریقے پر پڑھانے کے متعلق مختلف تجربہ کار اور لائق استادوں کے لکھے ہوئے ذاتی تجربے موجود تھے۔ اور اگر استادوں نے ان مضمونوں کو ذرا دلچسپی اور غور سے پڑھا ہوگا۔ تو یقیناً

ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہوگا۔ اور ایک ان ٹرینڈ استاد بھی پڑھانے کی ٹکنیک سے بہت کچھ واقف ہوتا ہوگا۔ تعلیمی خبروں کے سلسلے میں ہم نے کوشش کی کہ ہم آپ کو ہندوستان، چین، جاپان، انگلستان امریکہ اور ترکی وغیرہ تمام ملکوں کی تعلیمی ترقی سے آگاہ کرتے رہیں۔ اور اس سے ہمارا مدعا یہ تھا کہ آپ دیکھ لیں۔ کہ موجودہ دور میں تعلیم کو کامیاب بنانے کے لئے وہ کونسی چیز ہے جو تمام ملکوں اور تمام قوموں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔ غالباً آپ نے اندازہ کیا ہوگا۔ کہ سکولوں میں دماغی تربیت کے پہلو بہ پہلو اُن کے ہاتھوں کی تربیت کی طرف تمام اقوام عالم اور ممالک عالم کے ماہرین تعلیم متفق الرائے ہیں۔ تعلیمی تحریکوں میں ہم ریاست اور بیرون ریاست کی تعلیمی تحریکوں کے متعلق لکھتے رہے ہیں۔ چنانچہ اکثر وہ تحریکیں جو ہماری ریاست میں اس وقت چالو ہیں ریاست سے باہر بھی موجود ہیں۔ اور وہاں کے لوگ ان کی طرف اپنی پوری توجہ صرف کر رہے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ استاد جو بھی کوئی نیا تجربہ اپنے سکولوں میں کریں۔ اس کی تمام روداد، اس کے نتائج اور اس کا افادی پہلو، کامیابی یا ناکامی کے اسباب ہمیں لکھ بھیجیں۔ تاکہ ہم اسے شایع کرتے رہیں۔ اور اُن کی دیکھا دیکھی اور اُستاد بھی عملی طور پر تعلیمی تجربات کرنے لگیں۔ اور تعلیم نظری ہونے کے بجائے عملی ہوجائے۔ اس سلسلے میں صرف اپنے اپنے گاؤں کا سروے کرنا ہی کافی نہیں۔ اور بھی بہت سی صورتیں ہیں جن پر وہ عمل کرسکتے ہیں۔ اور اپنے کام کی تفصیل ہمیں اشاعت کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں بنیادی سکول ہٹوت نے ریفارمیشن ہیوم اور سنٹرل بیسک سکول اودہم پور نے ایک بچوں کا شفاخانہ قایم کیا ہے۔ انہوں نے اس کی تفصیل ہمیں لکھ بھیجی۔ اور ہم نے خوشی سے اس کو شایع کیا۔

استادوں کی خط وکتابت کے ذریعہ ہم چاہتے تھے۔ کہ ریاست کے تمام اُستاد آپس میں مل جائیں۔ اور سب اپنی اپنی مشکلات لکھ دیں۔ ایک بھائی ایک مشکل کا حل ڈھونڈیں۔ تو دوسرے صاحب اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر اس کا حل بتا دیں۔ پڑھانے کے سلسلے میں ہر اُستاد کو دقتیں آتی ہیں انتظامی امور میں پریشانیاں ہوتی ہیں۔ لوگوں کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سکولوں میں بچوں کی تعداد کم ہوجاتی ہے۔ اور کئی دفعہ سکول بند ہوجاتے ہیں بعض دفعہ بچوں کی تعداد زیادہ اور استادوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ غرض ایک اُستاد کو ہزاروں مشکلات کا سامنا ہوتا ہے

اور ہم چاہتے ہیں کہ استاد اِن مشکلات کا ذکر کریں۔ اور دوسرے استاد ان کا حل بتا دیں۔ اور رسالے کا یہ کالم استادوں کی توجہ کا خاص مرکز بنا رہے۔ اور تمام استاد ایک پرچہ لینے کے لیے کے دن سے ہی دوسرے پرچے کے انتظار میں گھڑیاں گننے لگیں۔ مڈل اور پرائمری اور ہائی کلاسوں کو پڑھاتے وقت ایسے ہزاروں مسائل در پیش آتے ہیں۔ جن کو اکثر استاد خود بخود حل نہیں کرسکتے، اگر ایک استاد ایک ریاضی کا سوال نہیں سکھا سکتا، یا ایک مدرس اُردو کا یا فارسی کا ایک شعر واضح نہیں کرسکتا۔ تو اس میں شرمانے کی بات کیا ہے ؟ بے عیب صرف خدا کی ذات ہے اور پھر اچھا استاد اپنی کمزوری بیان کرنے سے کبھی نہیں جھکتا۔ کیا ادارہ اُمید رکھے گا۔ کہ آئندہ سے استاد اس بات کی طرف پوری توجہ دیں گے۔

اقتباسات کے ذریعہ ہم نے کوشش کی کہ ہم جناب ناظم تعلیمات اور دوسرے افسروں کے لاگ بک ریمارکس، تعلیمی سرکلر، دیگر رسائل کے چیدہ چیدہ مضامین آپ تک پہنچا دیں۔ گذشتہ چند ماہ سے ہم تعلیمی سرکلر زیادہ شایع نہ کرسکے۔ ادارہ کا خیال ہے کہ آئندہ التزام کے ساتھ ہر مہینے ایک ایک سرکلر شایع ہوتا رہے گا۔

بنیادی تعلیم اب گذشتہ چھ سال سے ہماری ریاست میں چالو ہے۔ ہم نے آپ کو بتایا ہے کہ ہندوستان کے دیگر حصوں میں کہاں کہاں بنیادی تعلیم کو رائج کیا گیا ہے یا کیا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں ریاست نے اس وقت تک کیا کیا ہے۔ تعلیم جدید کے کسی گذشتہ شمارہ میں آپ نے بنیادی تعلیم کی پنج سالہ رپورٹ ملاحظہ کی ہوگی۔ اس کے علاوہ ادارہ کی کوشش رہی ہے۔ کہ وہ بچوں کے لئے معلومات فراہم کرتا رہے۔ استادوں کی رہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً ہم نے مربوط اسباق شایع کئے۔ بچوں کی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کی، اور زمانے کی رفتار سے اُن کو باخبر رکھنے کے لئے موجودہ جنگ اور سائنس کی ترقی، زندگی اور سائنس، جنگ اور یورپ کے بچے وغیرہ عنوانات پر مضامین چھاپ دیئے۔ اس ضمن میں جناب خواجہ احمد عباس صاحب کا مضمون "یہ تمہاری دنیا ہے" اور رسالہ ہمایوں سے ماخوذ مضمون "یہ ہے تمہاری میراث" خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

سال بھر میں ہم نے اوسطاً سوا پانچ سو صفحے کی ایک مفید اور کارآمد کتاب لکھی جو آپکے پاس رسالے

کی صورت میں [illegible] اساتذہ [illegible] سے خطاب کے عنوان کے تحت عام طور پر جناب خواجہ غلام السیدین صاحب لکھتے رہے - اور آپ نے اپنی مسلم الثبوت قابلیت اور ہمہ گیر علمی شہرت کی بنا پر آپ کو تعلیم کے مختلف شعبوں پر مختلف ہدایتیں دیں - اور آپ کے ساتھ اس طرح بات چیت کرتے رہے - جس طرح ایک مربی عام طور پر کیا کرتا ہے -

نومبر کے پرچے کے ساتھ ہمارا "سلسلہ نو" کا ایک سال ختم ہو گیا - ان بارہ پرچوں کو جمع کر کے ایک جلد میں بندھوائیے - یا اگر آپ زیادہ سمجھداری سے کام لیں - تو ہر عنوان کے مضامین الگ الگ کر کے ان کی جلد بندی کرائیے - دس کتابیں بن جائیں گی - اور آپ کی لائبریری میں ہر سال ایسی ہی دس دس کتابوں کا اضافہ مفت میں ہوتا رہے - تو کتنی اچھی بات ہو گی - مثلاً تعلیمی مضامین کے تحت سال بھر میں جتنے مضامین شایع ہو گئے - ان کو الگ کر کے ایک جلد میں باندھ دیا - اسی طرح تعلیمی تحریکیں وغیرہ -

آپ اگر چاہیں - تو اس رسالے سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں ہماری کوشش بھی رہے گی کہ آپ کو ایسی معلومات فراہم کریں جن سے آپ کو آپ کے کام میں مدد ملے - اور آپ اپنا کام زیادہ خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں - رسالے کی بہتری کے سلسلے میں اگر اساتذہ اپنی تجویزیں ہمیں بھیج دیں - تو ہم خوشی سے ان پر غور کر سکیں گے - اور جو اصلاحیں یا ترمیمیں ان کی طرف سے آئی ہوں - اگر وہ فی الواقع اچھی ہوں - ان پر عمل کیا جائیگا - ہماری کوشش (جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں) یہی رہی ہے اور یہی رہے گی - کہ یہ رسالہ محکمہ کے صدر دفتر اور ریاست کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے دور دراز کے علاقوں کے اساتذہ کے درمیان ایک بات چیت اور حل مشکلات کا ذریعہ بن جائے - اگر اس رسالے کی بہتری میں آپ ہمارا ہاتھ بٹائیں گے - تو ہم بہت شکر گذار ہوں گے - نیازمند ایڈیٹر کو بہت سے ایسے لائق اساتذہ سے نیاز حاصل ہے - جو تعلیمی مسایل پر اچھی طرح اظہار خیال کر سکتے ہیں - لیکن کرتے نہیں - کیا یہ ان کا بخل نہیں ؟

تعلیمی تجربات — فضل حسین کیف

بچّوں اور والدین کا مشترکہ سکول

بچوں کے ساتھ اُن کی عمر کی بناء پر سلوک کرنا، بچوں کے نقطہ نظر سے والدین کی ایک صریح بے انصافی ہے۔ اُن بے چاروں کو اس وقت سکول بھیجا جاتا ہے، جب خود والدین گھر میں مزے سے آرام کر رہے ہوتے ہیں، نیو یارک (امریکہ) کے وسارنامی کالج میں اس عام اصول کے برعکس ایک دلچسپ تعلیمی تجربہ عمل میں لایا جارہا ہے۔ اس کالج میں بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں ایک کورس کے دوران میں بچوں اور اُن کے والدین دونوں کو پہلو بہ پہلو شاگرد کی حیثیت سے اکٹھے کام کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔

وسار نیو یارک کا ایک مشہور زنانہ کالج ہے اس کی منتظم ڈاکٹر میری فشر ایک قابل اور تجربہ کار خاتون ہے۔ جس کا مقولہ ہے کہ بچوں کے ساتھ کام کرنے کے بارے میں تین باتوں کی اشد ضرورت ہے اور وہ تین اصول ہیں۔

(۱) قواعد اور آئین کی نرمی اور لچک، (۲) درست لب و لہجہ اور (۳) اس امر کی پہچان کہ بچوں اور بڑوں میں بعض بنیادی اختلافات بھی ہوتے ہیں۔ اور اُن کی بعض ضروریات مشترکہ بھی ہوتی ہیں

سنہ ۱۹۴۴ء میں وسار سمر کے اس تعلیمی ادارے میں (جس کا پورا نام زمانہ جنگ میں بچوں اور کنبے کی تربیت کی خدمات انجام دینے والا وسار سمر انسٹی ٹیوٹ ہے)

۱۲۵ بالغ اور ۹۶ بچے داخل ہوئے۔ بالغوں میں سے ۴۰ فیصدی داخل ہونے والے بچوں کی مائیں تھیں۔ اور باقی پیشہ ور دستکار، استاد، صحت عامہ کے کارکن، وزیر، ڈاکٹر اور ایک بہتر سماجی زندگی کی تخلیق میں دلچسپی لینے والے لوگ تھے۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔

بچوں کی عمر میں کافی تفاوت تھی۔ ڈیڑھ سال سے لے کر ۱۳ سال کی عمر کے بچے موجود تھے۔
یہاں بچوں اور بڑوں کے رہنے اور کام کرنے کے کوارٹر الگ الگ ہیں۔ البتہ کھیل، تفریح اور دوسرے کئی مشغلوں پر انہیں ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا ہے۔
اس کورس کے دوران میں جوانوں کو کافی محنت اور مطالعہ سے کام کرنا پڑتا ہے انہیں خاص خاص تجربہ کا ہوں میں جانا پڑتا ہے بچوں کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت کے موضوع پر بعض کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن بچوں کا یہ حال نہیں ہے۔ اُن کے لئے یہ ایک دلچسپ مشغلہ ہے اور بس!
سال کے شروع میں ہی سوچ بچار کے بعد ایک پروگرام مرتب کر لیا جاتا ہے۔ بچوں کے والدین کو ہدایت کر دی جاتی ہے کہ وہ پہلے ہی اُن کا کوئی دل پسند کھلونا، کتاب یا کوئی اور دل بہلاوہ اسکول میں بھیجدیں۔ تاکہ بچوں کو وہاں پہنچتے ہی اپنی تنہائی کا احساس نہ ہو۔ اور وہ اپنے پسندیدہ شغل میں محو ہو کر وہاں بھی گھریلو زندگی کا سا لطف اٹھا سکے۔
چنانچہ سکول میں جب پہلے دن بچہ آتا ہے۔ تو اُس کی ماں ساتھ ہوتی ہے۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ اپنے دل پسند مشغلے کو دیکھتا ہے اور خوش ہو جاتا ہے۔ وہ ماں کے ساتھ اُسی کمرے میں کھانا کھاتا ہے۔ اور پھر اُسے اپنے اُستاد سے ملایا جاتا ہے۔ جس کے سپرد کل چار یا پانچ بچے ہوتے ہیں وہ انہیں کے ساتھ کھانا کھاتا ہے کپڑے پہننے میں ان کی مدد کرتا ہے۔ اور اُن کی اُن تمام ضروریات کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ جن کے لئے انہیں ماں کا دست نگر ہونا پڑتا ہے۔
دوسرے دن بھی ماں زیادہ وقت بچے کے ساتھ رہتی ہے۔ تاکہ اُسے کسی طرح کی تکلیف نہ ہو اور وہ اپنی تنہائی کے احساس سے گھبرا نہ جائے۔ لیکن اس کے بعد بچہ اور ماں اپنے اپنے گروہوں میں الگ الگ رہنے سہنے اور کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ البتہ روزانہ ایک گھنٹے کے لئے دونوں مل کر اکٹھے گھر جاتے ہیں۔
درسگاہ کے صدر ڈاکٹر فشر کے قول کے مطابق ننھے بچوں کو خوش رکھنے والی چیز اُن کے مزیدار کھانے کا انتظام ہے۔
کھانا کھانے کے سلسلے میں چھوٹے بچوں پر کسی طرح کی پابندی نہیں۔ وہ اپنی اپنی جگہ پر جتنی

دیر جا میں بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں۔ اکٹھے شروع کرنے اور اکٹھے ختم کرنے یا ایک دوسرے کا انتظار کرنے کی اُن پر شرط نہیں ہے۔

بچے کا دن کا پروگرام اس طرح ترتیب دیا جاتا ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے بالکل تنہا رہ سکے۔ اُستاد اس کی دل پسند چیزیں اور مرغوب کھانے ایک کمرے میں سجا کر رکھ دیتا ہے اور بچے کو ایک خاص وقت تک بالکل اکیلا چھوڑ دیا جاتا ہے اس طرح اس میں اظہارِ خودی اور اعتمادِ ذات کا جذبہ شروع ہی سے پیدا ہونے لگتا ہے۔

بڑے بچوں کو اپنی ضروریات آپ پورا کرنے کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے بستر خود لگاتے ہیں، کھانے کی میز پر اپنے ساتھیوں کا انتظار کرتے ہیں اور بعض اوقات اپنے رہنے کی چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں کو خود ہی بناتے اور خود ہی سجاتے ہیں۔

بالکل ننھے بچوں کے کھیلنے کے میدان الگ ہیں، درمیانی اور بڑی عمر والوں کے لئے کھیل تفریح اور کام کی جگہوں کا علیحدہ انتظام ہے۔ ہر عمر کے بچے اپنے اردگرد کی قدرتی اشیاء زمین پانی، مٹی، کیچڑ، پودوں اور جانوروں کا خوب استعمال کرتے ہیں اس طرح سائنس، مطالعہ قدرت اور آرٹ کے اسباق اُن کے روزمرہ کام کا لازمی جزو ہیں۔ موسیقی بھی اُن کے پروگرام میں شامل ہے گانے کے ساتھ ساتھ بچے خود ہی راگ کے سادہ آلات اور آسان گیت بھی بناتے ہیں؟

تیرنے کے تالاب تفریح گاہوں اور کھیلوں کا خاص طور پر انتظام ہے۔ بڑے بچے کبھی کبھی جوانوں کے پروگرام خصوصاً کھیلوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔

بالغوں کا پروگرام زمانۂ جنگ کی خانگی اور معاشرتی زندگی کی مشکلات کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے سکول کے نام کے ساتھ "زمانۂ جنگ کی زندگی کی تیاری کرانے والا ادارہ" کے الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں۔ جنگ کے بعد اس ادارہ کا پروگرام زیادہ وسیع اور نئی لائینوں پر سماجی خدمات سرانجام دینے کا ہے۔

بالغوں کی تعلیم و تربیت کے لئے کل سات قسم کے کورس ہیں جن میں سے بعض اپنے مخصوص مقاصد اور اہمیت کے اعتبار سے بہت دلچسپ ہیں۔ مثلاً "امریکی خاندانوں کی فرائض"

کے کورس کی تیاری کے دوران میں طلبہ کو انفرادی اختلافات، خاندانی تعلقات اور ترقی کے مسائل کا وسیع مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر فشر ڈائرکٹر انسٹی ٹیوٹ کے قول کے مطابق والدین اور پیشہ ور کارکن ایک دوسرے سے انسانی برتاؤ کی زبان سیکھتے ہیں۔ اور اس بات کا اندازہ لگاتے ہیں کہ انسانی اخلاق کو بامقصد بنانے کے لئے اسے انسانی ضروریات کے سانچے میں ڈھالنا ضروری ہے۔ اور دوسروں کی پہچان اور ان کا احترام اس راستے میں بہترین ماہر ہیں۔"

ان کورسوں میں مختلف موضوعات پر بحث مباحثے ہوتے ہیں۔ جن میں ہر ایک طالب علم کو اپنے تجربے کی بنا پر کچھ نہ کچھ بولنا پڑتا ہے۔ نیو یارک، واشنگٹن اور دوسری جگہوں کے بعض سربرآوردہ آدمیوں کے لیکچر بالغوں کے پروگرام کا خاص جزو ہیں۔

سالانہ امتحانوں کے نتیجے مختلف طریقوں سے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ کئی انجمنوں نے بعض طلبہ اپنے اخراجات پر اس کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجے ہیں۔ انہیں یقین ہے۔ کہ یہاں سے واپسی پر جب وہ گھر پہنچیں گے۔ تو اپنے کنبے اور سماج کی زندگی میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی جائے۔

(ماخوذ و ترجمہ)

تعلیم میں انقلاب

آج کل برطانیہ میں تعلیم کے متعلق خبریں گذشتہ کئی سال سے زیادہ نمایاں طور پر شایع ہو رہی ہیں۔ ان کی وجہ بات سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ میرے خیال سے اس کی ایک وجہ تو یہی ہے۔ کہ حکومت نے تعلیمی تعمیر نو کے لیئے ایک بل پیش کیا ہے۔ مگر اس کے علاوہ ایک اور گہری وجہ بھی ہے۔

جس زمانہ میں جنگ کی خبریں اس قدر اہم ہیں آخر لوگ تعلیمی خبروں کی کیوں پرواہ کریں؟ میری رائے میں اس کا جواب تاریخ میں پنہاں ہے۔ ہمارے ملک میں اور سارے یورپ میں تمام بڑے بڑے تعلیمی انقلاب جنگوں کے بعد واقع ہوئے۔ اور لڑائی کے دوران ہی میں قدیم طریقوں کی بنیادیں ہلنی شروع ہوئیں۔ اس کی وجہ شاید یہی ہے۔ کہ جنگ کے زمانے میں لوگوں کو ان قدروں میں شبہ ہونے لگتا ہے۔ جن پر ان کی زندگی کا انحصار ہے۔ اور اس لیئے وہ لازمی طور پر ایک ایسی دنیا بنانے کی ترکیبیں سوچنے لگتے ہیں جس میں جنگ کے بعد مصیبت زدہ انسان زیادہ اطمینان سے سانس لے۔

ہر طرح کی سماجی تنظیم میں تعلیم کا سوال پیدا ہونا ضروری ہے۔ ہمارے جدید پروگرام کا نشان سرخ، گلابی یا نیلا، غرض کیسا بھی کیوں نہ ہو حقوق اور سہولتوں سے فایدہ اٹھانے والے شہریوں کو ٹرینگ ضرور ملنی چاہیئے۔ اسی سے وہ کام کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ سنہ [illegible] میں انگلستان میں تعلیم لازمی قرار دی گئی تھی۔ اس کے بعد سے اب تک بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ انگلستان کی تعلیم میں تعلیمی بل سب سے زیادہ انقلابی چیز ہے۔ تین سے

اٹھارہ سال تک کے سارے بچوں کے طریقہ تعلیم میں ترمیم کرنے کی تجویزیں ہیں۔لیکن ان میں ایک دو دوسری تجویزوں سے کہیں زیادہ اہم یا عجیب وغریب ہیں۔ میں اس موقعہ پر انہی کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اول تو پانچ سال سے چھوٹے بچوں کے واسطے (جن کی تعلیم لازمی ہے) پرورش گاہوں کے اسکولوں میں ترمیم بھی ہوگی۔ اور ان کی تعداد بھی بڑھائی جائیگی۔ عوام ایسے سکولوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ جنگ نے اس مطالبہ کو اور زیادہ تقویت پہنچائی ہے۔ کیونکہ دوران جنگ میں ہم نے سینکڑوں پبلک گاہیں کھول دی ہیں تاکہ مرد اور عورتوں کے بچے کی اچھی طرح دیکھ بھال ہو سکے۔ اس سے بچوں کو عمدہ ٹریننگ، طبی امداد اور خوراک حاصل ہوتی ہے۔ یہ عملی کام پچھلے بیس سالوں کے تمام پروپیگنڈا، اشتہار بازی اور تقریروں پر بھاری ہے۔

ثانوی تعلیم میں شاید سب سے بڑی تبدیلی ہوئی ہے۔ موجودہ ثانوی تعلیم میں تین بڑی خامیاں ہیں۔ اول نو ساتھ میں سے صرف ایک بچہ ثانوی تعلیم حاصل کرتا ہے۔ زیادہ تر بچے چودہ برس کی عمر میں ابتدائی تعلیم حاصل کرکے پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ بچے بدقسمتی سے ٹھیک اس وقت لکھنا پڑھنا چھوڑ بیٹھتے ہیں جبکہ ان کے زیادہ خوش نصیب بھائی ثانوی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ان سکولوں میں داخل ہوتے ہیں جنہیں (غلطی سے) پبلک اسکول کہتے ہیں۔ دوم قواعد کے اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جو انتخاب ہوتا ہے۔ وہ ناقص ہے۔ یہ ایک امتحان کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یہی اس سلسلہ میں فیصلہ کن چیز ہے۔ کچھ مستثنیات کو چھوڑ کر عموماً ہر بچہ زندگی کی صرف ایک صبح کو انگریزی، حساب اور عام معلومات کے امتحان میں جو کچھ پاتا ہے۔ اسی پر اس کی آئندہ تعلیم کا انحصار ہوتا ہے۔ تیسرا نقص تعلیمی اور سماجی ہے۔ اس سے کچھ لوگ ابتدائی تعلیم حاصل کئے ہوؤں میں شمار کئے جاتے ہیں اور کچھ ثانوی تعلیم پانے ہوؤں میں۔ ان میں مؤخر الذکر کے مقابلے میں سہولتیں حاصل ہوتی ہیں۔ بل مذکور ان مسئلوں کا حسب ذیل حل پیش کرتا ہے اول یہ سوال ہے کہ اسکول چھوڑتے وقت کیا عمر ہونی چاہیئے۔ اس سلسلے میں یہ تجویز ہے کہ سب بچوں کو ثانوی تعلیم دی جانی چاہیئے۔ جو گیارہ سال کی عمر میں شروع ہو۔ اور سولہ یا اس سے کچھ زیادہ عمر میں ختم ہو۔ آہستہ آہستہ ایسا کیا جائے گا۔ کہ یکم اپریل ۱۹۴۵ء کو اسکول چھوڑنے کی عمر ۱۵ سال ہو جائے گی۔ اگر مختلف قسم کی تعلیم گاہوں کے لئے اسکول چھوڑنے کی عمر یکساں

قرار نہ دی جائے۔ تو لوگ لامحالہ یہ سمجھنے لگیں گے۔ کہ نظری تعلیم عملی سے بہتر ہے یا عملی نظری سے بہتر ہے۔

جیساکہ میں نے ذکر کیا تھا دوسری دقت امتحان کی ہے۔ بچوں کے انتخاب کے بجائے انہیں مختلف قسم کی تعلیم گاہوں میں منقسم کر لینا چاہیئے۔ یہ طے کرنے میں کچھ تو والدین کی پسندیدگی کو دخل ہونا چاہیئے۔ کچھ اسکول کے زمانہ میں بچہ کے کام اور کچھ روبرو گفتگو کو۔ یہ کام کچھ آسان نہیں ہے۔ کچھ بھی طریقہ کیوں نہ اختیار کیا جائے۔ بہرحال دو ڈھائی سال بعد بچوں کو ایک سے دوسرے اسکول میں ضرور بھیجنا چاہیئے۔ آپ گیارہ سال کی عمر میں ہرگز یہ فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کہ سولہ سال کی عمر میں بچہ کی ذہنی ترقی اور رجحان کیا ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے۔ کہ ثانوی اسکولوں میں تعلیمی اختلاف ہونے کے باوجود معیار یکساں ہونا چاہیئے۔ گذشتہ چالیس سالوں میں اکثر بچوں کے لئے ثانوی تعلیم ایک ہی قسم کی رہی ہے۔ یعنی نصابی تعلیم۔ ہم نے غلطی سے یہ فرض کر لیا تھا کہ یہی سب بچوں کے لئے بہترین تعلیم ہے۔ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کہ اس طرح قوم کے کتنے بچوں کی صنعتی اور فنی صلاحیتوں کو نقصان پہنچا۔

حکومت کی تجویز ہے۔ کہ قواعد کے سکولوں اور جدید سکولوں کا معیار یکساں ہو۔ عمارتیں اور معلم بھی ایک سے ہی ہوں۔ اور ہر جگہ تعلیم مفت دی جائے۔ مہذب سماج میں جیسے تعلیم یافتہ کلرکوں اور منتظموں کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی عمدہ تعلیم پائے ہوئے عوام کی بھی ضرورت ہے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ معمار کو بھی بیرسٹر جیسی تعلیم ملنی چاہیئے۔ تو ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ دونوں پر برابر روپیہ، وقت اور محنت صرف ہونی چاہیئے۔ نہ یہ کہ دونوں کو ایک ہی بات سکھائی جائے۔ اس طرح رتبہ کا یکساں ہونا تعلیمی دائرے کے باہر بھی ترمیمات کا متقاضی ہوگا۔ والدین کو مجبوراً یہ محسوس کرنا ہوگا۔ کہ جو بچہ عمدہ انجینئر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسے کلرک یا بیمہ کمپنی کا ایجنٹ بننے پر مجبور کرنا جرم ہے۔ اس کے معنی بچہ ہی کو برباد کرنا نہیں ہیں بلکہ اس سماج کو بھی کمزور بنانا ہے۔ جو ہر طرح کے متعدد دماغوں کا ضرورت مند ہے خواہ

تو طلبہ ضرور یہ خیال کریں گے کہ انہیں بچہ سمجھا جاتا ہے۔ درحقیقت انہیں محسوس کرنا چاہیئے کہ اسکول ایک طرح کا کلب ہے۔ جس میں شاندار دلچسپیاں ہیں۔ اس سے بھی زیادہ ضروری چیز متعلم ہے نوعمر لڑکے لڑکیاں اپنے معلموں کی سنی سنائی باتوں ہی کو پتھر کی لکیر نہیں سمجھیں گے۔ بلکہ ذاتی تجربوں سے علم حاصل کریں گے۔ چونکہ نوجوان خارجی حیات کا تجربہ کریں گے۔ اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ معلموں کی زندگی بھی اسکول کے کمروں تک محدود نہ رہے۔ ہم امید کرتے ہیں۔ کہ جو لوگ آج کل فیکٹریوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں وہ تعلیم کا پیشہ اختیار کرنا پسند کریں گے۔ اسی قسم کے لوگ درحقیقت نوجوانوں کی ہمت افزائی کر سکتے ہیں۔ اور ان کے لئے بہترین معلم ثابت ہو سکتے ہیں۔

ہم اس قسم کی تعلیم کو لازمی کہتے ہیں۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہر ہفتہ چند گھنٹوں کے لئے نوجوانوں کو کالج میں حاضر ہونے کی ضرورت لازمی ہونی چاہیئے۔ لیکن ہم کسی کو قانوناً مجبور نہیں کر سکتے۔ اگر یہاں حاضر ہونا ضروری تصور کیا جائیگا۔ تو محض اپنی نوعیت میں ہے۔ یعنی یہ کالج ایسے دلکش بنائے جائیں گے۔ کہ بچے ادھر ادھر گھومنے پھرنے اور معمولی کام کرنے کے مقابلے میں یہاں آ کر کچھ وقت صرف کرنا زیادہ پسند کریں گے۔ یہ زبردست تجربہ کیا جاتا ہے۔ اور اگر یہ کامیاب ہو گیا۔ تو ہم یقیناً بچپن اور بلوغ کے درمیان خلا پُر کر سکیں گے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ کام کچھ آسان نہیں۔

میں نے پرورش گاہوں کے اسکولوں، ثانوی سکولوں اور نوجوانوں کے کالجوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور اہم شئے تعلیم بالغان ہے۔ اور دوسری قومیں اس حقیقت کو نظر انداز کر جاتی ہیں کہ تعلیم ہر دورِ حیات میں حاصل کی جا سکتی ہے۔ دماغ اور جسم کو درست رکھنے کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ اگر ان کی تربیت نہ ہو۔ تو ذہنی اور روحانی انحطاط شروع ہو جاتا ہے دوسرے لفظوں میں حفاظت کے بغیر بہترین انجن خراب ہو سکتا ہے۔ ہم نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا ہے۔ ہم اپنی محنت اور دولت کا ۹۸ فیصدی بچوں کی تعلیم پر صرف کر دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ اپنی زندگیوں کے باقی زیادہ حصہ میں اپنی ذہنی صلاحیتوں کی حفاظت خود کریں گے۔ اس کے نتائج ظاہر ہیں۔ اب یہ تجویز ہے۔ کہ شعبہ تعلیم کے حکام بالغوں کو بھی ایسے مواقع فراہم کریں۔ کہ وہ ہمیشہ ذہنی ترقی کرتے رہیں۔ ان کے لئے بھی یہ بات اتنی ہی ضروری ہونی چاہیے

جتنی کہ بچوں کے لئے سکول کھولنا۔ ان باتوں میں اور جنرل سمٹس کی حال ہی کی تقریر میں قریبی تعلق ہے۔ اس جنگ کے خاتمہ پر ہمیں تعلیم کی ترقی میں سخت کوشش کرنی پڑے گی۔ کیونکہ ہم محض شاندار کامیابی ہی کے سہارے زندگی نہیں گذار سکتے۔ ہمیں سمجھ بوجھ کی ضرورت ہوگی۔ اسی واسطے ہماری تعمیر نو کی اصلاحوں میں تعلیم کا بڑا حصہ ہوگا۔

اگر انگلستان کو ایک بڑے تجارتی اور صنعتی ملک کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو اسے اپنے اہل قوم کو ذہنی اعتبار سے زیادہ سے زیادہ اٹھانا ہوگا۔ ۷۰ سال قبل ڈسرائیلی نے اس کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس کے الفاظ آج کے حالات میں بھی اتنے ہی صحیح معلوم ہوتے ہیں جتنے کہ جب تھے۔ اس نے کہا تھا۔ "اس ملک کی قسمت کا دارومدار اس کے عوام کی تعلیم پر ہے"

(ماخوذ از "آج کل")

بنیادی تعلیم ——— ماخوذ

روس میں بچوں کے کتب خانے

بچوں میں مطالعہ کا صحیح ذوق پیدا کرنا بنیادی تعلیم کا ایک اہم مقصد ہے اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے بنیادی مدرسوں میں کتابوں کی نمایش اور دیگر ذرائع سے بچوں میں مطالعہ کا شوق پیدا کیا جاتا ہے محکمہ کی تجویز ہے کہ سرینگر اور جموں کے دو شہروں میں بچوں کیلئے دو کتب خانے کھولے جائیں۔ اس سلسلے میں گذشتہ سال جموں میں اور اس سال سرینگر میں دو نمایشیں بھی منعقد ہوئی تھیں۔ اول الذکر کی رسم افتتاح آنریبل سر بی۔ این راؤ وزیر اعظم اور موخر الذکر کی شری یوراج بہادر نے ادا کی تھی۔ ان دونوں نمایشوں کا حال تعلیم جدید کے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ بچوں میں مطالعہ کا صحیح ذوق پیدا کرنے کیلئے ان تمام سائنٹفک طریقوں کو عمل میں لایا جائے۔ جو بنیادی سکولوں کے استاد ٹرینگ سکولوں میں سیکھتے ہیں متمدن اقوام نے بچوں کے مطالعہ کی تربیت کے لئے بہت سی سہولتیں بہم پہونچائی ہیں۔ اس سلسلے میں ذیل نوٹ ملاحظہ کیجئے۔ آپ کو اندازہ ہوگا۔ کہ روس کی حکومت نے اس ضمن میں کتنی کامیابی حاصل کی ہے۔

(غلام رسول نازکی)

روس میں بچوں کا لٹریچر تیار کرنے کے لئے خصوصی طور پر پبلشر اور مصنفین مقرر ہیں۔ چنانچہ روس کے ہر گاؤں میں ایک ایک بچوں کی لائبریری موجود ہے اور شہروں میں تو کئی کئی مطالعہ کے مرکز اور کتب خانے قایم کئے گئے ہیں۔ ماسکو کے شہر میں ۷۵ کتاب گھر ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑے کتب خانے میں ۸۳ ہزار کتابیں موجود ہیں۔

رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ۱۹۴۳ء میں ماسکو میں بیس ہزار بچوں نے ان کتابوں سے فائدہ اٹھایا۔ ان کتب خانوں میں ابتدائی اور ثانوی درجوں کے طلبہ کے مذاق اور معیار کے مطابق کتابیں رکھی گئی ہیں۔ ہر کتب خانے کے دو شعبے ہیں جن میں ثانوی درجوں کے طلبہ اور ابتدائی درجوں کے بچوں کے معیار کے مطابق علیحدہ علیحدہ کتابیں موجود ہیں۔

ہر موضوع پر ان کتب خانوں میں کتابیں موجود ہیں مثلاً جنگ اور سامان جنگ، حُب وطن، کہانیاں، ایجادات، سائنس، سوشل سٹڈیز وغیرہ۔ تمام تصنیفات میں خیال رکھا گیا ہے کہ شروع سے ہی بچوں میں حُب وطن کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

لائبریرین بچوں کو کتابوں کے انتخاب میں مدد دیتا ہے۔ اور مصنفوں کے بارے میں انہیں واقفیت بہم پہونچاتا ہے۔ اور کتابوں کے انتخاب کے بارے میں انہیں اپنے دوستانہ مشورے بھی دیتا ہے۔

کہانیوں اور نظموں کی کتابوں کے ساتھ بچوں کو قدرتی لگاؤ ہوتا ہے۔ اس لئے اس قسم کی کتابیں ان لائبریریوں میں عام ہیں۔ مقامی مصنفین کی کہانیوں کی کتابیں اور مقامی بلند پایہ ادیبوں اور شاعروں کے مقالے اور نظمیں پسندیدگی اور چاؤ سے پڑھی جاتی ہیں۔

زیادہ عمر کے لڑکے اور لڑکیاں بالعموم جنگوں اور جنگ کے سامان کے متعلق کتابیں پڑھتی رہتی ہیں۔ اور اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں کی بہت مانگ رہتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کتابوں پر نقادوں کی تنقیدیں بھی بہت دل چسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔ ٹالسٹائی کی کتاب، "امن اور جنگ" کافی مقبول کتاب ہے۔ اپنے ملک کے علاوہ دیگر مغربی ممالک کے کتابوں اور شاہکاروں کو بھی ان لائبریری میں رکھا جاتا ہے۔ اور بچے عموماً ان کتابوں کو شوق سے پڑھتے ہیں۔ بائرن، شیلے، ڈکنس، سکاٹ وغیرہ روس کے طلبہ میں مقبول عام ہیں۔

لائبریرین کو سکولوں میں مروجہ نصاب کا باقاعدہ علم ہوتا ہے اور وہ اسی کے مطابق بچوں کو کتابیں پڑھنے کا شوق دلاتا ہے۔ تاکہ سکولوں میں استادوں کا کام ہلکا ہو جائے۔ اور بچے خود بخود اپنی معلومات میں اضافہ کر سکیں۔

تعلیمی خبریں

"ادارہ"

مختلف حصوں کی تعلیمی سرگرمیاں

دہلی:۔ گذشتہ دنوں دہلی میں آل انڈیا سٹیٹس ایجوکیشن، پبلک ہیلتھ، میڈیکل ریلیف کی کمیٹیاں منعقد ہوئیں۔ ان میٹنگوں میں قرار پایا کہ تمام ریاستوں کو آمدنی کا ایک معقول حصہ تعلیمی اصلاحات کیلئے وقف کر دینا چاہیئے۔ میٹنگ میں سارجنٹ سکیم کو سراہا گیا۔ اور تجویز پاس کی گئی۔ کہ اسی رپورٹ کی بنیاد پر ریاستوں کی تعلیم کا ایک لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔ جس میں استادوں کی تربیت کا معقول انتظام موجود ہو۔ ان کی تنخواہوں میں معقول اضافہ کیا جائے۔ سکولوں کے لئے مناسب اور موزوں مکانات تعمیر کئے جائیں۔ بچوں کی طبی امداد کا قرار واقعی انتظام ہو، تعلیم بالغان کو کامیاب بنانے کے ذرائع عمل میں لائے جائیں۔ اتحاد باہمی کے اصولوں پر ایک نظام مرتب ہو۔ جس کے ذریعہ تعلیمی ترقی کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اور آخری تجویز یہ تھی کہ تمام ریاستوں کی حکومتوں سے گذارش کی جائے کہ وہ ایسے انتظامات کریں۔ کہ آنے والے پانچ سال میں بچوں کی تعداد سکولوں میں موجودہ تعداد سے دوگنی ہو جائے۔

صوبجات متوسط:۔ ہندوستانی تعلیمی سنگھ نے ایک آل انڈیا بیسک ایجوکیشن ٹریننگ کیمپ سیواگرام میں یکم نومبر سے منعقد کیا۔ رسم افتتاح گاندھی جی نے ادا کی۔ ٹریننگ کیمپ میں ۵۰ طالب علم تھے جو ہندوستان کے اطراف واکناف سے آئے تھے۔ ان کو خطاب کرتے ہوئے گاندھی جی نے بنیادی تعلیم کے اصولوں کی وضاحت کی اور فرمایا کہ اس کا موجودہ نام "نئی تعلیم" ہے آپ نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ تعلیم صرف چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ یہ زندگی کی تعلیم ہے اور جس کو گھریلو دستکاریوں کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے بنیادی تعلیم کا حقیقی استاد وہی ہوسکتا ہے جو لوگوں کو پنگورے سے قبر تک پڑھاتا رہے۔

میسور:۔ زمانہ مابعد جنگ کے لئے جو سکیم تیار کی گئی ہے وہ اس وقت حکومت میسور کے زیر غور ہے رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان کی ریاستوں اور صوبوں میں خواندگی کے لحاظ سے میسور کا نمبر گیارھواں ہے۔ ریاست میں اوسط پر ۳۲ء۳ مربع میل کے لئے ایک ایک سکول ہے اور آبادی کے لحاظ سے ۸۱۲ افراد کے لئے ایک ایک سکول ہے ریاست میں اب بھی ایسے بہت سے گاؤں ہیں جن کے آس پاس پانچ پانچ میل تک کوئی مدرسہ نہیں۔ رپورٹ میں سفارش کی گئی ہے۔ کہ مڈل اور ہائی سکولوں کالجوں، انجینئرنگ اور میڈیکل کالجوں میں اضافہ کیا جائے۔ ہر تعلقہ کے ہیڈکوارٹر پر ایک ایک صنعتی ادارہ کھولا جائے جو ایسے تربیت یافتہ آدمیوں کو تیار کریں۔ جو کارخانوں میں کام کر سکیں۔ رپورٹ میں لکھا گیا ہے۔ کہ ریاست کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ریاست میں بیس ہزار پرائمری سکول اور دس لاکھ بچے، دو ہزار مڈل سکول اور چار لاکھ بچے اور دو سو ہائی سکول اور ساٹھ ہزار بچے، بیس تعلیمی کالج اور بیس صنعتی کالج جن میں بارہ ہزار بچے تعلیم پاتے ہوں صنعتی اور زراعتی اداروں میں تقریباً دس گنا اور بیس گنا اضافہ کرنا پڑے گا۔ تاکہ ہمارے کارخانوں میں تربیت یافتہ کام والے ملیں۔ اور زراعت کے فن کو ترقی ملے۔

حیدر آباد:۔ نواب علی یاور جنگ بہادر ہیم اینڈ ایجوکیشن سیکرٹری حکومت حیدر آباد نے حیدر آباد فزیکل ایجوکیشن کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہ نظام گورنمنٹ ایک ترقی یافتہ عام، صنعتی، اور جسمانی تعلیم کو مرتب کرنے کا انتظام کر رہی ہے اس کے علاوہ حکومت حیدر آباد نے حال ہی میں عورتوں کی جسمانی تربیت کا انتظام بھی کیا ہے۔ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے علی یاور جنگ بہادر نے کہا کہ نظام گورنمنٹ استادوں کی تنخواہوں میں معقول اضافہ کرنے والی ہے اور خصوصیت کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کم تنخواہ استادوں کی تنخواہوں میں اضافہ کرنے پر غور کر رہی ہے کیونکہ جب تک ایسا نہیں ہوتا۔ ہم تعلیم کے محکمے میں قابل لوگوں کی خدمات حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ نے کہا کہ عوام کو حکومت کی سکیموں کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ اور تعلیم کو عام کرنے اور لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنے والی تجویزوں میں حکومت کا ساتھ دینا چاہئے ✦

تعلیمی مضامین

مقبول الور داؤدی

تعلیمِ نسواں

کسی ملک اور قوم کے اخلاقی اور سیاسی اور سماجی ارتقا کا انحصار اس قوم کے افراد کے اخلاق پر ہے۔ اگر وہ لوگ صحیح تعلیم سے بہرہ ور صاحبِ عقل و ہوش اور با اصول ہوں۔ تو یقیناً وہ ملک یا قوم دنیا میں عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

لیکن کیا کسی قوم کے افراد محض مروّجہ کتب کے پڑھ لینے سے ہی اپنی کایا پلٹ سکتے ہیں؟ نہیں اس کی زندہ مثال ہندوستان کی موجودہ نسل ہے جو اعلےٰ سے اعلےٰ تعلیم حاصل کر لینے کے بعد بھی ایک کلرک سے زیادہ مرتبے پر نہیں پہنچ سکی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ محض مروّجہ تعلیم تربیت ہی قوم کے روگ کا علاج نہیں۔ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ ان ذرائع پر غور کیا جائے جن پر عمل پیرا ہو کر افراد صحیح قوم کی بنیاد ڈال سکتے ہیں۔

آج کے بچے کل کے باپ ہوں گے۔ اور انہی پر بقائے نسل کا دار و مدار ہے۔ ان کی تربیت قوم کی تربیت ہے۔ لیکن افسوس کہ ہندوستان میں اس طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ وہ لوگ جو آج آسمان رفعت پر چاند اور سورج بن کر چمک رہے ہیں سب سے زیادہ زور تربیت اطفال پر دیتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس راز کو سمجھ لیا ہے۔ کہ ترقی اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ کہ ہماری آنے والی نسلیں اس قابل ہوں۔ کہ وہ قوم و ملک کی کشتی کی ناخدائی کر سکیں۔

دنیا کے تمام مدبرین اور مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ بچے کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہے۔ بچہ اپنی تعلیم و تربیت کا پہلا سبق اسی کالج سے پڑھتا ہے۔ اور اس تربیت کا اثر تمام عمر اس کی زندگی پر چھایا رہتا ہے۔

بچے کو نیک خو، بد اخلاق عقلمند اور بے وقوف بنانا ماں کی تعلیم و تربیت پر منحصر ہے۔ ایک

مفکر لکھتا ہے۔ کہ بچے کی ابتداء ہی میں ایک مستقل ذات بن جاتی ہے۔ جو ماں یا دایہ کی ابتدائی تربیت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہی مفکر آگے چل کر لکھتا ہے۔ کہ ابتداء میں بچے کا دماغ بالکل آئینے کی طرح صاف اور سادہ ہوتا ہے۔ اس لئے جو سامنے جو صورت آتی ہے۔ اس کا عکس اس کی حس مشترک پر مرتسم ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ صورت اس کے دماغ پر ایک مدت قائم رہے تو وہی اس کی فطرت بن جاتی ہے۔

اس سے یہ امر بآسانی ذہن نشین ہو سکے گا۔ کہ قوم کی بلندی و برتری کا انحصار اولاد پر ہے۔ اور اولاد کی تعلیم و تربیت کی ذمہ دار ماں ہے۔ ظاہر ہے کہ ماں اگر عقلمند، صاحب عزم تعلیم یافتہ نیک خو و شریف ہوگی۔ تو بچہ بھی انہیں اوصاف سے متصف ہوگا۔ کیونکہ چھ سات سال کی عمر تک جب کہ ماں کے گرد و پیش میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ ماں کے طور و طریقے (اچھے ہوں یا برے) اس میں راسخ ہو جاتے ہیں۔

کسی قوم کو بلند معیار پر پہنچانے کے لئے ایسی ماؤں کی ضرورت ہے۔ جو صحیح معنوں میں بچوں کی تعلیم و تربیت کرنے کی اہلیت رکھتی ہوں۔ کسی لڑکی کی قابل فخر ماں بننے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ زیور تعلیم سے آراستہ ہو۔ کیوں کہ علم سے ہی عقل میں جلا پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کی روشنی میں انسان نیک و بد میں تمیز کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم پر بھی بہت زور دیا جا رہا ہے۔ اور لڑکیوں میں بھی اس بات کا بہت شوق نظر آ رہا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ یہ تعلیم ان عورتوں کے لئے اس مقصد میں کسی حد تک مفید و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ کہ وہ ایسی اولاد پیدا کریں جو زندہ قوموں کے دوش بدوش کھڑے ہونے کے قابل ہوں۔

جہاں تک لڑکوں کی تعلیم کا تعلق ہے۔ وہ عملاً بیکار ثابت ہو رہی ہے۔ اس سے سوائے اس کے کہ کلرکوں کی ایک فوج تیار کی جائے۔ کوئی نتیجہ نظر نہیں آتا۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اس سے زیادہ اس تعلیم میں مواد ہی نہیں۔ آپ ہی اندازہ کیجئے۔ کہ یورپ کے مقابلے میں ہندوستان میں اس تعلیم نے کتنے موجد اور مفکر پیدا کئے ہیں۔ ہندوستانی یونیورسٹیوں کے سند حاصل کئے ہوئے بے شک بہت سے علوم و فنون کے "غلام" ضرور ہو جاتے ہیں۔ لیکن کسی عملی شاخ کے "مالک" نہیں بن سکتے

ہندوستان کے کسی طالب علم میں اگر فطرت نے کچھ صلاحیتیں بھی ودلیعت کر رکھی ہوں۔ تو وُہ مضامین کے فضول بوجھ اور کثرت سے شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا
کا مصداق بن جاتا ہے۔ ہندوستانی یونیورسٹیوں کا طالب علم سند تو حاصل کر لیتا ہے مگر اس کی تعلیم ایک بے سمجھ طوطے کے رٹے ہوئے فقرات سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ اسے تعلیم حاصل کرنے کے لئے بالکل اجنبی اور دور از فہم وقیاس راستوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ جہاں کی بولی الگ، خیالات الگ، تجربہ الگ، تجربوں کے اصول الگ، اور ماحول میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جس طرح موجودہ تعلیم مُلک کے نوجوان کے لئے سودمند اور مفید ثابت نہیں ہو رہی ہے تو اندازہ کیجئے کہ عورتوں کے لئے یہ کہاں تک کار آمد ثابت ہو سکتی ہے۔

مشاہدات شاہد ہیں کہ لڑکوں میں تعلیم کا شوق ترقی پذیر ہے۔ اور حکومت اور خیر خواہاں ملک وقوم اِس طرف کافی توجہ دے رہے ہیں۔ اور ہندوستان کی جہالت کو مٹانے کے درپے ہیں۔ لیکن ان کی اس تعلیم و تربیت سے وُہ نتائج مرتب نہیں ہو رہے ہیں اور نہ ایسی باتیں بن رہی ہیں۔ جن سے یہ توقع کی جا سکے۔ کہ وُہ ایسی اولاد پیدا کریں گی۔ جو مُلک و قوم کی کشتی کی ناخدا بننے کی اہلیت رکھتی ہوں۔

سوائے اِس کے کہ تعلیم یافتہ لڑکیوں نے شادی سے تنفر بچوں سے بیگانگی اور خانگی کاموں سے بیزاری ظاہر کریں۔ اِس تعلیم سے کچھ مفید چیز حاصل نہیں کی۔ اور کچھ سیکھا ہے۔ تو یہ کہ غیر ضروری آزاد روی مردوں سے غیر ضروری اختلاط اور مغرب کی نقالی۔

تعلیم نسواں کا ایک بڑا مقصد یہ ہونا چاہئیے۔ کہ میاں بیوی میں ازدواجی مسرّت اور خانگی زندگی کا لطف پیدا ہو جائے۔ لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ عام طور پر تعلیم یافتہ بیویاں گھروں میں ایک صحیح الخیال ماں اور نیک رفیقہ حیات کی طرح زندگی بسر نہیں کرتیں۔ ان کے بچے دائیہ اور کھلائی کے سپرد ہوتے ہیں جو بالعموم ناخواندہ اور جاہل ہوتی ہیں۔ اور اِس کی تربیت میں بچے کا صحیح تربیت پانا معلوم، کھانا باورچی پکاتا ہے۔ حساب و کتاب نوکروں کے رحم و کرم پر ہے۔ گھر کا انتظام نوکروں کے ہاتھ ہے ان کا زیادہ وقت انگریزی کتب کے مطالعہ میں صرف ہوتا ہے۔ یا سیر اور سینما میں۔

ان حقائق سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ موجود تعلیم اِس قابل نہیں کہ ہندوستانی لڑکیوں کو بجائے

اس تعلیم سے جتنے خطرناک نتائج پیدا ہو چکے ہیں ان سے بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عورتوں کے موجودہ مروجہ نصاب تعلیم میں فساد ہے۔ اس لئے اس کو یکسر بدل دینا چاہیئے۔ آئندہ نسلوں کو صحیح افراد قوم بنانے کے لئے عورتوں کے لئے ایک نیا نصاب تجویز کیا جائے۔ جو انہیں بچپن میں ایک سعادت مند بیٹی شادی کے بعد ایک سچی رفیقہ حیات اور شفیق ماں بن سکے۔ جو ان کی فطری صلاحیتوں کو اُجاگر کر کے جوانی میں کمال فن کا ملکہ پیدا کرے۔ جب تک ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس وقت تک ملک اور قوم کی ترقی معلوم!

ڈاکٹر ذاکر حسینؒ خان

تعلیم اور ہمارے مدرسے

ہمارے ملک میں "تعلیم یافتہ" آدمی جب سب آستانوں پر جبہہ سائی کر چکتے ہیں۔ اور ہر در سے نامراد و مایوس لوٹتے ہیں۔ تو "معلم" بن جاتے ہیں۔ اسی طرح سے ہمارے ارباب سیاست (اور کون ہے جو آج ارباب سیاست میں شامل نہیں!) جو قوم و ملت کو بیدار بلکہ زندہ کرنے تک کے درپے ہیں جب اپنے وقتی اور ہنگامی مشاغل میں کہیں کوئی زک اٹھا کر مہلت پاتے ہیں۔ تو "ٹھوس کام" کے سلسلے میں کوئی نہ کوئی تعلیمی پروگرام ضرور پیش کرتے ہیں ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ تعلیم کے معنی ہیں صحیح لب و لہجہ سے انگریزی بول سکنا اور میز کرسی پر چھری کانٹے سے کھانا کھا سکنا۔ کہ اس سے "کامیاب" انسان پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی چاہتا ہے کہ ہر مسلمان طالب علم کو عربی زبان ضرور سکھانی چاہیے۔ کہ اس سے "دین" پیدا ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس لئے یہ کہہ کر مسلمان کو صنعت و حرفت کی تعلیم دینی چاہیئے۔ تعلیمی مسئلہ پر قول فیصل ارشاد فرمایا۔ کہ اس سے قوم میں مردان کاسب کا اضافہ ہوگا۔ کوئی فنون سپہ گری کو تعلیم کا لازمی جزو بنانے پر مصر ہے کہ اس سے مجاہد تیار ہوتے ہیں۔

دور سے ان تجاویز کو دیکھنے سننے والے طالب علم کو ان میں سب میں وہ عجلت اور اتھلا پن

نظر آتا ہے۔ جو ہمارے نظر سیاسی وتعلیمی کی امتیازی خصوصیت ہے۔ اس کے خیال میں چونکہ تعلیم کا مقصد آدمی کو انسان بنانا ہے۔ اس لئے اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ تعلیم و تربیت ان بیکا نگی ہنرمندیوں کے حصول سے کیونکر عبارت ہو سکتی ہے کہ ہنرمندیاں انسانیت کے خلاف بھی اسی طرح کام میں لائی جا سکتی ہیں جیسے اس کے موافق۔

تھوڑے سے تامل سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ تعلیم ایک جماعتی فعل ہے۔ انفرادی زندگی کی تربیت جماعت منصرمہ میں ہی ممکن ہے۔ نشو پذیر دماغ پہلے دن سے اپنے کو ذہن انسانی کی کاوشوں کے بے شمار مظاہر میں گھرا ہوا پاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اسے تمدنی مظاہر سے تعلق خاطر پیدا ہوتا ہے۔ یہ ان قدروں کو سمجھنے لگتا ہے جن کے یہ حامل ہیں پھر ان قدروں کو اپناتا ہے اور یوں اپنی ذہنی زندگی کی سطح کو بلند سے بلند تر کرتا جاتا ہے۔

یہ مظاہر تمدن سب کے سب ذہن انسانی کے آفریدہ ہوتے ہیں قوت ذہنی گویا ان میں اپنے کو متشکل کر دیتی ہے۔ یہ قابل تقلید شخصیتوں کی شکل میں ہمارے سامنے آئیں، یا خاندان یا بلدیہ ریاست جیسے وسیع مقاصد رکھنے والی جماعتوں کی صورت میں علوم و فنون کی شکل میں دکھائی دیں۔ یا رسوم و قوانین، نظام اخلاق و معاشرت یا تعمیرات، مشینوں یا اوزاروں کے روپ میں ہوں یہ ہیں سب انسانی ذہن کی اس قوت سے عبارت جس نے آکر ان میں ایک معین شکل اختیار کر لی ہے۔ اور خود ان میں پوشیدہ ہے۔ کوئی نیا ذہن جب ان مظاہر کو اپنے اندر جگہ دیتا ہے۔ تو یہ ذہنی قوت حالت سکون سے ہیجان میں آتی ہے۔ پنہاں تھی پیدا ہو جاتی ہے خفتہ تھی بیدار ہو جاتی ہے۔ ان مخفی قوتوں کا انسانی ذہن میں آکر پھر زندہ ہونا ہی اس ذہن کی تعلیم و تہذیب ہے اگر یہ ذہن اپنے اندر ان خفتہ قوتوں کو بیدار نہ کر سکے۔ تو ان سے تعلق اس کی تربیت کا باعث نہیں ہوتا بلکہ صرف اس کے بوجھ کو بڑھا دیتا ہے۔

البتہ نشو پذیر دماغ سب مظاہر تمدن سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف ان سے کسب فیض کرتا ہے۔ جن کی مخفی ذہنی قوتوں کو خود اس کی ذہنی ساخت سے کچھ مناسبت و مطابقت ہو۔ اس لئے مدرسے کا یہ کام ہے کہ وہ طالب علم کی ذہنی ساخت کا پتہ چلائے۔ اور اس کی تعلیم و تربیت کے لئے اسے ان چیزوں سے دوچار کرے۔ جو اس کی ذہنی ساخت سے مطابقت ذہنی

ہوں۔ غیر مطابق چیزوں کا بار دوسرے رفاہی وجود سے ڈالا جائے تو ڈالا جائے تہذیب و تربیت ذہنی کے لیئے یہ بالکل بے سود ہے۔ اگر مدرسہ اپنے طلبہ کو صحیح تعلیم دینا چاہتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ ہر طالب علم کے متعلق معلوم کرے۔ کہ اس کا رجحان غور و فکر کی طرف زیادہ ہے۔ یا عمل کی طرف، پھر ان دونوں میں محض تقلید کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یا تخلیق کی بھی۔ اگر غور و فکر کا عنصر غالب ہے تو موضوع فکر دنیائے مشہود کے روابط و تعلقات ہیں یا غیر مشہود اعیان و تصورات پھر عالم مشہود میں معنی و مقصد اشیاء پر نظر ہے یعنی صورت و معنی، شاہد و مشہود کا فرق موجود ہے یا نہیں، علم و تجربہ کی طلب ہے۔ یا وجدان و ادراک ذات کی کہ اول الذکر صورت خالص علمی موخر الذکر جمالیاتی رجحانات کا پتہ دیتی ہے۔ اور ماوراء الطبیعی اعیان سے لگاؤ ایک خاص مذہبی میلان طبع کا سراغ دیتا ہے۔ اگر عمل کا عنصر غالب ہے۔ تو دیکھنا چاہیئے کہ عمل کا مرکز اپنی ذات ہے یا غیر، اپنا فائدہ مقصود ہے یا دوسروں کا بھلا۔ پھر جو قدریں محرک عمل ہیں وہ نظری و فلسفیانہ ہیں یا مبنی بر احساس و جمالیاتی یا مبنی بر خدمات و مذہبی، غرض نفس انسانی کو سمجھنے کی کوئی گتھی ہے۔ جس کا سلجھانا مدرسہ کا فرض نہیں ہے۔؟ ان کو سلجھانے کے بعد مدرسہ کا کام یہ ہے کہ جس اجتماعی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ جس ماحول میں پلتا ہے اس کے متاع تمدنی میں سے صرف ان چیزوں سے کام لے۔ جو اس کی ذہنی ساخت سے مناسبت رکھتی ہیں۔ ہر چیز کو اجزائے نصاب کر دینا اور بچہ پر اس کا بوجھ ڈال دینا اور جو کچھ ہو تعلیم نہیں ہے۔

جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے نے جسے بجا طور پر دنیا کے بڑے تعلیمی فلسفیوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اپنے تعلیمی رومان "ولہلم مائسٹر" میں اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:۔

" [illegible] تعلیم و تربیت اور اس کے سارے ادارے حماقت کی باتیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ آدمی کوئی ایک چیز اچھی طرح سمجھے خوبی سے انجام دے۔ اس طرح کہ قریب کوئی اور شخص [illegible] اسے نہ کر سکے"

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھتا ہے۔

" ایک چیز کو اچھی طرح جاننے اور کرنے سے کہیں زیادہ تربیت ہوتی ہے۔ بہ نسبت سینکڑوں چیزوں میں ادھورے رہنے کے۔ میں جس جگہ کا پتہ دے رہا ہوں وہاں سب کام الگ الگ ہیں

ہر ہر قدم پر بچوں کو دیکھا جاتا ہے اور اس طرح پتہ چل جاتا ہے کہ بچہ کی طبیعت اُسے کدھر لے جانا چاہتی ہے۔ عقلمند آدمی بچوں کو وہ چیز تلاش کر دیتے ہیں۔ جو ان کی طبیعت کے مناسب ہو۔ وہ ان گمراہیوں کو گم کر دیتے ہیں جن میں پڑ کر انسان اپنے مقسوم و مقصود سے دور ہو جاتا ہے "

مگر مدرسہ کا کام اس پر ختم نہیں ہو جاتا۔ کہ طلبہ کی ذہنی ساخت کا سراغ لگا لے اور ان کے سامنے وہ اشیائے تمدنی لا رکھے۔ جن میں اس ساخت سے مناسبت ہے اس لئے کہ ان جذباتی کیفیتوں کو جو مختلف اشیائے تمدنی سے رونما ہوتی ہیں ہم آہنگ و مربوط کرنے کے لئے ضرورت ہوتی ہے ایک زندہ نمونہ کی، اور مدرسہ کا فرض ہے۔ کہ ایسے استاد فراہم کرے جو اس نمونہ کا کام دے سکیں۔ زندگی کا چراغ زندگی سے ہی روشن ہوتا ہے۔ اور دلوں کی کنجی اچھے معلم کے پاس ہی ہوتی ہے۔ وہی اپنی نظر سحر اثر سے قلب انسانی کے پتھر سے آب شیریں کے چشمے نکال سکتا ہے ویران روح کے دوزخ مثال صحرا کو باغ جنت کا تختہ بنا سکتا ہے اور غریب اور مفلوک بچوں کی شب تار زندگی کو محبت و عقیدت کے بے شمار ستاروں سے بھی سجا سکتا ہے۔

اپنے چاروں طرف نظر ڈالئے۔ کہاں ہیں وہ مدرسے جو بچوں کی انفرادی ذہنی ساخت کو معلوم کرنے کی تھوڑی سی سعی بھی کرتے ہوں؟ کہاں ہیں وہ مدرسے جو بے معنی و بے ربط معلومات کے مجموعوں سے جو نصاب تعلیم کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔! اپنے بچوں کو نجات دلا کر صرف ان کے مناسب حال تمدنی اشیاء سے ان کے ذہنی ارتقاء کا سامان کرنے کی نیت بھی رکھتے ہوں؟ کہاں ہیں وہ مدرسے جو اپنے استادوں کے انتخاب کے وقت بیلوں اور خچروں کی خریداری کی طرح سینگ اور مول تول سے ذرا نظر ہٹا کر اس منصب اعلےٰ کو بھی یاد کر لیا کریں۔ جس پر مامور کرنے کے لئے یہ سودا ہوتا ہے۔؟ یہ سوال اس قوم سے ہے جس نے نصف صدی سے زیادہ " تعلیم تعلیم تعلیم " کا شور مچایا۔ اور اس کی خاطر تمام دوسرے وظائف جماعتی کو تج دیا تھا! جواب سے ہر پڑھنے والا واقف ہے +

عبدالرشید قریشی

"ربط"

جب سے ریاست کشمیر میں بنیادی تعلیم کا اجراء ہوا ہے لفظ "ربط" کا استعمال عام ہوگیا ہے اور آئے دن ہمارے تعلیمی اداروں میں اس لفظ کے متعلق بحث مباحثے ہوتے رہتے ہیں نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اکثر معلمین ایسے مباحثوں کی وجہ سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ ذیل کے مضمون میں ربط کے مفہوم اور اس کی تعلیمی اہمیت پر بحث کی گئی ہے۔ اگر اساتذہ کرام اس مضمون کا بغور مطالعہ کریں۔ تو اُن کے بہت سے شکوک اور پریشانیاں کسی حد تک رفع ہو سکتی ہیں۔

"ربط" کے لغوی معنے جوڑ۔ میل یا ملاپ کے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دنیا کی ہر ایک چیز کا کسی دوسری چیز کے ساتھ ربط ہے۔ انسان کی تشکیل بھی مختلف عناصر (آگ۔ مٹی۔ پانی۔ اور ہوا) کے ربط سے ظہور میں آئی۔ مکان کی تکمیل ضروری مسالہ مثلاً اینٹ۔ مٹی۔ چونہ۔ لکڑی۔ لوہا وغیرہ کے مناسب میل سے ہوتی ہے۔ کپڑا بنانے میں ہمیں کپاس۔ بیلنا۔ دھنکی۔ چرخہ۔ کھڈی اور مشین کی امداد لینی پڑتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہمیں ایک مخصوص چیز بنانے کی خاطر دوسری بہت سی چیزوں کو استعمال کرکے اپنا مقصد حل کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر ان مختلف چیزوں کا چناؤ غلط ہو تو ہم اپنے کام کو پورا نہیں کر سکتے۔ ہم چپاتی کو دال۔ بھاجی یا سبزی کے ساتھ بخوشی کھا لیتے ہیں۔ مگر چپاتی کو چاول یا پانی کے ساتھ نہیں کھا سکتے۔ کیونکہ ہماری روزانہ خوراک میں چپاتی کا چاول کے ساتھ کوئی ربط نہیں۔ گراموفون پر ریکارڈ چلا سکتے ہیں۔ مگر ہارمونیم پر ریکارڈ رکھ کر نہیں سُن سکتے۔ کیونکہ گراموفون اور ریکارڈ کا ہی آپس میں تعلق ہے۔ ہارمونیم اور ریکارڈ کا نہیں۔ غرضیکہ ایسی متعدد مثالوں سے آپ اندازہ لگا سکیں گے۔ کہ کس طرح مختلف چیزوں کی بناوٹ اور ان کی پیداوار وغیرہ میں ربط ہے۔ یہی حال جانداروں کا بھی ہے۔ انسان میں ملنے جلنے کا مادہ فطرت نے ودیعت کیا ہے۔ ہم اپنے رشتہ داروں۔ دوستوں۔ پڑوسیوں اور ہم وطنوں سے ملنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کے خیالات، عادات اور کردار سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ افراد کے

اسی میل جول کی بدولت ہمارے سماج۔ ریاست۔ کئی انجمنوں اور نظام حکومت کی بنیاد پڑتی ہے۔ انسانوں کے اسی رابطہ اور اتحاد سے ہماری تہذیب اور تمدن میں کئی قسم کے انقلاب رونما ہوتے ہیں۔ قدرتی طور پر انسان ایسے انسان سے ملنا چاہتا ہے۔ جس کے خیالات اُس کے اپنے خیالات سے ربط کھاتے ہوں۔ اگر ان کے خیالات اور عادات میں چھوٹی بھی فرق ہو۔ تو اُن کا اتحاد ناممکن ہے۔

تعلیمی اصلاح میں ربط کے معنی اُس جوڑ یا میل کے ہیں جو ایک مضمون کا دوسرے مضمون کے ساتھ ہو دیا پیدا کیا جائے) ربط ایک ذریعہ ہے۔ جس کی مدد سے ہم نصاب کی بہت سی باتوں کو آپس میں مربوط کر کے طلبہ کو پڑھاتے ہیں۔ تاکہ طلبہ ایسے اسباق سے متاثر ہوں۔ اور اُن کی دلچسپی بھی قایم رہ سکے۔ ربط کا اطلاق صرف بنیادی تعلیم یا بنیادی مدارس سے ہی کرنا قرین مصلحت نہیں۔ کیونکہ اس کے موجد بنیادی سکیم کے چلانے والے ہی نہیں ہیں۔ بلکہ عرصہ سے ماہرین تعلیم اس ذریعہ کی اہمیت سے واقف ہو چکے ہیں اور انہوں نے اپنے تجرباتی مدرسوں میں اس کے مطابق تجربات کر کے امید افزا نتائج حاصل کر لئے ہوئے ہیں۔ ایسے تجربات کرنے والوں میں امریکہ کے ماہرین تعلیم سب سے آگے ہیں۔ ان ماہرین تعلیم کا دعوے ہے کہ مختلف مضامین کا آپس میں قدرتی ربط نفسیاتی نقطہ نگاہ سے بھی بہت مفید ہے۔ اس کی بدولت مضامین کی مصنوعی تقسیم ٹوٹ جاتی ہے۔ اور جو وقت کی پابندی مختلف مضمونوں کے لئے عائد کی جاتی ہے وہ بھی کسی حد تک ختم ہو سکتی ہے مثلاً طلبہ تاریخ پڑھنے میں مشغول ہیں۔ مدرس نے اپنے مضمون کی خاصی تیاری کی ہوئی ہے۔ اور وہ اچھی طرح سے سبق کی ادائیگی کر رہا ہے۔ طلبہ بھی سبق میں خاص دلچسپی لے رہے ہیں۔ مگر اچانک ٹن ٹن کی آواز آتی ہے۔ اور حساب کا مدرس کمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور آتے ہی کسور اعشاریہ کے سوالات لکھوانے شروع کر دیتا ہے۔ آپ خود ہی اندازہ لگائیں۔ کہ اُن طلبہ کا کیا حشر ہوگا؟ کیا اُن کا دماغ اسی قاعدہ (کسور اعشاریہ) کو قبول کریگا؟ کیا تاریخ کے تاثرات اُن کے دماغ میں رہ سکیں گے؟ کیا اُن کی دلچسپی برقرار رہیگی؟ ہرگز نہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تمام مدرسین کی محنت رائگاں جائیگی۔ اور طلبہ کا وقت بھی ضایع ہوگا۔ دوسرے ہمارے دماغ کی قدرتی ساخت ایسی ہے کہ اس میں مختلف مضامین کی یادداشت رکھنے یا منتشر واقعات کو محفوظ رکھنے کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ خانے نہیں ہیں۔ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں سُنتے ہیں یا پڑھتے ہیں

اس کا اثر مجموعی طور پر ہمارے دماغ میں ایک ہی جگہ پڑتا ہے۔ اگر ہم ایک وقت میں ایک جیسی چیزیں یا ملتی جلتی چیزیں دیکھیں۔ ایسے حالات میں جو ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہوں۔ یا ایک ہی وقت میں مختلف مضامین سے متعلقہ ایسی باتیں پڑھیں جو آپس میں مربوط ہوں۔ تو یقیناً ایسی واقفیت کا ہمارے دماغ پر گہرا اثر پڑے گا۔ اور ہم ایسی واقفیت کو بڑے عرصہ تک اپنے دماغ میں محفوظ رکھ سکیں گے۔ کیونکہ ایسی حالت میں دماغ کو زیادہ کام نہیں کرنا پڑتا۔ اور نہ ہی ہمیں کوئی دماغی پریشانی ہوتی ہے۔ جو اس طریقہ کے برعکس پیدا ہوا کرتی ہے۔

مثلاً ایک جماعت کے طلبہ نشاط باغ یا شالامار باغ دیکھنے جاتے ہیں۔ اگر مدرس قابل ہو اور اس جماعت کے نصاب سے اچھی طرح واقف ہو۔ تو وہ اس موقع کا فائدہ اٹھا کر انہیں ان باغات کے بنانے والوں۔ مثلاً جہانگیر یا شاہجہان کے متعلق واقفیت دے سکتا ہے اسی ضمن میں بتایا جاسکتا ہے کہ یہ بادشاہ کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان کی سلطنت کا صدر مقام کونسا تھا۔ یہ کشمیر کس غرض سے آتے تھے۔ ان کے آنے کا کونسا راستہ تھا۔ علاوہ ان باغات کے انہوں نے سرینگر میں کون کونسی عمارت بنوائی۔ ان کی ہندوستان میں تعمیر کرائی ہوئی مشہور عمارات کے متعلق بھی واقفیت دلائی جاسکتی ہے۔ اور اگر ممکن ہو۔ تو بچوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے تاج محل آگرہ۔ لال قلعہ۔ دیوان عام و خاص وغیرہ کی تصاویر بھی دکھائی جاسکتی ہیں۔ پرانے قلعہ کی سیر کراتے ہوئے خندقوں اور مورچوں کے متعلق واقفیت دے کر پرانے طریقہ جنگ اور ہتھیاروں کے ناموں اور استعمال سے آگاہ کیا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں موجودہ طریقہ جنگ اور عام مستعمل ہتھیاروں کی ڈرائنگ کرائی جاسکتی ہے۔ اور بعض نمونے کے ہتھیار بھی بنوائے جاسکتے ہیں نیز طلبہ سے کہا جاسکتا ہے۔ کہ وہ ان ہتھیاروں کی بناوٹ اور استعمال کے متعلق کچھ حالات تحریری صورت میں لکھیں۔

پروجیکٹ میتھڈ میں یہی اصول (ارتباط مضامین) پوشیدہ ہے۔ کسی دوسری قسط میں پروجیکٹ کے اصول۔ منصوبی طریقہ تعلیم اور اس کے فوائد پر روشنی ڈالی جائیگی۔ مگر اس جگہ مختصر طور پر اتنا تحریر کرنا کافی ہوگا۔ کہ کسی منصوبہ کی تکمیل میں جو تعلیمی واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ وہ صحیح مربوط واقفیت ہوا کرتی ہے۔ اور چونکہ منصوبہ طلبہ کا اپنا انتخاب کیا ہوا ہوتا ہے۔ جس کی تکمیل میں مدرس مناسب رہنمائی کرتا ہے۔ طلبہ منصوبہ کے متعلقہ امور سے خواہ وہ زبانداني سے متعلق ہوں۔ یا

سماجی علوم سے۔ سائنس سے متعلق ہوں یا حساب سے۔ عملی کام سے متعلق ہوں۔ یا آرٹ سے۔ ٹھوس واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ اگر ایسے منصوبے عام سکولوں میں مکمل کئے جائیں۔ تو نصاب کی بہت سی باتیں مربوط شکل میں پڑھائی جاسکتی ہیں۔ اساتذہ صاحبان کی رہنمائی کیلئے ایک منصوبہ (کشمیر کے ایک کسان کا مکان) کی مثال دی جاتی ہے جو پیر مٹھا بیسک سکول جموں کے چوتھی جماعت کے طلبہ نے میری زیر نگرانی مکمل کیا تھا۔

طلبہ نے علاقہ کشمیر کے مکانوں کی تصاویر ایک اخبار میں دیکھیں۔ اور انہوں نے خواہش ظاہر کی۔ کہ وہ بھی اپنے صحن میں ایک کشمیری دیہاتی مکان کا ماڈل بنائیں۔ طلبہ اپنے ڈرائنگ ماسٹر صاحب کے پاس گئے۔ اور اُن سے مکان کا نقشہ بنوایا۔ اور اس کی تعمیر کے لئے مناسب ہدایات حاصل کیں۔ چنانچہ مکان کی تعمیر کے لئے مناسب سامان مہیا کیا گیا۔ کئی دنوں تک تعمیر مکان کا کام جاری رہا۔ اور تعمیر کے دوران میں مختلف موضوعات پر طلبہ کی بحث ہوتی رہی۔ مثلاً مکان کس طرح مضبوط بنایا جائے کہ یہ گرے نہ۔ مٹی کیسی استعمال کی جائے۔ دروازوں اور کھڑکیوں کی کیا نسبت ہو۔ کونسی لکڑی استعمال کی جائے وغیرہ وغیرہ۔ مکان کے ختم ہونے پر چند لڑکوں نے یہ تجویز پیش کی کہ مکان کے ساتھ ہی ایک نمونہ کا کھیت بھی بنایا جائے۔ مکان میں مختلف چیزوں کے ماڈل بنائے گئے۔ مثلاً مٹی کے برتن۔ مویشی۔ گھاس کی پولیں۔ لباس کے نمونے وغیرہ ایسی چیزیں بنانے کے لئے انہیں جغرافیہ کا مطالعہ کرنا پڑا۔ اور انہوں نے کشمیریوں کے لباس۔ اُن کی زبان۔ علاقہ کشمیر کی آب و ہوا۔ رسم و رواج وغیرہ کے متعلق خاصی واقفیت حاصل کرلی۔ اس سلسلہ میں مختلف تصویروں کی بھی مدد لیگئی جو انہوں نے مختلف کتابوں رسالوں اور بازار سے حاصل کیں۔ طلبا نے مکان اور کھیت کی پیمائش کی اور اس کا رقبہ نکالا۔ اپنی اپنی کاپیوں پر منصوبہ کی روزانہ رپورٹ لکھی۔ اور جو معلومات حاصل کی گئیں۔ اُن کا ذکر بھی کیا۔ ہر ایک لڑکے نے اپنی اپنی کاپی پر کشمیر کے مویشیوں اور لوگوں کے عام استعمال کی چیزوں کی ڈرائنگ بھی کی۔ القصہ اس منصوبے سے انہوں نے ایسی مربوط واقفیت حاصل کی جو تمام مضامین مثلاً حساب۔ زباندانی۔ سائنس۔ سماجی علوم اور ڈرائنگ وغیرہ سے متعلق تھی۔

یہی مضامین کا قدرتی ربط ہے اگر اسی طرح مدرسین ایسے منصوبے جاری کرکے کام کرائیں تو یقیناً ربط کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو سکتا ہے۔ نظری تعلیم میں بھی ایسے بہت سے مواقع میسر آسکتے ہیں جن کی مدد سے مدرس مختلف مضامین میں ربط قائم کر سکتا ہے۔ بنیادی مدارس میں تو ارتباط مضامین کی آسانی ہے کیونکہ ایسے مدارس میں ہر ایک جماعت کے لئے علیحدہ علیحدہ مدرس ہوتے ہیں جو مختلف مضامین کو آپس میں ربط دے سکتے ہیں۔ مگر اُن پرائمری مدارس میں جہاں صرف ایک یا دو مدرس ہوتے ہیں۔ وہاں بھی کسی حد تک اس اصول کے مطابق کام کیا جا سکتا ہے۔ وہ مدرسین ان جماعتوں کے لئے چھوٹے چھوٹے اسباق مربوط شکل میں تیار کر کے انہیں پڑھا سکتے ہیں اور جب ایک جماعت کچھ پڑھ رہی ہو۔ تو دوسری جماعت تحریری کام یا عملی کام میں مشغول رکھی جا سکتی ہے۔ اور اس کام کی نگرانی مانیٹر کے سپرد کی جا سکتی ہے۔ مڈل اور ہائی سکولوں میں جہاں مختلف مضامین کے پڑھانے کے لئے سپیشل مدرسین ہوتے ہیں یا مختلف مضامین مدرسین میں تقسیم کئے جاتے ہیں وہاں اساتذہ صاحبان سکول لگنے کے پہلے ہی ایک دوسرے کے نوٹس پڑھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنے مضمون کے دوران میں دوسرے مضمون کے ساتھ ربط پیدا کرکے دوسرے استاد کا کام ہلکا کر سکتے ہیں یا اپنے سبق کو زیادہ موثر بنا سکتے ہیں۔

لیکن ارتباط مضامین کے سلسلہ میں اس بات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ کہ طلبہ کو ایسی واقفیت مربوط طریقہ سے دی جائے۔ جو اُن کی لیاقت اور اُن کے نصاب سے مطابقت رکھتی ہو۔ مثلاً یہ نہ ہو۔ کہ ہم چوتھی جماعت کے طلبہ کو ریاست کے کارخانے بتاتے وقت چین۔ جاپان۔ امریکہ اور برطانیہ کے کارخانوں کے متعلق واقفیت دے دیں۔ دوسری ضروری بات یہ ہوگی۔ کہ ہم نصاب کو ایسی ترتیب دیں یا ایسے حصّوں میں تقسیم کر دیں۔ جن میں ایک مضمون دوسرے مضمون کے ساتھ ربط کھا سکے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اندھا دھند سلیبس کی پیروی کریں۔ اور کتاب کو صفحہ ایک سے شروع کرکے آخر تک لے جائیں۔ مدرس کو موقع اور محل کے مطابق ضروری تبدیلی کرنے کا اختیار ہے اگر جملہ مدرسین محکمہ جموں وکشمیر کے منظور شدہ سلیبس کا مطالعہ کریں (جو تعلیم جدید ماہ ستمبر ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا تھا)

تو وہ دیکھیں گے۔ کہ اب نصاب تیار کرنے میں بڑی محنت سے کام لیا گیا ہے۔ اور اس میں جو پہلی آٹھ جماعتوں کے مختلف مضمونوں کا سیلبس درج کیا گیا ہے۔ اس میں مختلف مضامین کے ربط کی خاصی امید ہو سکتی ہے۔ مدرسین اپنے ماحول کے مطابق اور باتیں بھی شامل کر سکتے ہیں۔

اس قسط میں ربط اور مربوط تعلیم کے متعلق مختصر سی بحث کی گئی ہے آئندہ قسط میں بنیادی تعلیم میں حرفہ کا دیگر مضامین کے ساتھ ربط اور اس کے فوائد سے اساتذہ کرام کو آگاہ کرنے کی کوشش کی جائیگی +

(بقیہ مضمون ۳۹) طریقے پیدا ہوں گے۔ نظری علوم کی جگہ عملی تجربات لیں گے۔ اور وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ پڑھانے کا پیشہ بھی ہر رنگ مکمل ہو گا۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے کانفرنسیں بلانے اور ان میں شرکت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اس کے علاوہ اس کا ایک اور بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے۔ کہ استاد ایک دوسرے کے ساتھ مل جل لیتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے خیالات سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

اس قسم کا کام صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ جب استاد حوائج سے آزاد اور فارغ ہو گا۔ جب وہ یہ خیال کرتا ہو گا۔ کہ اس کا درجہ سماج میں بلند ہے اور جب اسے سکون اور اطمینان حاصل ہو گا۔ اس کے باوجود استاد کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے۔ کہ وہ اپنی زندگی کو بچوں کے لئے وقف کریں۔ اس کا مدعا حیات یہ ہونا چاہیئے۔ کہ وہ خود ابھرنے کے بجائے اوروں کو ابھارے۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے۔ کہ وہ اوروں کو ابھار سکتا ہے حالانکہ خود دبا ہوا ہے؟

نئی کتابیں ——— پروفیسر محمود ہاشمی

بچوں کی ایک کتاب

"اجی - میں کوئی بچہ تھوڑے ہی ہوں"
"جانے دو بھئی - کیسی بچوں کی سی باتیں کرتے ہو۔"

بچہ ہونا اور بچوں کی سی باتیں کرنا بُرا نہیں - مگر چونکہ اس طرح ہمارے اکثر نوجوانوں کو اپنی "پختہ کاری" اور "جہاندیدگی" پر حرف آتا ہوا معلوم ہوتا ہے - اس لئے اپنی روزانہ زندگی میں وہ ہمیشہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں کہ اُن کی چال ڈھال دوسروں کی نگاہ میں انہیں بچہ نہ بنائے - بلکہ جوان بنائے رکھے - اپنی بات چیت کے دوران میں "بولنے سے پہلے تولنے" والے مقولہ پر خواہ وہ عمل کریں - یا نہیں - لیکن اپنے انداز پر وہ ایک شبابی کیفیت ضرور طاری کئے رکھیں گے - یہی وجہ ہے - جو ان نوجوانوں کی جولانی طبع جب ادب کے میدان میں سرگرم کار ہوتی ہے - تو اُن کی یہ فطری مجبوری اُن کے ساتھ ہی رہتی ہے اور اُن کی ادبی تخلیقات کی چار دیواری میں بیچارے بچوں کو داخل ہونے کی بالکل اجازت نہیں ہوتی -

ادب میں ترقی پسندی کی تحریک کو شروع ہوئے آٹھ - نو سال ہو چکے ہیں - اِس تحریک کو جنم دینے اور پروان چڑھانے میں جن نوجوانوں کا ہاتھ تھا - اُنہوں نے ادب میں بڑے بڑے اضافے کئے - لیکن بچوں سے اُن کا سلوک ہمیشہ سوتیلی ماں (یا سوتیلے بھائیوں ؟) کا سا رہا - انہوں نے جوانوں کے مسائل کو تو اپنی ارد گرد بکھری ہوئی زندگی میں سے ڈھونڈ نکالا - مگر انہیں وہ بچے "اتفاق" سے نہ دکھائی دے سکے - جو کل کو اُن کی جگہ لینے والے ہیں - اِس میں کوئی کلام نہیں

کہ پچھلے سالوں میں بچوں کے رسالے بھی نکلتے رہے۔ اور دارالاشاعت پنجاب۔ فیروز سنز۔
جامعہ ملیہ دہلی یا اسی طرح کے چند اور ادارے بھی بچوں کا حصہ ادب سے انہیں دیتے رہے۔
لیکن یہ کوششیں بھی پورے پر اس کمی کو دور نہ کر سکیں۔ تاہم شکر ہے کہ کل کے بھولے شام
کو پھر واپس لوٹ رہے ہیں اور ہمارے نوجوان ادیبوں میں سے اکثر کو اب "آج کا بچہ
کل کا باپ" والی مشہور بات اہم نظر آنے لگی ہے۔ ترقی پسندوں میں سے جوانوں کے شاعر
مہدی علی خاں۔ عبدالمجید بھٹی۔ اور احمد ندیم قاسمی آہستہ آہستہ ہمیں اب بچوں کے شاعر بنتے
نظر آ رہے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ساتھ ہمیں بچوں کے لئے نثر میں کہانیاں اور مضمون لکھنے والی
چند نئی صورتیں بھی دکھائی دینے لگی ہیں۔ انہیں میں سے ایک مس۔ ایچ پورٹر پرنسپل کنیرڈ
کالج لاہور ہیں۔ جنہوں نے مسٹر حمیدالدین کے ساتھ مل کر بچوں کے لئے ایک بڑی دلچسپ
اور مفید کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ہے "خوبصورت دنیا"

یہ کتاب ننھے ننھے مضامین کا ایک شگفتہ مجموعہ ہے ان مضامین میں مس پورٹر نے
ایک بچہ بن کر بچوں کی وہ سوچیں قلم بند کی ہیں۔ جو وہ اپنی تجسس اور ہر شے کے متعلق
کرید کرید کر پوچھنے والی فطرت سے مجبور ہو کر اس دنیا کی نت نئی چیزیں دیکھ کر سوچتے رہتے
ہیں۔ بچپن میں ہر شے ہمارے لئے نئی ہوتی ہے۔ اور ہر نئی چیز کو دیکھ کر ذہن میں ہلچل پیدا
ہو جانا ہماری ازلی خاصیت۔ اس لئے بچپن میں سوچیں ساون کی گھٹاؤں کی طرح ہر وقت
ہمارے ذہن پر چھائی رہتی ہیں۔ گھر میں۔ اسکول میں۔ سڑک پر چلتے ہوئے۔ کمرے میں بیٹھے
ہوئے ہر وقت کچھ نہ کچھ ضرور سوچتے رہتے ہیں۔ کسی شام کے دھندلکے میں جگنو نظر آیا۔
اور سوچ بھی جیسے پر لگا کر اس کی روشنی میں اس کے پیچھے ہی پیچھے بھاگنے لگی۔ دیوالی کی بتیاں
دیکھیں۔ اور دل ان کو دیکھتے دیکھتے ایک نئی گت پر ناچنے لگا۔ بکریوں کے ریوڑ کو ہانکتے ہوئے
کوئی گڈریا دکھائی دیا۔ تو فوراً وہ سبز سبز پہاڑیاں یاد آ گئیں۔ جہاں وہ انہیں لے جا رہا ہوتا
ہے۔ اور جہاں ابا جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ اور اب دل بے چین ہو گیا۔ کہ اور نہیں تو
کم از کم گڈریے سے ان پہاڑیوں کے سبزے کی دو باتیں ہی سن لی جائیں۔ یونہی امی کو کبھی چرخے
کے پاس بیٹھے دیکھا۔ اور ہر چیز کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرنے والا دل مچل اٹھا۔ کہ امی سے

کسی طور اس گھوں گھوں کرنے والی مشین کی کہانی سنی جائے۔"

مس پورٹر اپنی اس کتاب میں نہ صرف جنگلوں۔ دیوالی کی بتیوں۔ سرسبز پہاڑیوں۔ اور چرخہ کی باتیں سناتی ہے بلکہ ان سب کے علاوہ وہ بچوں کو ہر اس چیز کے متعلق بتانے پر بھی تلی ہوئی ہے۔ جس کے بارے میں وہ کچھ نہ کچھ جاننے کے لئے بے قرار رہتے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اپنی ذہانت کے بل بوتے پر مس پورٹر نے بچوں کے دماغ سے اُن کی ساری سوچیں نکال لی ہوں۔ اور اب نہایت میٹھے انداز میں اُن کی دولت پھر انہیں لوٹا دی ہو۔ جیسے اُس نے یہ دریافت کر لینے کے بعد کہ وہ کس کس چیز کے بارے میں جاننے کے لئے حیران رہتے ہیں۔ اُن کی حیرانی کو دور کرنے کیلئے بڑے سیدھے سادے اور محبت بھرے انداز میں وہ ساری باتیں کہہ سنائی ہوں۔ اور یوں انہیں "کل کا ایک عالم فاضل باپ" بنانے کی ابھی سے تیاری شروع کر دی ہو۔ یہ کتاب اگرچہ بظاہر بچوں کی ایک عام دلچسپی کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر اسے بچوں کی ایک چھوٹی سی "انسائیکلوپیڈیا" سمجھا جائے۔ تو غالباً بے جا نہ ہو گا۔ لکھنے والی نے اس ۴۸ صفحوں کی کتاب میں دنیا جہان کی باتیں بھر دی ہیں۔ بچے کی ایک سوچ کا عکس ملاحظہ ہو۔

"پیاری اماں۔ جب گیدڑ شام کو پکارتے ہیں تو کیا اُن کی کوئی چیز کھو گئی ہوتی ہے؟
جب رات کو دریا اپنے آپ گاتا ہے۔ تو کیا یہ چاند کو بہلانے کے لئے ایسا کرتا ہے؟
کیا یہ کھجور کے درخت ستاروں کے ساتھ کھیلنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی گردنوں کو اس طرح مکان کی چھتوں کے اوپر اٹھائے ہوتے ہیں؟
میری اماں۔ جب چیلیں اس طرح سے اُڑ کر گھومتی ہیں کیا وہ کسی چیز کو ڈھونڈتی ہیں جو کہ آسمان نے چھپا لی ہے؟
کیا یہ پہاڑ بادلوں تک پہونچ کر اُن کو پکڑنا چاہتے ہیں جو اس طرح بڑے ہوتے جاتے ہیں؟" (چند سوالات)

اس کتاب میں ایک اور بڑی خوبی ہے اسے مس پورٹر نے کچھ اس طور پر لکھا ہے کہ جادو کے اس پٹارہ میں ہر عمر کے بچے کے مذاق کی چیزیں نظر آجاتی ہیں فرض کیجئے۔ تین بھائی ہیں۔ سب سے چھوٹا چوتھی جماعت میں پڑھتا ہے۔ منجھلا آٹھویں جماعت کا امتحان دینے والا ہے۔ اور بڑا بھائی اس سال دسویں جماعت پاس کر کے کالج میں داخل ہونے کے خواب دیکھ رہا ہے ظاہر ہے

کہ عمروں کے فرق کے باعث اِن تینوں بھائیوں کی ذہنی سطح ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوگی اور اس لیئے اِن میں سے ہر ایک مختلف قسم کی نظموں ۔ کہانیوں اور مضامین کو پسند کریگا۔ اِس کتاب کا سب سے بڑا کمال یہی ہے ۔ کہ اس کا مطالعہ ہر ایک کے لئے ایک ہی سی دلچسپی کا سامان پیدا کرسکتا ہے مثال کے طور پر اس کا سب سے پہلا مضمون ہے بانسری بجانے والا۔ جو چوتھی جماعت کے طالب علم کی چیز ہے اِس کے بعد کے مضامین چرخہ ۔ نکلے پر ۔ جلاہا ۔ دہی بیچنے والی ۔ بھی چوتھی جماعت تک کے معیار کی چیزیں ہیں ۔ اِس کے بعد منجھلے بھائی کی باری آتی ہے جہیا کی موت سے لیکر نیا سال اور موسم بہار تک جو مضامین ہیں ۔ اِن سب کا وہ مالک ہے ۔ اور یا اُس کے دوسرے ہم جماعت ۔ کتاب کے آخری مضامین راستہ ۔ نار ۔ چنبیلی ۔ درخت ۔ سرسوں وغیرہ بڑے بھائی کا حصہ ہیں ۔ کیونکہ اِن میں جن سوچوں کا عکس ہے ۔ وہ ذرا زیادہ گہری ہیں اِس قسم کی ——

وہ جاڑے کے موسم میں وہ ایک بڈھے آدمی کی ڈاڑھی کی طرح سخت ہوجاتے ہیں ۔ اور آسمان کے منہ میں چبھتے ہیں ۔

موسم بہار میں وہ ایسے نرم اور ملائم ہو جاتے ہیں ۔ جیسے کسی نوزائیدہ بچے کا چہرہ ۔ "

(درخت)

جیسا کہ میں نے بتایا ہے ۔ یہ کتاب ایک پورے خاندان کے سارے بچوں کے لئے دلچسپی کی چیز ہے ۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے ۔ کہ اِس ایک کتاب میں اتنی گوناگوں خصوصیتیں ہیں ۔ کہ اِسے اگر ایک چوتھی جماعت میں پڑھنے والا بچہ آج خریدلے ۔ تو یہ آنے والے کتنے سالوں تک اُس کے لئے نئی ہی رہے گی ۔ اور آج سے چھ سال بعد جب وہ دسویں جماعت میں پہنچے گا ۔ اُس وقت بھی اُس کی نگاہوں میں اِس کتاب کی قدر و قیمت ایسی ہی ہوگی ۔ جیسی کسی بچپن کے ایسے دوست کی جو عمر میں اُس کے ساتھ ساتھ ہی بڑھتا رہا ہو ۔

کتاب کی قیمت صرف اڑھائی آنے ہے ۔ اور غالباً مصنفہ سے مل سکتی ہے +

اُستادوں کی خط و کتابت ———— ایک اُستاد

امتحانات

قسط چہارم (آخری قسط)

پچھلے تین مضامین میں میں نے ہمارے مدارس میں رائج طریقہ امتحان کے نقائص اور اُس کے نتائج بیان کئے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے یہ مضامین کچھ تلخ ہیں۔ اور اِس تلخی میں میں اور اضافہ کرنے سے ڈرتا ہوں۔ اس لئے میں نے کئی باتیں دیدہ دانستہ طور پر چھوڑ دی ہیں۔

بقول حضرت جوشؔ ؎

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی (مہہ) خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

لیکن دو باتیں میں اپنے مدرس بھائیوں سے عرض کروں گا۔ پہلی یہ کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ ذاتی تجربہ کی بنا پر ہے۔ اور میں ہر الزام کا ثبوت بہم پہنچانے کو تیار ہوں۔ کیونکہ میں کئی سالوں سے اِن خرابیوں کو بغور دیکھ رہا ہوں۔ اور اس وجہ سے میرے دل میں یہ خلش تھی۔ کہ یہ باتیں میں اپنے عالی دماغ افسران اپنے ہم پیشہ ہم خیال بھائیوں اور پبلک کے سامنے رکھوں۔ تاکہ کوئی بہتری کی صورت نکل آئے۔

دوسری یہ کہ بطور مدرس میں خود اپنے آپ کو اِن الزامات سے بالا نہیں سمجھتا۔ ہم سب ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ اگر ہم میں کمزوریاں آگئی ہیں۔ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی اصلاح کریں۔ اور اگر فرداً فرداً اصلاح نہ ہوسکے۔ تو اکٹھے بیٹھ کر سوچیں۔

اِس آخری مضمون میں مَیں مڈل اور ہائی سکولوں کے ہیڈ ماسٹروں سے التماس کرتا ہوں کہ میرا روئے سخن خاص طور پر اُن کی طرف ہے۔ وہ ہی میرے خیال کی تائید یا تردید کرسکتے ہیں اگر آپ میرے خیال کی تائید کریں۔ تو اِس رسالہ میں اصلاح کے طریقے تحریر فرمادیں۔ نیز تمام ماسٹر صاحبان سے بھی التماس ہے۔ کہ وہ بھی ضرور اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔ پھر میں بھی کچھ عرض کروں گا۔

اقتباسات ——— پنڈت دینا ناتھ در

استادوں کے حقوق

ایک انجمن اساتذہ کا اس لئے یہ فرض ہونا چاہیئے۔ کہ وہ استادوں کو بیدار کرے۔ اُن کے اعصاب میں نئی روح پھونک دے۔ اور انہیں اس بات کا احساس دلائے کہ وہ اپنے گردوپیش کے حالات کا جائزہ لیتے رہیں۔ اس سے انہیں اپنی قدر ومنزلت کا اندازہ لگانے میں مدد ملے گی۔ انجمن استادوں کو بتا دے کہ وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔ جب اُن کے حقوق کا تحفظ ہوگا۔ تو قدرتی طور پر اُن کے پیشہ کی نگہبانی بھی ہوگی۔ استاد محض ایک آلہ نہیں۔ اور تعلیم دینے کے سلسلے میں وہ صرف ایک معمولی سا اوزار نہیں۔ تعلیم ایک روحانی عمل ہے۔ تعلیم بچے اور ماحول کے عمل اور ردِّ عمل کا نتیجہ ہے۔ اور اس ماحول کو موافق اور ناموافق بنانے میں استاد کے طریق کار کو بڑا دخل ہے۔ تعلیمی سرگرمی ماحول کو قابو میں لاکر اُسے بہتر اور مُفید بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ یا زیادہ لفظوں میں یوں سمجھ لیجیئے۔ کہ استاد کا کام سماج کی اصلاح اور اس کا درجہ ایک سماجی لیڈر کا ہے اگر اس کا درجہ بلند کیا گیا۔ تو نتائج بہر حال حوصلہ افزا ہونگے۔ ورنہ وہ ایک بیدل انسان کی طرح اپنے کام کو ایک ناخوشگوار فرض سمجھ کر انجام دینے لگے گا۔ جو نہ اس کے لئے مُفید ہے۔ نہ ان بچوں کے لئے جنہیں وہ پڑھاتا ہے۔ استاد سے توقع کی جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو بچے اور مدرسے کے حوالے کرے۔ مدرسہ میں بچوں کی فطرت کے مطابق ماحول تیار کرے۔ اور مدرسہ اور سماج میں ہم آہنگی پیدا کرے۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے استاد پر لازم آتا ہے۔ کہ وہ نئے تجربے کرتا رہے۔ منصوبوں کو عمل میں لائے زندگی کے مختلف شعبوں کا سروے کرے۔ اور اگر خود سروے نہ کر سکے۔ تاہم اوروں کو یہ کام کرتا دیکھ لے۔ خالی مطالعہ عملی کام کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سے استادوں میں پیشہ ورانہ سپرٹ پیدا ہوگی۔ اپنے پیشہ کو کامیابی سے چلانے کے لئے زیادہ مفید (بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

ادبیات ــــــــــــــــ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

عصر حاضر کا انسان

"عشق ناپید خرد می گزدش صورت مار"

عقل کو تابع فرمانِ نظر کر نہ سکا

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

زندگی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا

آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
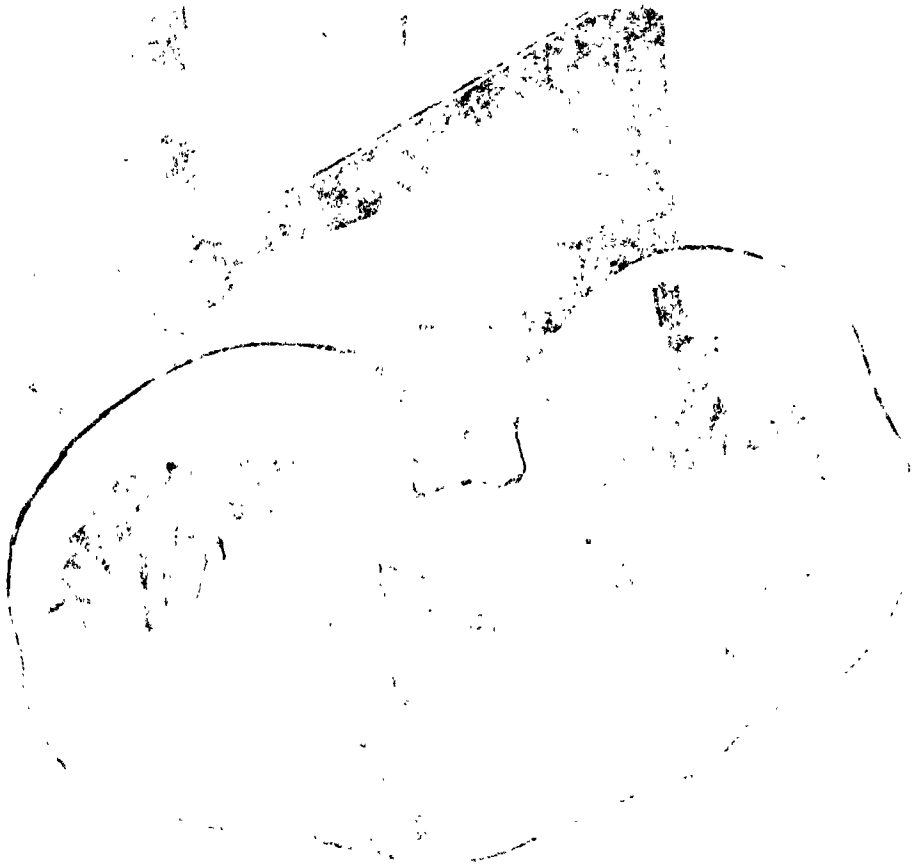
(ضرب کلیم)

تعلیمِ جدید

محکمہ تعلیم حکومت جموں و کشمیر کا ماہوار رسالہ

تعلیم جدید

سلسلۂ نو

نمبر ۶	بابت مئی ۱۹۴۵ء مطابق بیساکھ سمت ۲۰۰۲	جلد ۲

اس ماہ کے لکھنے والے

۱۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب۔
۲۔ پنڈت گوپی ناتھ صاحب
۳۔ غلام رسول نازکی صاحب۔
۴۔ مسٹر لکشمی لال صاحب۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۰۵۷

ایڈیٹر۔ غلام رسول نازکی

تعارف ——— ادارہ

سرسری نظریں

یہ نئی کارسالہ ہے:-

استادوں نے خطاب کے عنوان سے میں نے ایک ماہر نفسیات تعلیم کے مضمون سے اکتساب کیا ہے اور استادوں کی قسمیں گن کر اور اُن کے اوصاف بتا کر آپ کو موقعہ دینے کی کوشش کی ہے کہ آپ دریافت کرلیں، اپنے نفس کا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ آپ اس فہرست کے کسی حصے میں شامل تو نہیں؟ اچھے استاد کی خصوصیات آپ نے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب اور خواجہ غلام السیدین صاحب کی زبانی کئی دفعہ سُنی ہیں۔

سلہریا صاحب کی زیر نگرانی تعلیم بذریعہ قدرتی نشوونما کا جو تجربہ کیا جا رہا ہے اس سلسلے میں آپ کو کئی باتیں معلوم ہیں۔ آج آپ نے پانچویں جماعت کے بچوں کے امتحانی سوالات اشاعت کے لئے بھیجے ہیں۔

اقتباسات میں ہندوستان کے مشہور ماہر تعلیم ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کا ایک مضمون بچوں کی تربیت پڑھنے کی چیز ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس کی دنیا تین نظمیں اور ہوں گی۔

تعلیم جدید کے سلسلے میں جو خط و کتابت آپ کرنا چاہیں وہ سری نگر کے ایڈریس پر کریں کیونکہ ادارہ جناب ناظم تعلیمات کے ساتھ مئی کے پہلے ہفتے میں سری نگر جائے گا۔

اُستادوں سے خطاب ——— ادارہ

اُستادوں کی قسمیں

(۱) شرمیلا اُستاد:۔ اس قسم کا استاد ایک اجتماع میں اپنے لئے کوئی دلچسپی نہیں پاتا۔ بلکہ اس سے خوف کھاتا ہے وہ حد سے زیادہ حساس ہوتا ہے کسی قسم کی نکتہ چینی کو برداشت نہیں کرسکتا اور بچوں کی معصومانہ خوش کلامی سے بھی مشتعل ہوجاتا ہے۔ بچوں کے شور و غل اور اُن کے بے باک قہقہوں سے وہ پریشان ہوا کرتا ہے عملی دُنیا سے الگ تھلگ ایک خاموش دُنیا بسانے کا آرزو مند اور مصروفیت کے ہیلنے سے لوگوں کے ملنے جلنے سے متنفر۔ مباحثات اور مناظروں میں وہ حصّہ نہیں لیتا۔ خاموش رہنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ بولنے چالنے میں اُسے اندیشہ رہتا ہے کہ اگر اس کا مبلغ علم لوگوں پر ظاہر ہوگیا۔ تو اس کے وقار میں کمی آجائے گی۔ بچوں سے ملنا اس کے لئے توہین ہے اور بزرگوں کے سامنے پریشان ہوجاتا ہے۔

اس قسم کا استاد احساس کمتری کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے اور عام طور پر اجنبی ملنے والوں کے سامنے اس کا انداز مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ اگر اس کے رفقائے کار اس کی قابلیت اور فضلیت کی تعریف کریں تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ لوگ اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں کیونکہ اُسے یقین ہوتا ہے کہ وہ ان تعریفوں کا مستحق نہیں۔ وہ گفتگو میں حصہ لینے سے اس لئے ہچکچاتا ہے۔ کہ اُسے شرمندگی اٹھانا نہ پڑے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی قابلیت سے متوقع نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ اپنے احساس کمتری کو چھپانے کے لئے وہ رات دن ہوائی قلعے تعمیر کرتا رہتا ہے۔ اور اس طرح عملی دُنیا سے دُور تر ہوتا جاتا ہے۔

ان صفات کا آدمی بحیثیت اُستاد کے قطعی طور پر ناکام رہتا ہے وہ بچوں کو ضبط میں رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ بچے اس کے سامنے بے قابو ہوجاتے ہیں اگر وہ اس سے سوالات پوچھیں

تو وہ سمجھتا ہے کہ بچے اس کی قابلیت پر شک کرتے ہیں اور اس بات پر بگڑ جاتا ہے وہ اپنی لاعلمی کا
اعتراف کرنے کے بجائے غلط سلط جوابات دیتا رہتا ہے بچے یا تو اس سے خوف زدہ رہتے ہیں
یا اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں اس قسم کے استاد کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ وہ
احکام نافذ کرنے میں بہت مذبذب ہوتا ہے لیکن جب حکم نافذ کرتا ہے تو اس پر ڈٹ جانے کی کوشش
کرتا ہے نافذ کردہ حکم پر نظر ثانی کرنے یا معاملات کے مشورے پر عمل کرنے کو وہ اپنی توہین سمجھتا ہے۔
اور خیال کرتا ہے کہ اس قسم کے اقدام سے اس کے وقار میں فرق آئے گا۔ اور بچوں کی نظروں میں
گر جائے گا۔ وقار میں فرق آنے کا خیال دراصل احساس کمتری کا نتیجہ ہے اور یہی چیز استاد اور
بچوں کے درمیان منافرت اور بیگانگی کی ایک وسیع خلیج حائل کر دیتی ہے۔

۲- **محبت کا بھوکا استاد**:- اس قسم کا استاد محبت کرنا اور کرانا چاہتا ہے اور اس جذبہ
کی تسکین کے لئے بچوں سے یارانہ گانٹھ لیتا ہے اور بچوں کو اپنے گرد جمع کرنے میں مسرت سی محسوس
کرتا ہے وہ اس کی تعریفیں کرتے ہیں اور اسے ایک قابل پرستش بت سمجھ کر اس کی پوجا کرتے ہیں
ظاہری صورت میں وہ بچوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کا دل اس کھوج میں لگا رہتا ہے کہ بچے
اس سے حقیقی محبت کریں۔ وہ بے التفاتی اور بے توجہی کو سخت محسوس کرتا ہے اور بسا اوقات
محبت کا جواب محبت سے نہ پانے پر انتقام جوئی پر اتر آتا ہے۔ ہوشیار مستعد اور فرمانبردار
بچوں کے علاوہ خوش حال گھرانوں کے بچے بھی اس کے منظور نظر ہوتے ہیں۔ غریب گھرانوں کے بچے اور
کمزور اور مقابلتاً ناقابل بچے اس کی توجہ کا مرکز نہیں بنتے۔

ایسا استاد اور شیر خوار بچہ تشنگی محبت کے لحاظ سے ایک ہوتا ہے اگرچہ ایسے استاد اور
شیر خوار بچہ میں یہ تفاوت ضرور ہوتا ہے۔ کہ شیر خوار بچہ مستعد غیر مستعد، ذہین، کند ذہن امیر غریب
سے یکساں محبت کرتا اور کرانا چاہتا ہے۔ لیکن ایسا استاد اس میں بھی امتیازی دیوار حائل کرنا چاہتا
ہے۔ اور محض دنیا والوں کی نگاہوں میں ممتاز ہونے کی وجہ سے سوسائٹی کے ممتاز افراد کے بچوں کی
محبت چاہتا ہے۔ اس کا نفسیاتی سبب یہ ہوتا ہے۔ کہ ایسا شخص ایک غریب اور غیر مستعد ماحول
میں پیدا ہوا۔ اور اسے غربت اور غیر مستعدی کی تلخیوں کا شکار ہونا پڑا۔ اور رفتہ رفتہ ان چیزوں
کے خلاف اس کے دل میں منافرت کا جذبہ بیدار ہوا۔ جو بتدریج بڑھتا گیا۔ اور نشوونما پاتا گیا۔ اسی کا

ردعمل یہ ہے کہ وہ غریب اور نااستعداد بچوں سے بیزار رہتا ہے اور اپنے گردوپیش ایسا ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے جو دنیا والوں کی توجہ کا مرکز بن سکے۔

ایسا استاد بچوں کی فطری نشوونما میں حایل ہوجاتا ہے اور اپنے منظور نظر بچوں کا محافظ بنتا ہے اور اس طرح ان میں احساس ذمہ داری کا جذبہ تربیت نہیں پاتا۔ وہ ہمیشہ اوروں کے محتاج رہتے ہیں۔ اس استاد کا دعوےٰ کہ وہ بچوں سے محبت کرتا ہے باطل ہے بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ بچپن میں اپنے والدین کی محبت سے محروم رہا۔ اور نہ اب اس کی تلافی کرانا چاہتا ہے۔

شرمیلا استاد اجتماع سے گھبراتا ہے اور تشنۂ محبت استاد تنہائی سے ڈرتا ہے تنہائی اس قسم کے آدمی کے لئے ایک الارم اور خطرہ ہے۔ اور اس الارم سے بچنے کے لئے وہ ہر وقت کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ دوستوں کے انتخاب میں محتاط نہیں ہوتا۔ اس کی مثال اس پیاسے کی مثال ہے جو صرف پانی چاہتا ہے خواہ وہ صاف ہو یا میلا ؎

تشنہ را دل نہ خواہد آب زلال

نیم خوردِ دہانِ گندیدہ — سعدیؔ

ایسا استاد بچوں کے دلوں میں خواہ مخواہ مخالفت اور رقابت کا جذبہ بیدار کرنے کا سبب ہوتا ہے۔ جو بچے اس کے درجہ میں نہیں پڑھتے اور جنہیں اس کا منظور نظر ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے منظور نظر بچوں سے جلنے لگتے ہیں بلکہ اس استاد کو بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اور ان تمام باتوں کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے۔

۳۔ حد سے زیادہ نکتہ چینی کرنے والا استاد :۔ ایسا استاد بچوں کے فطری رحجانات کو دبائے رکھنا ضروری سمجھتا ہے جماعت کے کمرے میں وہ بچوں سے معیاری کام لیتا ہے۔ اُن کی کاپیوں پر کہیں داغ دھبہ پڑا ہو۔ ان سے معمولی سی فروگذاشت ہوجائے۔ یا سہو قلم، وہ کسی بات کو نظر انداز نہیں کرتا، وہ بچوں کے سامنے اخلاق کا اعلےٰ معیار رکھتا ہے۔ اور سماجی زندگی کا بہترین نمونہ، اور اگر بچوں کا قدم استاد کے مجوزہ معیار سے ذرا بھی ڈگمگائے۔ تو وہ اُن کی سرزنش کرتا ہے اگر استاد بچوں کو وقت ضائع کرتے دیکھتا ہے۔ یا اُن کو خاک دھول کے ساتھ کھیلتے پکڑتا ہے۔ تو انہیں سزا دینے پر آمادہ ہوجاتا ہے یا انہیں وعظ و نصیحت کے ذریعہ اس قسم کی

نشوونمایات سے روکنے کی کوشش کرتا ہے اور انہیں متنبہ کرتا ہے کہ اس حرکت کے علاوہ کا نتیجہ بُرا ہوگا۔ جھوٹ بولنے چوری کرنے اور بدچلنی کی عادت پر ایسا اُستاد سخت مشتعل ہوتا ہے اور اکثر اوقات عبرت ناک سزائیں دیتا ہے۔

اس قسم کا شخص ہمیشہ اپنے گذرے ہوئے اعمال پر نظر رکھتا ہے اور پاداشِ عمل سے نتیجہ یعنی سبق حاصل کرتا رہتا ہے۔ وہ اس اندرونی خلش کی تشفی کے لئے ضروری سمجھتا ہے کہ آنے والی نسلیں اس قسم کے عوارض سے پاک و صاف رہیں۔ بچپن میں اُن کی مناسب دیکھ بھال کی جائے تاکہ وہ بگڑے ہوئے نوجوان نہ بن جائیں۔ اور اپنا بڑھاپا پشیمانی میں نہ کاٹیں۔ کسی زمانہ میں ایسا شخص خود بدراہ تھا۔ لیکن اس میں صلاحیت موجود تھی، اس کی طبیعت اصلاح پذیر تھی، اس نے نہ صرف اپنی اصلاح کی بلکہ اوروں کے لئے بھی مصلح ثابت ہوا۔ وہ اُن باتوں کی طرف توجہ دینا چاہتا ہے جن باتوں کی طرف سے اس کے بچپن میں اس کی ذات کے متعلق لاپرواہی برتی گئی تھی، وہ اپنی ناکامی کے اسباب پر حاوی ہے اور چاہتا ہے کہ آنے والی پود ایسی لاپرواہی کی شکار ہو کر اپنی زندگی برباد نہ کر ڈالے۔ اس قسم کا آدمی عام طور پر خشک مزاج ہوتا ہے۔ اور بے ضرر سے بے ضرر سامان نشاط سے محظوظ ہونے پر بھی اس کا ضمیر اُسے ملامت کرتا رہتا ہے۔ اس کی خواہشات اور اس کے اصولوں میں ہمیشہ ٹکر رہتی ہے۔ اور جب اس کی خواہشات اس کے اصولوں پر غالب آجاتی ہیں۔ تو وہ اس عمل کو حق بجانب قرار دینے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

اس قسم کا اُستاد عام طور پر ایک کامیاب اُستاد سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ بچوں کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ یہ قابو ڈنڈے کے زیر اثر ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن ایسا اُستاد بچے کی دماغی اور ذہنی نشوونما میں حائل ہوتا ہے۔ اگر بچہ کی نکتہ چینی حد سے زیادہ کی جائے۔ تو اس کی قوت اظہار قطعی طور پر فنا ہو جاتی ہے وہ ایک صفحہ بھی کانٹ چھانٹ کے بغیر نہیں لکھ سکتا۔ اور کسی اجنبی سے بات چیت کرتے وقت تو وہ بہت ہی پریشان ہو جاتا ہے یا یوں سمجھ لیجئے۔ کہ حد سے زیادہ احتساب سے بچے کو یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ناقابل ہے۔ ناکارہ ہے اور کوئی کام بوجہ احسن انجام نہیں دے سکتا۔ اس طرح اس میں احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے وہ دُنیا کا کوئی کام بھروسہ اور یقین کے ساتھ نہیں کر سکتا، اور سوسائٹی یا سماج کے لئے ایک مصیبت بن جاتا ہے۔

بے اعتبار اُستاد :- ایسا اُستاد خاص اثرات کے تحت کام کرتا ہے ہم سب اس قسم کے اُستادوں کو جانتے ہیں۔ یہ شخص اپنا کام غیر معین عرصہ کے لئے بند کرتا ہے۔ بچوں کی کاپیاں درست نہیں کرتا، اپنی ڈائری نہیں لکھتا، یہاں تک بچوں کو پڑھاتا بھی نہیں۔ اس کے بعد ایک دن ایسا آتا ہے کہ یا وہ گہری نیند سے بیدار ہوگیا ہے۔ اور تمام معطل کام کو یک لخت ختم کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنا آرام اپنے اوپر حرام کرتا ہے بچوں کے چین کو فنا کر ڈالتا ہے۔ اور اس وقت تک دم نہیں لیتا۔ جب تک سارا بقایا کام ختم نہ ہو جائے۔ وہ راتوں جاگے گا، دنوں سوئے گا، کھانا وقت پہ نہیں کھائے گا، لیکن اس وقت تک آرام سے بیٹھیگا جب تک تلافی مافات نہ کرلے۔ اس قسم کے آدمی کی زندگی غیر منظم ہوتی ہے اس لئے وہ کسی مقررہ پروگرام کے مطابق اپنی زندگی بسر نہیں کر سکتا، کوئی شخص اس کی اختیار کردہ روش میں ترمیم نہیں کرسکتا، خواہ وہ راستہ دشوار ہی کیوں نہ ہو۔ حق تو یہ ہے کہ وہ دشوار روش کو ہی اختیار کرتا ہے، تاکہ وہ اپنے ہم چشموں میں وقار اور منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاسکے۔

بچوں کے لئے اس قسم کے اُستاد کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بچوں کو ہنسنے بولنے کا موقعہ دے دیتا ہے اور دوسرا وقت ایسا آجاتا ہے کہ اس میں خشونت کے آثار پیدا ہوجاتے ہیں اور وہ اپنی تیز کلامی سے اُن کے حساسات کو مجروح کردیتا ہے اگر ایک دن وہ ہشاش بشاش ہوتا ہے اور بچوں کے اندر اپنے جذبات مسرت سے مستعدی اور سرگرمی پیدا کرتا ہے۔ تو دوسرے دن منہ لٹکائے، غم و اندوہ کا پیکر بن کر اُن کے سامنے آجاتا ہے چنانچہ اس کے احساسات کا تعدیہ بچوں پر ہوجاتا ہے۔ اور ساری جماعت پر تفکر کا سماں چھایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

یہ بے اعتباری، جس کے تحت ایک وقت اُستاد خوش وخرم ہوتا ہے اور دوسرے وقت پژمردہ و اندوہ گیں، بچوں کے کردار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور ان میں چڑچڑاپن، گھبراہٹ اور اشتعال پیدا کرنے کا موجب بنتی ہے۔

نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے آدمی کے دل پر کسی خاص پریشانی اور ناکامی کا اثر ہوتا ہے اس قسم کا آدمی ضدی ہوتا ہے۔ جب وہ کسی خیال یا احساس کو اپنا لیتا ہے

تو اس کے دل سے اس کا نکالنا قریب قریب ناممکن کام ہے۔ اس کی نفرت بھی عمیق اس کی محبت بھی عمیق " اور پھر کیفیت یہ کہ وہ اپنے اس طرزِ عمل کا جواز بھی نہیں پیش کر سکتا۔

اس شخص کے کردار میں ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی قسم کی ماتحتی اور زبردستی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ تحکم کے لئے فطرتاً باغی ہے۔ وہ اپنے منصوبوں میں دخل اندازی کو بُرا سمجھتا ہے یہاں تک کہ دوستانہ مشورہ پر کان دینا بھی اُسے گوارہ نہیں ہوتا۔ بات دراصل یہ ہے۔ اس قسم کے لوگوں کا بچپن ناخوشگوار اور نامساعد حالات میں بسر ہوتا ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ وہ اوروں پر بھی اعتبار نہیں کرتے۔ اُن کی دلچسپی کے اسباب دُنیا میں بہت کم اور محدود ہوتے ہیں۔ عمر کا بیشتر حصّہ وہ اپنی ناکام زندگی کے ماتم میں بسر کرتے ہیں۔

فرمائیے۔ آپ ان میں سے کونسا اُستاد بننا چاہتے ہیں۔ اچھے اُستاد کے اوصاف تو آپ کو ہم پہلے بتا چکے ہیں۔

(اخذ و ترجمہ)
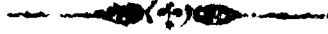
تعلیمی مضامین

ادارہ

کلاس لائبریری

ایک استاد اپنے ذہنی احساسات کو بچے کے دماغ میں منتقل کرنے والا ایجنٹ ہے اس کام کو کامیابی کے ساتھ نبھانے کے لئے اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ بچوں میں مطالعہ کا صحیح ذوق پیدا کرے بچوں کے دماغوں میں جبراً و قہراً معلومات کو ٹھونسنا بے کار ہے ایک وقت آجائیگا۔ کہ یہ زبردستی ٹھونسی ہوئی معلومات وہاں اپنے لئے جگہ نہ پاکر واپس نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگیں اور ہمیشہ کے لئے باہر نکل آئیں۔ لیکن اگر استاد بچوں میں مطالعہ کا صحیح ذوق پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ تو یہ اندیشہ نہیں رہتا۔ یہ عادت جہاں انہیں مطلوبہ معلومات کو فراہم کرنے کے قابل بنا دے گی۔ وہاں وہ کتابوں سے محظوظ بھی ہوتے رہیں گے۔ اس سلسلہ میں مدرسوں کے کتب خانے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ لیکن کلاسوں کے چھوٹے کتب خانے مفید تر ہونے میں مسلم الثبوت ہیں۔ سکول لائبریری اور کلاس لائبریری میں کیا فرق ہے؟ ممکن ہے کہ آپ کے دماغ میں یہ سوال پیدا ہو جائے۔ اس کا جواب بہت سادہ ہے۔ سکول لائبریری ایک بے پایاں سمندر کی طرح ہے اور کلاس لائبریری ایک ندی کی طرح۔ سمندر ہر شخص کی دسترس میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ اس کی پہنائی سمندر کو محدود نہیں کر سکتی۔ اس لئے یہ عوام کی پیاس کو بجھا نہیں سکتا۔ اس کے مقابلہ میں ندی چھوٹی ہونے کی وجہ سے ہر شخص کے قابو میں آ سکتی ہے۔ ہر کس و ناکس اس سے فائدہ اٹھاتا اور اپنی پیاس بجھاتا جاتا ہے۔ اس لئے کلاس لائبریری جس میں بچوں کے مذاق اور استعداد کے مطابق چیدہ چیدہ کتابیں ہوتی ہیں اور جو آٹھوں پہر اسی چار دیواری میں رکھی رہتی ہے جہاں بچوں کے وقت کا اکثر حصہ صرف ہوتا ہے۔ اس بڑی لائبریری سے بدرجہا مفید ہے۔ جو بڑی بڑی قیمتی کتابوں سے بھری پڑی ہے اور تمام سکول کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہے۔

چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے کلاس لائبریری کا موجود ہونا زیادہ ضروری ہے۔ اُن کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اور دماغ اتنی اہلیت نہیں رکھتے۔ کہ وہ اس علمی سمندر سے اپنے مفید مطلب موتی نکال سکیں کتابوں کے انتخاب میں انہیں صحیح رہنمائی کی ضرورت رہتی ہے اُن کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔ اور دیکھنا چاہیئے۔ کہ بچے اِن کتابوں کا صحیح استعمال بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ انہیں مواقع ملنے چاہئیں جہاں وہ ان کتابوں سے حاصل کردہ معلومات کا اظہار کر سکیں۔ تاکہ ان کی قوت اظہار کی تربیت ہو سکے۔ کتب خانہ کا انچارج لائبریرین اتنے سارے کام نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس سے توقع رکھی جاسکتی ہے۔ کہ وہ اتنا کچھ کرے۔ پھر یہ سارا کام کون کر سکتا ہے؟ اس کا جواب ہے استاد — اور استاد اسی صورت میں بچوں کے مطالعہ کی جانچ پڑتال کر سکتا ہے۔ جب اس کے کلاس میں لائبریری موجود ہو۔ اور اس میں بچوں کے مذاق اور استعداد کے مطابق چیدہ چیدہ کتابیں موجود ہوں کتابوں کے واپس کئے جانے کے بعد اُن سے نفس مضامین پر سوالات کئے جائیں۔ اور اس بات کا اطمینان کیا جائے۔ کہ کتابوں کا صحیح استعمال کیا گیا ہے یا نہیں۔

—— پنڈت گوپی ناتھ

تاریخ ہند کی تعلیم

تاریخ سوشل سٹڈیز کا ایک اہم جزو ہے اور یہ آجکل ہمارے مدارس میں غلط طریقے سے پڑھائی جاتی ہے جہاں طلبا اس کے شوقین نہیں۔ وہاں استاد بھی اس مضمون کے پڑھانے سے جی چراتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ معلم اور متعلم دونوں کا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ عام یونیورسٹی کے امتحانات میں تاریخ کے نتائج بہت برے ہوتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ اس مضمون کو پڑھانے کے لئے بہتر طریقہ تعلیم پر غور کیا جائے۔ میں ہائی سکولوں میں آج کل کے رائج طریقہ تعلیم پر روشنی ڈالوں گا۔ طلبا واقعات کے مفہوم کو سمجھنے کے بغیر ہی انہیں

رٹ لیتے ہیں۔ اور وہ اس بات کو مطلق سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کہ ان کا باہمی تعلق کیا ہے۔ تاریخ کو انسان کی ترقی کی مسلسل کہانی کے طور پر نہیں پڑھایا جاتا۔ بلکہ فرضی حصوں میں بانٹ کر واقعات کے تسلسل کو کاٹ لیا جاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر ہم ملک کی تاریخ نہیں پڑھتے۔ بلکہ چند خاص ہندوستانی بادشاہوں کی مختصر کہانیاں اور سوانحی حالات پڑھتے ہیں۔ یعنی واقعات کی اصلیت سمجھنے کے بغیر ہی اگر طلبا سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب بیان کرسکیں۔ تو ہم اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے۔ اس مضمون کے پڑھنے کا اصل مدعا ہی فوت ہو جاتا ہے۔

موجودہ مدارس میں تاریخ ہند کو تین [illegible] میں منقسم کیا گیا ہے۔ ہندو پیریڈ۔ مسلم پیریڈ اور انگریزوں کی آمد کے بعد کا زمانہ۔ جہاں تک [illegible] کے تسلط سے پہلے کے تاریخی واقعات کا تعلق ہے۔ عام طور پر یہی دیکھا جاتا ہے۔ کہ اس [illegible] مشہور خاندانوں کی کہانیاں پڑھائی جاتی ہیں طلبا کو موریا خاندان۔ گپت خاندان [illegible] خلجی خاندان۔ تغلق خاندان اور مغلیہ خاندان کے بادشاہوں کی مختصر سی کہانیاں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں طلبا کے سامنے ایک مسلسل کہانی [illegible] علیحدہ علیحدہ واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ طلبا ان واقعات کو رٹ لیتے ہیں جن کا مرکز استاد بچوں کے سامنے کرتا ہے۔ اس طریقہ تعلیم سے طلبا اپنی دماغی قوت کے استعمال میں لانے سے محروم رہتے ہیں۔ اور اس کے پڑھانے کا مطلب ہی خارج ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اسی ایک خیال سے کسی مضمون کو نصاب تعلیم میں داخل کیا جاتا ہے۔ آج سے دس سال پہلے جنرل نالج کے مضمون کو پنجاب یونیورسٹی نے امتحان میٹرکولیشن میں اختیاری مضمون قرار دیا تھا۔ اور ایسے طلبا کی تعداد جو کہ خود بخود اس کا انتخاب کرتے تھے بہت گر گئی تھی۔ یہ ایک زندہ شہادت ہے۔ کہ ہم کہاں ہیں اور ہمارے بچوں کی نظروں میں اس مضمون کی کیا وقعت ہے۔

انگریزوں کے آنے کے بعد کی تاریخ پڑھاتے وقت عام نقص دیکھا گیا ہے۔ کہ ہندوستان کے مختلف حصوں کی تاریخ صرف اس صورت میں پڑھائی جاتی ہے۔ جب ہندوستان کا واسطہ یورپین قوموں کے ساتھ پڑتا ہے۔ مثلاً بچوں کے سامنے سکھوں کی تاریخ کا ذکر اس وقت کیا جاتا ہے۔ جب یہ بیان کرنا ہو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۸۰۹ء میں امرتسر کے مقام پر

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ صلح کر لی۔ پنجاب میں اُن کی ترقی کا ذکر بالکل نہیں کیا جاتا۔ یہی حال مرہٹہ۔ نظام۔ میسور۔ بنگال اور ہندوستان کے دیگر حصوں کی تاریخ کا ہے۔

اگر تعلیم کا مدعا کتابی کیڑے پیدا کرنے کے بجائے نیک شہری بنانا ہے۔ تو اس مضمون کے پڑھانے کا یہ طریقہ تعلیم بالکل بدل جانا چاہئے۔ ہمیں اس بات کو ماننا پڑیگا۔ کہ تاریخ واقعات کی صرف ایک لڑی ہی نہیں۔ بلکہ ہمارے اسلاف کی ایک سچی کہانی ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہمیں دیکھنا ہے کہ انہوں نے ماضی میں ترقی کے لئے کونسی کشمکش کی ہے۔ اور ان کی امیدیں اور شکوک کیا تھے۔ ان ہی حالات میں ہم اطمینان سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ طلبا جب اس کو ایک انسانی دستاویز جان لیں گے۔ ایسی صورتیں اس کے ساتھ گہری دلچسپی کا اظہار کریں گے۔

اس مضمون کے پڑھانے کے نقائص دور کرنے کے لئے ذیل میں تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔ امید ہے کہ اس طریقے کو زیر کار لانے سے طلبا کی دلچسپی مضمون کے ساتھ بڑھ جائیگی۔ سب سے پہلے ہندوستان کے سطحی حالات کی اہمیت کا اندازہ لگانا ضروری ہے۔ کہ کسی ملک کی تاریخ کا اندازہ اس وقت تک نہیں کیا جاتا جب تک وہاں کے جغرافیائی حالات کو زیرِ غور نہ لایا جائے۔ جب ہم کسی تاریخی واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ قدرتی طور پر ہمارے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ واقعہ کس جگہ ہوا تھا اور کب ہوا تھا۔ یہی حال ہندوستان کی تاریخ کا ہے۔ شاید یہ کہنا بجا ہے کہ ہر ملک کا جغرافیہ اس کی تاریخ کی داہنی آنکھ ہے۔ قدیم اور درمیانی زمانے میں ہندوستانیوں کے ترک وطن سے بیزاری کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہندوستان کا ساحل کٹا پھٹا تھا۔ اور شمال کی طرف ایک اونچی فصیل تھی ہندصیاچل کی موجودگی سے دکن کی علیحدگی کا ذکر کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ ہندوستان کے شمالی میدان کی زرخیزی کی وجوہات اچھی طرح اخذ کرنے چاہئیں۔ اور اس سے نتیجہ برآمد ہونا چاہئے۔ کہ اس علاقے کی زرعی خوشحالی کی وجوہات کی وجہ سے یہاں آبادی گنجان ہے۔ اور لہذا یہ پُرانے زمانے میں بہت سے خاندانوں کا عروج و انحطاط کا مرکز رہا ہے۔ ہندوستان کے دریائی سلسلے کا ذکر کرنے کے بغیر یہاں ادھورا رہ جائیگا۔

اخیر میں شمال مغربی دروں کی اہمیت کا ذکر کیا جانا ضروری ہے کیونکہ یہی راستے وہ ہیں جہاں سے پُرانے وقتوں میں اجنبیوں نے ہندوستان پر آسانی سے دھاوا بول دیا ہے اس سے صاف

ظاہر ہے۔ کہ تاریخ کا مطالعہ تب تک تسلی بخش نہیں ہو سکتا جب تک کہ جغرافیائی دلیل کا پورا پورا خیال نہ رکھا جائے۔

اس کے بعد سوال یہ ہے کہ تاریخ کے نفس مضمون کو کیسے پیش کیا جائے۔ ہر جگہ دیکھا جاتا ہے کہ مدرس جماعت کے کمرے میں داخل ہو کر زبانی لیکچر کر کے چلا جاتا ہے۔ اور طلبا اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ کر سنتے ہیں۔ اس کا نتیجہ کچھ نہیں ہوتا۔ کوئی طریقہ تعلیم اسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے جب مدرس طلبا کے مشاغل کو استعمال میں لائے۔ مدرس ایسی فضا کو گفتگو کے ذریعہ پیدا کر سکتا ہے اس طریقے سے اگر نفس مضمون پیش کیا جائے۔ طلبا اس کو اپنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

ایک ناتجربہ کار استاد کے ہاتھ میں ایک اچھا طریقہ تعلیم سہل نہیں ہو سکتا اور خاص کر جب وہ مطالعہ کا شوقین نہ ہو۔ لہذا پہلی ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ استاد اسباق کے پڑھانے سے پہلے اس پر کافی سوچ بچار کرے۔ اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کہاں سے۔ کب اور کس طرح پڑھانا چاہیئے۔ اس کے لئے لازمی ہے۔ کہ وہ طلبا کی مدد سے تختہ سیاہ کو ضروری نکات سے بھر دے۔ اس سے امید رکھی جاتی ہے کہ اس سبق کا اثر طلبا کے دل پر اچھا رہے گا۔ اس کے علاوہ طلبا سے عموماً اس عبارت کو نقل کر دیا جائے۔ اور اپنے الفاظ میں کہانی لکھنے کی مہارت دے دے۔

ہم اب قدرتی طور پر اس مضمون کے پڑھانے میں مختلف امدادی چیزوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو تعداد میں بہت ہیں۔ لیکن میں اس مضمون میں مدرس اور طلبا کے لئے صرف نصاب کی کتابوں کے مناسب استعمال پر روشنی ڈالوں گا۔

یہ بات بحث طلب ہے کہ تاریخی کتاب استعمال کی جائے یا نہ ہندوستان کے ہر ایک صوبے میں ٹیکسٹ بک کمیٹی طلبا کے استعمال کے لئے کوئی نہ کوئی کتاب منظور کر لیتی ہے کچھ مدرسین اس کا استعمال نہیں کرنا چاہتے۔ مگر مدرسین کی اکثریت اس کا جائز استعمال کرنا چاہتی ہے اس طریقہ تعلیم کے نقائص پر عیاں ہیں۔ اس سے طلبا میں تواریخی مضامین کے ساتھ گہری دلچسپی پیدا نہیں ہوتی۔ اور اس سے مدرسین اور طلبا کی دماغی قابلیت کا دیوالہ نکل جاتا ہے۔

ٹیکسٹ بک کے جائز استعمال سے اچھے نتیجے برآمد ہو سکتے ہیں اگر مدرسین اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ اگر ٹیکسٹ بکس کا استعمال کرنا مقصود ہو۔ تو طلبا کو ایک دن پہلے ہی

دوسرے دن کا سبق تفویض کیا جائے۔ اس سے گھر پر اچھی طرح پڑھ کر طلبا جماعت کے کمرے میں تیار کر کے داخل ہوتے ہیں۔ اور مقررہ وقت پر مدرس اور طلبا روزمرہ کے سبق کو بذریعہ سوالات وجوابات بحث میں لاتے ہیں۔ اور طلبا اس طرح مدرس سے مزید واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں مدرس طلبا کو ایک خطرے سے آگاہ کر سکتا ہے کہ تواریخی کتاب کے مصنف کی پیش کردہ دلیل ہی آخری اور قطعی نہیں۔ بلکہ دیگر مصنفین کی رائیں کچھ اور بھی ہو سکتی ہیں۔

اب میں اس بات پر آگیا ہوں۔ جہاں میں تجویز پیش کروں گا۔ کہ طلبا کی ٹیکسٹ بک کے جائز استعمال پر کیونکر رہبری کی جائے۔ مدرسین کے لئے لازم ہے کہ گھنٹی کے اختتام پر چند منٹ کے اندر اندر طلبا کو دوسرے روز کا سبق تیار کرانے کے لئے مناسب ہدایات دی جائیں یہاں پر مدرس طلبا کو مضامین کی اہمیت اور مختصر تحریروں کے لئے اشارات دے سکتا ہے۔ مدرسین مشکل مضامین کو پیشتر ہی پڑھائیں گے۔ اور پھر دوسرے روز طلبا سے ٹیکسٹ بک کی رائے پڑھی جائے۔

جب طلبا ہائی ڈیپارٹمنٹ میں آجائیں۔ یہ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے۔ کہ علم تاریخ میں اچھی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ ہائی ڈیپارٹمنٹ کے اونچی دو جماعتوں میں *topical treatment* (*technology*) استعمال کرنا جائز ہے۔ استاد کو چاہئے کہ وہ سال کے سلیبس پر اچھی طرح سوچ بچار کرے اور وہ شروع سے ہی فیصلہ کرے۔ کہ کون کون سے مضامین اس طرز تعلیم کے زیر اثر آسکتے ہیں عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ کہ ٹیکسٹ بکس تاریخ وار لکھی جاتی ہیں۔ اس طریقہ تعلیم کا استعمال کرنے کے لئے موزوں سوالات پہلے ہی تیار کئے جائیں۔ اور مروجہ کتابوں کا استعمال کر کے طلبا سے لیا جائے۔ کہ وہ تمام اطلاعات اس مضمون کے بارے میں کتاب کے مختلف مقامات سے پڑھ کر یکجا کر لیں۔

ذیل میں چند سوالات درج کئے جاتے ہیں یہ بغیر سوچے سمجھے گلشن رائے کی مختصر تاریخ ہند سے جمع کئے گئے ہیں اور میرا نقطہ نگاہ سمجھانے کے لئے ذیل میں ان کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

(۱) مختصر طور پر پنجاب میں سکھوں کے سلطنت کی تواریخ ۱۷۹۴ء سے ۱۸۴۹ء تک بیان کرو۔
(۲) عدم مداخلت کی پالیسی سے تم کیا سمجھتے ہو۔ یہ کیونکر کامیاب ہوئی۔

(۳) ۱۸۰۵ء سے ۱۸۵۸ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی کی مالگزاری اراضی کی کیا حالت رہی مختصر طور پر بیان کرو۔

(۴) ۱۸۵۸ء سے ۱۹۴۳ء تک گورنمنٹ آف انڈیا کے تعلقات دیسی ریاستوں کے ساتھ کیا رہے مختصر طور پر بیان کرو۔

مختصر طور پر صرف یہی کہا جاتا ہے کہ کام کی جو سکیم اختیار کی جائے۔ وہ سخت نہ ہو۔ بلکہ ایسی حد تک لچکدار ہو۔ بحیثیت مجموعی تاریخ کے بہتر طریقۂ تعلیم کا یہی مدعا ہونا چاہئے۔ کہ اس سے پڑھنے والوں پر لوگوں کی تاریخی اہمیت کا پورا پورا اثر پیدا ہو۔

طرز بیان کو تاریخ کے پڑھانے سے کس طرح ترقی دی جا سکتی ہے

مدرسے کے اوقات میں کچھ وقت اس غرض کے لئے مخصوص کیا جائے جس میں دلچسپ کہانیوں کو اپنے الفاظ میں دہرایا جائے۔ دلچسپ سوالات مثلاً ہندوستان میں انگریزی راج کے زیر اثر تعلیمی ترقی کے جیسے سوال کو پڑھایا جائے۔ اور اس پر کھلم کھلا بحث کی جائے۔ اس کے بعد طلبا اس کی خاص باتیں اپنے الفاظ میں لکھیں۔ طلبا میں اس طرح دلچسپی پیدا کی جا سکتی ہے۔ اور وہ ایسے بیان لکھتے ہیں جو دلچسپی ظاہر کریں گے۔ تاریخ اگر مناسب طور پر پڑھائی جائے۔ زبانی واقعات مہیا کرنے کے علاوہ یہ تحریر کے لئے بھی مصالحہ بہم پہنچا سکتی ہے۔
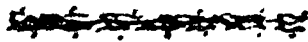
تعلیمی تجربات ——— لکشمی لال

تعلیم بذریعہ قدرتی نشوونما

"آپ کو یاد ہوگا کہ شیخ عبدالعزیز صاحب سہریا کی ہدایت کے مطابق سنٹرل بیسک سکول اودھم پور میں تعلیم بذریعہ قدرتی نشوونما کا تجربہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے بعض چیزیں دیکھی ہیں آج ہیڈ ماسٹر صاحب نے سہریا صاحب کی معرفت اس سکول کی پانچویں جماعت کے بچوں کے امتحانی سوالات اشاعت کے لیے بھیجے ہیں جو ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

جہاں تک امتحانی سوالات کا تعلق ہے ان میں اکثر باتیں آپ کو ایسی ملیں گی جن میں جدت (originality) ہے کہانیوں کے پرچے میں پہلا ہی سوال بہت مفید ہے اسی طرح مشاہدات اور ہینڈ ورک کے پرچوں میں بعض سوالات بہت دلچسپ ہیں۔ (ادارہ)

ناظرین تعلیم جدید کو اچھی طرح یاد ہوگا۔ کہ سنٹرل بیسک سکول اودھم پور کی ابتدائی پانچ جماعتوں میں ایک خاص تعلیمی تجربہ" تعلیم بذریعہ قدرتی نشوونما" زیر نگرانی عالیجناب شیخ عبدالعزیز صاحب سہریا اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز اودھم پور جاری ہے۔ جس میں سکول کے کام کو چار گھنٹوں یعنی (۱) مشاہدات (۲) دستی کام۔ (۳) کھیل۔ (۴) کہانیاں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور جس کی سہ ماہی رپورٹ ناظرین تعلیم جدید پڑھ چکے ہیں۔

سالانہ رپورٹ شائع کرنے سے قبل میں اپنے سکول کی جماعت پنجم کے سالانہ امتحان بابت سمت ۲۰۰۱ کے پرچہ جات جو میں نے زیر ہدایات عالیجناب سہریا صاحب تیار کئے ہیں شائع کرانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس سے آپ اچھی طرح معلوم کر سکیں گے۔ کہ مختلف مضامین کا ارتباط تعلیم میں کس طرح ملحوظ رکھا جاتا ہے اور امتحان میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔

امید ہے کہ ہمارے ہم پیشہ بھائی بھی اپنے سکولوں میں عمل جاری کر کے بچوں کی تعلیم کو پختہ کرتے

ہوئے ملک اور قوم پر ایک بھاری احسان کریں گے۔

نمبروں کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

[illegible]	تحریری پرچہ	۲۰ نمبر
	نوٹ بک جس میں سال بھر کا تعلیمی ریکارڈ رکھا جاتا ہے	۵ نمبر
[illegible]	پرچہ تحریری	۱۵ نمبر
	بکس جس میں بچے سال بھر کی اکٹھی کی ہوئی اشیاء اور نمونہ جات۔ ماڈل مختلف اقسام محفوظ رکھتے ہیں۔	۱۰ نمبر
	پریکٹیکل	۵ نمبر
[illegible]	تحریری پرچہ	۱۵ نمبر
	پریکٹیکل	۵ نمبر
[illegible]	تحریری پرچہ	۱۰ نمبر
	پریکٹیکل	۱۰ نمبر
	البم جسمیں بچوں نے مختلف اقسام کے پتے۔ تصاویر وغیرہ چسپاں کی ہیں	۵ نمبر
	میزان	۱۰۰ نمبر

تحریری پرچہ جات حسب ذیل ہیں۔

امتحان سالانہ سنٹرل بیسک سکول اودھم پور

پرچہ کہانیاں　وقت ۲ گھنٹے　نمبر ۲۰　جماعت پنجم

(نوٹ)۔ کوئی چار سوال کرو [illegible] سوال ضروری ہے۔

(۱) اپنی لائبریری سے پڑھی ہوئی پانچ کتابوں کے نام لکھو اور کسی ایک میں سے جو بات آپ کو پسند آئی ہو۔ درج کرو۔

(۲) مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک کی کہانی لکھو۔ سری کرشن۔ گوتم بدھ۔ حضرت عیسےٰ۔ حضرت محمد صلعم

(۳) سبکتگین اور ہرنی یا پرتھوی راج اور سنجوگتا کا قصہ اپنے الفاظ میں درج کرو۔

(۴) تمہارے سکول کے کورس میں علامہ اقبال کی کتنی نظمیں ہیں کوئی ایک جو تمہیں پسند ہو لکھو۔ یا نظم کہنا بڑوں کا مانو میں مولانا حالی نے کون کون سی نصیحتیں کی ہیں؟

(د) مندرجہ ذیل شعروں کی نثر کرو۔

تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر | نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر
ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا | بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا
ہیں رنگ کئی ہرا ایک پر یہ | چھوٹا سا چمن ہے اُن کا ہر پہ
کوسوں تے جدھر نگاہ جاتی | قدرت ہے نظر خدا کی آتی

(ہ) مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک پر مختصر نوٹ لکھو۔

سکول پولیس - سکول کا شفاخانہ - سکول پنچایت - صفائی کی کمیٹی - سکول کا ڈاکخانہ

—— (۴) ——

امتحان سالانہ سرسہ ۲۰۰۱ سنٹرل بیسک سکول اورہم پور

پرچہ مشاہدات وقت ۲½ گھنٹہ —— نمبر ۱۵ جماعت پنجم

نوٹ :- کوئی چار سوال کرو۔ پانچواں سوال ضروری ہے۔

(۱) تم نے جسم کے مختلف اندرونی اعضا کا مشاہدہ کیا ہے پھیپھڑوں کی شکل بناؤ۔ ان کی ساخت بیان کرو۔ اور بتاؤ کہ یہ جسم میں کیا کام کرتے ہیں۔

(۲) تم نے مختلف موسم کا مشاہدہ کیا ہے تمہیں کونسا موسم سب سے زیادہ پسند ہے۔ موسم بہار میں انسانوں، درختوں اور پرندوں کی حالت پر مختصر نوٹ لکھو۔

(۳) تم نے دریائے توی کا مشاہدہ کیا ہے۔ دریا کس طرح بنتے ہیں شمالی ہندوستان کے مشہور دریاؤں کے نام لکھو۔ اور کسی ایک کا حال درج کرو۔

(۴) تم نے کپاس کے کھیت کا مشاہدہ کیا ہے۔ بتاؤ کپاس کے لئے کس قسم کی آب وہوا اور زمین درکار ہے۔ نیز یہ ہندوستان میں کہاں کہاں جاتی ہے۔

(۵) تم نے لکڑی کی ڈپو میں شہتیروں کی فروخت کا مشاہدہ کیا۔ بتاؤ ایک شہتیر جو ۱۲ فٹ لمبا ایک فٹ چوڑا اور ۹ انچ موٹا ہے۔ خریدنے کے لئے ۲ روپے ۵ آنے ۴ پائی فی مکعب فٹ کے حساب کتنی رقم درکار ہوگی۔

(۶) تمہارے مشاہدہ میں آنے والے اچھے اور برے کیڑوں کے نام لکھو۔ نیز بچھو کا مختصر حال درج کرو۔

امتحان سالانہ سنہ ۲۰۰۱ سنٹرل بیسک سکول اودہم پور

پرچہ کھیل

وقت ۲½ گھنٹہ ——(+)—— نمبر ۱۵ جماعت پنجم

کوئی چار سوال کرو :-

(۱) کرکٹ کھیلنے میں کتنے کھلاڑی درکار ہیں بال دینے والے کو کیا کہتے ہیں۔ اس کھیل میں جھگڑوں کا فیصلہ کرنے والے کو کیا کہتے ہیں اور یہ کونسی طرف سے کھڑا کیا جاتا ہے۔

(۲) ایک فٹبال کی قیمت ۳ روپے ۱۰ آنے ۸ پائی ہے۔ تو ایسے ۶۷ فٹ بالوں کی قیمت بقاعدہ تجارت معلوم کرو۔

(۳) میسرز رام لال اینڈ سنز اودہم پور ۳ روپے میں دو بلیڈز فروخت کرتا ہے تو ایسے ۲۵ بلیڈوں کی قیمت دریافت کرو۔

(۴) پانچ دیسی کھیلوں کے نام لکھو اور کسی ایک کھیل کا حال درج کرو۔

(۵) کھیلتے وقت ایک لڑکے کو ناک پر چوٹ لگنے سے نکسیر پھوٹ نکلتی ہے ایسی صورت میں تم اسے بند کرنے کی کیا تدابیر عمل میں لاؤ گے۔

(۶) ہندوستان میں کھیلوں کے سامان کے کارخانے کہاں کہاں ہیں۔ اس ملک میں کارخانوں کی کمی کی کیا وجوہات ہیں۔

امتحان سالانہ سمت ۲۰۰۱ سنٹرل بیسک سکول اودہم پور

پرچہ ہینڈ ورک

وقت ۲ گھنٹہ —— نمبرات ۱۰ جماعت پنجم

(نوٹ) کوئی تین سوال کرو۔ تیسرا سوال ضروری ہے۔

(۱) کپاس سے سوتی کپڑا تیار کرنے تک کن کن مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ ہندوستان میں سوتی کپڑے کے کارخانے کہاں کہاں پائے جاتے ہیں۔

(۲) کپاس کے پودے کے کون کون سے حصے ہیں اور اس کی جڑیں کونسی قسم کی ہیں۔ نیز جڑوں سے مختلف حصوں تک خوراک کس طرح پہنچتی ہے۔

(۳) رام نے ۵¼ گز، شام نے ۳¾ گز اور ہرنام نے ۱۵ $\frac{۵}{۱۶}$ گز سوت کاتا۔ بتاؤ ہرنام رام اور شام دونوں سے کس قدر زیادہ سوت کاتا۔

(۴) ریشم کہاں سے حاصل ہوتا ہے۔ ریشم کے کیڑے کے حالات زندگی درج کرو۔

عملی کام ———— مسٹر حسن شاہ

سروے رپورٹ قصبہ بانہال

معلومات

نام اور وجہ تسمیہ

محمد عمر جماعت ہشتم
عبدالمجید و نیز جماعت ہفتم
چونی لعل جماعت ہشتم
زیرِ نگرانی ٹھاکر چرت سنگھ
ونپارٹ گورنمنٹ رام

کہا جاتا ہے کہ پرانے وقتوں میں یہ پہاڑی حصہ کسی جاگیردار کے حصے میں آیا تھا۔ اور وہ بھان خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس نے اُس کو اپنے مال مویشیوں گھوڑے گدھوں کے لئے چراگاہ بنایا تھا۔ اس لئے اُسی زمانے سے اس کا نام بانہال چلتا آتا ہے۔

محل وقوع

یہ تنگ سی وادی سلسلہ پیر پنچال کے درمیان واقع ہے۔ اور چاروں طرف سر بفلک پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ اس کے مشرق میں کناڑ گنگ متصل منڈن کل پہاڑ واقع ہے۔ یہ پہاڑ اطراف کے پہاڑوں سے زیادہ اونچا ہے اس پہاڑ کے کئی حصوں پر جنگلات ہیں اور اس لحاظ سے بھی یہ باقی پہاڑوں پر امتیازی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اور پہاڑ سب کے سب تقریب قریب ننگے ہیں۔ اس پہاڑ پر اکثر چیل۔ سال۔ دیودار اور خنقل کے درخت پائے جاتے ہیں۔ یہ پہاڑ سال بھر تقریباً نو ماہ برف کو اپنے آغوش میں لئے بیٹھتا ہے۔

گھوڑ دھار اور [illegible]

مغرب کی طرف گھوڑ دھار پہاڑ کا سلسلہ واقع ہے۔ اس پر دیودار اور خنقل کے درخت پائے جاتے ہیں قصبے کیلئے

نام مد	نام سرویر	معلومات
		اسی پہاڑ میں سے بانہال کارٹ روڈ کشمیر کو جاتی ہے۔ پہاڑ کو چیر کر سرنگ نکالی گئی ہے اس سرنگ کی لمبائی ۶۶۰ فٹ ہے یہ سرنگ سطح سمندر سے ۸۹۸۹ فٹ کی بلندی پر واقع ہے اس سرنگ کی حفاظت کے لئے حکومت نے سپیشل پولیس گارڈ لگا رکھی ہے۔ اس جگہ ٹیلیفون بھی لگایا گیا ہے جس کے ذریعہ بارش برف باری اور موسم کے متعلق ہر دو صد یوں کو اطلاع دی جاتی ہے۔ یہاں ایک معمولی سا ریسٹ ہاؤس بھی ہے۔ سرنگ کے اوپر سے چند جریب کے فاصلے پر دائیں جانب پہاڑ کو پیدل عبور کرنے کے لئے راستہ ہے۔ یہ راستہ پہاڑ کی اس چوٹی سے گذرتا ہے۔ جس کی بلندی تقریباً دس ہزار فٹ ہے۔ موسم سرما میں جبکہ سرنگ برف سے مسدود ہوتی ہے۔ کشمیر کے غریب مزدور کسان اسی راستے سے پنجاب آتے جاتے ہیں اور ہر سال سینکڑوں جانیں سردی کی وجہ سے اس پہاڑ پر تلف جاتی ہیں۔ یہ سارا راستہ موجودہ سڑک بننے سے پہلے مستعمل تھا اور ماضی قریب ہی میں دربار اسی راستے سے کشمیر سے جموں اور جموں سے کشمیر جاتا تھا۔ اس لئے اس راستہ پر کئی سرائیں جن کو کشمیری زبان میں 'مرٹ' کہتے ہیں بنی ہیں۔ یہ پہاڑ کشمیر اور بانہال میں اس لئے مشہور ہے۔ کہ اس پر ایسے زور کی ہوائیں چلتی ہیں جو آدمی کو دھکیل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پھینکتی ہیں۔ موسم گرما میں یہ پہاڑ گوجر اور خانہ بدوشوں کا قیام گاہ بنتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں اچھی خاصی

نام مد	نام سرورق	معلومات
		رونق ہوتی ہے۔ موسم بہار میں یہ پہاڑ انواع و اقسام کے پھولوں سے مزین و مالامال ہوتا ہے۔ اور سارے کا سارا مہک اٹھتا ہے۔ اس پہاڑ پر بہت سی مفید جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً گل بنفشہ گاؤ زبان ہڑتال اور پیرتھرم وغیرہ۔ محکمہ جنگلات نے اس پہاڑ کی ڈھلانوں پر پیرتھرم کے کھیت آباد کئے ہیں جن کی نگرانی ایک خاص محکمہ پیرتھرم کے سپرد ہوتی ہے۔ اس پہاڑ پر موسم گرما میں گورنمنٹ شیپ فارم کی بھیڑیں چرنے کے لئے لائی جاتی ہیں۔ جنوب کی طرف گگ نل اور گھوڑ دھار کے سلسلے کوہ واقع ہیں۔ ان دو سلسلوں کے درمیان سے بانہال کارٹ روڈ جموں کو جاتی ہے۔
دریا	مذکور	وادی بانہال کے بیچوں بیچ سے ایک نالہ جس کا نام بشت لڑی گذرتا ہے۔ اس نالے کا منبع پیر پنچال کے دامن میں واقع۔ نالے کے دائیں بائیں اطراف سے کئی چھوٹی چھوٹی ندیاں اور چشمے وادی کے پہاڑوں سے نکل کر اس کے معاون بنتے ہیں۔ ان معاونوں سے چنجلو اور ڈولیگام کے نالے خاص طور پر قابل ذکر ہیں کیونکہ ان میں سارا سال کم و بیش پانی چلتا رہتا ہے۔ نالہ ڈولیگام کناٹ پہاڑ سے نکلتا ہے۔ وادی بانہال کی آبپاشی تمام کی تمام نالہ بشت لڑی یا بش لڑی نالہ اور اس کے معاونوں سے کی جاتی ہے۔ یہ نالہ رام بن سے چند میل جنوب کی طرف دریائے چناب میں جا گرتا ہے۔
وسعت	مذکور	وادی کوئی دس میل لمبی اور اوسطاً ڈیڑھ میل چوڑی ہے

نام مد	نام سرویہ	معلومات
		مذکور نالے نے اِس کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر دو حصّوں میں پہاڑوں کی گھاٹیوں اور دامنوں میں دُور دُور گاؤں آباد ہیں۔
سطح	"	وادی کے سوا سارے علاقے کی سطح پہاڑی ہے۔
آب و ہوا	"	آب و ہوا سردیوں میں سخت سرد اور گرمیوں میں معتدل ہوتی ہے موسم سرما میں سخت برفباری ہوتی ہے۔ موسم گرما میں یہاں بڑی رونق ہوتی ہے یہی ہوا جو سردیوں میں مُضر صحت اور ناگوار طبیعت ہوتی ہے گرمیوں میں صحت افزا اور خوشگوار رہتی ہے۔ اندرکشمیر جانے اور کشمیر سے آنے والے سیاح اور پڑاؤں کی نسبت اسی پڑاؤ میں رات گذارنا پسند کرتے ہیں۔
پیداوار	"	چونکہ علاقہ پہاڑی ہے اس لئے پیداوار میں پہلا درجہ مکّی کو حاصل ہے اور اس کے بعد دوسرا درجہ شالی کو۔ مکی کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔ راج ماش کی پیداوار بھی ہوتی ہے بہت کم ہیں۔
جنگلات	"	قریب قریب سب پہاڑ ننگے ہیں۔ اور ان میں قسم قسم کی جڑی بوٹیاں اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً گل بنفشہ گاؤزبان۔ پرسیاؤ۔ کسرونٹ۔ گچھیاں وغیرہ۔ خنجل اور مور کے درخت عام ہیں۔ لیکن کائرو بُدل سنگل دیودار کے درخت سوائے ایک دو جگہ کے اور کہیں نہیں پائے جاتے۔
معدنیات	"	ان سب کے سب پہاڑوں کے ننگا ہونے کا سبب ان کا معدنیات سے مالا مال ہونا بتایا جاتا ہے چنانچہ پچھلے سال

نام مد	نام سرویر	معلومات
		کئی پہاڑوں سے تانبا نکالنے کا تجربہ کیا گیا ہے۔ اور کچھ تانبا نکالا گیا ہے۔ نہ معلوم اس کام کو کیوں چھوڑ دیا گیا ہے۔ شاید جنگ کی وجہ سے اس کو ملتوی رکھا گیا ہے۔
آبادی	محمد عبد اللہ جماعت ہشتم عبد المجید خان جماعت ہفتم و چونی لعل جماعت ہشتم زیر نگرانی پنڈت کانشی رام سکینڈ ماسٹر و لالہ کرشن لعل پنجم مدرس۔	قصبہ بانہال پیر پنچال سے بیس میل کی دوری پر واقع ہے اس کی آبادی مع ملحقہ گاؤں جو کہ قصبہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہیں حسب ذیل ہے:-

مرد	عورتیں	بچے	خواندہ	ناخواندہ	سکول جانے کے قابل لڑکے	سکول جانے کے قابل لڑکیاں
۱۱۱۵	۶۷۳	۴۱۲	۴۸۲	۱۷۱۲	۲۶۶	۹۶

سکولوں میں جو داخل ہیں۔ لڑکے	لڑکیاں	کُل آبادی
۸۳	۵۰	۲۲۱۰

بلحاظ مذہب آبادی تقریباً ساری کی ساری مسلمان ہے چند دوکاندار جو باہر سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں خاص قصبے کے بازار میں رہتے ہیں۔ اُن میں سے بھی سوائے دو تین گھرانوں کے باقی سب صرف گرمی کے موسم میں یہاں قیام پذیر رہتے ہیں۔

نام مد	نام سرویر	معلومات
پیشے	"	تقریباً تمام آبادی زراعت پیشہ ہے۔ کچھ ایک فیصدی دوکانداری کرتی ہے۔ اور ایک فیصدی ٹھیکہ داری کا کام کرتی ہے۔ سو کے قریب باہر پنجاب برائے مزدوری جاتے ہیں ان کے پاس تعداد مویشیان ۲۱۷۶ ہے کاشت کرنے کے لئے کافی زمین نہیں ہے۔ صرف ۱۱۶ گھرانے ایسے ہیں جن کے پاس اپنے گذارہ کے لئے سال بھر اناج ہوتا ہے۔
بازار	مذکور یعنی محمد عبد اللہ وغیرہ	قصبہ کے بیچ میں سے بانہال کارٹ روڈ گذرتی ہے اس سڑک

نام مد	نام سربراہ	معلومات
		کے ہر دو اطراف میں دوکانوں کی قطاریں ہیں۔ کل دوکانات ۱۱۸ ہے۔ جن میں سے بزازی کی ۱۰۔ کریانہ ۷۹۔ منیاری ۴۔ درزی ۴۔ موچی ۱۔ قصاب ۱۔ ہوٹل ۷۔ زرگر ۳۔ مستری ۱۔ قلعی گر ۱۔ مگر نانبائیوں کی کوئی دکان نہیں۔
رہائش کا انتظام	مذکورہ یعنی محمد عبداللہ وغیرہ	یہ قصبہ بی۔سی روڈ کے ایک مشہور پڑاؤ ہونے کے علاوہ صحت افزا مقام بھی ہے۔ لیکن مسافروں کے رہنے کے لئے کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ صرف گورنمنٹ کی طرف سے ایک ڈاک بنگلہ ایک ریسٹ ہاؤس اور ایک دھرم شالہ ہے۔ علاوہ ازیں پبلک ریسٹ ہاؤس تین ہیں۔ اگر کوئی معقول انتظام کیا جاتا۔ تو یہاں موسم گرما میں ہزاروں مسافر ٹھہر سکتے اور پبلک بھی مستفید ہو سکتی۔
عبادت گاہیں	"	مندر ۲۔ مساجد ۴۔ گوردوارہ ۱۔ یہ صرف ٹاؤن ایریا میں ہیں۔ باقی علاقے میں سوائے مساجد کے اور کوئی عبادت نہیں ہے۔
سرکاری محکمہ جات	احمد دین جماعت ہشتم۔ غلام احمد جماعت ہفتم۔ محمد سعید جماعت ششم زیر رہنمائی پیر قمر الدین پرشین ٹیچر و پنڈت ہیراج شاستری سنسکرت ٹیچر۔	جیسا کہ قصبہ جات میں ہوا کرتا ہے کہ سرکاری دفاتر بہت ہوتے ہیں اور ان کی ضرورت بھی عام لوگوں کے فائدے کے لئے ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی سرکاری محکمہ جات بہت سارے ہیں۔ ذیل میں ان کے عملہ وغیرہ کے متعلق جو واقفیت حاصل کی گئی ہے درج کی جاتی ہے:-

محکمہ شیپ بریڈنگ

آفیسر انچارج	ڈاکٹر	اکوئنٹنٹ	جمعدار	موچی	قلی	تاریخ اجراء
۱	۱	۱	۱	۱	۱۰	سنہ ۱۹۴۳

نام مد | نام سروبرہ | معلومات

بھیڑیا - نرخ اڑائی فی سیر
ولایتی - دیسی اصلی دیسی
۱۰ ۱۳۹۰ ۵۰ روپے ۴ روپے

پولیس چوکی

افسر چوکی - منشی - سپاہی
۱ ۱ ۳

ریسٹ ہاؤس

ملازم تاریخ اجراء - قیام سیاح روزانہ - کرایہ فی کمرہ - تعداد
مسلم - ہندو سمت ۱۹۷۸ تقریباً ۱۰ ۱/۴ ۵
۲ ۳

شفاخانہ

تعداد ملازمان
ڈاکٹر - کمپونڈر - نرس - خاکروب - خدمتگار - تعداد مریضان روزانہ
۱ ۱ ۲ ۱ ۵۰
ٹیلیگراف آفس یا تارگھر - عرصہ چالیس سال سے جاری ہوا -
تعداد ملازمان
بابو - چپراسی - جمعدار - خلاصی - آمدنی روزانہ
۲ ۱ ۲ تقریباً ۱۲ روپے

ڈاکخانہ

بابو (تارگھر کا) - پوسٹ مین - آمدنی روزانہ
۱ ۲ تقریباً ۱۶ روپے

ٹول پوسٹ

تعداد ملازمان
روزانہ آمدنی (موسم گرما میں) - اسسٹنٹ انسپکٹر - محالدار
۱۵۰۰ روپے ۱ ۳
گارڈ - وصولی زر فی لاری - وصولی زر فی موٹر - اجازت اقامت نی لاری
۵ ۲۲ روپیہ ۱۲ روپیہ ۵۰ من ۲۰ سیر

پبلک ورکس

بابو (یعنی سب اوورسیر) مستری - جمعدار - قلی
۱ ۱ ۱ ۱۰

نام امر	نام مرویہ	معلومات
		باتوں کے علاوہ کئی اور باتوں جن کے متعلق تفحص کیا گیا تھا۔ کے جواب دینے سے انکار کیا۔
سکول	عبدالمجید جماعت ہفتم، غنی ڈار جماعت ہشتم، سیف خان جماعت ہشتم، نر بنگر نا مولوی حفیظ اللہ عربی مدرس و مولوی غلام احمد ہشتم مدرس۔	قصبہ میں لڑکوں کا ایک مڈل سکول اور ایک گرلز سکول ہے اس کے علاوہ قصبے سے کچھ ایک میل سے کم فاصلے پر دوسرا گرلز سکول ہے گرلز سکولوں میں تعداد طالبات ۵۰ ہے۔ مڈل سکول میں تعداد طلبا ۱۴۰ ہے۔ مدرسہ ہذا ماہ ساون سمت ۱۹۷۸ میں تھیال تحصیل رام نگر سے منتقل ہو کر یہاں قائم ہوا ہے۔ اور اس وقت تعداد طلبا ۲۷ تھی۔ جن میں مسلم ۲۳ ہندو ۳ اور سکھ ایک تھا۔ مدرس ایک مسمی پنڈت سری کنٹھ متعین ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ایک لوکل عربی مدرس مسمی مولوی علیشاہ تعینات ہوئے۔ اور طلباء کی تعداد عربی مدرس مقرر ہونے پر ۵۱ ہوئی۔ تا اخیر سمت ۱۹۹۰ پرائمری سکول قائم تھا اور سمت ۱۹۹۱ میں یہ لوئر مڈل سکول میں تبدیل ہوا۔ اور تعداد طلباء ۱۰۳ ہوئی۔ سمت ۱۹۹۳ میں لوئر مڈل سکول ایک مکمل مڈل سکول بنایا گیا۔ تعداد طلبا تقریباً ۱۴۰ ہوئی۔ آج تک اس سکول کے طلباء میں سے دو گریجوایٹ۔ دو چار میٹریکولیٹ اور کچھ پچیس مڈل پاس نکلے ہیں۔
مشاہدات	ہیڈ ماسٹر	ایک میدانی اور مدنی زندگی بسر کرنے والے شخص کیلئے بادی النظر میں اس تنگ وادی چاروں طرف سر بفلک پہاڑوں سے محدود جو کہ ایک کال کوٹھڑی کے مانند ہے انسانوں کا آباد ہونا باعث تعجب ہوتا ہے۔ اس تنگ کوٹھڑی کا زیادہ عرصہ نہ ہوا۔ صرف ایک دروازہ تھا

نام مد	نام سرویہ	معلومات
		لیکن زمانے کی ترقی نے حکومت کو اس کی بلند دیوار یعنی پیر پنچال کو چیر کر دوسرا دروازہ کھولنے پر مجبور کیا۔ شاید یہاں کی آبادی نے مکانات بنانے کا طرز اسی وادی کی بناوٹ سے سیکھا ہے۔ کیونکہ اکثر مکانات میں سوائے ایک دروازہ کے اور کوئی دروازہ یا روشندان نہیں ہے۔ تھوڑا ہی عرصہ گذارنے پر اس مسافر کو اس جگہ کا ماحول اس کی حیرانی دور کرتا ہے۔ اس کے مدنی زندگی کے خیالات بھلا دیتا ہے۔ اور تھپکیاں دے دے کر اسے سلا دیتا ہے۔ اور وہ پھر نہایت ہی قدیم زمانے کے خواب دیکھنے لگتا ہے۔
		غور و خوض اور تفحص کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ پرانے وقتوں کے کشمیر سے بھاگے ہوئے قحط زدوں یا کسی ظالم حاکم کے ظلم و ستم سے مفروروں سے آباد ہوئی ہے آخر الذکر وجہ زیادہ موزوں دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ اس کی چھوٹی چھوٹی بستیاں پہاڑوں کے دامنوں سے ذرا اوپر اور پوشیدہ گھاٹیوں میں بسی ہیں ان لوگوں کی زبان طرز معاشرت آداب و اخلاق بالکل کشمیریوں کے جیسے ہیں۔ بلکہ آداب و اخلاق اور شیریں زبانی میں باوجود جہالت کے کشمیریوں سے کئی درجے اچھے ہیں۔ ایمانداری اور دیانتداری ان کے قول و فعل میں داخل ہے چوری اور ڈاکہ زنی کا اس علاقہ میں نام و نشان نہیں۔ جھوٹ بہت کم بولا جاتا ہے۔ دھوکہ بازی ان لوگوں کو بہت کم آتی ہے۔

نام مد	نام سردیہ	معلومات
		اس کی خاص وجہ یہ دکھائی دیتی ہے۔ کہ علاقہ ہذا زمانہ جدید کے "تہذیب" سے بے بہرہ ہے۔ کشمیریوں کی مہمان نوازی تو ضرب المثل ہے۔ لیکن اس علاقے کے کشمیریوں کی مہمان نوازی اس سے بھی کئی درجے بڑھ چڑھ کر ہے۔
		یہ لوگ ہر صورت میں کشمیریوں کے مانند ہیں صرف ان کی زبان کے کچھ الفاظ کا تلفظ علاقہ جموں کے رہنے والوں کی آمد و رفت اور یہاں آکر تجارت کرنے اور ان کے ساتھ لین دین کرنے کی وجہ سے تھوڑا سا فرق پڑ گیا ہے۔ مثلاً کشمیری زبان میں شام کے کھانے کو 'کال' کہتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ 'کوال' کہتے ہیں۔ کیونکہ پنجابی زبان میں کال قحط کو کہتے ہیں اس لئے اغلب ہے کہ ان جموی اور پنجابی لوگوں نے 'کال' کہنے پر ہنسی اڑائی ہو۔ اور لوگوں نے اس کا تلفظ بدل دیا ہے اسی طرح اور الفاظ ہیں۔ مثلاً کشمیر میں 'سال' دعوت یا ضیافت کو کہتے ہیں اور انہی معنوں میں یہ لوگ اس لفظ کو 'شوال' کہتے ہیں۔ کشمیر میں 'کوج' دوپہر کے کھانے کو کہتے ہیں، لیکن یہ لوگ 'کانجو' کہتے ہیں۔ تھان کو جس میں مولیشی رکھے جاتے ہیں کشمیر میں 'گان' کہتے ہیں۔ لیکن یہاں "گوآن" کہا جاتا ہے کشمیر میں 'زنانہ' بیوی کو بھی کہتے ہیں اور عورت کے عام معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں صرف پہلے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور دوسرے معنی کے لئے "کورہ جینو" جو کہ کشمیر میں صرف لڑکیوں کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے مستعمل ہے

نام مد	نام سوزیر	معلومات
		لڑکے کو یہاں "گگت" کہتے ہیں۔ کشمیر میں اس کے لئے "گگٹ" استعمال کیا جاتا ہے اور "گگت" گنٹے کے بچے کو کہتے ہیں یہاں "گگٹ" چونکہ بھینسے کو کہتے ہیں اس لئے لڑکے کو "گگت" کہتے ہیں۔ یہ لوگ ذہن میں کشمیریوں سے بہت پست ہیں۔ یہاں کی عام خوراک مکی کی روٹی اور نمکین چائے ہے۔ مکی کی روٹی میں خاص ذائقہ ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ باہر سے آتے ہیں اور باقرخانی اور کیک پیسٹری کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس روٹی کو گھی کے ساتھ کھانے کے بعد اُن پر ترجیح دیتے ہیں۔ سرخ چاول عام طور پر یہاں پیدا کئے جاتے ہیں اور وہی ان لوگوں کو پسند ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ ایک تو سفید چاولوں کی نسبت سرخ چاول زیادہ پیدا ہوتے۔ کیونکہ زمین پہاڑی ہونے کی وجہ سے پتھریلی اور ریتلی ہے دوسرے سرخ چاول دیر ہضم ہیں۔ چونکہ شالی کے لئے موزوں زمین بہت تھوڑی ہے اس لئے اس کی پیداوار علاقہ میں بہت کم ہے لوگ کفایت شعاری کرنے کے لئے انہی چاولوں کو پسند کرتے ہیں۔ کہیں کہیں لیکن شاذ و نادر ہی پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہموار زمین ہو گیہوں کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ باغات بہت کم ہیں۔ پھر بھی سیب۔ ناشپاتی۔ اخروٹ۔ آڑو۔ خوبانیاں۔ شفتالو اور بہی کافی تعداد میں پیدا ہوتے ہیں لیکن یہاں کی آبادی ان نعمتوں سے بوجہ غربت مستفید نہیں ہوتے۔

نام م　　نام مسہ دیر

معلومات
چار چیزیں یہاں کی مشہور ہیں شہد۔ گھی۔ مکی مچھلی۔
پہلی دو چیزیں تو سارے علاقے سے قصبے کے بی۔سی روڈ
پر واقع ہونے کی وجہ سے لائی جاتی ہیں۔ اور ان کی تجارت
یہاں ہوتی ہے۔ شہد تو کشمیر کے کسان بھی یہاں لاکر فروخت
کرتے ہیں اور اس کے بدلے نمک لیتے ہیں موجودہ جنگ
سے پہلے کشمیر کے غریب کسان چاول بھی یہاں لایا کرتے
تھے اور اس کے بدلے نمک لیا کرتے تھے۔ چونکہ موسم گرما
میں یہاں کے بلند پہاڑوں کی چوٹیاں خانہ بدوشوں بکروالوں
اور مقامی لوگوں کے مسکن بنتی ہیں اس کے آس پاس کے
علاقے چراگاہیں ہیں مال مویشیوں کا پالنا اس علاقے کے
لوگوں کا ایک اہم ترین امدادی پیشہ بن گیا ہے اس لئے
خالص گھی افراد میں پیدا ہوتا ہے۔ مکی کا تذکرہ اوپر آچکا
ہے۔ یہاں کے نالہ لشت لڑی جس کا ذکر اس رپورٹ میں
کسی اور جگہ آیا ہے۔ بڑی لذیذ ہوتی ہیں۔ یہ مچھلیاں چھوٹی
چھوٹی ہوتی ہیں۔

ٹائیفس ملیریا۔ نمونیا اور خارش یہاں کی عام بیماریاں
ہیں ٹائیفس کے بیماروں میں سے مشکل سے کوئی ایک آدھ
بچ جاتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ جن پر یہ بیماری حملہ کرتی ہے۔
مرجاتے ہیں۔ اگرچہ ملیریا مچھر کی ہندوستان بھر کے ۵۷
اقسام میں سے صرف ایک ہی قسم یہاں پائی جاتی ہے۔
پھر بھی اس بیماری کا شکار آبادی کی دس فیصدی ہے چونکہ
موسم سرما میں زور کی سرد ہوائیں چلتی ہیں اور لوگ غربت
کی وجہ سے کافی کپڑے رکھنے سے قاصر ہیں بہت طبقوں والے

نام مد　　نام سرویر　　معلومات

مکانوں میں رہتے ہیں جن میں دن بھر چیہ لھا تاپنے رکھ کر کمروں کو گرم رکھتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے صحت کے قوانین سے ناواقف ہیں اس لئے اکثر نمونیا کے شکار ہوتے ہیں۔ مکی کی روٹی اور چائے خارش کا سبب بنتی ہیں۔ یہ لوگ اس روٹی کے ساتھ گھی کا استعمال افلاس کی وجہ سے نہیں کر سکتے۔ اور دودھ کے بغیر چائے استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے یہ دو چیزیں مضر صحت ثابت ہوتی ہیں۔

اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ اس علاقے کی تعلیمی حالت قابل رحم ہے۔ سارے علاقے میں لڑکوں کے لئے دو پرائمری سکول دو مکتب اور ایک مڈل سکول ہے اور لڑکیوں کے لئے دو پرائمری سکول ہیں۔ مگر یہاں کے لوگ ان سکولوں سے بھی پورا فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اس کے تین وجوہات ہیں پہلی وجہ غربت ہے۔ اس کی وجہ سے لوگ اپنے بچوں کو سیٹیڈ ہاؤس میں مزدوری کے لئے داخل کرتے ہیں۔ یہ بچے پانچ سات آنے روزانہ مزدوری پاکر اپنے والدین کے کنبے کی آمدنی میں اضافہ کرتے ہیں اور کچھ تو مویشی پالنے اور زمینداری کے کام میں مدد دینے سے یا اپنے چھوٹے بھائی بہن پالنے سے کنبے کا ہاتھ بٹاتے ہیں دوسری وجہ جہالت ہے۔ جہالت کی وجہ سے لوگ علم کی قدر جاننے اور کرنے سے قاصر ہیں۔ جس طرح عام جہلا کا شیوہ ہے کہ وہ علم کو صرف ڈگریاں حاصل کرکے ملازم ہونا سمجھتے ہیں۔ اور بس اسی طرح یہ لوگ بھی اپنے بچوں کو صرف امتحانوں میں پاس کروانا چاہتے ہیں۔ چاہے ان کے بچے اصلی معنوں میں کچھ جانتے ہوں یا نہ ہوں۔ چاہے وہ اپنے بچوں کو سکول میں باقاعدہ بھیجتے ہوں

نام مد	نام سررشتہ	معلومات
		ہا نہ ہوں۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ سکول میں لڑکوں کی بے قاعدہ حاضری کا سبب اُن کے والدین بنتے ہیں۔ جو معمولی معمولی بات پر اُن کو سکول سے ہفتہ وار غیر حاضر رکھتے ہیں گاؤں میں کہیں اُن کے غیر متعلقہ شخص کی شادی بیاہ ہو۔ تو گاؤں کے سب سکول آنے والے بچے تین تین چار چار دن غیر حاضر رہتے ہیں۔ غرض جہالت کے جو جو بُرے نتائج مثلاً رسومات وغیرہ پیدا ہُوا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاں پائے جاتے ہیں۔ تیسری وجہ یہاں کا ماحول ہے پہاڑی جنگلی چراگاہیں آس پاس ہونے کی وجہ سے یہاں کی زندگی کو اگر مردہ کہا جائے تو بجا ہے۔ جس طرح بستی سے دور ایک چراگاہ مال مویشیوں کو آزاد بے فکر اور مست بنا دیتی ہے اسی طرح اس علاقے کے ماحول نے اس کی آبادی کو دنیا و مافیہا سے آزاد بے فکر اور مست بنا دیا ہے۔ ان کے سامنے ترقی کرنے کے لئے کوئی ایسا ~~[illegible]~~ لالچ یا ترغیب نہیں ہے جیسا کہ شہروں اور دیگر قصبجات میں ہُوا کرتا ہے۔ غرض یہ آبادی کم خرچ بالا نشین کے مصداق بنی ہوئی ہے۔
		اس جہالت کے تدارک میں مدرسہ ہذا ہر ممکن کوشش کرتے آیا ہے لیکن ابھی تسلی بخش اطمینان حاصل کرنے سے بہت دور ہے کوششیں جاری ہیں اور ان میں روز افزوں اضافہ کیا جاتا ہے۔ یوم والدین جیسے جلسوں اور تصویروں کے لئے اگرچہ علاقہ کا ماحول اور بناوٹ سازگار نہیں ہے۔ پھر بھی ان سے حتی المقدور کام لیا جاتا ہے۔ مدرسہ ہذا کے مسلمان اساتذہ جمع کے روز جبکہ علاقے کے لوگوں کے "نمائندے" دکھیں کہ مقابلتاً بہت کم لوگ

نام مدرسہ　　نام مدرسہ　　نام مدرسہ

(نماز پڑھنے آتے ہیں) نماز جمعہ کے لئے معلومات جمع ہوئے ہوتے ہیں تعلیم کے دینی اور دنیوی اہمیت کے بارے میں تقاریر کرلئے ہیں۔ راقم الحروف یہاں کے سرکردہ فہمیدہ لیڈروں اور بزرگوں سے تعلیم کے بارے میں بات چیت کرتے رہتا ہے اور تعلیم کامیاب بنانے کی تدابیر کو عملی جامہ پہنانے کے طریقے اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان لوگوں میں ٹاؤن ایریا کمیٹی کے ممبر شامل ہیں جن کا خیال ہے کہ جبر کے بغیر تعلیمی مقصد کامیاب نہیں ہوسکتا اور وہ چاہتے ہیں کہ سکول میں پروپیگنڈا کے لئے بینڈ کا ہونا ضروری ہے۔ اُن کا یہ خیال درست ہے مدرسہ ہذا کا گیمز فنڈ اتنا کافی نہیں۔ کہ بینڈ خریدا جاسکے۔ یہ سرکردہ بزرگ اس بارے میں مدد دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن بینڈ کو سیاسی کام کے ساتھ مشترک رکھنا چاہتے ہیں۔ بینڈ کی ضرورت میں نے مدرسہ ہذا کے معائینہ کے وقت افسران محکمہ کے نوٹس میں لائی ہے توقع ہے کہ عنقریب اس بارے میں کچھ نہ کچھ ہوجائیگا۔ ... ابھی اس کام کے لئے گیمز فنڈ بڑھانے میں کوشاں ہے۔ اس صورت حالات کے باوجود تعلیم کا کام سرگرمی اور گرمجوشی کے ساتھ جاری ہے اور کامیابی کی اُمید روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

بنیادی تعلیم ———— (ادارہ)

بنیادی تعلیم کی کانفرنس

سیوا گرام میں ۱۱ جنوری سے پندرہ جنوری تک ماہرین تعلیم پروفیسران اور استادوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں مختلف ریاستوں اور صوبوں کے سرکاری اور غیر سرکاری نمائندوں نے شمولیت۔ کانفرنس کے انعقاد کا مقصد یہ تھا۔ کہ وہ گذشتہ چھ سال میں کئے گئے بنیادی تعلیم کا تجزیہ کریں اور دیکھیں کہ اس تعلیم نے کس حد تک ترقی کی ہے۔

صدارت کے فرائض ڈاکٹر ذاکر حسین نے انجام دئے۔

مہاتما گاندھی نے کانفرنس کی افتتاحی رسم ادا کی۔ چونکہ ان دنوں میں مہاتما جی نے بولنا چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے ڈاکٹر ذاکر حسین نے آپ کی تحریر ہندوستانی میں پڑھ کر سنائی۔ گاندھی جی نے فرمایا

"ہماری تعلیم کی سرگرمیاں اب صرف نئی تعلیم کے ۷ سال سے ۱۴ سال تک کے بچوں کے لئے وقف کرنے تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ ہماری تعلیمی سرگرمیاں بچے کے شکم مادر میں ہونے کے وقت سے اس کی موت تک پھیل جانی چاہیئں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارا کام بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ اور کام کرنے والے اتنے ہی ہیں جتنے پہلے تھے۔ لیکن اس بات سے ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارا رہنما اور ساتھی صداقت ہے اور صداقت ہی خدا ہے۔ وہ کبھی ہمیں دھوکہ نہیں دے گا۔ صداقت ہماری مدد کرے گی۔ اگر ہم بے نفسی سے اس کے ساتھ ساتھ رہیں۔ اس میں ریاکاری یا غرور کی کوئی گنجائش نہیں ہمیں گاؤں والوں کا استاد بننا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمیں سچے معنوں میں ان کا خادم بننا ہے اس خدمت کے عوض ہمیں جو معاوضہ ملے گا۔ وہ ہمارے اندر سے ہوگا باہر سے نہیں۔ تلاش حق میں ہمارے ساتھ کوئی انسان ہو یا نہ ہو۔ اس لئے ہماری سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیئے۔ نئی تعلیم بیرونی مالی امداد پر منحصر نہیں ہوتی۔ اس تعلیم کو اپنے لئے ایک شاہراہ بنانی چاہیئے نکتہ چین

جو چاہیں کہہ دیں۔ میں جانتا ہوں کہ سچی تعلیم وہی ہے جو اپنے اخراجات خود پیدا کرتی ہے اس میں شرمانے کی کوئی بات نہیں۔ یہ خیال سچ مچ ایک حیران کن خیال ہوگا۔ اگر ہم اپنے دعوے کو صحیح ثابت کریں اور بنا دیں۔ کہ صرف ہمارا طریقہ کار ہی ایک طریقہ ہے جس سے نفس انسانی کی تربیت اور نشوونما ہوسکتی ہے۔ جو لوگ اس وقت نئی تعلیم کا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔ وہی اخیر پر اس کے مداح ہونگے۔ اور یہی تعلیم عالمگیر مقبولیت حاصل کرے گی۔

سات لاکھ گاؤں اس وقت ہمارے افلاس کے آئینہ دار ہیں ان سات لاکھ گاؤں کا آباد ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ آبادی اور اقبال باہر سے نہیں آئے گا۔ یہ اقبال دیانت سے عوام کی مزدوری اور مشقت کے ذریعہ ابھر آئے گا۔ نئی تعلیم کا کام یہ ہے۔ کہ وہ لوگوں کو بتا دے کہ اس قسم کا خیال محض خواب ہے یا اس کی کوئی حقیقت بھی ہے۔ خدا نے صداقت ہمیں یہ باتیں سمجھنے کی توفیق دے۔

میں آپ کی توجہ ایک اور بات کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ سیواگرام کا مرکز نئی تعلیم کو چلانے کے لئے ایک نمونے کا مرکز ہے۔ یہاں اس کے تجربات کو چرخہ سنگھ چلاتا ہے وار دھا باقی تمام دیہاتی کاموں کا مرکز ہے مویشی پالنے کا تجربہ جس سے گائے کی خدمت ہوسکتی ہے اسی محکمہ ہوتا ہے۔ سیواگرام اس کام میں اکیلا نہیں۔ اس کے آس پاس پاس و پیش گاؤں ہیں اس لئے اگر نئی تعلیم کو سچ مچ اپنے صحیح معنوں میں کہیں چلایا جا رہا ہے۔ تو وہ یہی مقام ہے متذکرہ صدر مختلف ادارے ایک دوسرے کے ساتھ رقیبانہ تعلقات نہیں رکھتے۔ بلکہ ایک دوسرے کے دوست اور ایک دوسرے کے ہاتھ بٹانے والے ہیں۔ اور یہ محبت و یگانگت کی نشانی ہے"

مختلف صوبوں اور ریاستوں کے نمائندوں نے اپنے اپنے مقامات کے تجربوں کا حال سنایا ہندوستانی ریاستوں میں کشمیر کی ریاست ہی ایسی ہے۔ جو بنیادی تعلیم کے تجربے کو چلا رہی ہے۔ اور اس میں شاندار ترقی کی ہے۔

رائے بہادر رام سرن بہار گورنمنٹ۔ ایل۔ آر۔ ملہیا ئی بمبئی۔ مسٹر منی وردان بالا تا بنگال اور سیرت حیدر مہارانا انکل نے اپنے اپنے صوبوں میں کئے ہوئے کام کے دلچسپ واقعات سنائے۔ مسٹر کشوری لعل مشروالا سابق پریذیڈنٹ گاندھی سیوا سنگھ نے ذیل کا ریزولیوشن پیش کیا۔

جو کہ کانفرنس میں منظور ہوا۔

کانفرنس کی رائے ہے کہ تعلیم اس ڈھنگ پر ترتیب دی جائے کہ ایک بالغ طالب علم اپنی تعلیم کے دوران میں اتنے پیسے کماتے جو اس کی تعلیم کی کفالت کر سکیں۔ یہ صرف ایسی صورت میں ممکن ہوگا۔ جب دیہاتی مدرسوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ عوام کی ضرورت کی چیزیں تیار کر سکیں۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ چیزیں ایسی ہوں۔ جن میں تعلیمی قدریں کافی ہوں۔ اس طرح سے ملک کے اقتصادی نظام میں یکسر انقلاب آجانا چاہیئے۔ تعلیمی اور اقتصادی انقلاب کا مقصد یہ ہونا چاہیئے۔ کہ مزدوروں اور تربیت یافتہ فن کاروں کو معاوضہ بہ اندازہ منقسم ملنا چاہیئے خوراک، پوشاک اور رہائش کے علاوہ انسان کی دیگر ضروریات میں کما حقہ اضافہ ہونا چاہیئے۔ ٹیکنیکل ریسرچ کا مقصد یہ ہونا چاہیئے۔ کہ وہ گاؤں کی اقتصادی حالت کا معیار بلند کرے چیزوں کے تیار کرنے کا پہلا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ قوم کو ضروریات زندگی کی چیزیں آسانی سے مل سکیں۔ اُن کی خوشی اور مسرت کا باعث بن جائیں۔ ان چیزوں کے ذریعہ منافع بازی اور سود خواری تجارت کا مقصد نہیں ہونا چاہیئے"

یہ ریزولیوشن ہندوستانی تعلیمی سنگھ کو بھیجا گیا ہے۔ تاکہ وہ مختلف سب کمیٹیاں بنا کر اس پر غور وخوض کر سکے۔

ذیل میں کچھ اور ریزولیوشن دئے جاتے ہیں جو کانفرنس میں پاس ہوئے۔

(۱) " یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے۔ کہ بنیادی مدرسوں میں کام کرنے والے استادوں اور دوسرے بنیادی تعلیم کا کام کرنے والوں کی ایک کمیٹی بنائی جائے۔ جو اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر مختلف حرفوں کے ساتھ مربوط ہونے والے نصاب تعلیم کو تیار کر سکیں۔ مربوط نصاب میں تینوں بنیادی حرفوں، طبع اور سماجی ماحول اور ان سرگرمیوں کا خیال رکھا جانا چاہیئے۔ جو مقامی حالات کے پیش نظر مختلف سکولوں میں جاری ہوتی ہیں۔"

(۲) یہ کانفرنس تجویز کرتی ہے۔ کہ ہندوستانی تعلیمی سنگھ کو بنیادی تعلیم کے بعد کے زمانے کے لئے ایک تعلیمی پروگرام تیار کرنا چاہیئے۔ جو ہر صورت میں مکمل ہو۔ اور ان لوگوں کے لئے جو بنیادی تعلیم کا کورس ختم کرنے کے بعد اپنے اپنے حرفے میں مزید مہارت اور واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہوں

دن کے ایک خاص میں اُن کو پڑھانے اور سکھانے کا انتظام ہونا چاہیئے۔ اور اس کے علاوہ ایسی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیئے جو مختلف رجحانات رکھنے والے طلبا کو کام کے ذریعہ تعلیم دے سکے۔ اور جس میں قومی تعلیم کی ضروریات کو ملحوظ نظر رکھا گیا ہو۔"

۳۔ "یہ کانفرنس تجویز کرتی ہے۔ کہ بنیادی مدرسوں کے اُستادوں کے لئے انجمنوں کا انعقاد عمل میں لایا جائے۔ جن کے ذریعہ انہیں خودِ اعتمادی حاصل ہو سکے"
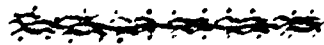
(بقیہ مضمون صفحہ ۴۰)

اور پرائمری جماعتوں کا نتیجہ ہیڈ ماسٹر صاحبان کو ہی CONFIRM کرنے کی اجازت ہو۔ جبکہ A.D.I. جو کہ کئی جگہ مڈل سکولوں کے ہیڈ ماسٹروں سے نیچے کے گریڈ میں ہیں خود پرائمری سکولوں کے امتحان کے ذمہ دار ہیں بلکہ پرائمری سکولوں کے ہیڈ ٹیچر تیسری و پانچویں کے سوائے تمام جماعتوں کا امتحان خود لیتے ہیں تو مڈل سکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کو یہ اجازت دینا عین مناسب ہے اس طرح اُن کا کام ہلکا ہو جائیگا۔ وہ مڈل جماعتوں کا نتیجہ منظوری کے لئے بھیج کر بعد میں پرائمری حصّہ کا امتحان لے سکتے ہیں ہائی سکولوں میں بھی یہ آرڈر ہو جائے۔ کہ نتیجہ تعطیلات بہار سے پہلے سُنا دیا جائے۔

اُستادوں سے خط و کتابت

ایک اُستاد

سالانہ امتحان

مڈل و ہائی سکولوں میں ۱۲ر چیت سے آخر چیت تک تعطیلات موسم بہار ہوتی ہیں - اور ۲ر بیساکھ کو سکول کھلتے ہیں اور عام طور پر اسی دن نتیجہ امتحان سُنایا جاتا ہے اِس کے بعد طلبا دس بارہ دن سکول نہیں آتے - کچھ کتابیں کاپیاں خریدنے میں مصروف رہتے ہیں - اور دوسرے اِس خیال سے کہ بیساکھ کا پہلا ہفتہ LABOUR WEEK ہوتا ہے - لاپرواہ ہوتے ہیں اِس طرح بیساکھ کی ۲۰ر تاریخ کے بعد ہی سکولوں میں کچھ باقاعدگی ہوتی شروع ہوتی ہے - جس کا نتیجہ یہ ہے - کہ تعلیمی کام کے لئے یہ ماہ تقریباً سارا ضائع ہوجاتا ہے -

اس نقصان سے بچنے کے لئے میری تجویز یہ ہے - کہ نتیجہ امتحان تعطیلات بہار کے شروع ہونے سے پہلے سنایا جائے - تاکہ طلبا تعطیلات میں کتب وغیرہ خرید کر سکول کھلنے کے وقت تک تیار ہوجائیں - اور ۲ر بیساکھ کو باقاعدہ پڑھائی شروع ہوجائے - LABOUR WEEK بیساکھ کے پہلے ہفتے کے بجائے تیسرے ہفتے میں منایا جاوے - جس وقت کہ سکول بالکل باقاعدہ ہوچکا ہو - اور حاضری مکمل ہوچکی ہو - اس طرح کام بھی بہت زیادہ ہوگا - اور کوئی وقت ضائع نہیں ہوگا -

مندرجہ بالا تجویز پر تب عمل ہوسکتا ہے کہ ہر ایک مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب ایسے وقت پر امتحان ختم کرکے نتیجہ مکمل کرلیں - کہ نتیجہ ہذا اسسٹنٹ انسپکٹر صاحبان کے دستخط ہوکر تعطیلات سے پہلے واپس آجائے - ہیڈ ماسٹر صاحبان کا کام ہلکا کرنے کے لئے یہ تجویز ہے - کہ اسسٹنٹ انسپکٹر صاحبان کی منظوری کے لئے صرف مڈل جماعتوں کا نتیجہ ارسال کیا جائے (باقی دیکھو صفحہ ۴۹ پر)
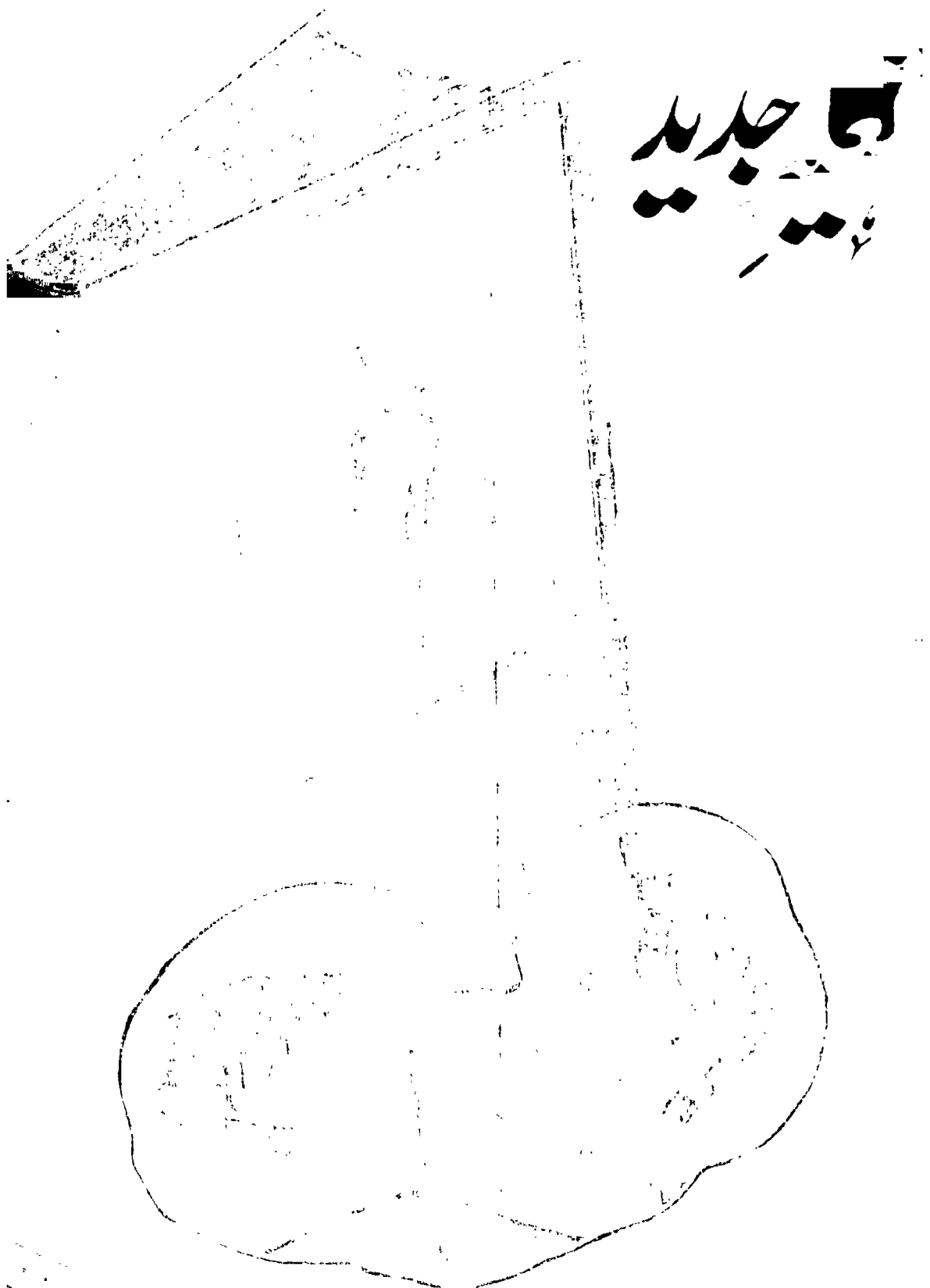
جدید

محکمہ تعلیم جموں وکشمیر کا ماہوار رسالہ

تعلیم جدید

سلسلۂ نو

جلد نمبر ۳ | اپریل۔مئی سنہ ۱۹۴۶ء مطابق بیساکھ جیٹھ سمت ۲۰۰۳ | نمبر ۵-۶

لکھنے والے

جناب ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب ایم۔اے۔ ایل۔ایل۔بی۔پی۔ایچ۔ڈی ناظم تعلیمات جموں وکشمیر
جناب خواجہ غلام السیدین صاحب ایم۔ای۔ڈی سابق ناظم تعلیمات
جناب آل احمد سرور صاحب ایم۔اے (علیگ)
محترمہ صغرا بیگم صاحبہ ایس۔وی ادیب فاضل معلمہ لاہور۔
جناب شیخ عبدالعزیز صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی ہیڈ ماسٹر ٹیچرز ٹریننگ سکول جموں
جناب پنڈت رگھوناتھ صاحب مٹو اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس سری نگر
جناب نذیر احمد خاں صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی ٹیچرز ٹریننگ سکول جموں
جناب پنڈت بیلی رام صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی ٹیچرز ٹریننگ سکول جموں
جناب شیخ برکت اللہ صاحب ایس۔وی ادیب فاضل

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۰۵۷ ایڈیٹر ملک کیف اسرائیلی

مقام اشاعت: ٹیچرز ٹریننگ سکول جموں

تعارف

یہ اپریل اور مئی کا مشترکہ نمبر ہے جو بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر انتہائی عجلت میں ترتیب دیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے، ایسی حالت میں رسالے میں اُس تعلیمی مواد کی کمی ہوگی جو اُستادوں اور تعلیمی ذوق رکھنے والے اصحاب کے لئے واقعی مفید مطلب اور کارآمد ہو سکتا ہے۔ ادارہ اس کے لئے معذرت چاہتا ہے! ——— پھر بھی ہمیں اُمید ہے آپ کو اس میں دلچسپی اور تسکین کا کچھ نہ کچھ سامان مل جائے گا۔ ان میں بعض چیزوں کا سرسری ذکر ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

"انسان کی کم عمری" محترم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب کی ایک فلسفیانہ نظم ہے جس میں انہوں نے بڑے دلکش انداز میں بعض جانی پہچانی مثالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ کائنات کی اکثر چیزوں کے مقابلے میں انسان کی عمر بہت تھوڑی ہے۔ حقیقت میں فطرت کی یہ سب سے بڑی ستم ظریفی ہے کہ انسان ——— قدرت کا ایک شاہکار اور کائنات کی روحِ رواں ہے پھر بھی اُس کا وجود آنی فانی، ناپائیدار اور "زود میر" ہے! ——— شاید مکمل اور اعلیٰ چیزوں کا یہی خاصہ ہو، مگر پھر بھی یہ حقیقت کتنی دل خراش ہے۔

یہ دانا بشر اور یہ بینا بشر گزرتا ہے جلدی مثالِ نظر
اگرچہ ہے دل اس کا قندیلِ عشق بدن قرۃ العین برق و شرر

"تعلیم اور زبان کا مسئلہ" خواجہ غلام السیدین صاحب (سابق ناظم تعلیمات) کے ایک طویل خطبہ کا جستہ جستہ اقتباس ہے۔ اس میں آپ کو ان دو مسائل کے متعلق بعض مفید، کارآمد اور قیمتی خیالات ملیں گے یہ دونوں مسئلے ہماری شخصی اور قومی ترقی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کو سمجھنا اور ان کا کوئی موزوں اور تسلی بخش حل ڈھونڈنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

"شعرائے اردو" محترمہ صغرا بیگم صاحبہ (معلمہ لاہور) کا ایک دلچسپ اور معلوماتی مقالہ ہے جو آپ نے کسی جلسے میں پڑھا۔ محترمہ ایک با مذاق اور خوش فکر تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ اور انہیں تعلیمی مسائل

سے ایک خاص شغف ہے۔ اُن کے مضامین اکثر تعلیم جدید میں چھپتے رہتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون اُن کے گہرے مطالعہ اور ادبی مذاق کی پختگی پر دلالت کرتا ہے۔ اِس میں اُردو شاعری کی تدریجی اور اجمالی تاریخ کے ساتھ ساتھ مختلف شاعروں پر لطیف اور دل چسپ تنقیدیں بھی ملتی ہیں۔ اِن تنقیدوں میں کہیں کہیں اتنی گہرائی، جامعیت اور پختگی ہے۔ کہ محترمہ کے نکتہ رس ذہن اور عمیق نظر کی داد دینی پڑتی ہے۔ اُردو زبان اور ادب کے طلبہ بالخصوص ٹریننگ سکولوں میں تربیت پانے والے اُستادوں کے لئے اِس مضمون کا مطالعہ خاص طور پر مفید ہوگا۔

شیخ عبدالعزیز صاحب ہیڈ ماسٹر ٹیچرز ٹریننگ سکول کا مضمون "ایکٹوٹی سکول" آپ کے مطالعہ کی ایک خاص چیز ہے — اِس لئے کہ اِس میں آپ کو ریاست میں آنے والے تعلیمی انقلاب کی ایک مختصر سی جھلک ملتی ہے۔ موضوع کا تقاضا تھا کہ اِس پر مفصل بحث کی جاتی مگر چونکہ محکمہ تعلیم کی یہ تجویز ابھی حکومت کی منظوری حاصل نہیں کر سکی۔ اِس لئے اِس کی تفصیلات میں جانا ایک حد تک قبل از وقت ہے۔ پھر بھی آپ کو اِس مضمون کے مطالعہ سے محکمہ کی آئندہ تعلیمی پالیسی کو سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔

محترمہ شمیم اختر صاحبہ نے بچوں کے لئے ایک دلچسپ کہانی کا انگریزی سے ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ صاف شستہ اور رواں ہے۔ انگریزی میں بچوں کے لئے اِس قسم کا کافی دلچسپ لٹریچر (ادب) ہے۔ ضرورت ہے کہ اُسے دل کش طریقے پر اُردو میں پیش کیا جائے۔

(کیف اسرائیلی)

[illegible] جامعہ نگر (دہلی)

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

انسان کی کم عمری

کہاں ہے کلیم اور کہاں ہے کلام — ہے باقی ابھی تک مگر کوہِ طور

ہوئی خاک میں خاک نورِ جہاں — جہاں میں ہے باقی مگر کوہِ نور

فلک پر ہیں تارے بہت دیرپا — گہر بھی ہمارے بہت دیرپا

درخشاں ہیں کانوں میں جنکے گہر — نہیں ہیں یہ پیارے بہت دیرپا

مکاں ایک صدیوں میں گرتا نہیں — مگر گرتے جاتے ہیں اُس کے مکیں

ہُوا ہل چلا کر وہ پیوندِ خاک — ہے ناپید دہقان، قائم زمیں

یہ دانا بشر اور یہ بینا بشر — گذرتا ہے جلدی مثالِ نظر

اگرچہ ہے دِل اس کا قندیلِ عرش — بدن طرفۃ العین برق و شرر

کیفؔ اسرائیلی

مکتبِ نو

فکرِ مردہ سے گراں بار ہے دامانِ حیات
مدرسہ ہے ابھی اک بت کدۂ عہدِ عتیق

"مکتبِ نو" کے پجاری مئے تخریب سے چور
ان کے سینوں میں حرارت، نہ خیالاتِ عمیق

مرثیہ خواں ہوں میں تقدیرِ وطن پر کہ مجھے
نظر آتا نہیں مکتب میں کوئی مردِ طریق

ذوق و احساس نہیں ہند کی وسعت میں کہیں
کس کو ہے فرصت و دلچسپئ افکارِ دقیق

"حلقۂ شوق میں وہ جرأتِ اندیشہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق"

خواجہ غلام السیدین

زبان اور تعلیم کا مسئلہ

ذیل میں ہم خواجہ غلام السیدین صاحب سابق ناظم تعلیمات ریاست جموں و کشمیر کے ایک خطبہ کے چیدہ چیدہ اقتباسات دے رہے ہیں جو آپ نے کالج کی تقسیم اسناد کے موقع پر پی۔ ڈبلیو کالج جموں میں پڑھا تھا۔ اس میں روئے سخن کالج کے طلبا کی طرف ہے۔ اور زبان اور تعلیم کے بارے میں عمدہ نظریاتی اور سچی باتیں کہی گئی ہیں۔ یہ باتیں اتنی مفید اور کار آمد ہیں کہ ان سے نہ صرف کالج کے طلبا بلکہ ہر سکول اور تعلیمی ادارے میں کام کرنے والے اور اس فارغ التحصیل ہو کر نکلنے والے لوگ مستفید ہو سکتے ہیں۔ بدقسمتی سے زبان اور تعلیم کا مسئلہ ہمارے ہاں آج بھی اتنا ہی الجھا ہوا ہے جتنا سنہ ۱۹۴۱ء میں۔ اس لئے امید ہے اس مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے ان خیالات کا مطالعہ کافی مفید ثابت ہوگا۔

(ادارہ)

آج بھی ہندوستان کے کالجوں میں مادر ہند کے بہت سے ایسے سپوت ملیں گے۔ جن کو اگر اپنی جان بچانے کے لئے اپنی زبان میں لکھنا یا بولنا پڑے۔ تو وہ نہ بے تکلفی کے ساتھ لکھ سکیں گے نہ بول سکیں گے۔ بلکہ ان میں سے اکثر اظہار خیال کے لئے انگریزی زبان کو اس طرح استعمال کریں گے۔ جس طرح ایک اپاہج آدمی جس کی ٹانگیں ماری گئی ہوں، بیساکھیوں پر چلتا ہے۔ اس تعلیمی پالیسی کو چلانے والوں نے اس وجہ سے بھی بڑا دھوکہ کھایا۔ کہ انہوں نے بعض ہندوستانیوں کو نہایت قابلیت کے ساتھ انگریزی بولتے اور لکھتے دیکھا۔ لیکن انہوں نے یہ نہ سمجھا۔ کہ لاکھوں میں مشکل سے ایک شخص ایسا پیدا ہوتا ہے۔ جو ٹیگور یا

یا محمد علی یا مسز نیڈو کی طرح ایک غیر زبان میں اپنے خیالات کو خوبصورتی اور زور کے ساتھ ادا کر سکے۔
عام طور پر طلبا کو کالجوں اور ہائی سکولوں میں ایک غیر زبان کے ذریعہ تعلیم دینا ان کی جدت اور تخلیقی سوتوں کو بند کر دینا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے علمی معیار کو اونچا کریں اور ہندوستانی ادب دنیا کے بہترین ادب کا مقابلہ کر سکے۔ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی زبان کی سچی قدر کریں۔ اور محبت اور دل سوزی کے ساتھ اس کی خدمت کرنا سیکھیں۔

زبان کے مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے اس لئے ایک پہلو کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جس نے آجکل ہمارے ملک کی تعلیمی اور سیاسی فضا کو خراب بنا رکھا ہے۔ اور جس کی وجہ سے یہ اندیشہ ہے۔ کہ کہیں ہندوستان کی مختلف جماعتوں کے آپس کے تعلقات جو ہماری بدقسمتی سے کافی برے ہو چکے ہیں اور زیادہ ناگوار نہ ہو جائیں مصلحت تو یہ چاہتی ہے۔ کہ اس جھگڑے کے چھتے کو نہ چھیڑا جائے۔ لیکن سچائی مصلحت سے زیادہ بڑی چیز ہے۔ اور جن لوگوں کے ہاتھوں میں ملک کی تعلیم کا انتظام ہے۔ اُن کا فرض ہے۔ کہ وہ جرات کے ساتھ ان معاملات پر غور کریں۔ کیونکہ دنیا کا کوئی اچھا، سچا اور مفید کام ذہنی جرات کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔ یہ مسئلہ جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، ملک کی قومی زبان کا مسئلہ ہے۔ بدقسمتی سے اس بارے میں لوگوں میں بڑی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور بعض لوگ اس پر بحث کرتے وقت اپنے من مانے اور بے بنیاد خیال کو ثابت کرنے کیلئے تاریخ کے اٹل اصولوں اور فیصلوں کو بھول جاتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں۔ کہ کسی قوم یا ملک کی زبان اُس کے صدیوں کے تاریخی حالات و واقعات کا نتیجہ اور مختلف جماعتوں کے میل جول اور تہذیبی لین دین کی یادگار ہوتی ہے۔ وہ کسی ریزولیوشن کے پاس کرنے سے نہ بن سکتی ہے نہ بگڑ سکتی ہے۔ نہ بدل سکتی ہے۔ اور اگر اس کو زبردستی بدلنے اور تاریخ کے دھارے کا رُخ کاٹنے کی کوشش کی جائے۔ تو اس میں یہ اندیشہ ہے کہ سینکڑوں برس کی تہذیب اور تمدن کی عزیز یادگاریں تباہ ہو جائیں گی۔ ہندوستان کے نامور شاعر میر نے دل کی بستی کے بسنے اور اُجڑنے کے بارے میں ایک بڑے پتہ کی بات کہی تھی۔ جو میرے خیال میں زبان کے معاملہ پر بھی ٹھیک بیٹھتی ہے۔

دل کا اجڑنا سہل سہی، بسنا سہل نہیں ظالم
دل کی بستی کھیل نہیں ہے، بسنے بستے بستی ہے!

زبان کی بستی کا بھی یہی حال ہے۔ ہمارے دیس کے سچے خیر خواہ جو لوگوں کے دلوں کو ملانا اور اس میل اور محبت کے ذریعے ملک میں امن اور آشتی کی بستی بسانا چاہتے ہیں۔ انہیں ٹھنڈے دل سے اس مسئلہ پر سوچ بچار کرنا اور اس کو سیاسی جھگڑوں اور مخالفتوں کی لپیٹ سے بچانا چاہیئے۔ تاکہ صدیوں کا بنا بنایا کھیل ہماری ہٹ دھرمی یا ناسمجھی کی وجہ سے بگڑ نہ جائے۔ آپس میں لڑنے جھگڑنے کے لئے سیاست تجارت صنعت و حرفت کا بہت بڑا میدان پڑا ہوا ہے۔ لڑنے والے سورماؤں کو اس میدان میں کشتی کرنے دیجئے۔ مگر تعلیم اور زبان کے باغ کو کانٹوں سے پاک رکھئے۔ جو اس میدان میں پیدا ہوتے ہیں۔ زبان کے بارے میں دو تین باتیں اس قدر صاف اور سچی ہیں۔ کہ اگر لوگ ان کو سمجھ لیں۔ تو بہت سے جھگڑے مٹ جائیں۔ پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ مصر میں لاکھوں عیسائی عربی بولتے ہیں۔ لیکن وہ اسے مسلمانوں کی نہیں اپنی زبان سمجھتے ہیں۔ البانیہ اور چین میں لاکھوں مسلمان وہاں کی زبان بولتے ہیں لیکن۔ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ یہ زبان ان کی نہیں ہے۔ یہ کہنا کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ یا ہندی ہندوؤں کی زبان ہے۔ ایک بے معنی بات ہے۔ زبان اس شخص کی ہے جو اس کو بولے۔ اور خدا کا شکر ہے۔ کہ زبان کی بستی میں سرمایہ داری کا سکہ نہیں چلتا۔ جس زبان میں شمالی ہندوستان کے کروڑوں ہندو مسلمان روزمرہ بات چیت کرتے ہیں۔ اس کو صرف ہندوؤں یا صرف مسلمانوں کی زبان قرار دینا قومی میل جول کے راستے میں روڑا اٹکانا ہے۔ یہ وہی زبان ہے۔ جسے آپ سب لوگ اپنی بول چال اور تقریر و تحریر میں استعمال کرتے ہیں۔ جب اپنی خاص مقامی بولی نہیں بولتے ہوتے۔ کشمیر میں کشمیری مسلمان آپس میں اکثر کشمیری بولی میں بات چیت کرتے ہیں۔ اور جموں میں بہت سے لوگ آپس میں ڈوگری بولتے ہیں۔ لیکن جب ایک ڈوگرہ کشمیری سے گفتگو کرتا ہے تو وہ یہی زبان بولتا ہے اسی طرح پنجاب میں ہندو، مسلمان سکھ آپس میں روزمرہ کی بات چیت پنجابی میں کرتے ہیں۔ اور مثلاً بہار میں بعض جگہ میتھلی بولی بولتے ہیں۔ لیکن جب پنجابی بہاری سے ہم کلام ہوتا ہے۔ تو اسی زبان میں باتیں کرتا ہے جو ہم اور آپ استعمال کرتے ہیں۔ یہ زبان کہیں باہر سے نہیں آئی۔ اسی ملک میں پیدا ہوئی۔ اسی میں پروان چڑھی۔ اس کے بنانے اور سنوارنے میں، اس کی نوک اور پلک درست کرنے میں، اسکو آب و تاب دینے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا برابر کا حصہ ہے۔ اور اس کی تاریخ میں دونوں جماعتوں کے ادیبوں کے نام ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ اسی زبان کو کبھی ہندی کہا گیا ہے، کبھی اردو، کبھی ہندستانی

مگر جب تک ملک میں زبان کی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی۔ ان سب ناموں کا مفہوم ایک ہی سمجھا جاتا تھا۔ یعنی شمالی ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کی بول چال کی زبان اب ناسمجھ سورماؤں نے زبان کے نام اور مفہوم دونوں کے بارے میں لڑنا شروع کردیا ہے۔ یعنی اُنہیں نہ آم کھانے سے مطلب ہے نہ گٹھلیاں گننے سے محض گٹھلیوں کے ذریعہ عقل اور رواداری کا سر توڑنا منظور ہے!

. . . .

. . . . جہاں تک ادب اور شاعری کا معاملہ ہے۔ یاد رکھئے کہ ہر اچھا ادیب یا شاعر یا مصنف اپنے لئے وہی زبان پسند کرتا ہے جس کے ذریعہ وہ سب سے زیادہ کامیابی کے ساتھ، اپنے من کی بات اپنے پڑھنے والوں تک پہنچا سکتا ہو۔ کوئی بیرونی اثر اسے مجبور نہیں کرسکتا کہ وہ اپنی زبان میں کون سے لفظ استعمال کرے۔ اور کون سے لفظ استعمال نہ کرے۔ اس بارے میں اس کی اپنی طبیعت اور خوش مذاقی ہی چراغ راہ کا کام دے سکتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ اگر وہ کسی خاص جماعت یا طبقہ کا نام لیوا بننا نہیں چاہتا۔ بلکہ عام لوگوں کی خاطر لکھتا ہے۔ تو اُسے وہی زبان استعمال کرنی ہوگی۔ جسے قبولِ عام حاصل ہو۔ اس لئے یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ اس شرط کے اندر اندر شاعر اور ادیب اپنی حدیں خود قایم کرتے ہیں۔

لیکن جہاں تک عام بول چال اور لین دین کا تعلق ہے ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم آسان اور سلیس زبان بولیں۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہم اپنا مطلب سمجھا سکیں۔ ایسی زبان کی پہچان یہی ہے۔ کہ ہم وہ لفظ استعمال کریں۔ جن کا سکہ چالو ہے۔ جو لوگ بے ضرورت بڑے بڑے نامانوس لفظ استعمال کرتے ہیں۔ وہ دراصل اپنی قابلیت سے دوسری پر جھوٹا رعب ڈالنا چاہتے ہیں لیکن دراصل یہ اُن کی زبان دانی کی کمی ہے۔ جسے وہ بھاری بھاری لفظوں کے پردے میں چھپانا چاہتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیجئے۔ کہ اعتراض کی بات بڑے بڑے لفظوں کا استعمال نہیں۔ بلکہ نامانوس لفظوں کا استعمال ہے۔ یعنی وہ لفظ جن کی صورت اور معنی کو زیادہ تر لوگ نہ پہچانتے ہوں۔ بعض لوگ بے سمجھے بوجھے یہ حکم لگا دیا کرتے ہیں۔ کہ ہمیں اپنی زبان میں عربی۔ فارسی یا ہندی اور سنسکرت کے لفظ نہ لانا چاہئیں۔ لیکن بات یہ ہے۔ کہ جو زبان ہم اور آپ بولتے ہیں اس کے زیادہ تر لفظ انہیں زبانوں سے لئے گئے ہیں۔ یہ سب نہایت ترقی یافتہ زبانیں ہیں۔ اگر آپ ان کے تمام لفظ اپنی زبان سے نکال

ں۔ تو زبان بالکل کنگال ہو جائے گی۔ دراصل ہندوستان کی تہذیب اور ہندوستان کی زبان دونوں
سب سے بڑی صفت یہ رہی ہے۔ کہ انہوں نے ہمیشہ کھلے دل سے ان چیزوں کو اپنے اندر جذب کیا ہے۔
انہیں دوسری تہذیبوں یا زبانوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسی رواداری کی وجہ سے ہماری زبان اور
ہذیب مختلف اثرات کا خوبصورت گنگا جمنی سنگم بن گئی ہے۔ اسی لئے اب کسی لفظ یا اندازِ بیان یا
امی اثر یا علمی تحریک کو صرف اس وجہ سے رد کرنا کہ وہ ابتدا میں کسی غیر ملک یا غیر قوم سے تعلق رکھتی
ہی اپنی تاریخ کو جھٹلانا اور اپنی تہذیب کے ساتھ دھوکہ کرنا ہے۔ اگر شدھ ہندی کے پرچارک ملک کی
بان سے ان حسین الفاظ اور خیالات کو نکالنا چاہیں جو فارسی اور عربی زبانوں یا اسلامی تہذیب کے ساتھ
ق رکھتے ہیں۔ تو یہ بڑی تنگ نظری اور ملکی اتحاد کے ساتھ دشمنی ہے۔ اسی طرح اگر اردو کے طرفدار
ن لفظوں کے برتنے سے پرہیز کریں جو ہندی یا سنسکرت سے نکلے ہیں یا ان عمدہ تمدنی اثرات کو
انا چاہیں جن کا رشتہ پرانی ہندوستانی تہذیب سے ملتا ہے۔ یا جو ہندو مسلم تہذیب کے میل جول سے پیدا
وئے ہیں تو وہ بھی اتنے ہی قابلِ الزام ہیں۔ لفظوں کی کسوٹی صرف ایک ہی ہے۔ یعنی زبان میں ان کی
بیت اور قبولِ عام۔ جو لفظ شروع میں ہماری زبان میں مہمانوں کی طرح داخل ہوئے۔ اور پھر اسی میں گھل
ل کر گھر والے بن گئے۔ وہ اب ہماری زبان کے لفظ ہیں۔ خواہ وہ بچپن میں ہندی یا سنسکرت کی گود میں پلے
وں۔ یا عربی اور فارسی کے چشم و چراغ رہے ہوں۔ جو الفاظ کئی سو برس کے میل جول کی وجہ سے ہماری زبان
ں رچ گئے ہیں انہیں زبان سے نکالنے کی کوشش نامبارک ہے۔ اور اگر انصاف کوئی چیز ہے اور تاریخ
یصلہ کوئی معنی رکھتا ہے۔ تو اس میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ ہمارے نوجوانوں کا فرض تو یہ ہے۔ کہ وہ ان
ام لفظوں کا سواگت کریں جو ہماری زبان کے ساتھ میل کھاتے ہیں۔ لیکن زبان ایسی ٹھونس ٹھانس
ے بچائیں۔ جو اس کی جینیس (genius) کے خلاف ہیں۔ اگر وہ اپنی قوم اور اپنی زبان اور ادب کے بہی خواہ
ں۔ تو وہ نہ پریم سندر اور سماج اور سبھیا اور درشن جیسے خوبصورت لفظوں پر ناک بھوں چڑھائیں گے۔
مزاجِ شریف اور آداب عرض اور تہذیب اور شرافت سے خفا ہونگے۔ ہماری زبان کے نغمے میں بہت سے
ر بھرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض کو نکال کر نغمہ کی مٹھاس کو کیوں کم کیا جائے؟ ہاں اگر روزمرہ کی
ن چال میں ہم جان بوجھ کر تعصب اور تنگ نظری سے کام لیں اور مگر کی بجائے پرنتو اور کی بجائے
فا۔ فائدہ کی بجائے اپیوگ، سوال کی بجائے پرشن، اور جواب کے بجائے اُتر، مدد کے بجائے سہایتا،

جو للّہی کے بجائے پھر ٹولیہ، دیر لگانے کے بجائے معرفی التوا میں ڈالنا، بات ماننے کی بجائے اعتراف حقیقت اور رائے دینے والوں کی بجائے رائے دہندگان کہنے پر اصرار کریں گے تو زبان کی موسیقی ہٹ دھرمی کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔ اور کچھ عرصہ کے بعد ہم لوگوں کو جو آج کم و بیش ایک زبان بولتے ہیں، ایک دوسرے سے بات چیت کرنے کے لئے ترجمہ کرنے والوں کی ضرورت ہوگی۔ خدا کرے کہ ہم زبانوں اور دلوں کی اس جدائی سے محفوظ رہیں!

آپ شاید مجھ سے پوچھیں کہ میں جس قومی زبان کا ذکر کر رہا ہوں اُس کا کہیں وجود بھی ہے۔ یا وہ ابھی تک محض ایک خواب ہے۔ جس کی تعبیر معلوم نہیں۔ وہ زبان بے شک موجود ہے۔ اور اس کے اچھے نمونے آپ کو بہت سے ہندو اور مسلمان لکھنے والوں کی کتابوں میں ملیں گے۔ لیکن شاید اس کا سب سے اچھا نمونہ وہ زبان ہے۔ جس میں حالی نے اپنی مشہور مثنوی "بیوہ کی مناجات" لکھی ہے۔ اور جس کے متعلق ڈاکٹر عبدالحق نے کہا تھا کا ندہی سے کہا تھا۔ اگر کبھی اس بدقسمت ملک کی ایک مشترک زبان بنی۔ تو وہ "مناجات بیوہ" کی زبان ہوگی۔ دیکھئے اس سیدھی سادی اور آسان زبان میں ایک باکمال شاعر نے کس کے مشکل مضامین میں کیا جوہر دکھاتا ہے۔

سب سے انوکھے، سب سے نرالے — آنکھ سے اوجھل دل کے اُجالے
ناؤ جہاں کی کھینے والے — دُکھ میں تسلی دینے والے
جب، اب، تب تجھ سا نہیں کوئی — تجھ سے ہیں سب، تجھ سا نہیں کوئی
جوت ہے تیری جل اور تھل میں — باس ہے تیری پھول اور پھل میں
ہر دل میں ہے تیرا بسیرا — تو پاس اور گھر دُور ہے تیرا
دل میں ہے جن کے تیری بڑائی — گنتے ہیں وہ پربت کو رائی
تو ہی ڈبوئے، تو ہی ترائے — تو ہی بیڑے پار لگائے
تو ہی پلائے زہر کے پیالے — تو ہی پھر امرت زہر میں ڈالے
تو ہی دلوں میں آگ لگائے — تو ہی دلوں کی لگی بجھائے

چمکارے، چمکار کے مارے
مارے، مار کے پھر چمکارے

. . . . کہ

یہ وہ زبان ہے۔ جو نہ ہندو کی زبان ہے نہ مسلمان کی۔ یہ ہندوستان کے دکھے ہوئے دلوں اور گھٹے ہوئے جذبات کی زبان ہے۔ جو اس ملک کی خاک میں پیدا ہوئی۔ اور یہیں پروان چڑھی اور اسی کی بے لاگ خدمت کرنا ملک کا بھلا چاہنے والوں کا فرض ہے۔ اس کو اردو بولنے والے اور ہندی بولنے والے دونوں اپنا سکتے ہیں۔ اور اسی کو اگر آپ چاہیں تو ہندوستانی یعنے ہندوستان والوں کی زبان کا نام دے سکتے ہیں۔

میں نے زبان کے مسئلہ میں آپ کا کافی وقت لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس کو قوم کی ادبی اور سیاسی زندگی اور موت کا سوال سمجھتا ہوں۔ اب میں باقی تھوڑے سے وقت میں خاص کر کے اپنے عزیز طلباء سے خطاب کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ وہ اپنے دلوں کی گہرائی میں اس بات پر غور کریں۔ کہ انہوں نے اپنی زندگی کے جو قیمتی سال کالج میں بسر کئے ہیں۔ انہیں اس تپسیا سے کیا حاصل ہوا۔ اور اس سے ان کی زندگی کا کون سا مسئلہ حل ہوا؟ اب سے پچیس تیس سال پہلے تک بی۔ اے کا امتحان پاس کر لینے سے نوکریوں کی امید ہو جاتی تھی۔ لیکن اب ڈگری پائے ہوئے لوگوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے۔ کہ یہ روزی کا سہارا بھی ٹوٹ چکا ہے۔ پھر اس تعلیم کا کیا مقصد ہے؟ اگر اس کا مقصد علم کو بڑھانا، عقل کو چمکانا، شوق کو جگانا اور ذہن کو جلا دینا ہے۔ تو کیا آپ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ اقرار کر سکتے ہیں۔ کہ یہ مقصد پورا ہوا؟ سچائی کا تقاضا یہ ہے۔ کہ ہم اس بات کو مانیں کہ زیادہ تر طلباء کی صرف ایک خواہش اور ایک کوشش ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ کسی طرح امتحان میں ۳۳ فی صدی نمبر لے کر پاس ہو جائیں۔ یعنی خواہ وہ ہر تین سوالوں میں سے دو سوالوں کا غلط اور ناکافی جواب دیں۔ لیکن انہیں امتحان پاس کرنے کی سند مل جائے۔ اس گھٹیا اور نیچے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ گھٹیا اور آسان راستے تلاش کرتے ہیں۔ بجائے علم حاصل کرنے کے امتحان کے سوالوں کو بھانپنا اور ان کے جواب یاد کرنا چاہتے ہیں۔ بجائے اعلےٰ پایہ کی مستند کتابوں کو محنت اور غور کے ساتھ پڑھنے کے صرف چند معمولی درجہ کی درسی کتابوں یا ان سے بھی ہٹ کر سستے بازاری نوٹوں کو کافی سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے بعض طالب علم اپنی ساری علمی زندگی میں دنیا کے دو تین بڑے معتبر

اور مفکروں سے بھی دو چار نہیں ہوتے۔ ایسی حالت میں تعلیم کے ذریعہ علم کو وسیع کرنے یا فکر کی قوت پیدا کرنے کا سوال تو پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کالج کی تعلیم تو اکثر طلبہ اِن کے اُستادوں اور امتحان لینے والوں میں ایک جنگِ زرگری بنکر رہ گئی ہے۔ جس میں طلبہ کی زیادہ تر کوشش یہ ہے۔ کہ وہ کم سے کم محنت اور مطالعہ کر کے اپنے دشمن امتحان کو ہرا دیں۔ میں جانتا ہوں۔ کہ ہمارے کالجوں میں فرض کو پہچاننے والے پروفیسر اور علم کے شوقین طالب علم بھی ہیں۔ لیکن میں نے جو عام تصویر آپ کے سامنے پیش کی ہے۔ اِس میں مبالغہ کا رنگ بھرنے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے اِس بات کا خیال کر کے بہت افسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ نوجوانی کا زمانہ بلند امنگوں اور آرزوؤں کا زمانہ ہے۔ جان کو جوکھوں میں ڈال کر کٹھن کاموں کو چیلنج کرنے کا زمانہ ہے۔ آسمان کے ستاروں کو اپنی رتھ میں جوڑنے کا زمانہ ہے۔ اِس عمر میں محنت سے جی چرانا، آسان رستوں کی تلاش کرنا سستی اور گھٹیا چیزوں پر بس کر لینا نوجوانی کے آدرش کی ذلت ہے۔

سہل را جستن دریں دیرِ کہن !
ایں دلیل آں کہ جاں رفت از بدن

یعنی دنیا کی اِس پرانی محفل میں آسانی کو تلاش کرنا اِس بات کی دلیل ہے۔ کہ انسان کی رگوں میں خون ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔ اور بدن میں زندگی کی حرارت باقی نہیں رہی!

اگر ہمارے نوجوان دراصل علم اور حکمت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو اِن کے لئے راتوں کو چراغ جلا کر خونِ جگر کھانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ علم کی وسیع دنیا میں بار پانے کے لئے اُن تھک محنت اور نفس کشی کے بغیر چارہ نہیں۔

گر کسے شب ہا خورد دودِ چراغ
یابد از علم و فن و حکمت سراغ
ملکِ معنی کس حدِ اور ا نہ بست
بے جہادِ پیہمے ناید بدست

بعض لوگ کالج میں اپنی پوری زندگی اِس احتیاط کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔ کہ اُنہیں کبھی لائبریری کی چھوت بھی نہیں لگتی! ایسے لوگوں کو تعلیم یافتہ کہنا یا سمجھنا ظلم ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی اعلےٰ ڈگریاں کیوں

نہ حاصل کر لیں۔ کیونکہ نہ ان کے دماغ میں دنیا کے بہترین دماغوں کی صحبت پاکر روشنی پیدا ہوگی، نہ
وہ اپنے زمانے کی سیاسی اور سماجی تحریکوں کو سمجھ سکیں گے، نہ تہذیب کے ان انمول خزانوں تک پہنچ
پائیں گے جو ان کے بزرگوں نے جمع کئے ہیں۔ نہ ان نئے اور حرکت پیدا کرنے والے خیالوں اور تجربوں
سے واقف ہونگے جن کو پڑھے اور سمجھے بغیر ایک بہتر دنیا اور ایک بہتر سماجی نظام کی بنیاد نہیں
پڑ سکتی۔ دنیا میں تہذیب اور تمدن کے چراغ جلیں گے اور بجھ جائیں گے۔ انسان کی جدت پسند اور
بے چین طبیعت نئے نئے سانچے بنائے گی۔ اور انہیں توڑ ڈالے گی۔ دھرم اور ادھرم، حق اور
باطل، انصاف اور بے انصافی کی جنگ ان کے چاروں طرف ہوتی رہے گی لیکن وہ ان میں سے کسی
چیز میں شریک نہ ہونگے۔ کیونکہ شریک ہونے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ انسان ان تمام چیزوں سے واقف
ہو۔ اگر تعلیم کی غرض صرف ذہنی دل بہلاووں میں قید رکھے۔ اور زندگی کے ہنگاموں کو ان کی نظر سے چھپا دے
تو ان کا دل اور دماغ اور عقل کی قوت سب بیکار ہو کر رہ جائیں گے۔ لیکن اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے
کہ اگر ہم ان ہنگاموں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اور جیسا کہ اکثر طلبہ کی خواہش ہوتی ہے۔ وہ سیاست
کے کٹھن میدان میں قدم رکھنا چاہتے ہیں۔ تو اس کے لئے غور و فکر اور مطالعہ کی ضرورت ہے۔ ملک کی
حالت اور قومی زندگی کی الجھنوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ فیصلہ کرنے اور رائے دینے کی قوت پیدا کرنے
کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر سیاست سے شوق فرمانا یا تو ذہنی عیاشی ہے یا محض روزگار کا طریقہ!
اس لئے کالج میں جو طلبا اپنے وقت سے پورا فائدہ اٹھاتے وہ نہ تو بہتر اور زیادہ سمجھدار انسان بن کر نکلیں
گے، نہ ملک کی خدمت کی خواہش کو پورا کر پائیں گے۔ دوسروں کو وہی شخص کچھ دے سکتا ہے۔ جس کے اپنے
کیسے میں کوئی دولت ہو۔ جو شخص خود بے مایہ ہوگا۔ علمی لحاظ سے کنگال ہوگا۔ وہ دوسروں کو کیا دے سکتا
ہے۔ اس لئے میری یہ آرزو ہے کہ جو طالب علم ہمارے کالجوں سے تعلیم پاکر نکلیں۔ ان کے دماغ روشن
اور ان کا مطالعہ وسیع ہو۔ اور وہ سمجھداری کے ساتھ ان لوگوں کی ٹھیک راہنمائی کر سکیں، جن کو اعلےٰ
تعلیم کا فائدہ نصیب نہیں ہوا۔

لیکن زندگی کو اچھی طرح بسر کرنے کے لئے صرف دماغ کا روشن ہونا کافی نہیں۔ اس کے لئے دل میں
گرمی اور حرارت اور سوز کی ضرورت بھی ہے۔ تاکہ ہم اپنے ہم جنسوں کے دکھ درد میں شریک ہو کر ان کا
بوجھ بٹا سکیں۔ جو شخص اپنی دماغی قابلیت کو صرف اپنے ذاتی فائدہ کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اور اپنے

چاروں طرف کے حالات کا اثر نہیں لیتا۔ اُس کی انسانیت اُدھوری ہے۔ کیونکہ سچی شرافت اور انسانیت اپنے لئے دنیا کی تمام دولت اور قوت اور فائدہ بٹورنے میں نہیں۔ بلکہ اپنی زندگی اور خدا کی دی ہوئی قوتوں کو انسان کی خدمت میں وقف کرنے میں ہے۔ آپ میں سب کے ایک کے سامنے زندگی یہ دو راستے پیش کرتی ہے۔ ایک لوٹ کھسوٹ، چھین جھپٹ، خود غرضی اور نفس پرستی کا راستہ ہے۔ اور دوسرا خدا کے بندوں اور سماج کی خدمت اور سیوا کا راستہ ہے۔ دونوں میں سے ایک راستہ بھی آسان نہیں ہے۔ دنیا میں قوت اور نام اور دولت حاصل کرنے کے لئے بھی مشکلیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ اکثر اپنی عزت اور خودداری اور ضمیر کا سودا کرنا پڑتا ہے ما انصاف کا خون کرنا پڑتا ہے۔ جھوٹ کے ساتھ نباہ کرنا ہوتا ہے، اور ممکن ہے۔ اس تمام کوشش کے بعد بھی اصلی مقصد حاصل نہ ہو۔ اسی طرح خدمت کا راستہ بھی کٹھن ہے۔ اس میں سب سے پہلے اپنے نفس کے ساتھ لڑائی لڑنی پڑتی ہے۔ کیونکہ وہ عیش اور آرام کی زندگی چاہتا ہے۔ اس میں ناسمجھ اور بدنیت لوگوں کی مخالفت جھیلنی پڑتی ہے۔ اس میں بہت دفعہ اپنوں سے بگاڑ کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ انصاف کی آنکھ حق و باطل کے مقابلے میں اپنے اور پرائے کا فرق نہیں کرتی۔ اس میں اکثر عمر بھر سچائی کی خاطر دکھ اٹھانے کے بعد بھی گمنامی کی موت حصے میں آتی ہے۔ یا پبلک کی طرف سے بدنامی کا انعام حصے میں آتا ہے۔ لیکن ایک سچے اور شریف دل اور دماغ والے انسان کے لئے اس دوراہے پر پہنچ کر ایک منٹ بھی تامل کرنا ممکن نہیں۔ اس کے لئے صرف ایک ہی راستہ کھلا ہے۔ بے لاگ خدمت کا راستہ، انصاف کی خاطر غریبوں اور کمزوروں کی حمایت اور ظالموں اور زبردستوں کی مخالفت کا راستہ، دنیا کی ساری دولت کھو کر اپنی روح کی پونجی اور ضمیر کی آواز کو محفوظ رکھنے کا راستہ۔ اس ظلم اور تاریکی سے بھری ہوئی دنیا میں انسانیت اور شرافت کی جو تھوڑی سی روشنی جھلملاتی نظر آتی ہے۔ وہ ایسے ہی لوگوں کی برکت ہے۔ جنہوں نے یہ دوسرا دکھوں کا راستہ اختیار کیا۔ اور اس طرح بھٹکے ہوئے انسانوں کو ایک بہتر زندگی کی جھلک دکھائی۔ آپ کی تعلیم کی کامیابی کا ایک اور صرف ایک ثبوت ہے۔ یعنی دنیا کے لالچ اور فریب کے مقابلے میں آپ زندگی کا یہ دوسرا راستہ اختیار کریں۔ ورنہ سچائی کی پرکھ رکھنے والی نظر میں تمام دنیا کی دولت اور قوت کی قدر سنگریزوں سے بڑھ کر نہیں۔ میں آپ کو مشرق کے شاعر اقبال کے اس پیام کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

تو فروزندہ تر از مہر منیر آمدۂ
آں چناں زی کہ بہر ذرہ رسانی پر تو

یعنی تو سورج سے زیادہ روشن خودی لے کر اس دنیا میں آیا ہے۔ اپنی زندگی کو اس طرح بسر کر کہ اس کی جوت ہر ذرہ پر پڑے اور اس کو چمکا دے۔

(بقیہ صفحہ ۵۶)

اور ایکسکرشن کے وقت دیہات کے کنوؤں، چشموں، سڑکوں، گلیوں اور نالیوں کی صفائی کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح مکھی، مچھر، چیچک، ملیریا، پلیگ وغیرہ بیماریوں سے بچنے کی تدابیر پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔

دیہات سدھار کا کام مدرسہ اس طرح سے بھی ہو سکتا ہے۔ کہ مدرسہ خود ایک نمونہ ہو۔ بچے یہاں اچھی باتیں سیکھیں۔ اور گھر پر بھی جا کر انہیں عملی جامہ پہنائیں عمارت مدرسہ صاف ہو۔ اس کے گرد و نواح میں کوڑا کرکٹ یا گندگی نہ ہو۔ مدرسہ میں ہر چیز قرینے سے رکھی ہو۔ مدرسہ میں سکول فارم بنائی جائے۔ اس میں نئے طریقہ پر کاشتکاری کی جائے۔ کھاد کے لئے گڑھے کھودے جائیں۔ مختلف سبزیوں کے اچھے بیج منگوا کر بوئے جائیں۔ جب یہ طریقے بچے عملاً کریں گے۔ تو گھر جا کر بھی وہ اپنے والدین کو نئے طریقہ پر کھیتی باڑی کرنا بتائیں گے۔ جب ان کے والدین اس سے منفعت بخش پائیں گے۔ تو وہ اسے اختیار کریں گے۔ اور ان میں ایسی درس گاہ سے دلی عقیدت ہو جائے گی۔ دیہاتیوں میں اکثر یہ خیال عام ہے۔ کہ سکول میں بچے کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ مگر اس طرح سے یہ خیال ان کے دل سے نکل جائے گا۔

صغرا بیگم

شعرائے اُردو

(پچھلے سال غالباً آخیر مارچ میں آل انڈیا ویمنز کانفرنس کی جونئیر برانچ کی طرف سے ویمنز کالج میں بیگم ملک فضل حق کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا تھا جس کی ... دھرما ڈاکٹر منگلا نلوار اور مسز کارکی صاحبہ وغیرہ تھیں۔ اس جلسہ میں مضامین کا ایک انعامی مقابلہ بھی تھا۔ یہ مضمون اسی جلسے میں پڑھا گیا۔ مقابلے اور انتخاب میں منتظمین نے جس علمی ذوق اور ادبی صلاحیت کا ثبوت دیا۔ اُس نے مجھے اتنا بددل کر دیا۔ کہ بہت دنوں تک اس مضمون کی اشاعت کا خیال نہ آیا۔ اب بھی محض اس خیال سے کہ اردو ادب کے مبتدی طلبہ کے لیے شاید اس کا مطالعہ کسی قدر مفید ہو، تعلیم جدید میں اشاعت کے لیے بھیجا جا رہا ہے)

(صغرا بیگم)

اُردو زبان کی عمر ہی کیا ہے۔ اگر زبانوں کی پیدائش اور ترقی پر سوچا جائے۔ تو دنیا کی مشہور اور پرانی زبانیں عربی۔ فارسی۔ سنسکرت۔ انگریزی۔ چینی اور لاطینی کے مقابلے میں ہماری اُردو ابھی کل کی بچی ہے۔ اور اُس کی پیدائش کو جمعہ جمعہ کل آٹھ دن ہوئے ہیں۔ یوں تو جب سے مسلمانوں نے بھارت ورش میں قدم رکھا۔ اُن کی زبانوں فارسی، عربی، ترکی کا اثر یہاں کی مقامی بولیوں سنسکرت پراکرت اور بھاشا پر پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن کسی نئی زبان کا کوئی باقاعدہ ہیئت اُس وقت تک تیار نہ ہو سکا۔ جب تک ملکی بولیوں نے اِس میں زیادہ سے زیادہ حصّہ نہ لیا۔

تیرہویں صدی عیسوی میں فارسی کے ایک مشہور شاعر امیر خسرو دہلوی کی کوششوں نے

خیال کو عملی جامہ پہنانا چاہا۔ اور آرزو تھی بعض دوست ۔ پنجابیوں اور ان مل کے۔ لیکن بدقسمتی سے اس وقت کسی اور آدمی نے اس طرف توجہ نہ کی۔ اس لئے یہ کام ادھورا رہ گیا۔ دکن میں بہمنی راج کے قائم ہونے سے اس نئی زبان کی پھر ترقی ہونے لگی۔ بے جا نہ ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ اردو نے بہمنی بادشاہوں کے عہد میں جنم لیا۔ اور دکن کے درباروں میں پروان چڑھی۔ چنانچہ قلی قطب شاہ جو گولکنڈہ کی سلطنت کا ایک بادشاہ ہوا ہے۔ نئی تحقیقات نے اسے اردو کا سب سے پہلا صاحب دیوان شاعر ٹھہرایا ہے۔ قلی قطب شاہ کے کلام میں سادگی۔ رنگینی اور ملکی اثر بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ وہ فارسی اور بھاشا کے الفاظ برتتا ہے۔ ہندوستان کے پہاڑوں اور سورماؤں اور موسموں کی تعریف کرتا ہے۔ اس کی تشبیہات اور استعاروں کا رنگ بھی ملکی ہے۔ افسوس ہے۔ کہ اس زمانے کی دکنی زبان سے لوگ اب پورے طور پر فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ قلی قطب شاہ کا صوفیانہ اور عاشقانہ کلام [illegible] سے آجکل کے شاعروں کو ہندوستانی کی راہ دکھاتا۔ قلی قطب شاہ کے بعد اردو شاعری کا تو دامن پھیلا۔ دکن کے ان ادب پرور درباروں میں غواصی۔ وجہی۔ نصرتی ہاشمی اور ابن نشاطی وغیرہ شاعر خاص طور پر مشہور ہوئے۔ ابراہیم عادل شاہ جو بیجاپور کا حکمران تھا۔ فن موسیقی میں بڑا ماہر ہوا ہے۔ اس نے نورس کے نام سے ہندی گیتوں کی ایک کتاب لکھ کر ہندو مسلم ملاپ کو اور بھی مضبوط بنا دیا۔ اس ملاپ سے اردو زبان کو بڑی مدد ملی۔ اور اب ہندی بحروں میں اردو غزلیں عام طور پر لکھی جانے لگیں۔ دکنی شاعروں میں زیادہ مشہور شاعر ولی دکنی ہوا ہے۔ زبان کی سلاست صفائی اور سادگی کو دیکھا جائے۔ تو اسے اردو شاعری کا جنم داتا کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے کی زبان میں قدیم دکنی سنسکرت اور ہندی الفاظ کی بھرمار تھی۔ دکن کے بعد اردو شاعری کا مرکز دہلی چلا آیا۔ اس کی وجہ وہ سیاسی جھگڑے تھے۔ جو مغلیہ سلطنت کے مشہور بادشاہ اورنگ زیب اور دکن کی ان حکومتوں کے درمیان کھڑے ہو گئے تھے۔ ان جھگڑوں میں دکن کی حکومتیں آخر کار مٹ گئیں۔ اور شاعروں کی قدر دانی کرنے والا کوئی نہ رہا۔ چنانچہ اردو شاعری نے دہلی کا رخ کیا۔ جہاں ان دنوں علم و فضل کا بازار گرم تھا۔ دہلی میں ان دنوں فارسی اور عربی کے زیادہ چرچے تھے۔ اس لئے اردو شاعری پر ہندی کے ساتھ ساتھ فارسی عربی کا رنگ بھی چڑھنا شروع ہوا۔ ولی دکنی خود دوبار دلی آیا اس

نے یہاں کے ماحول سے بہت کچھ سیکھا۔ اُس کے کلام میں شیرینی مٹھاس اور لوچ ہندی کے اثر سے آئے۔ اور سادگی۔ صفائی اور روانی فارسی۔ عربی کے اثرات قبول کرنے سے ۔

دلی کے ابتدائی دور میں آبرو۔ مضمون۔ احسن۔ یک رنگ۔ ناجی۔ فغاں۔ آرزو اور شاہ حاتم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان بزرگوں نے اُردو زبان کی بڑی خدمت کی۔ شاعری میں خیالات اور مضامین کو سیدھے سادے طریقہ سے باندھا۔ جذباتی رنگوں کے طوطے مینا نہیں بنائے۔ جو کچھ جی میں آیا بے تکلف ادا کر دیا۔ بے ساختگی طبیعت کو بڑی بھلی لگتی ہے۔ مثلاً ان شعروں کو دیکھئے ۔

پارسائی اور جوانی کیوں کر ہو
ایک جا گہ آگ پانی کیوں کر ہو (یک رنگ)

زندگی درد سر ہوئی حاتم
کب ملے گا پیا میرا (حاتم)

ہے جدائی میں زندگی مشکل
بے وفائی نہ کر خدا سوں ڈر (ولی دکنی)

لیکن اُردو شاعری کی ترقی کا زمانہ اٹھارویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔ جس میں میر تقی میر۔ مرزا محمد رفیع سودا۔ خواجہ میر درد اور میر حسن کے نام سنہری حروف میں لکھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ شاعری کے آکاش پر سورج اور چاند بن کر چمکے، اور ان کی شہرت کی کرنیں پورب پچھم اتر دکن ہر طرف پھیل گئیں۔ شاعری کی دنیا میں انہوں نے ایسے ایسے سدا بہار گلزار لگائے اور ایسے رنگا رنگ پھول کھلائے کہ رہتی دنیا تک اُن کا نام کبھی مٹ نہیں سکتا۔ ان میں سے میر کا رتبہ بہت اونچا ہے۔ ان کا شمار دنیا کے بڑے بڑے شاعروں کی صف میں کیا جاتا ہے۔ ان کا سارا کلام سوز درد اور بے کیفی میں ڈوبا ہوا ہے۔ سادگی، ترنم اور روانی اُن کے شعروں کی جان ہے۔ ان کے قلم نے زندگی کے اندرونی تاثرات اور جذبات اور واردات کی ایسی ایسی تصویریں کھینچی ہیں۔ کہ انہیں پڑھ کر بنا پسیوں اور دکھوں میں گزری ہے۔ اِس لئے انسانی دکھ درد

رنج و غم اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اُن سے بہتر کوئی نہیں کھینچ سکا۔
چند شعر آپ بھی دیکھیے!

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا — آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

آگے کسی کے کیا کریں دستِ طمع دراز — وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میرؔ — مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے — دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

کیا کہیے داغ دل ہے ٹکڑے جگر ہے سارا — جانے وہی جو کوئی ظالم وفا کرے ہے
اس بت کی کیا شکایت راہ و روش کی کریے — پردے میں بدسلوکی ہم سے خدا کرے ہے
سمجھا ہے یہ کہ مجھ کو خواہش ہے زندگی کی — کس ناز سے معالج میری دوا کرے ہے
کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یوں ستے ہم — اندوہ ایک جی کو اکثر رہا کرے ہے

جس چمن زار کا ہے تو گلِ تر — بلبل اُس گلستان کے ہم بھی ہیں
وجہِ بیگانگی نہیں معلوم — تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں
مر گئے مر گئے نہیں تو نہیں — خاک سے منہ کو ڈھانکے ہم بھی ہیں۔

عیشِ ہستی حباب کی سی ہے — یہ نمائش سراب کی سی ہے۔
نازکی اُس کے لب کی کیا کہیے — پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے۔
بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں — حالت اب اضطراب کی سی ہے۔

اب تو جاتے ہیں مے کدے سے میرؔ پھر ملیں گے اگر خدا لایا

میرؔ کے بعد سوداؔ کا درجہ ہے۔ وہ غزلوں کے علاوہ قصیدے کے بھی بادشاہ ہوئے ہیں۔ اردو میں آج تک قصیدہ اُن سے بہتر کوئی نہیں لکھ سکا۔ اور ہجو میں تو اُن کا مدِ مقابل شاید ہی آج تک کوئی نہ ہو سکے۔ سوداؔ کے کلام میں زورِ بیان اور الفاظ کی شان و شوکت بہت زیادہ ہے۔

اگر میرؔ کا کلام آہ ہے تو سوداؔ کا کلام واہ! سوز و گداز اور دُکھ سُکھ کے خیالات کی ادائیگی میں وہ بے شک میرؔ سے پیچھے ہیں۔ لیکن روانی برجستگی اور منظر نگاری میں اُن کا پایہ بہت اونچا ہے۔

خواجہ میر دردؔ اور میر حسنؔ بھی چوٹی کے شاعر ہوئے ہیں۔ دردؔ صوفیانہ شاعری کے مانے ہوئے استاد ہیں۔ انہوں نے زیادہ تر غزلیں لکھی ہیں۔ زبان سیدھی سادی خیالات صاف اور پاکیزہ، بندش چُست ہوتی ہے۔ مضمون نئے نئے ڈھنگ سے باندھتے ہیں۔ بعض شعر اتنے اچھے ہیں کہ اُردو ادب کے گنے چُنے شعروں میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً

جتنی بڑھتی ہے اتنی گھٹتی ہے۔ زندگی آپ ہی آپ کٹتی ہے۔

میں جاتا ہوں دل کو تیرے پاس چھوڑے میری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا

وائے نادانی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہُوا خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

میرے تغیرِ حال پہ مت جا یوں بھی اے مہربان ہوتا ہے

ہر آن ہے واردات دل پر آتا ہے یہ قافلہ کہاں سے

بندِ احکامِ عقل میں رہنا   یہ بھی اک نوع کی حماقت ہے

وہ میرے چارہ ساز کو کیا جانے   یہ مسئلہ لیبہ سُنا دیا کس نے

میر حسن نے مثنوی سحر البیان لکھ کر اپنی حیثیت کو شاعری کی دُنیا میں سب سے منوا لیا ہے۔ اس مثنوی میں انہوں نے ایک عشقیہ کہانی کو اِس خوش اسلوبی سے نظم کیا ہے۔ کہ پڑھ کر بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ معمولی واقعات کو روزمرہ کی بول چال میں ادا کرنا میر حسن کا ہی حصّہ ہے۔ منظر نگاری میں تو انہیں کمال حاصل تھا۔ شاعروں کے اس طبقے کے بعد بلکہ انہیں کے زمانہ میں اُردو کا مرکز دلّی سے بھی اکھڑ گیا۔ مرہٹوں اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں سے مغلیہ راج کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اور درباری شان کے ختم ہو جانے سے شاعری کی مجلسیں بھی سونی ہو گئیں۔ اب اُردو شاعروں نے لکھنؤ کا رُخ کیا۔ اور وہاں کے درباروں میں اپنے کمال دکھانے شروع کئے۔ چنانچہ انشا۔ مصحفی۔ جرأت۔ رنگین۔ آتش۔ ناسخ۔ انیس اور دبیر لکھنؤ کے وہ چمکیلے ستارے ہیں۔ جن کی روشنی نے آسمان شاعری پر ایسے ایسے رنگ بدلے کہ دُنیا دیکھ کر عش عش کر اٹھی لکھنؤ کی تہذیب اور رہن سہن کے طریقوں میں اُن دنوں ظاہری بناؤ۔ سنگار اور تکلف کو بہت زیادہ دخل تھا۔ اس لئے اس دَور کے شاعر بھی اپنی غزلوں میں انہیں ظاہری خد و خالوں اور بناوٹی آرائشوں کی تعریف کرنے لگ پڑے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان میں سے اکثر شعرا کا کلام دِلی واردات اور سچے جذبات سے خالی ہے۔ لیکن پھر بھی اُن کے کلام سے اگر چناؤ کیا جائے۔ تو اچھی چیزوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ اور انیس و دبیر تو اس گروہ سے قطعاً الگ ہیں۔ ان دونوں حضرات نے سب سے پہلے اردو شاعری میں مرثیہ کی صنف کو اختیار کیا۔ اور شہیدان کربلا کی شان میں ہزاروں مرثیے اور سلام لکھ کر اُردو شاعری میں سب سے پہلے

نیچرل رنگ قائم کیا۔ اس سے پہلے اردو شاعری زیادہ تر غزل کی شاعری تھی جس میں عشق و محبت کے فرضی خیالات کھے جاتے تھے۔ میر انیس اور مرزا دبیر نے انسانی تاریخ کے سب سے بڑے اور دردناک حادثے (امام حسین اور اس کے ساتھیوں کی موت) کو لے کر اس انداز سے واقعات کا نقشہ کھینچا۔ کہ پڑھنے اور سننے والوں کو ہو بہو کربلا کا نظارہ سامنے نظر آنے لگا۔ ان مرثیوں میں انہوں نے کردار نگاری منظر کشی جذبات کی ترجمانی اور وارداتِ قلبی کے اظہار میں وہ کمال دکھایا ہے۔ کہ بے اختیار کبھی منہ سے آہ نکل جاتی ہے۔ کبھی واہ! رزمیہ شاعری یعنی جنگی مناظر کی تصویر کشی سب سے پہلے اردو شاعری میں انیس اور دبیر ہی کی وجہ سے داخل ہوئی ہے۔ ان بزرگوں کا احسان اردو ادب پر ہمیشہ رہیگا۔ انھوں نے زبان اور بیان کو وسعت دی۔ مضامین اور خیالات کو نئے نئے طریقوں سے باندھا۔ جوش اور روانی کے دریا بہا دیئے۔ اور اردو زبان کو اتنی زیادہ ترقی دی۔ کہ اس کی جڑیں پاتال تک پہنچ گئیں۔

لکھنؤ کے آخری دور میں دو نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک پنڈت دیاشنکر نسیم مصنف گلزار نسیم کا۔ دوسرے نواب مرزا شوق لکھنوی کا جن کی کئی مثنویاں مشہور ہیں۔

گلزار نسیم میں واقعات کی بھول بھلیاں کو بڑی چابکدستی سے لکھا گیا ہے۔ وہ دیاشنکر نسیم کا نام اردو ادب میں ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ شوق کی مثنویاں لکھنؤ کی اس عہد کی زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہیں جس زمانہ میں وہاں لکھنوی رنگیلے پیا واجد علی شاہ راج کیا کرتے تھے۔ اس لئے ان میں فحش بیانی ننگے واقعات اور بازاری لب و لہجہ کو بہت زیادہ دخل ہے۔ افسوس ہے۔ شوق نے اپنے فن اور آرٹ کو ایک پست اور گھٹیا چیز پر صرف کر دیا۔ امانت لکھنوی بھی اسی دور کا ایک شاعر ہے۔ جس نے اردو زبان کا سب سے پہلا ناٹک اندرسبھا لکھ کر اپنے نام کو زندہ جاوید بنا لیا ہے۔ ابھی تک ہمارے یہاں ناٹک اور ڈراموں کو وہ حیثیت نہیں دی جاتی۔ جو دوسرے ترقی یافتہ ملکوں میں انہیں حاصل ہے۔ آنے والے زمانہ میں

جب ناٹک کو وہ بلند مقام مل سکے گا۔ اردو کے اس پہلے ڈرامہ نگار کا نام بھی عزت کے ساتھ لیا جائیگا۔ جب لکھنؤ میں شاعری میں ایک قسم کا زوال آرہا تھا۔ دہلی میں امن قائم ہو جانے سے اس کا بازار پھر گرم ہونے لگا۔ چنانچہ اس عہد میں اردو شاعری کا وہ روشن ستارہ بھی چمکا۔ جس کی چمک دمک اب تک برابر بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔ غالب کے نام سے کون ناواقف ہوگا۔ اپنے زمانے میں تو اس بڑے شاعر کی اتنی قدر نہ ہوسکی۔ جس کا وہ حقدار تھا۔ لیکن بعد کے لوگوں نے دل کھول کر اس کے کلام کی داد دی۔ اس سے بڑھ کر کسی شاعر کی اور کیا عزت افزائی ہوسکتی ہے۔ کہ غالب کے مختصر سے دیوان کا ایک خوبصورت اور باتصویر ایڈیشن مرقع چغتائی کے نام سے چھپ کر ایک ہزار روپیہ فی نسخہ کے حساب سے ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ غالب اردو کا فلسفی شاعر ہوا ہے۔ اس کے کلام میں دل کی واردات جذبات خیالات اور فلسفے کا ایک عجیب ملاپ نظر آتا ہے۔ وہ نئے نئے مضامین سوچتا ہے۔ انہیں نئے ڈھنگ سے باندھتا ہے۔ اس کا خیال اتنا اونچا اڑتا ہے۔ کہ بعض اوقات اس کے شعروں کو پڑھنے والا وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور تھک کر پہلے ہی بے دم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم غالب کے ساتھ ساتھ زندگی کی ان راہوں پر چل سکیں۔ ان گہرائیوں میں اتر سکیں۔ اور ان فضاؤں میں اڑ سکیں۔ جن پر شاعر چلتا، اترتا اور اڑتا ہے تو ہمیں ایک نئی دنیا نظر آئے گی۔ بالکل نئی اور انوکھی!

غالب اس نئی دنیا کا خالق ہے۔ اس کے اشعار مشکل ضرور ہیں لیکن جہاں ذہن سوچ بچار کے بعد اُن کی تہ تک پہنچ جائے۔ ایک عجیب لطف دیتے ہیں۔ چند شعر آپ بھی سنئے۔

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج ۔۔۔ مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا ۔۔۔ درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

زندگی اپنی جب اس رنگ سے گزری غالب ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

مومن - ذوق - ظفر اور شاہ نصیر بھی اسی عہد کے شاعر ہوئے ہیں۔ مومن اور ظفر کی غزلوں میں سادگی - صفائی اور جذبات کی بہتات ہے۔ غالب کی سی بلند خیالی نہیں - لیکن روزمرہ اور محاورہ اُن کے کلام کی جان ہے۔ ذوق اور شاہ نصیر کے ہاں اچھے شعر

کم نکل سکتے ہیں۔ بھرتی کے شعر زیادہ ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ ذوق کے کلام میں جو اچھا شعر نکل آئے۔ وہ بھی غضب کا ہوتا ہے۔ مثلاً اُن کے اس شعر پر خود مرزا غالب اکثر سر دھنا کرتے تھے ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

نظیر اکبر آبادی اس زمانے کا ایک ایسا شاعر ہوا ہے۔ جسے اپنے زمانے کے لوگوں نے بالکل نہیں سمجھا۔ چنانچہ اکثر تذکرہ نویسوں نے اُسے شاعروں کی فہرست سے ہی نکال دیا ہے۔ نظیر جیسے بلند پایہ شاعر کی یہ سب سے بڑی توہین ہے۔ اصل میں وہ پہلا ہندوستانی شاعر ہوا ہے۔ جس نے قلی قطب شاہ کے ہندوستانی رنگ کو نمایاں کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ فنی لحاظ سے اس کا کلام بہت زیادہ اونچا نہیں ہے۔ اور شاید اسی لئے بعض لوگوں نے اُسے بازاری شاعر سمجھ کر اُس کا نام لینا بھی گوارا نہیں کیا۔ مگر یہی بازاری پن اُسے خالص ہندوستانی شاعروں کی صف میں ایک ممتاز جگہ پر لاکر کھڑا کرتا ہے، اُس نے اپنے زمانہ کی روش سے ہٹکر ملکی اور مقامی موضوعات پر نظمیں لکھی ہیں، ہندو مسلم تیوہاروں پر دل فریب اور دل کش گیت بنائے ہیں، ہندوستانی موسموں پر خوبصورت اور پُر لطف ترانے الاپے ہیں۔ میلوں ٹھیلوں مزاروں تیوہاروں جلسے جلوسوں، بڑے لوگوں کی برسیوں تاریخی عمارتوں اور دیس کی سندرتا پر اُس کی پیاری پیاری راگنیاں آجتک عوام میں مشہور ہیں۔ نظیر عوام کا شاعر تھا۔ اُس نے عوام کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ اور بالکل اصلی رنگ میں! جدید اردو شاعری جس کا سہرا آزاد اور حالی کے سر ہے، کا موجد در اصل نظیر اکبر آبادی ہی ہے۔ افسوس ہے۔ کہ زمانہ نے اُس کی قدر نہ کی۔ ورنہ اُردو شاعری کا رُخ بہت عرصہ پہلے ایک نئی سمت مڑ چکا ہوتا۔ داغ دہلوی اور امیر لکھنوی قدیم اُردو شاعری کی آخری یادگاریں تھیں۔ اُن کے زمانے میں دہلی اور لکھنؤ کی سلطنتیں مٹ چکی تھیں۔ داغ کو تو حیدرآباد کی ادب پرور سرزمین

نے پناہ دی۔ اور امیر بے چارہ مختلف مقامات کی خاک چھانتا ہوا حیدرآباد میں صرف
ایک قبر کی جگہ حاصل کرنے کے لئے پہنچا۔ بہر حال ان دونوں حضرات نے اپنے قدیم
رنگ کو نبھانے کی کافی کوشش کی۔ داغ کی زبان دلی کی خالص نکھری ہوئی زبان
ہے۔ وہ اپنے کلام میں ایسی اُردو برتنا چاہتے ہیں جس میں فارسی کا رنگ نہ ہو۔
اُن کے خیالات سیدھے سادے اور شوخ و طرار ہیں۔ زبان کی خوبی روزمرہ اور محاوروں
کی ادائیگی اُن کے کلام میں زندگی پیدا کرتی ہے۔ امیر کے کلام میں داغ کی شوخی اور
سادگی نہیں۔ پھر بھی اُن کے شعروں میں زندگی، حرکت، اور درد ہے۔ مثلاً اُن کا یہ شعر عام
طور پر مشہور ہے۔

قریب ہے یارو روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

داغ اور امیر کے بعد جدید شاعری کا دور شروع ہوا۔ جس کی ابتدا حالی اور آزاد
سے ہوئی اور جو اب تک جاری ہے۔ اس دور میں اُردو شاعری کا غزلیاتی نظریہ
بدل گیا۔ اور اس کی جگہ نیچرل رنگ نے لے لی۔ اب عام طور پر نظمیں لکھی جانے لگیں
اور غزلوں میں مسلسل خیالات کی ادائیگی شروع ہوئی۔ آزاد اور حالی اس نئی طرز کے
بانی ہیں۔ آزاد شاعر کی حیثیت سے بہت زیادہ مشہور نہیں ہیں۔ بحیثیت ایک
انشاپرداز ایک عالم اور ماہر تعلیم کے، اُن کا پایہ بہت اونچا ہے۔ حالی اچھے شاعر بھی
تھے اور اچھے نثر نویس بھی۔ انہوں نے سب سے پہلے انگریزی سے اثر لے کر اُردو
شاعری میں نیچرل نظموں کی ابتدا کی۔ اور اس رنگ کو اتنا کامیاب بنایا۔ کہ اب تک اس
نے مختلف روپ بدلے ہیں۔ حالی اور آزاد کے بعد اقبال۔ چکبست۔ اکبر الہ آبادی
جوش ملیح آبادی، حفیظ جالندھری اور تلوک چند محروم نے اس رنگ کو ترقی دی۔ اور
اُردو شاعری کو گوناگوں نئی نئی ڈنڈیوں پر ڈال دیا۔ جن میں بہت سی منجھ کر اتنی
صاف ہموار اور چوڑی ہو گئی ہیں۔ کہ ہمارے شاعروں کی نئی پود نے آنکھیں بند کر کے
اُن پر چلنا شروع کر دیا ہے۔ بہت سی راہیں مقبول نہیں ہو سکیں۔ جدید شاعری

پر سب سے زیادہ اثر اقبال نے ڈالا۔ وہ ایک وطن پرست شاعر کی حیثیت سے میدان میں آیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی فکر اور نظر کا مقام اتنا بلند ہو گیا۔ کہ پورے مشرق پر ایک بادل بن کر چھا گیا۔ اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ جب وہ اپریل ۱۹۳۸ء میں فوت ہوا۔ تو یورپ اور پچھم میں ایک بلند پایہ انسانی شاعر کی حیثیت سے وہ عام طور پر مشہور ہو چکا تھا۔ اقبال کا پیغام تمام دنیا کے انسانوں کے لئے ہے۔ وہ ساری دنیا کے غلاموں بے کسوں اور مزدوروں کو آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اکثر سرمایہ دارانہ نظام کو دیکھ کر جوش میں آجاتا ہے۔ اور پکار اٹھتا ہے

ابھی تک آدمی صید زبون شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکاری ہے

اقبال نے سب سے پہلے مغربی تہذیب کی خرابیاں لوگوں پر واضح کیں اور نوجوانوں کے دلوں میں جوش، ولولہ، عمل، ایثار اور حرکت کی چنگاری روشن کی۔ اس نے خودی کا فلسفہ بنا کر کمزور سے کمزور دل انسان میں اونچی زندگی کی زبردست خواہش پیدا کر دی۔ اقبال نے یورپ اور پچھم کے داناؤں کے خیالات سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن وہ انسانوں کی بہتری برگساں۔ نطشے۔ شوپنہار۔ مارکس اور ہیگل کے فلسفوں میں نہیں دیکھتا۔ بلکہ وہ رومی، عطار اور بھرتری ہری کے کلام میں زندگی کا حسن ڈھونڈتا ہے۔ اسی لئے اس کا فلسفہ زندہ ہے۔ اور وہ زندگی کی بلندی پر پہنچ کر بھی ایشیا اور بالخصوص اپنے جنم بھومی بھارت ورش کو نہیں بھولتا۔ اس کے سامنے سورج کی ایک کرن بھی بے اختیار ہو کر پکار اٹھتی ہے

چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
جبتک نہ اٹھیں خاک سے مردانِ گراں خواب

اکبر الٰہ آبادی نے حالی کی طرح گزری ہوئی قومی عظمت کا رونا رویا ہے۔ اور اپنے دلکش انداز اور ہنسنے ہنسانے والی طبیعت سے نئی تہذیب پر بعض کامیاب چوٹیں کی ہیں۔ لیکن اُن کے بعد یہ رنگ نبھ نہیں سکا۔

چکبست ایک جوان اور بلند ہمت شاعر تھا۔ وہ خالص وطن پرست تھا۔ اُس نے اپنی بلند پایہ نظموں سے دیس کے کونے کونے میں وطن پرستی کی ایک لہر پیدا کردی۔ اُس میں جوش ہمت اور خلوص تھا۔ افسوس ہے کہ عمر نے وفا نہ کی۔ ورنہ بہت ممکن ہے، چکبست ہماری شاعری کا رُخ ہمیشہ کے لئے وطنیت کی طرف پھیر دیتا۔ جوش ملیح آبادی شاعر انقلاب ہے۔ وہ مزدوروں کو سرمایہ داروں کے خلاف اُکساتا ہے۔ اور چیخ چیخ کر انقلاب کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ جوش کے کلام میں روانی اور زور کا یہ عالم ہے۔ کہ ایک طوفان چڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ حفیظ جالندھری نے شاہنامہ اسلام لکھ کر ایک تاریخی اور اسلامی خدمت انجام دی ہے۔ لیکن حفیظ کی شاعری کا کمال شاہنامے میں نہیں۔ بلکہ اُس کی غزلوں اور نظموں میں ہے۔ اُس نے نظیر اکبر آبادی کی طرح ہندوستانی موسموں رنگوں۔ مناظر اور مشاہیر کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔ ہندی بحریں اور بھاشا کے دل کش وزن سے کر انہیں راگ میں ڈھالنا حفیظ کی فن کاری کا کمال ہے۔ اُس کے بول رسیلے اور مدھ بھرے ہوتے ہیں۔ اور اُن میں خالص ہندوستانی تہذیب اور بھارت ورش کی روح دھڑکتی ہے۔

تلوک چند محروم قدرتی مناظر کی تصویرکشی بہت اچھی کرتا ہے۔ لیکن اس میں شعریت کا عنصر بہت کم ہوتا ہے۔ آجکل اردو شاعری میں بعض نوجوان نئی نئی راہیں پیدا کر رہے ہیں۔ نئے خیالات کے ان نمائندوں میں اختر شیرانی۔ ساغر نظامی۔ اختر انصاری جگر مراد آبادی اور فراق گورکھ پوری قابل ذکر ہیں۔

اختر شیرانی خالص رومانی شاعر ہے۔ وہ عشق و محبت کے نغموں کو جذبات کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب کر گنگناتا ہے۔ اور موسیقی اور ترنم سے ایک مدہوش کیفیت پیدا کردیتا ہے۔ ساغر نظامی بھی رومانیت سے متاثر ہے۔ لیکن وہ کبھی کبھی دبی زبان سے انقلاب کا نعرہ بھی لگا دیتا ہے۔ اختر انصاری کی شاعری ذاتی اور انفرادی جذبات کی ترجمان ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی اپنی زندگی بے انتہا ناکام مایوس اور دُکھ بھری ہے۔ یہی ناکام کہانیاں وہ دوسروں کو سناتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی اپنی ناکامیوں سے تنگ

آکر وُہ اِدھر اُدھر چیزوں پر بھی نظر ڈال لیتا ہے۔ اور اُس سارے سرمایہ دارانہ نظام کو جس نے ادنیٰ اور متوسط طبقہ کے لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے، گھور گھور کر دیکھتا ہے اُس وقت وُہ جوش میں آجاتا ہے۔ اور موجودہ تہذیب کے پکے ہوئے پھوڑے میں نشتر چبھو لیتا ہے۔ جگرؔ ایک غنائی شاعر ہے۔ اُس کے کلام میں درد، سوز، سرمستی، رنگینی، لوچ اور نغمے کے دھارے اُبلتے نظر آتے ہیں۔ اُس نے انسانی خوشیوں کی مٹی کو آنسوؤں کے پانی سے گوندھ کر زندگی کا ایک ایسا بُت تیار کیا ہے جس میں دلکشی بھی ہے۔ خوبصورتی اور سڈول پن بھی!

فراقؔ گورکھپوری نے غزل کے میدان کو اتنا وسیع کر لیا ہے، کہ اُس میں وُہ ہماری موجودہ زندگی کی ناکامیوں مایوسیوں خوشیوں حادثوں اور واردات کو بڑے اطمینان سے جھوم جھوم کر گا سکتا ہے۔ اُس کے کلام میں زندگی بھی ہے۔ اور راگ بھی! وُہ آگ اور پانی کو سمو کر ایک ایسا شیشہ تیار کر لیتا ہے، جو ایک ہی وقت میں زندگی کی تلخیاں اور سچی خوشیاں بھی دکھاتا ہے۔ اور اس میں ہمیں قدرتی اور اصلی خوبصورتی کی ایک جھلک بھی نظر آتی ہے، جس سے ہمارے اندرونی جذبات تسلّی پا جاتے ہیں +

نذیر احمد خان

طریقۂ تعلیم

(۲)

طریقۂ تعلیم کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے۔ تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ جہاں ہمارے تعلیمی مقاصد بدلتے رہے۔ وہاں ہمارے طریقوں میں بھی تبدیلی پیدا ہوتی رہی ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ مقاصد کی روشنی میں ہم نے اپنے طریقوں کو بدلا۔ بلکہ طریقۂ تعلیم پر علم نفسیات نے بھی گہرا اثر ڈالا۔ اور ہم نے کئی طریقے علم نفسیات ہی کی مدد سے ترتیب دیئے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے "طریقہ تعلیم سے کیا مراد ہے؟" اور تعلیم میں اسے اس قدر اہمیت کیوں دی جاتی ہے؟

لفظ طریقۂ تعلیم انگریزی میں میتھڈ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مگر کئی ماہرین تعلیم نے میتھڈ کی بجائے پلین اور سسٹم کا نام استعمال کیا ہے۔ اور وہ بیک جد یہ طریقہ کو پیش کرنے کے لئے پلین اور سسٹم کے لفظ کو میتھڈ کی بجائے استعمال کر دیتے ہیں۔ مگر جب میتھڈ کے ساتھ ہم لفظ جنرل کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ تو استاد اور بھی پریشان ہو جاتا ہے۔ میتھڈ کا استعمال ہم روزمرہ کرتے ہیں۔ ایک جج جب تعزیرات ہند کے ماتحت کسی شخص کو مجرم گردانتا ہے۔ تو مجرم قرار دینے سے پہلے وہ شہادتیں قلمبند کرتا ہے۔ دستاویزوں کی صداقت کو پرکھتا ہے۔ معاملہ کو سمجھنے کے لئے وکیلوں کے لئے جرح کی اجازت دیتا ہے۔ ملزم کو صفائی کا موقعہ بہم پہنچاتا ہے۔ بحث کا موقع مہیا کیا جاتا ہے۔ تب جا کر کہیں جج ملزم کی نیت اور اعمال کی قانونی دفعہ کے مطابق

پر کھتا ہے۔ اور فیصلہ دیتا ہے کہ ملزم قابل سزا ہے۔ جج نے یہ تمام کام کسی ضابطہ کے مطابق سرانجام دیا ہے۔ تاکہ وہ مقصد کو درست طور پر حاصل کر سکے۔

اسی طرح ڈاکٹر بھی کسی بیماری کی تشخیص میں مریض کے تمام و بائی آثار کا موازنہ کرتا ہے۔ اور تب اپنی رائے قائم کرتا ہے۔ کہ مریض فلاں مرض کا شکار ہے۔ ان مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ طریقہ کا تعلق مقصد کے ساتھ ہے۔ ہم اپنے مقام آغاز سے لیکر مقصد کے حصول کے لئے جو وسائل اختیار کرتے ہیں وہ طریقہ کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔

ان وسائل کا جاننا استاد کے لئے اس لئے ضروری ہے۔ کہ اگر ہم طریقہ سے واقف نہیں ہوں گے۔ تو مقصد کے حصول میں بھٹکتے پھریں گے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ فائدہ کی بجائے نقصان ہو جائے۔ طریقہ تعلیم کے ماتحت ہمارا کام زیادہ موثر ہو گا۔ اور استاد کو کفایت کا بھی خیال ہو گا۔ مگر وہ شخص جو طریقہ تعلیم سے واقف نہیں ہو گا۔ اس کے کام میں شاید کفایت کا پہلو مفقود ہو۔

جہاں یہ بات واضح ہو گئی ہے۔ کہ طریقہ تعلیم کا تعلق مقصد کے ساتھ ہے۔ وہاں یہ چیز بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ استاد کو طریقہ کا غلام نہیں بننا چاہیئے۔ طریقہ تعلیم استاد کیلئے ہے۔ نہ کہ استاد طریقہ تعلیم کے لئے۔ یہ غلامی تعلیم میں بناوٹ کا پہلو پیدا کرتی ہے۔ اور یہ تصنع تعلیم کو غیر موثر بنا دیتا ہے۔ ہمیں طریقہ تعلیم کو موقعہ کے مطابق استعمال کرنا چاہیئے۔ اور اس کو مقصد کے مطابق بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے +

پنڈت رگھوناتھ منٹو

مدرسے کا عجائب گھر

معائنوں کے دوران میں ایک دیہاتی اسکول کے ماسٹر صاحب سے جب کہا گیا کہ فلاں کمرے میں ایک سکول میوزیم سجایا جائے۔ تو انہوں نے مجھ سے سوال کیا تھا۔ کہ اس میں کون کون سی چیزیں رکھنا ہوتی ہیں۔ اس لئے میں اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ بڑے بڑے کارخانوں اور فیکٹریوں کے ساتھ عموماً ایک شوروم سجایا جاتا ہے۔ جو ہر لحاظ سے صاف ستھرا اور آراستہ ہوتا ہے۔ یہ اس کارخانے یا فیکٹری کے لئے پروپیگنڈا کا باعث بن جاتا ہے۔ اس میں ان تمام چیزوں کے نمونے سلسلہ وار اور ترتیب وار سجائے جاتے ہیں۔ جو ان کارخانوں میں بنائے جاتے ہیں یا فروخت کے لئے جمع ہوتے ہیں گاہک اس شوروم کا سرسری ملاحظہ کرنے سے اس کارخانے کے متعلق پوری رائے اپنے ذہن میں قائم کر سکتے ہیں۔ دراصل تجارت کو کامیاب بنانے کا اصلی گر یہی ہوتا ہے جو ہم ہندوستانی نہیں جانتے۔ یورپ کے تمام ملکوں میں ہر چھوٹے بڑے کارخانے کے ساتھ اس قسم کا شوروم ضرور موجود ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کارخانے بھی اس قسم کے شوروم آراستہ کر سکتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جن بڑی بڑی دکانوں میں بے شمار اقسام کا سامان پڑا ہوتا ہے۔ اور جہاں گاہکوں کے ا

آنے اور باہر جانے کے لئے راستہ بمشکل مل سکتا ہے۔ وہاں دکانوں کے مالکوں نے اپنی اپنی دکانات کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کمرے شو روم کے نام سے سجائے ہیں جن میں ان تمام چیزوں کا ایک ایک نمونہ رکھ لیا ہوتا ہے۔ جو ان دکانوں سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ جہاں تک اسکولوں کا تعلق ہے وہاں پر بھی اسی طرح ہر سکول کے ساتھ ایک ایک شو روم کا ہونا ضروری ہے۔ اسے شو روم کہیئے یا مدرسے کا عجائب گھر کہیئے۔ یا سکول میوزیم کے نام سے پکاریں ایک ہی بات ہے۔ یہ تینوں نام اس کے لئے عام ہیں اور موزوں ہو سکتے ہیں۔ اول تو شو روم کا ملاحظہ کرنے سے سکول کے ان تمام مشاغل کا فوراً پتہ چل سکے گا جو وہاں پر کرائے جاتے ہوں۔ دوسرا نئے آنے والے طلباء کے لئے تعلیمی شوق پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ تیسرا یہ کہ ان تمام بچوں کا حوصلہ بڑھے گا جنہوں نے اپنے ہاتھ سے بنی ہوئی چیزیں دیکھنے والوں کے ملاحظہ کے لئے یا ان کے جی دل لبھانے کیلئے سجائی ہوں۔ اور ان سے داد اور تحسین سننے کے منتظر ہوں اس لئے جو بھی چیزیں اس میں رکھی جائیں۔ ان پر سکول کے نام اور طالب علم کے نام اور جماعت کا لیبل ضرور چسپاں ہونا چاہیئے۔ یہ تمام چیزیں آنے والے مدرسین کے لئے (teaching aids) کا کام دے سکتی ہیں۔ ان کی مدد سے ان کے طریقہ تعلیم اور اسباق کے پیش کرنے میں استادوں کو کافی سہولتیں مل سکتی ہیں۔ اسباق ملموس بن سکتے ہیں۔ بچوں میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ انہیں نشست و برخاست، سجاوٹ کی عملی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ ذاتی اظہار کا موقعہ بھی ملتا ہے۔ اور تسکین دل بھی حاصل ہوتی ہے۔ لڑکیوں کے نصاب میں آرائش کا مضمون تو پہلے سے ہی داخل ہے

ہر استاد کا فرض ہوگا کہ وہ ہر مہینے اس عجائب گھر کو مالا مال بنانے کی کوشش کرتا رہے۔ یہ چیزیں کچھ تو بازار سے خریدی جا سکتی ہیں۔ اور کچھ خود بنائی جائیں گی۔ ان میں استادوں اور طلباء دونوں کا مساوی طور پر ہاتھ ہوگا۔ اب بعض استاد کہیں گے کہ ہمارے اسکولوں میں بیٹھنے کے لئے جگہ نہیں۔ تو شو روم کے لئے کمرہ کہاں سے لائیں۔ ان کا کہنا صحیح ہے۔ لیکن اگر وہ چاہیں۔ تو کمرہ جماعت کی دیواروں اور طاقچوں سے بھی شو روم کا کام لے سکتے ہیں۔ اور

جہاں گنجائش ہو۔ وہاں اس کام کے لئے الگ کمرہ سجایا جا سکتا ہے۔ یا ہر دس اسکولوں کے لئے ایک مرکزی شو روم ایسے مدرسے میں سجایا جائے۔ جہاں ہر مکانیت زیادہ ہو۔ جو برلب سڑک واقع ہو۔ اور جہاں پر آسانی کے ساتھ ملحقہ مقامات کے لوگوں کی آمد و رفت رہ سکتی ہو۔ مرکزی اسکول کے شو روم میں اردگرد کے سکولوں کی چیزیں سلسلہ وار سجائی جاسکتی ہیں۔ اس لئے ہر اسکول کو ظاہر کرنے کے لئے چیزوں پر لیبل لگانا ضروری ہوگا۔ شو روم ایسا ہونا چاہیئے جس کے دیکھنے سے بچوں، بالغوں اور ملاحظہ کرنے والوں کے معلومات عامہ میں اضافہ ہو سکے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو اس کمرے کا اکثر موقعوں پر مشاہدہ کرانا چاہیئے۔ کیونکہ ان چیزوں کا مشاہدہ ان کے لئے عملی تعلیم سے کچھ کم ثابت نہ ہوگا۔

مندرجہ ذیل چیزیں مدرسے کے عجائب خانہ میں آراستہ کی جاسکتی ہیں:۔

نقشہ جات | مدرسے کا نقشہ۔ گاؤں کا نقشہ، اپنے صوبے کا نقشہ۔ نقشہ ہندوستان۔ نقشہ دنیا۔ ہر بر اعظم کا نقشہ۔ گلوب۔ یہ چیزیں دیواروں پر لٹکائی جاسکتی ہیں۔ ورنہ نقشوں کی عدم موجودگی میں اس قسم کے چھوٹے چھوٹے نقشے کمرے کی دیواروں پر بھی بنائے جاسکتے ہیں۔

مٹی کا کام | جو بچوں نے کیا ہو۔ یا جس میں استادوں کا بھی ہاتھ رہا ہو مثلاً سبزیات۔ میوہ جات کے نمونے۔ حروف ابجد۔ گنتی کے ہندسے۔ مٹی کے گول دانے۔ مٹی کا مستطیل۔ مربع۔ کرہ۔ نصف کرہ مکعب۔ مکعب نما۔ مخروط۔ گولا۔ مٹی کے ریلیف نقشے۔ (مثلاً پنجاب کشمیر۔ ہندوستان) مٹی کا ایک ریلیف نقشہ ایسا ہو جس میں ندی۔ دریا سنگم جھیل۔ جزیرہ۔ پہاڑ۔ پہاڑی بستی۔ جنگل۔ گاؤں، سڑک، گاؤں کا مدرسہ گاؤں کا چشمہ۔ کنوئیں وغیرہ وغیرہ دکھائے گئے ہوں۔

تعلیمی امدادی رسالہ | جو استادوں نے چارٹوں یا چھوٹی چھوٹی کتابوں کے ذریعے تیار کرلیا ہو۔ جن میں دو حرفی۔ سہ حرفی۔ چہار حرفی

مرکبات۔ چھوٹی چھوٹی نظمیں جو طلبہ کی عمروں کے مطابق جمع کی گئی ہوں۔ اور خوش خط لکھی گئی ہوں۔ کہانیاں جو طلبہ نے شائع کی ہوں۔ اور استادوں نے ان کو درست کرکے چارٹوں پر مع تصاویر کے لکھا ہو۔ مکالمے۔ اور ڈرامے مختلف ممالک کے لوگوں کے تاریخی۔ اور جغرافیائی حالات کو آسان اور عام فہم زبان میں لکھنا۔ عام سبق زبان۔ ان کی غلطیاں۔ وجوہات۔ اور ان کے انسداد کے بارے میں لکھنا۔ حفظان صحت کے اصول۔ تصاویر کے ذریعہ بیماریوں سے بچنے کا تصور۔ دواؤں کے بڑے فرق کو ... ذریعہ تصاویر جسم انسانی کی تصویریں جن میں رگوں۔ پٹھوں۔ ہڈیوں وغیرہ کا نقشہ دکھایا گیا ہو۔ اور معدہ جگر۔ پھیپھڑے۔ دل۔ گردے۔ مغز اور دیگر اندرونی قوائے دکھائے گئے ہوں۔

تصاویر

قدرت کے مناظر۔ عام حیوانات، پرندوں، درندوں سبزیات، میوہ جات۔ اناجوں۔ پھولوں۔ پھلوں کی تصاویر۔ دنیا کے مختلف مقامات کے باشندوں اور ان کی پوشاکوں کی تصویریں۔ بڑے بڑے سیاسی لیڈروں۔ مذہبی پیشواؤں اور رہنماؤں سائنس دانوں اور مشہور حکمرانوں کی تصویریں۔ مندروں۔ ریل کے اسٹیشنوں۔ تاریخی مقامات کی تصویریں۔ اس قسم کی تصویریں وقتاً فوقتاً اخباروں، رسالوں، پرانی اور نئی کتابوں سے فراہم کی جاسکتی ہیں۔ یا ان میں سے کسی تصویر کے عکس لئے جاسکتے ہیں۔ یا جن بچوں میں آرٹ کا شوق ہو۔ وہ ہاتھ سے بھی اس قسم کی تصویریں فرصت کے لمحوں میں کھینچ سکتے ہیں۔

بچوں کے دستی کام اور مشاغل

حرفت کا کام مثلاً کتائی کا کام۔ گتے۔ لکڑی رفوگری۔ سلائی۔ جلد سازی۔ سوزن کاری موزے، جرابیں بننے کے کام کے نمونے الگ الگ سجا کر رکھے جائیں۔ جس میں

صابن سازی۔ خوشبو دار تیل بنانے۔ پالش بنانے۔ اچار اور مربے ڈالنے۔ سیاہی بنانے دانتوں کے منجن بنانے کے نمونے بھی موجود ہوں۔ ان چیزوں کے نسخے اور بنانے کی ترکیبیں ہر چیز کے ساتھ خوشخط لکھی ہوئی چاہئیں۔ سامان حرفہ اور کئے ہوئے کام کا نمونہ بھی برائے مشاہدہ سجا کر رکھا جائے۔

۸ - بچوں نے سیر و تفریح بالتعلیمی سیروں اور [illegible] کے ذریعہ جو چیزیں جمع کرلی ہوں۔

پھولوں ان کے پتوں۔ میوہ دار اور بے میوہ درختوں۔ اناجوں۔ سبزیات اور جنگلی جڑی بوٹیوں کے پتوں کے نمونے جمع کرکے ان کے البم بنائے ہوں جن کے نیچے ان چیزوں کے متعلق کیفیت اور ان کے نام بچوں نے درج کئے ہوں۔ پرندوں کے گھونسلے مختلف پرندوں کے انڈے۔ مختلف رنگوں کے پتھروں کے نمونے۔ مٹیوں کے اقسام کھادوں کے اقسام۔ بعض سالم پودوں کے نمونے جنمیں جڑ، پتے، پھول، ڈوڈے پھل وغیرہ لگے ہوں۔ مختلف لکڑیوں کی اقسام۔ لفافوں۔ پوسٹ کارڈوں۔ ٹکٹوں اسٹامپوں۔ مختلف زمانے کے سکوں۔ کاغذوں، قلموں پرندوں کے پروں کے نمونے۔ جنگل اور جھیلوں کی تفصیلیں۔ مختلف قسم کی دالوں کے نمونے۔ سبزیوں اناجوں۔ پھولوں اور میوہ جات کے بیجوں اور گٹھلیوں کے اصلی نمونے۔

بچوں کے اظہاری کام مثلاً ڈرائنگ کا کام۔ کمپوزیشن ورک۔ خوشخطی، املا نویسی کے نمونے۔ نقشہ کا پیمائش کوئی اور چیز جو بچوں نے بنائی ہو یا دریافت کی ہو۔ خطوط اور درخواستوں کے نمونے جو بچوں نے طبع کئے ہوں۔

پروجکٹ جو طلبہ نے بنائے ہوں۔ اور جن کے ساتھ تحریری طور پر ہر مضمون کے متعلق کیفیت درج ہو۔ مثلاً چٹائی بنانے کا پروجکٹ۔ چٹائیاں بنانے کی ضرورت کیسے محسوس ہوئی۔ اس کے متعلق سامان۔ سامان کی بہم رسانی۔ بچوں نے اس

کے ذریعے زبان دانی۔ حساب۔ سوشل سٹڈیز۔ جنرل سائنس اور ڈرائنگ کے متعلق کون کون سی باتیں سیکھیں۔ یہ تمام باتیں بنی ہوئی چیزوں کے ساتھ بچوں سے لکھوا کر کسی کاپی بک پر درج ہوں گی۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر پروجیکٹس کا کام ہوگا

جماعتوار سلیبس کی نقلیں جو ماہواری اور ہفتہ وار واری یونٹس میں بانٹی گئی ہوں۔

استادوں کی ڈائریاں جن سے پتہ چلے کہ کس استاد نے کس دن کون سی بات بچوں کو پڑھائی ہے۔ اور پڑھانے کے دوران میں کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

فسٹ ایڈ پوٹاشیم پرمگنیٹ ٹنکچر آیوڈین۔ آنکھوں کے لوشن۔ صابن۔ اور چند ضروری ادویات کے نمونے برائے مشاہدہ و استعمال موجود رکھنے چاہئیں اس کے علاوہ لوکل جڑی بوٹیوں کے نمونے۔ جو دیہاتی لوگ فوری علاج کے سلسلہ میں مختلف بیماریوں کے لئے استعمال کرتے ہوں۔

مختلف قسم کے مکانوں کے نمونے حیوانات اور پرندوں کے چھوٹے چھوٹے مٹی یا روئی سے بنے ہوئے نمونے۔ میوہ جات اور سبزیوں کے اصلی نمونے۔ مختلف رنگوں کے نمونے لوکل کارخانوں میں جو چیزیں کاریگروں نے بنائی ہوں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے نمونے۔ مصالحہ جات کے نمونے۔ تخمینہ جات وغیرہ۔

کاغذ کی کٹائی کے نمونے کاغذی پھول۔ کاغذ کے کھلونے۔ ریل۔ موٹر۔ تانگہ بائیسکل کے چھوٹے چھوٹے مٹی یا روئی سے بنے ہوئے نمونے۔ میوہ جات اور سبزیوں

کے اصلی نمونے۔ مختلف رنگوں کے نمونے۔ لوکل کارخانوں میں جو چیزیں کاریگروں نے بنائی ہوں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے نمونے۔ مصالحہ جات کے نمونے۔ تمغنیہ جات وغیرہ۔

کاغذ کی کٹائی کے نمونے | کاغذی پھول۔ کاغذ کے کھلونے۔ ریل۔ موٹر۔ ٹانگہ یا بائیسکل کے چھوٹے چھوٹے نمونے جو بچوں اور مدرسوں نے کاغذ اور لکڑی کے ٹکڑوں سے بنائے ہوں یا دکانوں سے خریدی ہوں۔ دھوپ گھڑی ٹیلیفون وغیرہ کے نمونے۔ کیلنڈر کا ایک نمونہ۔

چارٹ اور گراف - جو بچوں کی صحت۔ حاضری اور غیر حاضری کو ظاہر کرتے ہوں اور جو مندرجہ ذیل باتوں کو ظاہر کرتے ہوں۔

مثلاً تعداد کی کمی و زیادتی۔ کمزور طلباء کی رفتار۔ انفرادی و اجتماعی تعلیمی اور حرفتی کی رفتار۔ ہر طالب علم کے متعلق انفرادی ریکارڈ۔ اس کا چال چلن۔ کام اور اس کے امتحانات۔ کس مضمون میں وہ کم اصلاحیت رکھتا ہے۔ کس میں زیادہ۔ کن چیزوں سے نفرت کرتا ہے۔ اس قسم کا ریکارڈ ہر بچے کے متعلق پہلی سے لے کر پانچویں جماعت پاس کرنے تک موجود رکھا جائے۔ قد کے چارٹ۔ مانیٹروں کی فہرست۔ ذمہ دارانہ کام جو طلباء کے سپرد کئے گئے ہوں۔ مدرسے کی انجمنیں اور ان کے ممبر انجمن انتظامیہ۔ انجمن کھیل۔ حاضری وصفائی۔ خوشخطی کے آنر جھنڈے گاؤں کی وجہ تسمیہ۔ گاؤں کی سروے۔ رپورٹ۔ آفس کے متعلق ضروری باتیں۔ ٹائم ٹیبل۔ تقسیم اوقات۔ سرکلرات کا فائل۔ رجسٹرات کی فہرستیں سامان مدرسہ کی فہرست وغیرہ۔

آخر میں میں التماس کرتا ہوں کہ اگرچہ یہ فہرست جو اوپر دکھائی گئی ہے

دیکھنے میں لمبی چوڑی معلوم کرتی ہے۔ لیکن کارکن۔ اور کام کے شوقین استادوں کے لئے یہ ایک بالکل ہی چھوٹا کام ہے۔ وہ مل کر اپنی اپج سے اس میں اضافہ بھی کر سکتے ہیں۔ اس کام سے ان کے روزانہ کام میں کافی آسانی ہوگی۔ اگرچہ ابتدا میں یہ کام مشکل نظر آئے گا۔ لیکن بعد میں کافی پر لطف ثابت ہوگا۔

ایم۔اے۔عزیز

ایکٹوڈی سکول

گذشتہ سات سال سے ریاست جموں وکشمیر میں بنیادی تعلیم سکیم رائج ہو چکی ہے۔ اور اس سلسلے میں ہر سال متعدد بیسک سکول جاری کئے جاتے ہیں۔ ریاست کے ماہرین تعلیم نے جس خوش اسلوبی سے ان سکولوں کو چلایا اور جس قابلیت سے اس سکیم کو اپنایا ہے وہ ہندوستان کے چوٹی کے لوگوں سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ لیکن سارجنٹ سکیم کی طرح بیسک تعلیمی سکیم کو چلانے کے لئے بھی بہت سے روپے کی ضرورت ہے۔ اور جب تک ملک کے ذرائع آمدنی انڈسٹری کے ذریعہ زیادہ نہ کئے جائیں۔ کوئی تعلیمی یا دوسری سکیم جس پر کافی روپیہ صرف ہوتا ہو قابل عمل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ریاست کے ماہرین تعلیم نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ ابھی جسقدر بیسک سکول جاری ہو چکے ہیں۔ اُن کے کام اور ترقی کو بغور دیکھا جائے۔ اور فی الحال مزید توسیع کی بجائے انہی سکولوں کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی جائے۔ تاکہ ان سے ملک کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو سکے۔

لیکن اس سے یہ اندازہ لگانا کہ بنیادی تعلیم ختم ہو چکی ہے، قطعاً غلط ہوگا۔ بنیادی تعلیم جب تک بنی نوع انسان نے تعلیم حاصل کرنا ہے ختم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ قدرتی اصولوں پر مبنی ہے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ اسے صرف نئے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ورنہ جب سے دنیا میں تعلیم کا کام شروع ہوا۔ بنیادی تعلیم کے اصولوں پر ہی ہو سکا۔ اور جب بھی کسی نے اصولوں سے انحراف کیا

تو تعلیم تعلیم نہ رہی۔ بلکہ طوطے کی طرح رٹنا رہ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب ریاست میں بیسک سکولوں کی بجائے ایکٹیویٹی سکول جاری کئے جا رہے ہیں۔ جو انہی اصولوں پر چلائے جائیں گے جن پر بیسک سکول چل رہے ہیں۔ البتہ ان کا مرکز صرف حرفہ تک محدود نہ ہوگا بلکہ اس کے علاوہ کوئی مشغلہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور ان میں بھی اسی طرح تعلیم بذریعہ عمل دی جائے گی جس طرح بیسک سکولوں میں دی جا رہی ہے۔ فرق اتنا ہوگا کہ بیسک سکولوں کی نسبت ان سکولوں پر خرچ کم ہوگا۔ جو ملک کے حالات کے پیش نظر ضروری سمجھا گیا ہے کیونکہ حکومت کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ یا نئے بیسک سکول جاری کئے جاتے یا نئے پرائمری سکول کھولے جاتے۔ سکیم کے بڑھتے ہوئے اخراجات کی وجہ سے دونوں قسم کے سکولوں کے بوجھ کا متحمل ہونا مشکل تھا۔ اس لئے یہی بات کو بہتر سمجھا گیا کہ نئے سکول تو ضرور جاری کئے جائیں۔ تاکہ اس بیداری کے زمانہ میں اُن لوگوں کو تعلیم سے محروم نہ کیا جائے جن میں اس کا نیا نیا شوق پیدا ہو رہا ہے۔ اور بیسک سکول کھولنے کی بجائے انہی نئے سکولوں کو ”ایکٹیویٹی سکول“ قرار دیا گیا ہے تاکہ تھوڑے خرچ پر بنیادی تعلیم کے اصولوں کو عام کیا جائے۔ اور تعلیم بذریعہ عمل سے بچوں میں قوتِ عمل، مضبوط ارادہ، قوتِ فیصلہ اور سوچ بچار کی طاقتیں ابھاری جائیں۔ گویا اب نہ صرف بیسک سکولوں میں بچے خوش و خرم نظر آئیں گے۔ بلکہ عام سکولوں میں بھی ایسے معیار پر کام کیا جائے گا۔ کہ بچوں میں خوشی خوشی تعلیم حاصل کرنے اور مختلف منصوبوں کو بطریق احسن سرانجام دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ اچھے اصولوں کو جب تک ملک میں عام نہ کیا جائے خاطر خواہ نتائج پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اُن اساتذہ سے جو ایکٹیویٹی سکولوں میں کام کریں گے یہ پُرزور التماس ہے۔ کہ وہ اس نئے تجربے کو اپنے جوشِ عمل، قابلیت اور تدبر سے کامیاب بنائیں۔ محکمہ تعلیم نے ان سکولوں کے متعلق ایک سکیم منظوری کے لئے گورنمنٹ کے پاس بھیجی ہے۔ اور جب حکومت اس تجویز کو منظور کرے۔ اساتذہ کا فرض ہوگا۔ کہ وہ ان سکولوں کو کامیاب بنانے میں ہمہ تن مصروف ہو جائیں۔

شیخ برکت اللہ

حساب کی تعلیم
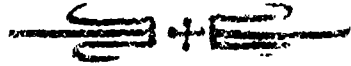
حساب علم بھی ہے اور فن بھی۔ علم اس وجہ سے کہ اس میں اُن اُصولوں پر بحث ہوتی ہے جن پر اعداد کے قاعدے مبنی ہیں۔ اور فن اس وجہ سے کہ یہ شمار اور گنتی کے قاعدے سکھاتا ہے۔ لیکن حساب کی تعلیم صرف عدد کے جاننے اور برتنے پر ختم نہیں ہوتی۔ اس کو زندگی کی ضرورتوں سے گہرا تعلق ہے۔ چونکہ ہر ایک شخص کو دنیا میں تھوڑا بہت لین دین کرنا پڑتا ہے۔ اور لین دین میں جمع۔ تفریق۔ ضرب۔ تقسیم اور سکوں و وزنوں وغیرہ کی واقفیت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ طلبہ میں صحیح سوچنے کی عادت ڈالنے اور ان کے قوتِ حافظہ اور قوتِ استدلال بڑھانے کے لئے ایسے قاعدے بھی سکھائے جاتے ہیں جن سے عملی زندگی میں شاذ و نادر ہی کام پڑتا ہے۔ اس لئے حساب سکھانے میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ذیل کے اُصولوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

۱۔ مفروضے سے مجرد کی طرف چلو۔ کسی ہندسے کا تصور دینے کے لئے مفروضہ اشیاء مثلاً پانچ کا تصور دینے کے لئے پانچ تیلیاں۔ پانچ گولیاں۔ پانچ کتابیں۔ پانچ انگلیاں۔ پانچ آدمی وغیرہ بتاکر پھر پانچ بتانا چاہئیے۔ یعنی بچہ چیزوں سے تعلق دے کر مجرد اعداد کو سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے مدرس کو قرأت، کتابت اعداد، پہاڑے یا کوئی اور مشکل بات سکھاتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئیے۔ کہ مفروضے سے مجرد

کی طرف چلتے ہوئے تین زینے طے کرے۔

الف۔ جبکہ اصلی چیز کمرۂ جماعت میں موجود ہو۔ مثلاً پانچ گولیاں۔ تیلیاں وغیرہ۔

ب۔ جب کہ اصلی چیز کوئی جماعت میں نہ ہو۔ مثلاً پانچ گھوڑے۔

ج۔ جب کہ بالکل مجرّد اعداد ہوں۔ مثلاً ۲ + ۳ = ۵ جب بچے کو مجرّد اعداد کا تصور ہو جائے تو چیزوں کا استعمال چھوڑ دینا چاہیے۔ ورنہ ترقی رُک جائے گی۔ اس لئے سلیٹوں پر نشان لگوانا اور انگلیوں پر گننا درست نہیں۔

۲۔ معلوم سے نامعلوم کی طرف چلو۔ ایک قاعدہ دوسرے قاعدے کی مدد سے سکھانا چاہیے۔ یعنی مرکب قاعدے سکھاتے وقت مفرد قاعدوں سے مدد لو۔ سود اور نفع و نقصان کا قاعدہ اکائی کے ذریعے سکھایا جائے۔

۳۔ آسان سے مشکل کی طرف چلو۔ یعنی تدریج کا خیال رکھو۔ نیا قاعدہ سکھاتے وقت درجہ بدرجہ بڑھو۔ ساری مشکلات ایک دم پیش نہ کرو۔ بلکہ ایک ایک کرکے لو۔ اور ایک وقت میں صرف ایک مشکل پیش کرو۔ مثلاً تفریق سادہ سکھاتے وقت ہم کو اس طرح پر اسباق بنانے چاہئیں۔ مثلاً ۳۵۹/۱۲۴ یعنی تفریق بلا حاصل ۷۶۵/۲۹۱ با حاصل بلا صفر ۵۵۰/۳۷۸ با حاصل با صفر۔

ایسا کرنے سے مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اور فوراً طلبہ کی سمجھ میں آجاتی ہے۔

۴۔ آپ کا مطلب طلبہ کو قاعدہ سکھانا ہے۔ نہ کہ لمبی لمبی ضربوں سے پریشان کرنا۔ لہذا ایسے سوالات نہ حل کروائے جائیں۔ جن میں بڑی بڑی ضربیں اور تقسیمیں ہوں۔

۵۔ خاص سے عام کی طرف چلو۔ یعنی مثالوں سے اصولوں کی طرف اور اصولوں سے قاعدے کی طرف چلنا چاہئے۔ چونکہ حساب عمل اعداد ہے۔ پس دیگر علوں کی طرح یہ بھی طرز استقرائی سے سکھانا چاہیے۔ ہر ایک قاعدے کو پہلے سکھائے ہوئے قاعدوں سے تعلق دے کر سکھاؤ۔ بچوں کو خود قاعدہ دریافت کرنے دو۔ کیونکہ اپنی کوشش بڑا تعلیمی اثر رکھتی ہے۔ بالقول ٹولٹن کام ہی ایک بڑا معلم ہے،

۶۔ نقل کرنے کی عادت ناممکن بنادی جائے۔ دوسرے کی مدد کے بغیر کام کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ اگر آپ کی تشریح صاف اور صریح ہے۔ اور سبق ترتیب سے دیا ہوا ہے۔

اور طلبہ سے محنت سے پیش آتے ہیں۔ تو طلبا کو نقل کرنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ اور اگر آپ دیانتداری کی عزت کرتے ہیں تو طلبا نقل کرنے کو بُرا خیال کریں گے۔

۷۔ شخصیت کا خیال رکھیں۔ چونکہ اِس مضمون میں طلبا کی ذہنی لیاقتیں مختلف ہوتی ہیں۔ لہذا سست اور کمزور بچوں کو سزا نہ دی جائے۔

۸۔ دوسری شکل پر پہنچنے سے پہلے پہلی شکل پر بخوبی حاوی ہو جانے دو۔ آہستہ آہستہ چلو۔ جب تک طلبا ابتدائی اصولوں کو نہ سمجھیں گے۔ تب تک آیندہ کچھ کام ٹھیک نہ کر سکیں گے۔

۹۔ جب کسی قاعدے کی مشق کروائیں۔ تو سوال کی جتنی مختلف طرزیں ہو سکیں۔ تمام حل کرائیں تب آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ طلبا قاعدہ سیکھ گئے ہیں۔ یا کہ نہیں۔ عبارتی سوالات میں پوچھا جائے۔ کہ یہاں کیوں ضرب دی۔ یا کیوں تقسیم کی۔

۱۰۔ سوالات روزمرّہ کے لین دین یا سکول کے حرفہ یا پراجیکٹ کے متعلق ہوں۔ اِس طرح طلبا میں دلچسپی بڑھے گی۔

۱۱۔ آپ کا پہلا منشا یہ ہونا چاہئے۔ کہ طلبا ٹھیک جواب نکالیں۔ دوسرا یہ کہ حل باقاعدہ اور صاف ہو۔ تیسرا یہ کہ جلدی حل کریں۔ ٹھیک جواب نکالنے کے لئے ہندسوں کی عمدہ بناوٹ پر زور دیں۔ تختہ سیاہ پر خود عمدہ لکھیں۔ طلبا کے پاس عمدہ سامان ہو۔ اور اُن کو کافی وقت دیں۔ جلدی حل کروانے کے لئے پہاڑے رٹوائیں۔ اور تقریری حساب میں خوب مشق کروائیں۔

۱۲۔ چونکہ ہمیں عملی زندگی میں صرف زبانی حساب سے واسطہ پڑتا ہے۔ اِس لئے روزانہ چند منٹ زبانی حساب کروانا چاہیئے۔ تاکہ مشق ہو۔ اور زبانی عمل کرنے کی مہارت پیدا ہو۔ اگر مدرسین مندرجہ بالا اصولوں کو مدِ نظر رکھ کر حساب پڑھائیں۔ تو طلبا حساب میں بہت جلد قابلیت پیدا کرلیں گے۔ سبق کی ترتیب اِس طرح سے ہو۔ پہلے سابقہ واقفیت دریافت کی جائے۔ جب تک طلبا کو پہلا قاعدہ ذہن نشین نہ ہو۔ تو دوسرا نہ سکھایا جائے۔ اور قاعدے کا جتنا حصّہ سکھایا گیا ہے۔ جب وہ پختہ ہو چکے تو دوسرا حصّہ سکھائیں۔ اِس لئے سابقہ واقفیت میں دیکھ لیا جائے۔ کہ وہ حصّہ طلبا کو ذہن نشین ہو چکا ہے۔ یا کہ نہیں۔

نئے سبق میں پہلے مثالیں برائے اخذ قاعدہ پیش کی جائیں۔ اور پھر نمونے کی مثال سے قاعدہ دریافت کیا جائے۔ مثالیں مقرون ہوں۔ اگر ہوسکے تو پریکٹیکل کام بھی کروایا جائے۔ پھر طلبات قاعدہ اخذ کرنے کے بعد اس قاعدے کا اطلاق دیگر مثالوں پر کروایا جائے۔ اور پھر مشق کروائی جائے۔

حساب کی تعلیم کو دلچسپ بنانے کے لئے حسب ذیل طریقے اختیار کر سکتے ہیں۔

۱۔ ہندسے اور پیمائش مقرون اشیا کے ذریعے سکھائے جائیں۔ جمع - تفریق - ضرب اور تقسیم کا عمل پریکٹیکل کروا کر ذہن نشین کیا جائے۔

(۲) تمام سکے۔ وزن اور پیمائش کے پیمانے سکول میں موجود ہوں طلبا ان کو نہ صرف دیکھیں بلکہ استعمال بھی کریں۔

(۳) سکول میں دکان کھول دی جائے۔

(۴) سوالات روزانہ زندگی کے متعلق ہوں۔

———

آل احمد سرور

یہ آرزو تھی!

یہ آرزو تھی کہ شعر و ادب کی دنیا میں
مرے حسین خیالوں کے باغ بھی ہوتے
دلوں کے سرد اندھیرے میں چاندنی کیلئے
مرے چراغ سے روشن چراغ بھی ہوتے

یہ آرزو تھی کہ اس ملک کے جوانوں کو
ہم اپنے قلب کی ساری حرارتیں دیتے
حیاتِ تازہ کے وہ ولولے عطا کرتے
جو مشتِ خاک کو تاروں کی رفعتیں دیتے

یہ آرزو تھی کہ ہم اپنی درس گاہوں میں
سیاستوں کے فریبوں کو فاش کر سکتے
یہ بن گئے ہیں روایت کے مصلحت کے بُت
بس ایک بار انہیں پاش پاش کر سکتے

یہ آرزو تھی سیاست کے پہلوانوں کو

نیا خیال، نیا دل، نئی نظر دیتے

ان انقلاب کا نعرہ لگانے والوں کی

طبیعتوں ہی میں کچھ انقلاب کر دیتے

مگر تری نگہِ لطف یاد آتی ہے

کسے خبر نگہِ لطف کل رہے نہ رہے

کسے خبر تری زلفوں میں بل رہے نہ رہے

بس آج اور نظر کامیاب ہو جائے

یہ آرزو ہے کہ کل انقلاب ہو جائے

پنڈت بیلی رام

پرائمری مدارس میں جغرافیہ کی تعلیم

تمہید

یہ بات کہنے میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ جغرافیہ کے مضمون کے پڑھانے کے طریقوں میں دیگر تمام مضامین کی نسبت تھوڑے عرصہ میں بہت زیادہ ترقی واقع ہوئی ہے۔ یہ مضمون جیسا کہ ہمارے وقتوں میں پڑھایا جاتا تھا اب اس سے بالکل مختلف ہو چکا ہے۔ اس لئے موجودہ وقت میں اس مضمون کے پڑھانے کے نظریہ کو جاننا بہت اہم ہے۔

جغرافیہ کی پرانی درسی کتب میں جغرافیہ کی تعریف "دنیا اور اس کے باشندوں کا حال" تھا۔ بدقسمتی سے بہت سے لوگ آجکل بھی اس مضمون کو اشیاء اور جگہوں کی ایک فہرست ہی خیال کرتے ہیں۔ پہلے پہل بہت سی تعریفیں طوطے کی طرح رٹنا پڑتی تھیں۔ مثلاً جزیرہ۔ جزیرہ نما۔ آبنائے۔ خاکنائے۔ وغیرہ کی تعریفیں۔ اس کے بعد دنیا کے ممالک کے متعلقہ امورات کی تعریفیں۔ دریاؤں۔ پہاڑوں۔ جزیروں وغیرہ کی تعریفیں حفظ کروائی جاتی تھیں۔ ازاں بعد دنیا کے مشہور شہروں

اور بندرگاہوں کی تعریفیں۔ کشمیر جغرافیہ میں صرف درآمد برآمد کی طویل فہرستیں پڑھائی جاتی تھیں مگر اب یہ خیال نہیں ہے۔ اب ایسی کتب جن میں تعریفیں اور واقعات کے طویل بیانات مندرج ہوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنی چاہیے۔

نئے اور پرانے جغرافیہ کا فرق

نئے اور پرانے جغرافیہ میں بہت بڑا فرق ہے۔ پرانے جغرافیہ میں واقعات کی لمبی لمبی فہرستیں پڑھائی جاتی تھیں اور بچے ان کو یاد [illegible] کرایا جاتا تھا۔ اور بعد میں کبھی کبھی ان واقعات کے اسباب بھی بتلائے جاتے تھے۔ مثلاً بچوں کو بتایا جاتا تھا کہ کراچی کی بندرگاہ سے گیہوں باہر بھیجی جاتی ہے۔ بمبئی سے روئی۔ کلکتہ سے پٹ سن۔ رنگون سے چاول۔ لیکن یہ امر [illegible] کیا جاتا تھا۔ کہ کیوں ان بندرگاہوں سے مذکورہ اشیا خاص طور پر باہر بھیجی جاتی ہیں۔ پرانے طریقہ تعلیم میں جغرافیہ نتائج سے شروع کیا جاتا تھا۔ اور کبھی کبھی اس بات کی طرف توجہ دیا جاتا تھا۔ لیکن موجودہ طریقہ تعلیم اسباب سے شروع ہو کر نتائج کی طرف لے جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے۔ کہ پرانے طریقہ میں گاڑی کو گھوڑے کے آگے رکھا جاتا تھا۔ اور موجودہ طریقے میں صحیح طور پر گھوڑے کو گاڑی کے آگے جوتا جاتا ہے۔

جغرافیہ کی اہمیت

جغرافیہ نصاب کے دیگر مضامین کی نسبت زیادہ مفید واقفیت بہم پہنچا کر ہمارے زاویۂ نگاہ کو وسیع کرتا ہے۔ جغرافیہ کی تعلیم ہماری قوتِ مشاہدہ کی تربیت کرتی ہے۔ اس لئے جغرافیہ جاننے والے اُستاد کا فرض اولین ہوگا۔ کہ وہ بچے کے دل میں اس کے ماحول اور روزانہ زندگی کے واقعات کے متعلق دلچسپی پیدا کرے۔ اس طرح "معلوم سے نامعلوم" کے متعلق صحیح طور پر واقفیت۔ گھر کے جغرافیہ کی واقفیت سے شروع کر کے درجہ بدرجہ طلبا کو غیر ممالک تک واقفیت مہیا کرنی چاہیے۔

جغرافیہ کو بحیثیت ایک مرکزی مضمون (Key Subject) ایک اہم درجہ حاصل ہے۔ درحقیقت سکول کے تمام مضامین کو اس طریقہ سے پڑھانا چاہیے۔ کہ وہ مربوط ہو کر ایک مکمل وحدت

بن جائیں۔ یہ غلط خیال ہے۔ کہ سکول کے مضامین مختلف خانوں میں بٹے ہیں اس غلط طریقہ تعلیم کو بنیادی قومی تعلیم میں مربوط اسباق کے ذریعہ درست کیا گیا ہے۔ مربوط طریقۂ تعلیم میں ایک حرفہ کو مرکز مان کر جملہ مضامین کو اس کے گرد گھمایا جاتا ہے۔ یہ طریقۂ تعلیم ہمارے ملک کے تعلیم کے نصابی مسئلے کا نہایت موزوں حل ہے۔

جغرافیہ بیک وقت ایک سائنس، ایک آرٹ اور فلسفہ ہے۔ یہ مضمون بہت سی سائنسوں اور آرٹس کے مجموعے کا نچوڑ ہے۔ جغرافیہ مندرجہ ذیل سائنسوں کے نتائج کو استعمال میں لاتا ہے:۔

علم الارض (زمین کے متعلقہ علوم)
فلزات (کرۂ ہوائی کے متعلقہ علوم)
ماہیات (سمندر کی متعلقہ سائنس)
عمرانیات (سماجی علوم)
معاشیات (اقتصادی علم)

کیونکہ ان مضامین کا انسان کے احوال کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔
جغرافیہ تو تاریخ کے سبق کے لیے پس منظر مہیا کرتا ہے۔

تعلیم جغرافیہ کے اصول

تعلیم کے چند عام اصول ہیں۔ جن کو ہم جغرافیہ کے پڑھانے میں بھی استعمال کر سکتے ہیں ہم میں سے سب حواس خمسہ کے مالک ہیں۔ اور ہم سب باہر سے سیکھ سکتے ہیں۔ اگر ہم ایک ہی وقت میں دو یا دو سے زیادہ حواس کے ذریعہ سیکھیں۔ اس لئے جغرافیہ کے پڑھانے والے اُستاد کا فرض ہوگا۔ کہ وہ مضمون کو آنکھ، کان اور قوت لامسہ کے ذریعے پیش کرے۔

جغرافیہ ایک مضمون ہے۔ جس کا ہماری اردگرد کی دُنیا کے ساتھ گہرا تعلق ہے دُنیا میں ترقی اور تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح مضمون میں بھی ترقی اور تبدیلی ہوتی رہتی

ہے۔ اس لئے پرانی کتابوں اور نقشہ جات سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ مثال کے طور پر یورپ کا نقشہ موجودہ لڑائی کی وجہ سے بالکل تبدیل ہو چکا ہے۔ اس لئے پرانے نقشوں کا استعمال گمراہ کن ہے۔

پرائمری سکول میں جغرافیہ کی تعلیم

ہماری ریاست میں نصاب تعلیم میں پرائمری جماعتوں کے جغرافیہ کا نصاب مقرر ہے۔ لیکن پہلی تین جماعتوں میں مدرس کے لئے کافی رعایت ہے۔ تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق کورس کو ختم کر سکے۔

پرائمری سکول کے لئے جغرافیہ میں مندرجہ ذیل ضروریات ہیں۔

۱۔ جغرافیہ کی اہم اصطلاحات کے متعلق ابتدائی واقفیت مثلاً پہاڑ، میدان، سمندر وغیرہ۔ ان کے پڑھاتے وقت مدرس کو ریت کی ٹرے، نمونوں اور تصویروں کے ذریعہ پڑھانا چاہیئے۔ اور سکول کے ماحول کی مثالوں سے ان کی تشریح کرنا چاہیئے۔

۲۔ نقشہ یا خاکہ کے معنی۔ اس کی تشریح سکول اور اس کے گردونواح کے خاکہ بنوانے سے کی جائے۔

۳۔ ایک صوبہ کا مختصر جغرافیہ۔

۴۔ ہندوستان کا مختصر اور سادہ جغرافیہ۔

۵۔ دنیا کے جغرافیہ کے اولین اصول۔

مذکورہ بالا پانچ حالتوں میں ہمیں معلوم سے نامعلوم کی طرف یعنی پہلے سکول کے ماحول سے صوبہ کی طرف اور بعد میں ہندوستان اور آخر میں باہر کی دنیا کی طرف بڑھنا چاہیئے۔

اس نصاب کو ختم کرنے کے دو طریقے ہیں

۱۔ کسی خاص چیز کو لیا جائے۔ اور اس کی مقامی اہمیت کے مطابق مطالعہ کیا جائے۔ اور

بعد میں اس کے ذریعہ غیر ممالک کے متعلق (جو کچھ یہ ہمیں بتا سکے) مطالعہ کیا جائے۔ اس طرح پر ایک سبق میں ہم ایک خاص چیز جو ہمارے گھروں یا ماحول میں موجود ہے کے ذریعہ دنیا کے دور دراز حصوں میں پہنچ سکتے ہیں۔

۲۔ دوسرے طریقہ میں عمومی نصاب کا زیادہ احتیاط سے مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ پہلے دو تین سال میں بچوں کے ماحول اور حصے جن میں سکول واقع ہے کا بغور مطالعہ کرنے میں وقت صرف کرنا چاہیئے۔ چوتھی جماعت اور بعد میں دنیا کے جغرافیہ کے (Elements) یعنی ابتدائی اصول پڑھائے جائیں۔ چھوٹے بچوں کے لئے جغرافیہ کی تعلیم کا ایک عمدہ طریقہ گھر کے جغرافیہ سے دنیا کے جغرافیہ کی طرف لے جانا ہے۔ اپنے شہر یا قصبہ کے بازار سے چند اشیاء جو کہ فروخت کے لئے موجود ہوں۔ یا سکول کی عمارت سے چند اشیاء کو چن لیا جائے۔ اور ان اشیاء میں سے ہر ایک کی کہانی دریافت کی جائے۔ اور اس طریقہ سے دنیا کے دیگر حصوں کی زندگی کی تصویر پیش کی جائے۔ ہر ایک پرائمری سکول میں ماڈل بنانے کا مسالہ موجود رہنا چاہیئے۔ ریت کی ٹرے بھی ضروری ہے۔

ہر پرائمری سکول میں ہندوستان کا ایک فزیکل نقشہ رہنا چاہیئے۔ ایک گلوب ایک بڑا تختہ سیاہ معہ مختلف رنگوں کے چاک۔ اور جغرافیائی دلچسپی پیدا کرنے والی تصاویر کا مجموعہ بھی ضروری ہے۔ بچوں سے ان تصاویر کا مجموعہ تیار کرانے سے ان میں دلچسپی پیدا کی جاتی ہے۔ السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا اور دیگر مصور اخبارات سے اس قسم کی تصاویر جمع کی جا سکتی ہیں۔

نقشہ کی اہمیت

جغرافیہ کی تعلیم میں نقشہ کی اہمیت کے متعلق جس قدر زور دیا جائے کم ہے۔ ہمارے سکولوں میں عموماً بغیر نقشہ کے جغرافیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ بچوں کے دلوں میں اس خالی اور بے روح طریقہ تعلیم کی وجہ سے اس دلچسپ

مضمون کے لئے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اساتذہ اور طلبہ کو یہ بات بخوبی ذہن نشین ہونی چاہیے۔ کہ بغیر نقشہ کے جغرافیہ کی تعلیم بے معنی اور لغو ہے۔ پرائمری سکول میں تصویری نقشے ( ) بڑے مفید ثابت ہوتے ہیں۔ لوکل نقشہ جات بھی سکولوں میں مہیا کئے جاتے ہیں۔ دیواری نقشے اور B.B. map کے ذریعے بھی جغرافیہ کی تعلیم بڑی موثر بنائی جا سکتی ہے۔ لیکن پرانے نقشوں کا استعمال ترک کر دینا چاہیے۔

ہر ایک سکول میں ایک جغرافیہ کا کمرہ یا عجائب گھر ہونا چاہیے۔ یہ دونوں باتیں جغرافیہ کے مضمون کے لئے بڑی مفید ثابت ہوتی ہیں۔ میجک لینٹرن (Magic Lantern) ایک قیمتی لیکن نہایت مفید پڑھانے کا طریقہ ہے۔ لیکن اتنا روپیہ صرف ہائی سکولوں یا کالجوں میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔

اُستادوں کو پرائمری سکولوں میں بچوں کی تعلیم کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ بہت سے بچے پرائمری پاس کرنے کے بعد پڑھائی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لئے ان بچوں کو ایسے موثر اور دلچسپ پیرایہ میں تعلیم دینی چاہیے۔ جو تمام زندگی ان کا ساتھ دے سکے۔ اگر ان بچوں کو موزوں طریقہ پر تعلیم کے زیور سے آراستہ نہ کیا گیا تو یہ کچھ عرصہ کے بعد پھر ان پڑھ بن جاتے ہیں۔ اس طرح ملک۔ قوم اور ریاست کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ اگر ان بچوں کے دلوں میں تعلیم کے لئے صحیح شوق پیدا کیا گیا ہو۔ تو بچے بعد میں اشاعت تعلیم میں بڑی سرگرمی سے حصہ لے سکتے ہیں۔ اور ملک و قوم کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ امید کامل ہے۔ کہ پرائمری مدارس کے اُستاد جغرافیہ کی تعلیم کے متعلق مناسب توجہ دے کر اپنے طلبہ کے دلوں میں اس دلچسپ اور مفید مضمون کے مطالبہ کا شوق پیدا کریں گے۔ کیونکہ یہ مضمون طلبا کی آئندہ زندگی میں بڑا کارآمد ثابت ہوتا ہے
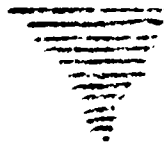
خواجہ غلام حسین

مدرسہ اور دیہات سُدھار

ہمارا ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے۔ اور اس کی آبادی کا زیادہ حصّہ شہروں کی نسبت دیہات میں سکونت پذیر ہے۔ اس لئے اگر ہم اس بات کے متمنی ہیں کہ ہندوستان کو کبھی دیگر متمدن اور ترقی یافتہ ممالک کے مقابلہ میں لایا جائے۔ تو ہمیں اول ہندوستان کے دیہات کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہئیے۔ اور خصوصاً ہماری ریاست کے سدھار کا راز تو دیہات کے سدھار میں مضمر ہے۔ جس میں آبادی کا بیشتر حصّہ دیہاتوں میں آباد ہے۔

جہالت ایک ایسی بیماری ہے۔ کہ اس سے کئی بڑی بڑی مہلک بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں بدقسمتی سے ہمارے دیہات اس موذی بیماری کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ اپنے سود و زیاں کو نہ سمجھنا، وبائی بیماریوں کا شکار ہونا، ناقص فصل پیدا کرنا، کھاد ضائع کرنا، مال مویشیوں کا غلط طریقہ پر پالنا، کھیتی باڑی کے لئے ناقص طریقہ اختیار کرنا، اپنے بچوں کی تربیت نہ کرنا، مالی حالت کمزور ہونا، مقدمہ بازی وغیرہ یہ سب جہالت کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ اور ایک جہالت کے دور کرنے سے سب کچھ دور ہو سکتا ہے۔

جہاں تک مدرسہ کے فرائض کا تعلق ہے۔ وہ چند ایک کتب کے درس و تدریس سے اپنے فرائض منصبی سے قطعاً عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ مدرسہ دیہات میں ایک روشنی کا مینار ہے۔ اور اس کے لئے یہ لازمی ہے۔ کہ وہ اپنی شعاعِ نور سے تاریک دیہات کو یکسر بقعۂ نور بنا دے۔ بہترین درس گاہ وہی ہے۔ جو اپنے قرب و جوار سے جہالت

کو دور کرے۔ جہالت اور مدرسہ دونوں کا تعلق انسان کے ساتھ ہے۔ اور دونوں آپس میں آگ اور پانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس بیماری کو دور کرنے کی اہلیت صرف مدرسہ ہی میں ہے۔ پس دیہات سدھار کے سلسلہ میں سب سے بڑا کارکن مدرس ہے۔ جو غیر ارادی طور پر بھی دیہات سدھار کا بہت سا کام سرانجام دیتا ہے۔ اور اگر ارادتاً وہ اس کام کا بیڑا اٹھائے۔ تو وہ ان سب اداروں سے مفید تر ثابت ہو جو دیہات سدھار کے اجارہ دار ہیں۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ کہ مدرسہ کے لئے اس سلسلہ میں کیا مسائل حل کیا ہوں گے۔ اگر مدرس ہوشیار ہو۔ تو وہ خود بھی اپنے دماغ سے ایسے بہت سے ذرائع سوچ سکتا ہے۔ جو دیہات سدھار کے لئے مفید ثابت ہوں۔

سب سے پہلے مدرسہ کو اہل دیہہ کی ضروریات اور طرز معاشرت کو بہتر بنانے کے مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے۔ اور پھر اس کا حل ان کے سامنے کسی طرح پیش کرنا چاہیئے مثلاً یوم والدین منعقد کیا جا سکتا ہے۔ اس میں بچوں کی مدد سے ان والدین اور سرپرستوں کی تہذیب و تمدن اور طرز معاشرت کی واقفیت ڈراموں، تقریروں اور نظموں کے ذریعہ دی جا سکتی ہے۔ اس میں ان کو اچھے اور سستے کھانے پکانے کے طریقے۔ کھاد تیار کرنے کے طریقے۔ نئے آلات کشاورزی کا استعمال۔ مقدمہ بازی کے نقصانات۔ قبیح رسومات کے نقصانات اور ہمارے ملک کی زراعت کے نئے وسائل بتائے جا سکتے ہیں۔ ان کو بتایا جا سکتا ہے۔ زیادہ مویشی پالنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ جن کی خوراک تم آسانی سے مہیا نہ کر سکو۔ چار پانچ مریل بیل جن کا چارہ مشکل میسر آتا ہے۔ ان سے دو طاقتور بیل بہتر ہیں۔ جو زمین پر خوب کام کرتے ہیں۔ اور ان کے لئے چارہ بھی کم صرف ہوتا ہے۔ بھدے ہل اور بھدی قدیم کلوں کا دور ختم ہو گیا ہے۔ نئے آلات زراعت سے کاشت میں سہولیت رہتی ہے۔ اسی طرح بچوں سے ایسے ڈرامے سٹیج پر کرائے جا سکتے ہیں۔ جو مقدمہ بازی، ابتری رسومات اور قبیح رواجوں کی خرابیوں کو واضح کریں۔ اور ان سے بچنے کی اہل دیہہ کو ترغیب دیں۔

حفظان صحت کی عملی تعلیم کے لئے اہل مدرسہ محنت کے ہفتے (Labour Week)

عبدالکریم عتیق

درسی کتب

—— (۱) ——

مدرسین کو اس وقت نئے سلیبس کی وجہ سے جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور متعدد مضامین کا جو اثر ابتدائی مدارس کے طلباء پر پڑ رہا ہے۔ بہت کم حضرات اس طرف متوجہ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ قدیم سلیبس بہت حد تک ترمیم کے قابل تھے۔ اور ان میں کسی قدر کمی بیشی کی بھی ضرورت تھی۔ لیکن اتنا طویل سلیبس اور اس قدر مضامین پرائمری درجوں کے لئے کسی صورت سے موزوں نہیں۔ ہمارے یہاں بہت رنگ کے اصحاب ملیں گے۔ کچھ ایسے جو لکیر کے فقیر ہیں جو قائم ضابطے اور دستور العمل میں سرمو ترمیم کو کفر کے مترادف سمجھتے ہیں۔ اور کچھ ہاں میں ہاں ملانے والے بھی ملیں گے۔ ان چند امور واقعی کو مدنظر رکھتے ہوئے "درسی کتب" کے عنوان سے کچھ لکھنا ضروری سمجھا ہے۔ مجھے امید ہے۔ کہ میری اس آزادانہ بحث میں میری جسارت قابل درگذر ہوگی۔ میرے مخاطب صحیح وہ حضرات ہیں۔ جنہیں ریاست کی صحیح تعلیمی ترقی سے اُنس ہے۔ اور جو اصلاح و ترمیم کو ایک فعل حسنہ سمجھتے ہیں۔

ہم سب سے پہلے ان قدیم تعلیمی اداروں کو لیں گے۔ جب ایک مولوی مسجد میں بیٹھے ہوئے چند طلباء کو تعلیم دیتے تھے۔ اس وقت طالب علم کو ایک کتاب مثلاً گلستان یا بوستان ہی پڑھ لینا کافی ہوتا تھا۔ اور وہ طالب علم ان کتابوں سے ہی ماہر (ماسٹر) بن جاتے تھے۔ جیسے علامہ اقبال کی اصطلاح میں "صاحب کتاب" کہا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد وہ زمانہ آیا۔ جب نصاب اور کورس کی تدوین کی گئی

لیکن ابھی ذریعہ تعلیم میں استاد کی چھڑی اور کسی چیز کے رٹ لینے پر زور دیا جاتا تھا۔ کسی چیز کے تغیرات میں جن عوامل اور رجحانات کو دخل ہوتا ہے ان میں سے ایک زمانہ ہے۔ وقت گذرتا گیا چنانچہ موجودہ دور میں ہر مدرسہ بابو شش اور نئے رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا ہے۔ ہر مدرسہ کے مطالعہ میں فن تعلیم کی کتب رہتی ہیں۔ قریب قریب ہر ایک میں نئی تعلیم کی ہر مدد گیری ہوتی ہے۔ دور افتادہ دیہاتی مدارس میں بھی تقریباً ہر قسم کا ٹیچنگ میٹریل مہیا کیا گیا ہے۔ تعلیم بھی کچھ ایسے انداز سے دی جاتی ہے کہ جس سے یہ مقصد ہے۔ کہ بچوں کو صرف ذہنی تعلیم اور علمی پڑھائی سے ہی واسطہ نہ ہو۔ بلکہ ان کے نفسی رجحانات کو بھی مد نظر رکھا جاتا ہے۔ کچھ مشاغل وغیرہ بھی جاری کئے گئے تاکہ دستی کام کا احترام کرنا سکھایا جائے۔ ان سب باتوں نے گذشتہ سات آٹھ سال سے ہماری ریاست کی تعلیمی ترقی میں انقلاب پیدا کر کے اس کی قسمت کو بدل دیا ہے۔

نصاب میں کچھ ایسی باتیں رکھی گئی ہیں جن کے متعلق ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ آیا وہ بچوں کے ماحول سے مطابقت رکھتی ہیں یا نہیں کیونکہ شاید یہ نصاب ان حضرات سے مرتب ہوتا ہے۔ جنہیں پرائمری مدارس کے طلباء کو کبھی پڑھانے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ان کی مثال بالکل ہسپانیہ کے امیر البحر میڈینیا سڈونیا کی سی ہے جس کی قیادت میں ہسپانوی ناقابل تسخیر بیڑے (INVINCIBLE ARMADA) کو شکست ہوئی تھی۔ جس کی ناتجربہ کاری کا یہ عالم تھا۔ کہ اس نے پہلے سمندر کا کبھی سفر بھی نہیں کیا تھا۔ نصاب کے نقائص کے بارے میں کسی صاحب کے مضمون کو تعلیم جدید مارچ ۱۹۴۴ء و تعلیم جدید اپریل ۱۹۴۴ء میں اشاعت دی گئی ہے۔ آج اسی موضوع کے چند دیگر شعبوں کی حالت آپ کے سامنے رکھی جائے گی۔ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ مدرسین اور محکمہ کے ذمہ دار حضرات ان باتوں کو ٹھنڈے دل سے سوچیں اور قابل عمل تجاویز کے ذریعے ان نقائص کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

تاریخ و جغرافیہ نصاب میں بہت سا حصہ ایسا ہے جو غیر ضروری ہے۔ اور اس کا

بچوں کے سماجی اور طبیعی ماحول سے کچھ واسطہ نہیں۔ بعض ایسا کہ وہ بچوں کی استعداد
سے بڑھکر اور کچھ ایسا کہ وہ بچوں کی معلومات میں اضافہ تو نہیں کرتا دلچسپی کہ اس سے
امید کی جاتی ہے۔ لیکن ان کے ذہن کی نارسائی کی وجہ سے ان کے لئے ایک معمہ ضرور بن
جاتا ہے۔ جو نہ مدرس سے حل ہوتا ہے اور نہ خود ہی بچہ اپنے دل و دماغ میں اس کے
متعلق کچھ صحیح تصور قائم کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر تیسرے درجہ میں ایک کتاب
ہے۔ "سماجی ریڈر" یہ کتاب میرے خیال میں بہت کم مدرسین بھی سمجھے
ہوں گے۔ اور پھر تیسرے درجہ کے طلباء سے توقع رکھنا ان کی استعداد سے بڑھ کر ہے
کتاب مذکور کسی بھی لحاظ سے بچوں کے لئے دلچسپ نہیں۔ کتاب ایسی ہے کہ کوئی منشی ہی اسے
پڑھ سکتا ہے۔ بچوں کے لئے جو کتاب ہے اس کی کتابت جلی حروف میں نہایت دلکش ہونا
چاہیئے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض جگہ اس میں بچوں کی تجسس و جستجو کے متعلق سوالات کے
جوابات ملتے ہیں۔ لیکن اکثر ایسے غیر فطرتی حالات بھی مندرج ہیں۔ کہ جب وہ
طلباء کو سنائے جاتے ہیں۔ تو وہ ہنستے ہیں۔ اور سوالات کرتے ہیں۔ کہ ایسا تو
ہو نہیں سکتا۔ مثلاً "کشمیر کیسے بنا" میں پہاڑوں اور جھیل کی دشمنی کا جو
خاکہ کھینچا گیا ہے۔ اس سے کتاب مذکور کی ساکھ پر بچوں کو شبہ ہوتا ہے یا بچے
یہ سمجھ لیں گے۔ کہ ابتدائی وقتوں میں پہاڑوں میں سرکنے حرکت کرنے کی صلاحیت
تھی یا یہ کہ تمام کتاب ہی طبع زاد کہانیوں کا مجموعہ ہے جس کو حقیقت سے کوئی واسطہ
نہیں۔ ایسی بہت سی مثالیں کتاب مذکور میں آپ کو ملیں گی۔ جن کا زیر بحث لانا
طوالت کے سوائے کچھ زیادہ مفید نہیں۔ اس کتاب میں ہر بات کو مجازی رنگ
میں پیش کیا گیا ہے۔ اور جگہ جگہ بلیغ تشبیہات۔ بعید الفہم استعارات کا صرف
کیا ہے۔ جس کو آٹھ نو سال کا بچہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہوتا ہے۔ "ابابیلوں نے
کیا دیکھا" "بیلوں نے کیا دیکھا" "قلم کی کہانی" "تلوار کی کہانی"۔ "کشمیر کیسے بنا"
"کشیپ رشی" وغیرہ بہت سی ایسی کہانیاں مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں
اور پھر بڑی مشکل یہ ہے۔ کہ افسر معائنہ آکر دیکھتے ہیں نہ تاؤ آتے ہی تیسرے

درجہ کا کمرہ پوچھ کر سماجی ریڈر سے متعلق سوالات پوچھنے شروع کر دیتے ہیں۔
کونسی کتاب کس درجہ کے لئے بوجھ ہے اور کس معیار کی کتاب
اُس کی بجائے ہونا چاہئے۔ ان باتوں کا علم ان ہی لوگوں کو ہے جنہیں بچوں کے ساتھ
روزانہ کام کرنا پڑتا ہے۔ مطالعہ ملکی کا نصاب تقریباً تمام درجوں میں
تغیر و تبادل اور کمی بیشی کا محتاج ہے۔ اس وقت "بنیادی حساب" پہلے
آٹھ درجوں میں مروج ہے۔ لیکن کسی درجہ میں کتاب قابل قبول نہیں۔ اس چیز
سے قطع نظر کہ قاعدوں میں تغیر و تبدل کی ضرورت ہے یا نہیں کتاب میں کبھی ٹائپ
وطرائق کے مشقی سوالات نہیں دیئے گئے مثال کے طور پر تیسرے درجہ
میں ایک سوال "گز، پاؤ، گرہ کی جمع کا دوسرا گز، ادھ گز، گرہ کی جمع کا تیسرا
سوال گز، فٹ، انچ کا ہے ایسی صورت میں بچہ کے ذہن میں کچھ موجود نہیں رہتا کہ ہم
تیسرے درجہ تک حساب کی کتاب کو ہاتھ نہیں لگاتے لیکن گرلز سکولوں میں
اس کا استعمال نہایت پابندی سے کیا جاتا ہے۔ اس سے اگلے درجوں میں بھی
حساب کی کتاب کا یہی حال ہے یعنی ترتیب و مزاولت کو نظر انداز کیا گیا ہے اس
ضمن میں ساتویں درجہ کا حساب خاص طور پر قابل ذکر ہے جس میں طلباء کے پہلے
کچھ بھی نہیں پڑھتا "کا" کے سوالوں میں "لا" کے مشقی سوالات کرانے کے بغیر
ہی مساحات کے سوالات دیئے گئے ہیں۔ جوابات جو کہ کتاب کے پیچھے دیئے
ہوئے ہیں۔ وہ اکثر غلط ہیں۔ مشقی سوالات کا فقدان مدرس کی مشکلات اور اس
کے کام کو بڑھا دیتا ہے۔ مجھے امید واثق ہے کہ اساتذہ کرام میری رائے سے
متفق ہوں گے۔ اور اس کی تائید میں اساتذہ کی خط و کتابت کے کالم میں اپنی رائے
کا اظہار کریں گے۔

اسی طرح پرائمری مدارج میں "تاریخی مطالعہ" کے لئے جو کتب ہوں
وہ تاریخی نقطہ نظر سے نہیں لکھی جانا چاہئیں۔ بلکہ وہ ایک کہانی کے پیرائے میں
ہونا چاہئیں۔ یہ امر موجب تسکین ہے کہ ان کتابوں میں اس بات کا التزام رکھنے کی

کوشش کی گئی ہے۔ پھر بھی اس سلسلے کو زیادہ دلچسپ بنانے کی ابھی ضرورت ہے
جنرل سائنس کی کتب میں بہت سی غیر ضروری باتوں کو زیر بحث لایا گیا ہے
جو کہ بچوں کے طبعی ماحول سے کچھ تعلق نہیں رکھتیں۔ اور ایسی باتوں کا جاننا ایک پرائمری
سکول میں پڑھنے والے بچوں کے لئے ضروری رکھا گیا ہے جو کہ دسویں کے طلباء کے
لئے پنجاب یونیورسٹی نے تجویز کیا ہے۔ مثلاً ستاروں کے متعلق واقفیت۔ چاند
سورج۔ اشکال قمر۔ گرہن وغیرہ۔

قطبی ستارہ اور بدروجزر کے متعلق پرائمری کے طلباء کے لئے جاننا ایک ناقابل
برداشت بوجھ ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ ٹیکسٹ بک کمیٹی پرائمری درجوں کے طلباء سے کیا
توقع رکھتی ہے اس سے یہ نقص پیدا ہوتا ہے کہ بچے اتنے مضامین کے ہونے سے کسی
میں بھی مہارت پیدا نہیں کر سکتے۔ اور ہر بات میں وہ تشنہ رہ جاتے ہیں۔

آپ گذشتہ دور پر نظر عمیق ڈالیں جب طالب علم کو گلستان بوستان یا
اسی قسم کی ایک یا دو کتب پڑھ لینا کافی ہوتا تھا اور وہ اس کے مالک بن جاتے تھے ان میں
ان علوم کا ذوق سلیم پیدا ہو جاتا تھا۔

ہمیں امید ہے کہ خداوندان محکمہ تعلیم ہماری ان معروضات کو غور سے سن کر
ہماری مشکلات کے تدارک کے لئے نصاب اور درسی کتب میں تغیر کریں گے۔ میں قارئین کرام
سے بھی التماس کرونگا کہ اگر وہ میری رائے سے کہیں اختلاف رکھتے ہوں۔ تو
واضح کریں تاکہ میں ان کی تائید و تردید سے آگاہ ہو جاؤں۔

شیخ محمد منیر

استاد کی شخصیت

ماہرین تعلیم کا خیال ہے۔ کہ تعلیم کو فروغ دینے کے لئے سب سے زیادہ اہم ہستی
مدرس کی ہے۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس چیز کے لئے خاص کوشش کی جا رہی
ہے۔ کہ کس طرح مدرس کی شخصیت اور اس کی ہستی کو برقرار رکھا جائے جس سے
اُسے بہترین شخصیت حاصل ہو۔ ایک زمانہ تھا جب مدرس کو سوسائٹی میں ایک خاص
درجہ اور وقار حاصل تھا۔ اس کے سپرد نہ صرف درس و تدریس کا کام ہوتا
تھا۔ بلکہ وہ لوگوں کے اقتصادی۔ سماجی اور معاشرتی معاملات میں آزادانہ اپنی رائے
دیتا تھا۔ اور عوام بھی اس کو اپنا صحیح رہنما سمجھتے تھے۔ اخلاقی طور پر وہ نہ صرف
طلباء کے لئے ہی نمونہ ہوتا تھا۔ بلکہ عوام کے لئے بھی مشعل راہ کا کام دیتا تھا۔ اس
بات سے انکار نہیں کہ وہ تعلیم جدید کے اصولوں سے بہت حد تک نابلد تھا۔ مگر
اس کی شخصیت مسلمہ اور قابل توقیر تھی۔ لیکن، افسوس کی بات ہے۔ کہ بعض
حالات کی وجہ سے آج مدرس کی وہ شان اور عزت قائم نہیں رہی اور اس
حقیقت کا علم خود مدرسین کو بھی ہے۔ اگرچہ آج کل سکولوں میں ایسے
مختلف طریقے رائج کر دیئے گئے ہیں۔ جن سے مدرس کو عوام کا رہنما گردا
جاتا ہے۔ اور اسی امر کی از حد کوشش کی گئی ہے۔ کہ مدرس کی شخصیت

کو ایک اعلیٰ معیاری شخصیت بنایا جائے۔ مگر ان سب کوششوں کے باوجود کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ اور عوام موجودہ زمانے میں مدرس کو سوسائٹی کا سب سے حقیر اور کمتر فرد خیال کرتے ہیں۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں اور اس کے ساتھ ہی بہت سی ذمہ داری خود مدرس پر عائد ہوتی ہے۔ دراصل مدرس ایک محور ہے جس کے گرد تعلیم کا دائرہ گھومتا ہے۔ اگر محور کی حرکت کمزور ہو گی تو اس کا اثر گردش پر ضرور پڑے گا اس لئے ہم کو یہ نہ بھولنا چاہئے۔ کہ مدرس کی شخصیت ہی تعلیم کو موثر اور کامیاب بنانے کا واحد ذریعہ ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ آج کل مدرس کی شخصیت کیا ہے۔ اور وہ اپنی شخصیت کو کیسے برقرار رکھ سکتا ہے۔

ایک اچھی شخصیت کے مالک مدرس میں مندرجہ ذیل صفات کا ہونا ضروری ہے۔ اس کا چال چلن بے عیب ہو۔ وہ بلند اخلاق کا مالک ہو۔ لوگ اس کو اپنا ہمدرد اور رہنما سمجھیں۔ اور اس لئے لازم ہے۔ کہ وہ عوام کے جھگڑوں اور پارٹی بازی میں نہ آئے۔ بلکہ اگر کبھی جھگڑے میں اسے ثالث بننا بھی پڑے تو ایسا سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے کہ لوگ اس کے فیصلے کو عزت و احترام کی نظروں سے دیکھیں۔ یہ ہیں وہ چند صفات جو ایک مدرس کی شخصیت کو بلند کرتی ہیں۔ مگر بدقسمتی سے موجودہ دور میں مدرسین کی اقتصادی حالت تو وہی پہلے زمانے جیسی ہے مگر معیار زندگی بلند ہو جانے نیز گرانی اور چیزوں کی نایابی نے ضروریات زندگی کو اور بھی مشکل بنا دیا ہے۔ گرانی کی وجہ سے اخراجات میں بھی حیرت انگیز اضافہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے مدرس کی حالت بد سے بدتر ہو گئی ہے اس کی تنخواہ تقریباً بیس روپے سے لے کر پچاس روپے تک ہوتی ہے۔ لیکن اگر ضروریات زمانہ پر نظر ڈالی جائے تو یہ تنخواہ بہت قلیل ہے۔ اس لئے مدرس ہمیشہ گھریلو تفکرات میں محو رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص اقتصادی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ سوسائٹی اس کو قدر و منزلت کی نگاہ سے نہیں دیکھتی۔ بلکہ اس سے نفرت کرتی ہے۔ اور یہ تو ایک سیدھی اور عام بات ہے۔ کہ سماج کسی کو ہنستا دیکھ کر اس کی ہنسی میں تو شریک

ہو جاتا ہے۔ مگر کسی کو روتا دیکھ کر اس سے فوراً الگ ہو جاتا ہے۔ موجودہ وقت میں مدرس کی شخصیت گر جانے کی سب سے بڑی وجہ اس کی اقتصادی بدحالی ہے۔ اگر اس کو اس خوفناک بیماری سے نجات دلائی جائے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کہ وہ اپنی شخصیت کو معیاری شخصیت نہ بنا سکے۔ کیونکہ اقتصادی بدحالی ہی انسان کو بُرے سے بُرا کام کرنے پر مجبور کر دیتی ہے اس لئے جہاں حکومت کا فرض ہے۔ کہ وہ مدرسین کی اقتصادی حالت کی طرف توجہ دے وہاں عوام کو چاہیئے کہ وہ ان کے ساتھ پورا تعاون کریں اور مدرسین کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنے اعلےٰ اخلاق اور عملی جدوجہد سے تعلیمی فضا کو سازگار بنائیں۔ اور اپنے آپ کو صحیح معنوں میں ایک اچھی شخصیت ثابت کریں۔

شمیم اختر

بچوں کی دنیا

لال مرغی

(۱)

ایک چھوٹی لال مرغی ایک بلی اور ایک مینڈک اکٹھے رہا کرتے تھے۔ چھوٹی مرغی بہت سخت کام کرتی تھی۔ لیکن بلی اور مینڈک اس کی کوئی مدد نہیں کرتے تھے چھوٹی مرغی ہر روز بہت سویرے اٹھتی۔ لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلاتی میز اور کرسیاں جھاڑتی پھر ایک جھاڑو لے کر فرش صاف کرنے لگتی۔

ایک روز چھوٹی لال مرغی نے کہا کہ گھر کی صفائی کے کام میں میری مدد کون کرے گا؟

بلی نے کہا میں نہیں کرتی۔

مینڈک نے کہا میں نہیں کرتا۔

تب چھوٹی لال مرغی نے سارے کام خود ہی کئے۔ لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلائی میز اور کرسیاں جھاڑیں۔ جھاڑو لے کر فرش کو صاف کیا۔ تب چھوٹی لال مرغی نے کہا کہ میرے ساتھ کھانا لینے کون چلے گا؟

بلی نے کہا میں نہیں جاؤنگی!

مینڈک نے کہا میں بھی نہیں جاؤں گا!

وہ دونوں بستر میں لیٹے رہے۔ پھر سو گئے۔ تب چھوٹی لال مرغی نے خریدنے کی ٹوکری اٹھائی اور گوشت اور انڈے خریدنے اکیلی منڈی چلی گئی۔

چھوٹی لال مرغی نے سوچا کہ آج ہم سیب کی چٹنی اور کسٹرڈ کھائیں گے اس لئے اس نے کچھ مکھن کچھ سیب اور کچھ دودھ خریدا۔

جب وہ منڈی سے واپس آئی تو دیکھا کہ بلی اور مینڈک ابھی بستر میں سو رہے ہیں ——— وہ بڑبڑائی یہ لوگ کتنے سست ہیں۔ میں انہیں ضرور سزا دوں گی۔ ان کے لئے سیب کی چٹنی اور کھانا بالکل تیار نہ کروں گی۔

چنانچہ وہ کچھ سوچ کر اکیلی ہی باہر نکل گئی

(۲)

بی لومڑی گھر سے نکلی تو دل میں سوچ رہی تھی اگر ایک چھوٹی مرغی ہاتھ آ جائے تو کھانا کتنا اچھا رہے۔ بچوں کو کھانے پر کتنے دنوں سے مرغی کا گوشت نہیں ملا۔ مجھے کوشش کرکے آج ایک موٹی تازی مرغی ضرور حاصل کرنی چاہیئے۔

تب وہ باغ کی طرف گئی۔ اور جلد ہی اس نے ایک چھوٹی لال مرغی سامنے آتی ہوئی دیکھی۔ اور اس نے کہا آہا ہا! یہ تو ہمارے لئے بہت اچھا کھانا ہے تب وہ چپکے سے ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ گئی۔ اور انتظار کرنے لگی۔ جب وہ اس کے پاس پہنچی تو وہ جھپٹی اور دیکھو ——— میں نے تمہیں پکڑ لیا ہے" بی لومڑی نے کہا۔ "اب تم آسانی کے ساتھ چھوٹ نہیں سکتیں" پھر جھٹ پٹ چھوٹی لال مرغی نے اسے اپنے تھیلے میں ڈال لیا۔ اور تھیلا اپنی پیٹھ پر ڈال کر باغ کے اندر چلنے لگی۔ بیچاری لال مرغی سخت گھبرائی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک گاڑی شور مچاتی ہوئی پاس سے گذری۔

تھیلے میں سے چھوٹی مرغی چلائی مدد! مدد!! لیکن گاڑی میں بیٹھے ہوئے آدمیوں نے اس کی آواز بالکل نہ سنی۔

تب چھوٹی لال مرغی تھیلے میں ٹھونگیں مارنے لگی - اور آخر کار اس میں چھوٹا سا سوراخ کر لیا جس میں سے وہ باہر جھانک سکتی تھی - سامنے میں اس نے بڑی بڑی اینٹیں اور کچھ مٹی کے دھیلے دیکھے - چھوٹی لال مرغی نے دل ہی دل میں کہا "اچھا — میں کوشش کر کے اس سوراخ کو اور بھی بڑا بنا دوں گی - اور پھر میں ایک چھلانگ لگاؤں گی اور سڑک پر پہنچ جاؤں گی - اور مٹی کا ایک بڑا سا ڈھیلا اٹھا کر اپنی بجائے تھیلے میں رکھ دوں گی"۔

اس طرح چھوٹی لال مرغی ٹھونگیں مارتی رہی - بہت جلد سوراخ بڑا ہو گیا - اور اس کی آنکھوں کے سامنے سے مٹی کا ایک بڑا ڈھیلا گزر گیا چنانچہ وہ چپکے سے تھیلے میں سے نکل کر کھسک گئی - اور مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر بوری میں بند کر دیا - تب وہ لومڑی کے پیچھے دوڑنے لگی اور اپنی جیب میں سے ایک دھاگہ نکال کر اس سوراخ کو سینے لگی جس سے وہ باہر نکلی تھی -

(۳)

لومڑی بی اپنا تھیلا اٹھائے ہوئے بدستور بھاگتی گئی - اور چھوٹی لال مرغی اس کے پیچھے برابر دوڑتی چلی گئی - یہاں تک کہ اس نے سوراخ کو پورے طور پر بند کر دیا پھر وہ الٹے پاؤں بھاگ گئی -

"تھیلا کافی بھاری معلوم ہوتا ہے - لومڑی نے دل ہی دل میں کہا - اس کے اندر خوب موٹی تازی لال مرغی ہوگی" میرے بچے گھر میں میرا انتظار کر رہے ہوں گے -

جب وہ باغ کے اوپر پہنچی تو وہ چیخنے لگے - "ممی تم یہ کیا لائی ہو" ؟

اور ممی نے مسکراتے ہوئے کہا "اندر آؤ - اور دیکھو اس میں کیا ہے" پھر وہ وہیں پر کھڑی ہو گئی اور تھیلے کو الٹا یا تاکہ چھوٹی لال مرغی ان کے سامنے آگرے وہ چیختے چلاتے اچھلتے کودتے اس کے گرد اکٹھے ہو گئے - لیکن جب انہوں نے دری پر دیکھا تو کہنے لگے "ممی یہ تو مٹی کا ایک گولا ہے"۔

تم نے دیکھا! لومڑی بی کو چھوٹی لال مرغی نے کتنا دھوکا دیا۔ سب بچے خوب زور سے ہنسنے لگے۔ ممّی بھی ہنسنے لگی۔

تب لومڑی نے بچوں کے کھانے کے لئے کسی اور چیز کا انتظام کیا لیکن جب بھی انہیں لال مرغی کا خیال آ جاتا ہے۔ تب وہ ممّی کو خوب ستاتے ہیں۔

جب لال مرغی اپنی جھونپڑی کے نزدیک پہنچی۔ اس نے بلّی کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ میں چاہتی ہوں کہ چھوٹی لال مرغی واپس آ جائے۔ مینڈک نے کہا میں بھی یہی چاہتا ہوں۔

تب مرغی بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی اور کہنے لگی کہ لو میں آ گئی ہوں۔

بلی نے کہا کہ میں کام کرنے میں تمہاری مدد کروں گی۔ پھر مینڈک نے کہا کہ میں بھی کام میں تمہاری مدد کروں گا۔

چنانچہ انہوں نے یہی کیا۔ اور وہ پھر تینوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔

(ترجمہ از انگریزی)

और प्राचीन साहित्य की रक्षा करनी चाहिये।

अगर हम अन्य जातियों की ओर दृष्टिपात करें तो देखेंगे कि साहित्य ने वहाँ की राजकीय तथा समाजिक स्थितियों में कैसे२ परिवर्तन कर डाले हैं। साहित्य की शक्ति वर्तमान विस्फोट पदार्थों से कहीं अधिक है। यूरोप में हानिकारक धार्मिक रूढियों को साहित्य ही ने उखाड़ फैंका है।

समाज से व्यक्ति और व्यक्ति से समाज बनता है। व्यक्तित्व को राष्ट्रीयता में लीन करना ही ठीक नागरिक शिक्षा है—जातीय स्वतन्त्रता के बीज साहित्य ही ने बोये हैं व्यक्तिगत स्वतन्त्रता के बीज भी उसीने पाले पोसे हैं और पतित देशों का पुनरुत्थान भी उसी द्वारा ही हुआ है। फ्रांस, इटली, जर्मनी इत्यादि देशों को किसने उठाया? साहित्य ने।

जो साहित्य मुर्दों को भी जिन्दा करने वाली संजीवनी है, जो पतितों को उठाने वाला है अगर इसके संर्वधन की चेष्टा कोई जाति नहीं करती तो वह अज्ञानधिकार के गर्त में पड़ी रह कर किसी दिन अपना अस्तित्व भी खो बैठती है। इससे बढ़कर देशद्रोह, जातिद्रोह, किं बहुना आत्मद्रोह और आत्महत्या क्या हो सकती है?

हमारी रियासत में कितने लोग हैं जो पढ़े लिखे हैं। वह पठन पाठक किस लिये करते हैं? नौकरी—परन्तु हमारे सम्मुख बहुत काम ऐसे लोग आये हैं जिन्होंने विद्या पढ़ने के पश्चात् उसका पूरा पूरा उपयोग अपने कृषी सम्बधित चीज़ों को ग्रहण करने में लगाया हो।

जब हमारा पढ़ने का ध्येय नौकरी है तो हम फिर अपने साहित्य की क्या सेवा कर सकते हैं, क्या लाभ उठा सकते हैं अपने साहित्य से—आज कमजोर है विदेशी भाषाएं पढ़ने का, जो व्यक्ति अपनी मां को निःसहाय; निरुपाय और निर्धन दशा में छोड़कर दूसरे की मां की सेवा करता है उसकी कृतघ्नता का क्या प्रायश्चित होना चाहिये। जितना सायित्य हमारी हिन्दी भाषा में है या संस्कृति में है और किसी में भी न होगा—अगर हम इसको छोड़ेंगे तो फिर हमारी सभ्यता क्या होगी, हम कहां जायंगे......? मेरा यह अभिप्राय नहीं कि विदेशी भाषाएं सीखनी ही न चाहि। नहीं अवकाश होने पर हमें अनेक भाषायें सीखनी चाहिये—परन्तु अपनी भाषा और उसी के साहित्य को महत्ता देनी चाहिये; क्योंकि अपना, अपने देश को, अपनी जाति का उपकार और कल्याण अपनी ही भाषा के साहित्य की उन्नती से हो सकता है।

अतएव अपनी अपनी भाषा के साहित्य की सेवा करना सभी का धर्म हो जाता है।

योगेन्द्र बी० ए० "योगी"

साहित्य

पूर्व इस के कि हम अपने विषय की ओर लेखनी को दौड़ाएं इतना कह देना पर्याप्त होगा कि सुशिक्षित व्यक्ति ही साहित्य सेवा कर सकता है और सुशिक्षित हम तभी हो सकते हैं जब हम यह समझेंगे कि अशिक्षित रहना पाप है और जीवन भर अध्ययन शील रहना हमारा कर्तव्य है।

साहित्य एक दर्पण है जिस में जाति विशेष के तत्कालीन उच्चनीच भावों का और ऐतिहासिक घटना चक्रों तथा राजनैतिक परिस्थियों की छाया देखी जा सकती है।

कहने का तात्पर्य यह कि ज्ञान के ढेर से एकत्रित कोश का नाम ही साहित्य है कोई भी भाषा हर प्रकार के भावों को प्रकट करने की योग्यता रखती है और दोष रहित है, यदि उस का निज का साहित्य नहीं तो वह भिखारिणी है ऐसी भिखारिणी जिसे भगवान ने रूप भी बहुत दिया हो ऐसी साहित्य हीन भाषा कदापि आदरनीय नहीं हो सकती अगर सामाजिक शक्ति या सजीवता, सामाजिक अशक्ति या निर्जिविता, सभ्यता या असभ्यता का निर्णय करना हो तो वह केवल उस समय के साहित्य से ही हो सकता है। अगर किसी जाति में साहित्य की कमी दिखाई पड़े तो निस्सन्देह वह जाति असभ्य कि वा अपूर्ण सभ्य है।

इस साहित्य रूपि दर्पण के सामने जाते ही हमें प्रतीत हो जाता है कि अमुक जाति कि इस समय क्या हालत है। पीछे क्या थी और आगे क्या होगी जैसे भोजन त्यागने से या कम खाने से शरीर क्षीण हो जाता है, वैसे ही साहित्य रसास्वादन से निज मस्तिष्क को वञ्चित कर दीजिए आप देखेंगे कि वह निष्क्रिय हो कर धीरे २ किसी काम का न रहेगा। शरीर का प्रत्येक अंग कोई न कोई काम करता है अगर उस से वह काम लेना बन्द कर दिया जाये तो उस की वह काम करने की शक्ति नष्ट हो जाती है। शरीर के लिये खाद्य भोजनीय पदार्थ हैं। मस्तिष्का का खाद्य है साहित्य अतः यदि हम अपने मस्तिष्क को निष्क्रिय तथा निर्जीव सा नहीं करना चाहते तो हमें साहित्य का लगातार सेवन करना चाहिए ऐसा करने से हम साहित्य में नवीनता तथा, पौष्टिकता भी ला सकते हैं। विकृत भोजन से जैसे शरीर बिगड़ जाता है वैसे ही विकृत साहित्य के पढ़ने से मस्तिष्क में विकार उत्पन्न हो जाता है, रोगी हो जाता है।

अतएव यह बात भ्रांति रहित है कि मस्तिष्क के ठीक विकास का साधन अच्छा साहित्य है। यदि हमें जीवित रहना है और सभ्यता की दौड़ में अन्य जातियों का मुकाबला करना है तो हमें मेहनत से उत्साह से भरसाहित्य का उत्पादन

शिक्षा का जो तरीका या कम मैंने ऊपर दिया है उसे जरा भी स्थान प्राप्त नहीं है कोर्स में रखी गई पुस्तकें जिस किसी प्रकार रट कर परीक्षार्थी परीक्षाओं में सफल हो जाया करते हैं किन्तु उन्हें प्रत्येक पहलू पर विचार करने की शक्ति, व्यवहारिक तथा अनुभव ज्ञान लेश मात्र भी नहीं मिलता, डिग्रियों का आधार ले कर वे भले ही जनता के आगे अपने को शिक्षित कहने का दम्भ दिखलायें किन्तु शिक्षा के वास्तविक उद्देश्य के अनुसार वे शिक्षित कदापि नहीं कहे जा सकते। उन की बुद्धि विकास के क्रम के अनुसार शिक्षा का क्रम न रहने से उन्हें जीवन में शृंखला बद्ध ज्ञान नहीं मिलता आज की शिक्षा केवल परीक्षा और नौकरी की भित्ति पर ही खड़ी है शिक्षा का वह पवित्र उद्देश्य आज की पढ़ाई से कोसों दूर है इस लिए आज भारत वर्ष परतन्त्र होकर उद्योगान की ओर जा रहा है। भारत की स्थिति तब तक नहीं सुधर सकती जब तक इसकी शिक्षा प्रणाली में परिवर्तन नहीं किया गया अतः शिक्षा विभाग के अधिकारियों का इस ओर ध्यान देना नितान्त आवश्यक है।

होनी चाहिए। जमीन में एक छोटा सा बीज बोया जाता है किन्तु उसमें उसके आगे होने वाले आकार, (शक्ल) का नकशा वर्तमान रहता है। यदि उसे अच्छी जमीन अच्छी हवा और अच्छी खाद मिले तो वह थोड़े ही समय के उपरान्त एक हरा भरा फूल और फलों वाला वृक्ष बन जायेगा। यदि समय पर उसे उपयुक्त साधन न मिले तो वह अपनी शैशवावस्था में ही मुरझा जायेगा इसलिए पूरे पेड़ में वृद्धि और विकास की अटूट शृंखला मौजूद रहती है। बालक की भी यही हालत है यदि उसे समय पर शिक्षा का उचित वातावरण मिल गया तो वह भविष्य में काफी उन्नति कर जायगा क्योंकि बाल्यकाल में सब शक्तियें मौजूद रहती हैं जो आगे चलकर फूलेंगी और फलेंगी और समय पर बालक की शारीरिक तथा मानसिक शक्तियें विकासित हो उठेंगी।

इस लिये मानवी शक्तियों और मनोभावों का विकास करना ही शिक्षा का कार्य होना चाहिए यह विकास स्वभाविक उन्नतिशील और बे रोक टोक का होना चाहिए।

सब प्रथम बच्चे के मानसिक झुकाव को देख कर ही उस के लिए पाठय विषय निर्धारित करना चाहिए और उस विषय को खण्डों में विभक्त कर बच्चों की वृद्धि के अनुसार वह खण्ड उन्हें पढ़ाना चाहिए जैसे २ बच्चे की मानसिक शक्तियाँ बढ़ती जाती हैं वैसा ही शिक्षा क्रम का और तरीका भी होना चाहिए। जिस समय बच्चे की बुद्धि का विकास जिस परिमाण में हो उसी समय उस परिमाण की समानता का विषय पढ़ाना चाहिए क्योंकि विषय को ग्रहण करना बुद्धि का कार्य है बुद्धि भी क्रमशः विकसित होती है बाल्यावस्था में बुद्धि भी इतनी प्रखर नहीं होती कि वह कठिन पुस्तकों को तुरन्त समझ जाय उस समय याद होती है करने की शक्ति विशेष रूप से रहती है और समझने की कम अतः उस समय बच्चे को गम्भीर तथा गूढ़ विषयों को न पढ़ा कर उसे हलके अध्ययन की ओर ले जाना चाहिए। युवा तथा प्रौढ़ावस्था में समझने की शक्ति पर्याप्त मात्रा में पैदा होती है अतः उस समय कठिन से कठिन विषयों को पढ़ना चाहिए। योरोप के प्रसिद्ध शिक्षा सुधारक पेस्टोलोजी का भी यहि सिद्धान्त है वह अपनी एक पुस्तक में लिखता है कि शिक्षा देने का जो पुराना तरीका आज कल बर्ता जाता है उस में एक बड़ा भारी दोष यह है कि उसमें बच्चों की शक्तियें कुचली जाती हैं और बच्चों को जो अनुभव (Experience) से ज्ञान प्राप्त होता है उस पर कुछ भी ध्यान नहीं दिया जाता प्रकृति (Nature) उठते बैठते बच्चों को हर प्रकार के ज्ञान दिया करती है किन्तु उसे आज की शिक्षा प्रणाली में पूर्ण उपेक्षा की जाती है इस लिए आज के स्कूल-कालेज तथा विश्व विद्यालय बालकों की स्वभाविक शक्ति को नष्ट करने की मशीनें हैं। आज कल के उन्नतिशील युग में

की और विदेशी माल के वहिष्कार के बजाये उसे और अधिक रूप में अपनाने की चेष्टा की गई परिणाम स्वरूप आज भारत की आर्थिक दशा कितनी दयनीय हो चुकी है इसको कितनी सम्पत्ति इसी कारन बाहर चली गई जो संख्या के भी बाहर है इस भयंकर अकाल के समय जब कि खाने के लिये सूखी रोटी और तन ढकने के लिये साधारण कपड़े का मिलना असंभव हो गया है उन लोगों को क्या दशा होती होगी जिन्होंने महात्मा जी के आदेश को उपेक्षा की थी और कर रहे हैं। अब। फैशनों की बुरी आदत छोड़ने पर भी कैसे छोड़ी जाय? यद्यपि परिस्थिति वश उन्हें अपनी इन आदतों को जिस किसी प्रकार छोड़ना ही पड़ेगा।

इधर गुलाम देश का यह हालत और उधर स्वतन्त्र (जब वह स्वतन्त्र था) जापान की सुनिये—जापान में पर्याप्त मोटरें नहीं बनाई जाती थी इस कमी पूर्ति के लिये उन्हें अमेरिका के फोर्ड और शिवरलेट कम्पनियों से मोटरें मगवानी पड़ती थी। जापानियों से यह नहीं सहन किया गया कि उनकी इतनी भारी पूंजी दूसरे देश को हर वर्ष मिला करे उन्होंने उक्त कम्पनियों को लिखा कि वे जापान में अपनी शाखायें स्थापित करें आखिर ऐसा ही हुआ और लाखों जापानी बेकारों को काम मिला तथा शेयर होल्डरों का बीरसंख्या में थी जापानी अधिक संख्या में रहने लगे यह जापानी वीरों की शिक्षा का प्रभाव है जो उन्हें प्रारम्भ में दी गई थी। जब रूस जापान का युद्ध छिड़ा हुआ था तो रूसी सेना को एक खाई पार करनी पड़ी थी रूसी वीर स्वयम् इस खाई में लेट गये और उसे भर दिया जिससे रूसी सेनायें उसे पार कर शत्रु का मुकाबला कर सकी देश के लिए शरीर को तुच्छ समझकर इस प्रकार मृत्यु के साथ दे देना कोई खेल नहीं है इतना त्याग, रूसियों को उनकी शिक्षा ने ही दिया। काश! आज भारत की शिक्षा भी यदि इन देशों की शिक्षा की भाँति होती तो हमारा देश आज स्वतन्त्र होता किन्तु लार्ड मेकाले की योजनायें कहां जाती? जो डेढ़ शताब्दि से भारत को पंगु बनाती चली आ रही है।

शिक्षा किस प्रकार दी जाय

उपर्युक्त विवरण से यह स्पष्ट हो गया है कि शिक्षा के साथ २ स्वास्थ्य, राजनीतिज्ञता, देश प्रेम, और सच्ची नागरिकता का शिक्षण भी अनिवार्य होना चाहिये। इसके अतिरिक्त एक और प्रधानभूत वस्तु है 'विकास' संक्षेप में शिक्षा का प्रधान उद्देश्य है 'विकास इस तत्व में उपयुक्त शिक्षा के अन्य अङ्ग भी समाविष्ट हो जाते हैं मनुष्य को जितनी भी निजी शक्तियें प्राप्त हुई हैं वे न तो उसको उद्योग का फल हैं और न आकस्मिक हैं किन्तु वे ईश्वर प्रदत्त हैं इसलिये ईश्वर ने जो क्रमसृष्टि के लिए निर्धारित किया है उसी क्रम के अनुसार हमारी शिक्षा भी

एक तरफ तो शिक्षा के द्वारा अन्य देशों की इस प्रकार आश्चर्य जनक उन्नति और दूसरी ओर भारत वर्ष की शिक्षा के कारण इतनी दुरावस्था ? सच मुच आश्चर्य की बात है। सदियों से भारत की शिक्षा प्रणाली अधूरी और विश्रृंखल हो चुकी है यहाँ पढ़ाई के वास्तविक उद्देश्य को भुला कर लोग इसे केवल अर्थ संग्रह का ही साधन मानने लगे हैं। सभ्यता नागरिकता सद् व्यवहार आदि भी शिक्षा के अनिवार्य उद्देश्य हैं इसे कोई ध्यान में नहीं लाता, यही कारण है कि आज भारतीय शिक्षा संस्थाओं के स्नातकों में अन्य देशीय स्नातकों जैसे गुण नहीं पाये जाते वे साधारण नौकरी के लिए भी स्वाभिमान को खो कर साधारण मनुष्यों के पैरों में गिरने के लिये तैयार हो जाते हैं अपने व्यक्तित्व को भुला कर क्लर्कों तक के पास जा कर गिड़गिड़ाने लगते हैं और लाखों चिकनी चुपड़ी कर अपना उल्लू सीधा करना चाहते हैं। यदि शिक्षा अन्त में हमें यही व्यवहार सिखलाती हो तो बाज आये आये इस अभिशाप से शिक्षा से हमें व्यक्तित्व, स्वाभिमान, ज्ञान आत्मिक बल और अलौकिक प्रकाश मिलता है किन्तु हम देखते हैं भारत की आज की शिक्षा से उपर्युक्त बातों के स्थान पर हमें मिलता है दीनता विचारों की लघुता मूर्खता, कमजोर दिली शारीरिक मानसिक तथा वाचिक निर्बलता, चापलूसी, और स्वभाव गुलामी केवल आर्थिक लिप्सा को छोड़ कर हम अग भी बौद्धिक बल इस से प्राप्त नहीं करना चाहते थोड़ी सी बात के लिये स्वदेशाभिमान तथा अपने देश के स्वार्थों को भी तिलांजली देने के लिये तैयार हो जाते हैं।

यह हमारी मानसिक कमजोरियां आधुनिक शिक्षा की ही देन है। गुलामी की कला का पूरा शिक्षण हमें आज की शिक्षा ही दे रही है। इसलिये इस शिक्षा के कारण भारतवर्ष गुलाम ही तो बना ?

स्वतन्त्र देशों के शिक्षित बच्चे, युवक तथा बूढ़े देश के लिये मर मिटने के लिये तैयार हो जाते हैं उनके इस त्यागमय जीवन का ही फल है कि उनका देश स्वतन्त्र समृद्ध और सुरक्षित रहता है शिक्षा के साथ साथ उन्हें प्रधान रूप से स्वदेश हित शिक्षा का पाठ पढ़ाया जाता है भारत में तो विचित्र दशा है यहां तो विदेशी शिक्षा ने इस विषय को स्थान ही नहीं दिया विद्यार्थी जीवन भर स्वदेश भक्ति का क्या अर्थ समझे ? और देश के लिये बलिदान भी कैसे करें ? उनके मस्तिष्क सदा इस विदेशीय, सभ्यता और गुलामी की भावनाओं से ओत प्रोत रहते हैं। साधारण सी बात है महात्मा गान्धी जी ने देश से अपील की थी कि स्वदेशीय वस्तुओं का ही उपयोग किया जाय जिस से भारत का धन बाहर न जाने पाये और यहाँ गरीबी न फैले। महात्मा जी के इस आदेश की किसी ने परवाह नहीं

प्रेम पूर्वक पढ़ाते और परम सौ हार्दता उन के साथ बर्ताव करते थे।

जिस विषय की ओर विद्यार्थि का बहाव होता था उसी ओर उसे लगाते थे ताकि उस विषय मे उसकी खुदकी दिलचस्पी होने के कारण वह उसमे पर्याप्त उन्नति कर पाये शिक्षा के साथ २ होना चाहिये स्वास्थ्य का पूरा ध्यान जापान ने इस बात को शिक्षा मे भी अधिक प्रधानता देकर प्रत्येक शिक्षा संस्था मे व्यायाम के बड़े २ साधन जुटा कर उसे अनिवार्य कर दिया और स्वच्छता पर विद्याथियों का अधिक ध्यान दिलाया देहात अथवा शहर जहां भी सब मे बढ़िया बिल्डिङ्ग दिखाई दे समझ जाओ कि यह स्कूल अथवा कालेज होगा।

शिक्षा के साथ २ व्यावहारिक ज्ञान का होना आवश्यक है जापान ने प्रत्येक संस्था के साथ एक २ मोडल हौऊस अलग खोल दिया जिस गृहस्थि में के सभी साधन मौजूद हुआ करते थे और लड़कों को वहां ले जा कर पूरे गृहस्थी बनने के लिये शिक्षित किया जाता था।

शिक्षा के साथ २ राजनीति का ज्ञान होना आवश्यक है इस लिये जापान ने इस का सब साधनों द्वारा पूरा प्रबन्ध किया प्रत्येक संस्था में पोलिटिकल क्लब अलग खोल दिया जिसमे सप्ताह के एक दिन देश के हर पहलू पर विद्यार्थि और अध्यापकों का विचार विमर्श और व्याख्यान हुआ करते थे कभी २ इस विषय पर व्याख्या देने के लिये बाहर से भी विद्वान् बुलाये जाते थे। किताबी शिक्षा के साथ २ देश सेवा के भाव इस प्रकार कूट २ कर उनके मस्तिष्कों में भरे जाते थे कि वे समय पर देश हित के लिये हसते २ अपने प्राणों को भेंट कर देते थे जापानी वीरों के बलिदान तो संसार में विख्यात हैं गत युद्ध में भी उन्हों ने किस प्रकार चप्पा २ भूमी के लिये अपना खून बहाया था और देश की रक्षार्थ सर्वस्व देकर मर मिटे थे इतने आदर्श त्याग की भावनायें उन के मस्तिष्कों मे पूर्व कालीन शिक्षा के माध्यम द्वारा ही भरी गई थीं शिक्षा तो तो ऐसी हो हो आज भी यदि किसी जापनी बच्चे से कहा जाय कि तुम्हारी ड्रेस अच्छी नहीं तो वह सहन कर लेगा यदि कहा जाय कि ड्रेस पहनने में तुम्हारे देश की प्रथा अच्छी नहीं तो वह कहने वाले का खून पीने के लिये तैयार हो जायेगा। कहने का तात्पर्य यह कि जापानी बच्चा कभी भी अपने देश पर किये गये आक्षेप को सहन नहीं कर सकता यह सब शिक्षा का ही प्रभाव है। शिक्षा उद्देश्य होता है कि वह मनुश्य को पुस्तकी ज्ञान के साथ २ सभ्य, सुसंस्कृत और पूर्ण नागरिक बनाये। शिक्षा पा कर भी यदि मनुष्य समाज के उपयुक्त अपने आप को न बना सका तो उन का शिक्षित होना बेकार है।

आधुनिक शिक्षा परिवर्तन की आवश्यकता।

[लेखक पं० गंगादत्त शास्त्री, रिगवेदाचार्य जम्मू]

किसी भी राष्ट्र की उन्नति के लिये शिक्षा में एक महत्व पूर्ण साधन है देश का सर्वस्व शिक्षा की भित्ति पर ही अवलम्बित रहता है देश का उत्थान और पतन शिक्षा की साधुता और असाधुता पर ही निर्भर है। किसी भी राष्ट्र की फलती फूलती हुई उन्नति लता को देख कर उस की शिक्षा की उपयोगिता की ओर ध्यान आकृष्ट होना स्वाभाविक हैं शिक्षा का प्रभाव मनुष्य के केवल आचार विचार और व्यवहार पर ही नहीं पड़ता किन्तु उस का बाहरी और भीतरी ढांचा ही शिक्षा से घड़ा जाता है। इस लिये शिक्षा का बहुत महत्व है उस पर विचार करना किसी भी उन्नति शील राष्ट्र के लिये नितान्त आवश्यक है। इतिहास इस बात का साक्षी है जापान जर्मन-अमेरिका और इंग्लेंड जैसे देशों का उत्थान शिक्षा द्वारा ही हुआ है। इन महादेशों ने और सब बखेड़ों से मुक्ति पा कर सर्व प्रथम शिक्षा पर ही शान्त दिल से विचार किया और विद्वानों तथा कुशल राज नीतिज्ञों द्वारा सत शिक्षा की योजनाओं को तैयार करवा कर देश में चालू किया, गिरते हुए देशों को शिक्षा की इन उपयोगी योजनाओं ने बचा कर उन्नति के शिखर पर चढ़ा दिया आज यदि हम इन मे से एक की भी शिक्षा प्रणाली का अध्ययन करें तो हमें भारतवर्ष और उन देशों की शिक्षा पद्धति में जमीन और आसमान का अन्तर दिखाई देगा। केवल जापान की शिक्षा पद्धति को ही लीजिये जापान में तो सर्व साधारण में शिक्षा का प्रसार करने के लिये वहां की सरकार वर्षों से प्रयत्न करती चली आयी है परिनाम स्वरूप आज जापान में शिक्षित आदमियों का औसत ९९.५ है जापान मे शिक्षा प्रणाली को तीन भागों में बांटा है--

(१) प्रारम्भिक शिक्षा (२) माध्यमिक शिक्षा, और उच्च दर्जे में शिक्षा, प्रारम्भिक में बालक और बालिकायें इकट्ठी पढ़ा करती हैं माध्यमिक में युवक और उच्च दर्जे में शिक्षित शक्ति। प्रारम्भिक शिक्षा का स संस्कार बालक की बुद्धि पर गहरा पड़ता है और वही भावी जीवन के निर्मान में कारण बनता है इस लिये जापान ने प्रारम्भिक शिक्षा पर काफी ध्यान देकर उस में विशेषतायें भर दीं और बालक बालिकाओं को [illegible] की [illegible] प्रदान कीं इस में इश्तहार दिया गया जिस में बालक की पढ़ने में स्वयं अभिरुचि पैदा हो वे समय पर बड़ी उत्कण्ठा और चाह से दौड़े २ कालेज और स्कूलों में आवें अध्यापक विद्यार्थियों को

تعلیمِ جدید
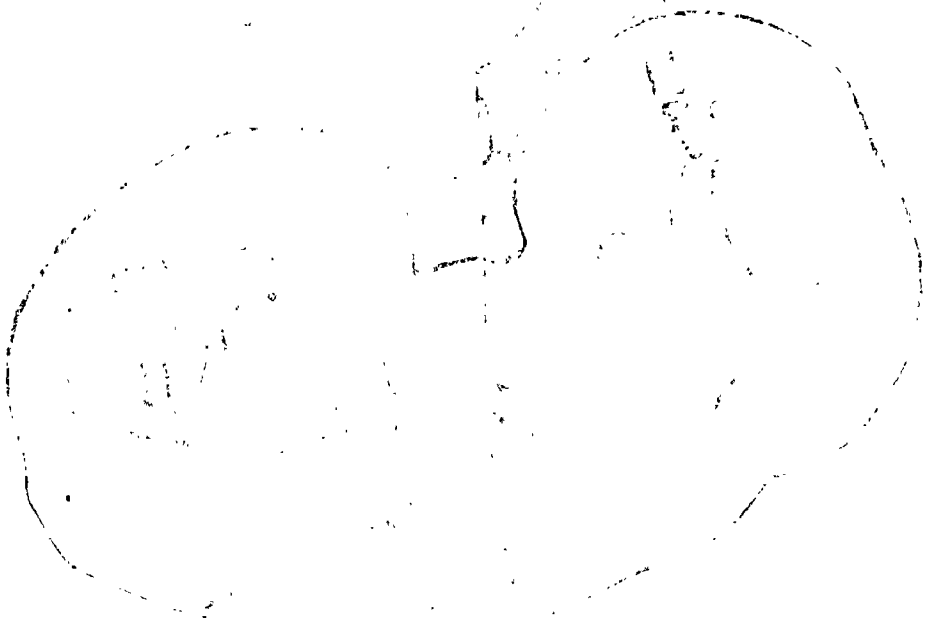
محکمہ تعلیم جموں و کشمیر کا ماہوار رسالہ

تعلیم جدید

سلسلۂ نو
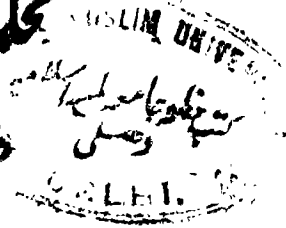
نمبر ۸	ماہ جولائی ۱۹۴۶ء مطابق ساون سمت ۲۰۰۳	جلد نمبر ۴

لکھنے والے

(۱) جناب کرامت اللہ خان صاحب چیرمین ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ اسلامیہ کالج پشاور۔
(۲) جناب خواجہ محمد یوسف صاحب اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس جموں
(۳) جناب عبدالرشید صاحب قریشی اُستاد سماجی علوم ٹیچرز ٹریننگ سکول جموں۔
(۴) جناب احمد حسین صاحب سہیل آرٹ ٹیچر۔ ٹیچرز ٹریننگ سکول جموں۔
(۵) جناب عبدالکریم صاحب عتیق۔
(۶) محترمہ شمیم اختر صاحبہ۔
(۷) جناب ارجن سنگھ صاحب
(۸) جناب امرناتھ صاحب شرما
(۹) شریمتی وملاکماری صاحبہ بی اے

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۰۵۷ — ایڈیٹر کیف اسرائیلی
مقام اشاعت :۔ ٹیچرز ٹریننگ سکول جموں

تعارف

یہ جولائی کا پرچہ ہے !

اس نمبر میں خالص علمی مضامین کے بجائے ہم نے سکولوں کے لئے عملی اور ضروری مواد بہم پہنچانے کی کافی کوشش کی ہے۔ مضامین عموماً چھوٹے چھوٹے اور مختصر ملیں گے۔ اور چند نام بھی شاید غیر معروف اور اجنبی سے! مگر جیسا کہ قارئین کو اچھی طرح علم ہے۔ ہم نے تعلیم جدید کے بلند مقصد کو مشہور ناموں کی بھینٹ چڑھانے سے ہمیشہ گریز کیا ہے۔ دراصل پرچے کا ایک مستقل نصب العین ہے۔ جس کو بڑے بڑے علمی مفکروں سے زیادہ تعلیمی دنیا میں کام کرنے والے چھوٹے چھوٹے رضا کار زیادہ آسانی کے ساتھ پورا کر سکتے ہیں۔ مدرسوں کی الگ تھلگ اور بظاہر ساکن فضا میں زندگی کے ہنگامے پلتے ہیں۔ اور اُن میں کام کرنے والوں کی زندگی اور عمل بہت سے لوگوں کے لئے سبق آموز اور خیال آفریں ہو سکتے ہیں! اس لحاظ سے دیکھا جائے۔ تو موجودہ شمارے میں کافی تنوع ہے۔ اور مدرسوں کی زندگی کے بعض مخصوص پہلو اجاگر کرنے کی پوری سعی کی گئی ہے!

زیر نظر شمارے میں کل کے مدرسے ایک فکر انگیز مضمون ہے۔ اور اس سے آپ کو مستقبل کے مدرسوں کے سمجھنے میں بہت کچھ مدد ملے گی۔

ڈرائنگ پر جناب احمد حسین صاحب سہیل کا مضمون پچھلی بار چھپتے چھپتے رہ گیا تھا۔ اس مضمون میں سہیل صاحب نے ڈرائنگ کے متعلق بعض ضروری باتیں کہی ہیں۔ امید ہے۔ ڈرائنگ سے دلچسپی لینے والوں کے لئے اس کا مطالعہ کافی مفید رہے گا!

کیف

مدرسے

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی رُوح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا
زندگی موت ہے کھو دیتی ہے جب ذوقِ خراش
مدرسے نے تیری آنکھوں سے چھپایا ہے جنہیں
خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

ضربِ کلیم (اقبالؒ)

کرامت اللہ خان

قوموں کی تعمیر میں تعلیم کی اہمیت مسلمہ ہے۔ لیکن ہمارے ہاں تعلیم کا صحیح مقصد نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم کے وہ نتائج حاصل نہیں ہو رہے۔ جن کی توقع تھی۔ اب سے ایک صدی قبل تعلیم جدید کا آغاز ہوا لیکن نتائج کے اعتبار سے تعلیمی مساعی اُمید افزا نہیں ہیں۔ ہمارے ملک کے اکثر تعلیم یافتہ لپست ہمت اختراعی قوا رسے محروم، اور ذہنی اعتبار سے ادنیٰ ثابت ہو رہے ہیں۔ ان مایوس نتائج کی بڑی وجہ بچوں کی ابتدائی تربیت کی خامی ہے۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بچہ کی تعلیم مدرسہ جانے پر شروع ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں رسم بسم اللہ کا رواج ہے۔ اس رسم کے مطابق جب بچہ چار برس چار ماہ اور چار دن کا ہوتا ہے۔ تو والدین عزیزوں اور دوستوں کو جمع کرتے ہیں اور کسی بڑے عالم کے ذریعہ بچہ کو پہلی مرتبہ لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ اس رسم سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مدرسہ کی تعلیم تقریباً پانچ برس کی عمر سے شروع ہوتی تھی۔ پانچ برس سے پہلے کسی خاص درسگاہ کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن دورِ جدید میں بچوں کی نفسیات اور طریقۂ تعلیم پر جس قدر تحقیقات کی گئی ہے اُن سے ثابت ہو چکا ہے کہ بچوں کی ذہنی تربیت اور سیرت کی تعمیر پیدائش سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ اگر ماں بچہ کو دودھ اس کی اشتہا کے مطابق مناسب اوقات میں دیتی رہے اور اس کی تکلیف پر مناسب ہمدردی کا اظہار کرے تو بچہ خوش مزاج اور خوش دماغ ہوگا۔ ورنہ بچہ ضدی، اور بدمزاج ہو جائیگا۔ جن بچوں کو مائیں زیادہ رُلاتی رہتی ہیں اور ان کو خوش د

خرم رکھنے کی پرواہ نہیں کرتیں۔ وہ اکثر بدمزاج اور غصہ ور ہو جاتے ہیں۔ جس سے اُن کے ذہنی توازن میں فرق آجاتا ہے۔ مختصراً بچوں کی دماغی اور جسمانی تربیت کی ابتدا پیدائش سے شروع ہو جاتی ہے۔

یورپ اور امریکہ میں ۳ برس سے ۵ برس تک کے بچوں کے لئے مدارس قائم کئے گئے ہیں۔ جنکو نرسری سکول یعنی "بالک گھر" کہا جاتا ہے۔ یہ سکول بچوں کی نفسیات کے اصولوں پر قائم کئے گئے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس قسم کے مدارس کی ضرورت ہے تاکہ وہاں بچوں کی صحیح تربیت ہو سکے۔ دوسرے ہندوستان کے والدین اس قسم کے سکول کے طریقوں سے واقف ہو کر بچوں کی تربیت ترقی یافتہ طریقے سے کر سکیں گے۔ ان مدارس میں بچوں کی صحت اور صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ وسیع سبزہ زار اور خوبصورت باغ میں بچوں کی دلچسپی کے لئے مختلف قسموں کے پودے لگے ہوتے ہیں۔ پودوں کے علاوہ بڑی تعداد میں پالتو پرندوں اور جانوروں کا انتظام ہوتا ہے۔ تاکہ بچوں میں نباتات اور حیوانات سے دلچسپی کا جو فطری لگاؤ ہوتا ہے وہ قائم رہے اور ان مشاغل سے قدرتی طور پر ان کی ذہنی نشو و نما بہتر سے بہتر طریقہ پر ہو سکے۔ بچے ان وسیع سبزہ زاروں اور باغوں میں آزادانہ کھیل میں مصروف رکھے جاتے ہیں اس کے علاوہ بچوں میں اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا جو فطری شوق ہے اسکی تربیت کے لئے زیادہ سے زیادہ مناسب موقعے بہم پہنچائے جاتے ہیں۔ مثلاً فرانسیسی مٹی کو پانی میں ملا کر تیار ی بناتے ہیں۔ اور اُس سے چڑیا اور گولے وغیرہ تیار کرتے ہیں۔ بچوں میں چیزیں جمع کرنے کا فطری شوق ہوتا ہے۔ اس بناء پر اُن کو رنگ برنگ کے چینی اور پتھر کے ٹکڑے اور رنگ برنگ کے پھول وغیرہ جمع کرنے کا شوق پیدا کرایا جاتا ہے۔ ہر بچہ کی اپنی چھوٹی سی ایک الماری ہوتی ہے۔ جس میں وہ اپنے کھلونے اور دوسری چیزیں رکھتا ہے۔ اس کی اپنی چھوٹی سی کرسی اور میز ہوتی ہے۔ جنکو وہ جہاں چاہے لے جا سکتا ہے اُس کا اپنا ایک چھوٹا سا تختہ سیاہ ہوتا ہے جس پر وہ چاک سے ہر قسم کی شکلیں بناتا رہتا ہے اس آزاد اور فطرتی ابتدائی مصوری کی تربیت سے آئندہ وہ ایک نہایت جدت پسند مصور ہو سکتا ہے بچوں کو چیخنے چلانے، اُچھلنے کودنے کی پوری آزادی ہوتی ہے

بچوں کے کپڑے مدرسہ میں بھی ایک صندوق میں رکھے رہتے ہیں یہاں بچوں کو تربیت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے کپڑے خود پہنیں۔ جوتوں کے بند خود باندھیں۔ اپنے کپڑوں کو تہ کرکے قاعدے سے رکھیں۔ یہ سب بچے جو تین برس سے پانچ برس تک کے ہوتے ہیں صبح آٹھ بجے سکول میں جاتے ہیں اور شام کو چھ بجے آتے ہیں۔ اس عرصہ میں وہ چار مرتبہ کھانا کھاتے ہیں سکول میں ان کے لئے چھوٹی چھوٹی میزیں اور کرسیاں ہوتی ہیں ان میں وہ اپنے برتن خود ترتیب سے رکھتے ہیں اور اپنے کھانے کا کام زیادہ تر خود ہی کرنا سیکھتے ہیں۔

غرضیکہ جسمانی صحت اور ذہنی نشوونما کے لئے درسگاہیں ۴ برس کے بچوں کے لئے بھی قائم کی جاسکتی ہیں ان درسگاہوں میں اخلاقی تربیت اور سماجی زندگی کا شوق ابھارا جاتا ہے۔ اگر ننھے بچے ابتدائی عمر سے ہی خود غرض نہ ہوں تو آئندہ زندگی میں بھی وہ فیاض وسیع النظر اور سیرچشم ثابت ہوں گے۔ ہمارے ملک میں عمدہ انجینئر اور اچھے صناع کم پیدا ہو رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری تعلیم کا بڑا مشغلہ لکھنا پڑھنا ہے عملی کام کی تعلیم نہیں سمجھا جاتا۔ اگر بچہ اپنے فطری شوق کے مطابق قینچی سے کاغذ کاٹ کر پھول بنانا چاہتا ہے۔ تو اس کو اس کام سے منع کرکے کہا جاتا ہے کہ جاؤ کتاب پڑھو یا کتاب کی نقل کرو۔ بالک گھروں میں چھوٹے بچوں کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا جو فطری شوق ہوتا ہے۔ اسے ترقی دی جاتی ہے۔ انکو چھوٹے چھوٹے گملوں میں پانی ڈالنے کے فوارے دئے جاتے ہیں جن کے ذریعہ وہ بڑی دلچسپی سے پھولوں کو پانی دیتے رہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں لڑکیوں کو گڑیاں کھیلنے کا رواج جاری ہے بچیاں ان گڑیوں کے کھانا پکانے میں بڑی دلچسپی سے مشغول رہتی ہیں۔ لڑکیوں کا یہ مشغلہ فطری ہے۔ اور اس کھیل کی اجازت ہونی چاہئے۔ اسی اصول پر آجکل لاتعداد کھلونے بنائے گئے ہیں بچوں کے لئے وہ کھلونے مہیا کئے جائیں مثلاً لکڑی کے ایک تختہ پر ہندوستان کا نقشہ بنا ہو۔ اس کے مختلف صوبے مختلف رنگوں سے رنگے ہوں اور سب صوبے اپنی سرحدوں پر سے کٹے ہوئے ہوں۔ یہ کٹے ہوئے ٹکڑے جب ملائے جائیں تو باقاعدہ ہندوستان کا نقشہ بن جائے۔ تجربہ کیا گیا ہے کہ تین برس کے بچے بھی چند دن کے تفریحی کھیل کے بعد خود بخود بلا استاد کی امداد کے صحیح

طور پر ان ٹکڑوں کو جوڑ سکتے ہیں غرضیکہ کھیل کے ذریعے تین برس سے ۵ برس کے بچوں کی تعلیم ہو سکتی ہے۔ ایک قسم کا رنگ پانی میں ڈالا جائے اور پھر اُس پانی کی سطح پر معمولی کاغذ موڑ دیا جائے تو کاغذ پر خوبصورت لکیریں بن جاتی ہیں۔ جس سے ابری جو کتابوں کی جلد کے لئے استعمال ہوتی ہے، تیار ہو سکتی ہے۔ اس قسم کے صدہا کھیل کم خرچ اور ہمارے ملک کی ضروریات کے مطابق چھوٹے بچوں کے لئے جاری کئے جا سکتے ہیں

پھولوں کے ہار اور گلدستے بنانا، پرندوں کے خوبصورت پروں سے نئی نئی شکلوں کی چیزیں بنانا، لکڑی کے چکنے چوکور ٹکڑوں سے مکان بنانا، پل بنانا، ریل کے اسٹیشن اور ہوائی جہاز کے اڈے تیار کرنا، لوہے کی ریل کی پٹریوں کو پھیلا کر ریلوں کو چلانا، کھلونوں کے ذریعے مختلف اقسام کی دکانیں بنانا، سڑکیں بنانا، سڑکوں پر کھلونوں کی موٹریں۔ لاریاں چلانا، چوراہے پر ایک مصنوعی پولیس مین کھڑا کرکے لاریوں کی آمد و رفت کو روکنا، مختلف کارخانوں میں کام کرنے کے طریقوں کو ظاہر کرنے کے کھلونوں کا استعمال اور اسی قسم کے صدہا کھیل ان تین برس سے لے کر پانچ برس کے بچوں کے لئے مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ جاپان نے کھلونوں کے ذریعہ بچوں کو ٹینک۔ مشین گن اور بمبار ہوائی جہازوں سے واقف کیا تھا۔

تین برس سے پانچ برس تک کی عمر میں بچوں کے تلفظ اور طرزِ ادا و گفتگو کے آداب کی تربیت کی بے حد ضرورت ہے۔ اس عمر میں بچوں کی گفتار کے طریقے زندگی بھر قائم رہتے ہیں۔ عمر کا یہ حصہ بیرونی اثرات کو بے حد قبول کرتا ہے۔ اس لئے ان مدارس میں عمدہ شستہ اور صاف گفتگو کرنے والے اساتذہ مہیا کئے جائیں۔ تاکہ عمدہ گفتار کا سلیقہ پیدا ہو۔ اسی عمر میں چلنے اٹھنے بیٹھنے کی جو عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ بھی تمام عمر دور نہیں ہوتیں پیروں کو سیدھا رکھ کر اور قدم کو ملا کر سرو قد ہو کر شائستہ شان و شوکت سے چلنے کی عادات پیدا کرائی جائیں۔ تو قوم کی قوم پسندیدہ عادات کی مالک ہو جائیگی اس سے قوم کی شائستگی اور نفاست اور کلچر میں اضافہ ہوگا۔ بعض بچوں میں اس عمر میں منہ کھلا رکھنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح کی بہت سی بدنما کھانے پینے کی عادتیں پڑ جاتی ہیں جو عمر بھر قائم رہتی ہیں۔

بچوں کی اچھی تربیت پر بڑی تعداد میں کتابیں شائع ہو چکی ہیں والدین اور معلمین کو ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ بچوں کی سماجی صلاحیت کی نشوونما کے لئے بھی خاص تعلیمی طریقے رایج کرنا چاہیئے۔ جماعت میں مل کر رہنے کا شوق ہر بچہ میں فطری طور پر ہوتا ہے لیکن غلط تعلیم کی وجہ سے اکثر لوگوں نے تنہا وقت گذارنا اور سماج سے دور رہنے کی عادت قلعہ پیدا ہو جاتی ہے بچوں میں جماعت میں مل کر رہنے کی عادت اسی عمر سے پیدا کی جا سکتی ہے۔ بچے چھوٹے چھوٹے گروہ بنا کر کھیل میں مصروف رکھے جائیں ایک گول دائرہ میں کھڑا کر کے اشعار۔ قومی گیت وغیرہ پڑھائے جائیں تو بچے اس کو بے حد پسند کرتے ہیں۔ اور اس طرح ان میں سماجی صلاحیت ترقی کر جاتی ہے غرضیکہ تین برس سے پانچ برس تک کے بچوں کے لئے درس گاہیں ضروری ہیں جن میں وسیع سبزہ زار ہوں۔ اور کشادہ میدان ہوں بڑی تعداد میں ایسے کھلونے ہوں جن کے ذریعے اُن کی صنعتی قابلیت میں اضافہ ہو عملی کام میں مکمل آزادی ہو۔ اور تمام مشاغل کامل تفریحی طور پر کئے جائیں۔ تاکہ بچے پورے طور پر خوش و خرم زندگی گذاریں۔

کھیلنے کودنے چیخنے چلانے کی پوری آزادی ہو۔ اُن کے گرد و پیش پالتو پرندے اور چھوٹے چھوٹے دیگر جانور بڑی تعداد میں مہیا کئے جائیں۔ جن کے ساتھ وہ آزادی سے کھیل سکیں، نباتات کے مشاہدہ کے مواقع بہم پہنچائے جائیں، پھلوں پھولوں سے کھیلنے کے مواقع آزادی سے حاصل ہوں، صحتِ جسمانی اور اعلیٰ خوراک کا مکمل انتظام ہو، اُن کی تفریح و آرام کا بہتر سے بہتر انتظام ہو، صفائی جسم اور صفائی لباس کی پسندیدہ عادات پیدا کی جائیں۔ ننھے بچے قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں اس لئے اُن کی صحیح پرورش اور تربیت بے حد ضروری ہے۔

(آل انڈیا ریڈیو کے رسالہ "آواز" سے!)

عبدالرشید قریشی

"کل کے مدرسے"

"فکرِ فردا" کے تصور سے مختلف افراد اور اقوام میں زندگی کی جدوجہد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اپنے مستقبل کی ضروریات کو پورا کرنے اور آئندہ کے حالات کو خوشگوار بنانے کے لئے ہمہ تن مصروف ہو کر وہ مناسب سعی کرتی ہیں۔ اگر حضرتِ انسان "فکرِ فردا" نہ کرتا تو آج ہم اُسے اِس قدر کامیاب اور کامران نہ دیکھتے۔ وہ اِسی طرح جنگل کی زندگی میں خوشی محسوس کرتا اور اعلٰے تہذیب و تمدن کی بنیادیں ڈال کر رنگا رنگ اور گوناں گوں ایجادات نہ کر سکتا۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اُس کا تعلق ہماری موجودہ ضروریات کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر مستقبل کی فکر ہی ہمیں کوئی کام کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ شام کا کھانا حاصل کرنے کے لئے ہم سارا دن محنت اور مشقت کرتے ہیں۔ تب کہیں رات کی خوراک میسر آتی ہے۔ بارش سے بچنے کے لئے ہم پہلے سے ہی چھاتے کا انتظام کر لیتے ہیں۔ ورنہ بارش برسنے پر چھاتے کا مہیا کرنا بہت مشکل ہے۔ غرضیکہ آئندہ کے خطرات سے محفوظ رہنے کے لئے ہم پہلے ہی حفاظتی تدابیر اختیار کر لیتے ہیں۔ اور سُکھ کی نیند سوتے ہیں۔

سنہ ۱۹۳۹ء کی جنگ عظیم مندرجہ بالا نظریہ کی تائید کرتی ہے۔ اِس جنگ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ جنگ کا بیج جو کئی سال پہلے بویا گیا تھا۔ جرمنی کے حملوں اور عالمگیر جنگ کی شکل میں پھوٹ آیا لیکن اِس جنگ میں وہی اقوام کامیاب رہیں۔ جنہوں نے آنیوالی جنگ کے خطرات محسوس کر لئے تھے اور کہیں کل کانٹے سے لیس ہو گئی تھیں۔ مستقبل کے

فکر نے ہی برطانیہ، امریکہ، اور روس کے نوجوانوں میں ایک ایسی سپرٹ پیدا کردی کہ وہ سینے تان کر جنگ میں کود پڑے اور اپنی مادر وطن کی عظمت اور شان و شوکت کو دشمنوں کے خونخوار پنجوں سے بچا لیا۔ وہ قومیں جو اپنی قیمت پر شاکر رہیں اور فکر فردا نہ کیا۔ تباہ اور برباد ہوکر رہ گئیں۔ اور آج اُن کے نام و نشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔

جنگ ختم ہوگئی ہے۔ اور جنگی کارروائیاں بھی قدرے ماند پڑ گئی ہیں۔ اب جنگ کے نقصانات کی تلافی کرنی ہے۔ اور تباہ شدہ تجارت، صنعت، تعلیم اور دیگر شعبوں کو اپنی اصلی حالت پر لانا ہے۔ ہمیں آئندہ کی ضروریات پوری کرنے کے لئے نیا ماحول پیدا کرنا ہے موجودہ جنگ نے ہماری تہذیب و تمدن، معاشرت اور سیاست میں ایک انقلابِ عظیم پیدا کردیا ہے۔ حالاتِ زمانہ اس قدر پیچیدہ ہوگئے ہیں کہ انہیں سمجھنا بھی بہت مشکل ہے۔ بھوک قحط، عزبت، بدحالی اور بے چینی کی گھٹائیں چاروں طرف چھائی ہوئی ہیں۔ اب ہمیں ایسے شہری پیدا کرنے ہیں۔ جو ان حالات کا مقابلہ کرکے اپنا وقت آرام سے گذار سکیں۔ ہمیں آج ہی سے ایسی تدابیر اختیار کرنی ہونگی۔ جو کل کے لئے مفید مطلب ثابت ہوں۔ ایک ایسے نظام کو ترتیب دینا ہوگا جو ہماری آئندہ کی ضروریات کو پورا کرسکے۔

جنگ کے دوران میں ہی آئندہ کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے سوچ بچار ہونے لگی تھی۔ چنانچہ مختلف اقوام نے "پانچ سالہ سکیمیں" اور "تعمیر مابعد از جنگ" کے پروگرام مرتب کرنے شروع کردیئے تھے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ایسے پروگرام اور سکیمیں عمل میں لائی جائیں۔ ہم تجارت، صنعت، دستکاری، فنِ تعمیر اور رفاہ عامہ کے کاموں میں ترقی چاہتے ہیں۔ سائنس کی ترقی کا زمانہ ہے۔ اور ہمارا رجحان سائنس کی تعلیم اور ترقی کی طرف ہو رہا ہے ——— مگر یہ سب کچھ کس طرح اور کیسے ہوسکتا ہے؟ —— کیا ہندوستانی عوام ان تعمیری کاموں میں حصہ لے کر کامیاب ہوسکیں گے؟ بظاہر یہ ایک ٹیڑھی کھیر معلوم ہوتی۔ ایسی سکیمیں اور پروگرام نئے نہیں ہیں۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں نے ایسی تجاویز کو کئی بار عملی جامہ پہنایا ہے۔ پراپیگنڈہ، تقاریر اور جبر سے نہیں۔ بلکہ اپنا

اپنے مخصوص مدرسوں اور نظام تعلیم کے ذریعہ کیا ۔۔۔ امریکہ، برطانیہ اور روس وغیرہ ملکوں نے یہ راز پہلے ہی معلوم کر لیا تھا کہ ہر ایک تحریک موافق نظام تعلیم سے ہی کامیاب ہو سکتی ہے ان ممالک نے مدرسوں میں ہی ادبیات، تجارت، دستکاری اور سائنس کی تجرباتی تعلیم جاری کر کے صنعتی اور سماجی انقلاب پیدا کئے۔ مدرسوں میں جنگی تعلیم جاری کر کے عوام کو جنگی جذبات کے لئے کمربستہ کر دیا۔ غرضیکہ وہ جو کچھ کرنا چاہتے تھے۔ اُس کا بیج مدرسوں میں بو کر عملی زندگی میں ان کے خاطر خواہ نتائج حاصل کرلئے۔

زندہ قومیں اِس اصول کی بڑی پابند ہیں کہ دنیا بدلتے ہوئے نظام کے ساتھ ساتھ نظام تعلیم کا بدلنا بھی بہت ضروری ہے۔ اور انہوں نے ہمیشہ تعلیمی طریقوں میں تبدیلیاں کی ہیں باالفاظ دیگر انہوں نے اپنی مخصوص ضروریات کے مطابق طریقہائے تعلیم تجویز کئے۔ اور ایسے طریقوں کو کامیاب بنانے کے لئے مدرسوں کی عمارات، سامان، لائبریریوں اور دیگر ذرائع پر لاکھوں اور کروڑوں روپے صرف کئے۔ اُستادوں کی تربیت کے لئے درسگاہیں بنوائیں اور تجرباتی سکول قائم کر کے مختلف تجربوں کو پرکھ کر ملک کے طول و عرض میں نئی سکیمیں جاری کیں۔ اِن ممالک کی سالانہ آمدنی کا بیشتر حصہ تعلیم پر صرف ہوتا ہے۔ اور بیس سال پہلے کے مدرسے بوسیدہ اور فرسودہ سمجھ کر ان میں کئی طرح کی تبدیلیاں کردی جاتی ہیں اور ہمیشہ کل کے مدرسوں کے پروگرام تیار کئے جاتے ہیں۔ اور نئی نئی اصلاحات تجویز کی جاتی ہیں۔ اب بھی ان ممالک نے حالات زمانہ کے مطابق تعلیمی ماحول پیدا کرنے کے لئے ماہرین مقرر کر رکھے ہیں۔ انہیں یہ کام تفویض کیا گیا ہے کہ وہ مناسب تعلیمی تجاویز مرتب کر کے عوام کی رائے حاصل کرنے کے لئے پیش کریں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آئندہ کے حالات سے دوچار ہونے اور ان کے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہندوستان کو کیا کرنا چاہیئے؟ آخر ہندوستان کی چالیس کروڑ آبادی نے بدلتے ہوئے حالات کے تحت زندگی گذارنی ہے۔ اگر اب بھی ہم لوگ خاموش رہے اور ہم پر جمود طاری رہا تو ہماری حالت پست سے پست تر ہوتی جائیگی۔ اور ہم ترقی یافتہ دنیا سے بہت پیچھے رہ جائیں گے ۔۔۔ اس قدر پیچھے کہ پھر کبھی اُن سے جا ملنا بہت ہی مشکل ہوگا۔ اسوقت

بھی کاہلی، لاپرواہی اور غلامی کے اثرات نے ہمیں ہر اچھی اور مفید سعی سے روک رکھا ہے۔ ہم لکیر کے فقیر ہیں۔ اور کسی قسم کی تبدیلی کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ پرانی روایات، توہم پرستی اور جہالت نے ہماری ساری تخلیقی قوتیں، صلاحیتیں اور ذہنی اپج کو دبا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہندوستان سے غلامی، غریبی، جہالت اور نفاق اور دیگر بدعتیں دور نہیں ہو سکیں دنیا بدل چکی ہے مگر ہم ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے سطحی باتوں کو اپنا لیا تہذیب کی کورانہ تقلید کریں۔ مگر عوام اور خاص کر دیہاتی طبقہ کو بہتر تعلیم سے نہیں سنوارا۔ ہم اس بیسویں صدی میں بھی پرانے، بوسیدہ اور دقیانوسی طریقہ تعلیم کی پابندی کرتے ہوئے لاکھوں نوجوانوں کو ذلت اور بے روزگاری کے گڑھوں میں دھکیل رہے ہیں۔ اس ناموافق نظامِ تعلیم نے ہماری ترقی کی ساری راہیں مسدود کر دی ہیں، فرقہ وارانہ منافرت، منصب، سرمایہ داری اور غربت، اونچ اور نیچ، خواندہ اور ناخواندہ کے تفرقات پیدا کر کے خانہ جنگی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

ہمارے مدرسے، مدرسے نہیں بلکہ جیل خانے ہیں۔ عمارات بوسیدہ اور سامان ناقص ہے ——— نصابِ تعلیم بے معنی اور قومی ضروریات کے بالکل منافی ہے ——— مضامین کی زیادتی اور غیر دلچسپ مواد ہے ——— طلبہ کی بے عمل زندگی اور ان کی ناکارہ تربیت غرضیکہ بیسیوں ایسے اسباب ہیں۔ جنہوں نے ہمارے مدرسوں کو ناکام اور تعلیم کو ناقص ثابت کر دیا ہے۔ وہ نظریے جو مغربی ممالک نے اپنا کر پرانے کر دیئے ہیں، ہم انہیں اب بھی شک کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور ان کی پیروی کرتے ہوئے بھی شرم اور جھجک محسوس کرتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارا ماحول ایسے نظریوں اور طریقوں پر عمل کرنے کے لئے سازگار نہیں اور ہماری ضروریات قدرے مختلف ہیں۔ اس لئے ہمیں اس بات کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ہم بھی ہندوستانی نظامِ تعلیم میں ایک انقلاب پیدا کریں۔ اور ترقی یافتہ دنیا کے دوش بدوش چلیں۔ ہمیں بھی "فکر فردا" کی ضرورت ہے۔ اور اگر حال پر ہی انحصار رہا اور آئندہ کی ضروریات کو محسوس نہ کیا تو پھر ہمارے سارے پروگرام فیل ہو جائیں گے ہندوستان کا نظام حکومت اس وقت نازک دور سے گذر رہا ہے۔ اور اس میں تبدیل ہونے

والا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کے ہاتھ میں دے دی جائے پھر وہ اپنے حالات سدھارنے اور نظام تعلیم کو تبدیل کرنے میں آزاد ہوں گے۔ کل کے مدرسوں کا نقشہ آج ہی تیار کرنا ہوگا۔ اور اس پر ایمانداری اور دیانتداری سے عمل پیرا ہو کر ایسے مدرسوں کو چلانا ہوگا۔ یہ کام مشہور ماہرین تعلیم اور ملکی مدبروں کا ہے کہ وہ حالات کا جائزہ لے کر اور پرانے نظام تعلیم کے نقائص کو محسوس کرتے ہوئے کوئی نیا نظام تعلیم تجویز کریں۔ جو موجودہ تعلیم کے نقائص اور ملک کے بگڑے ہوئے حالات سدھارنے میں مدد دے، کل کے مدرسوں میں کچھ اس قسم کی تبدیلیاں ہونی ضروری ہیں۔

(۱) ہندوستان کے بوسیدہ نظام تعلیم کو یک لخت تبدیل کر کے نیا نظام تعلیم جاری کیا جائے اور اس بات پر زور دیا جائے کہ کل کے مدرسے "آیندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوں، نئے مدرسے نمونہ کے مدرسے ہوں۔ جہاں طلبہ کی دلچسپی اور تفریح کے سارے سامان موجود ہوں۔ بچے گھر آنے پر ایک قسم کی کمی محسوس کریں اور وہ ہر وقت مدرسہ میں رہنا پسند کریں۔

(۲) مدرسوں میں طلبہ کی صحت جسمانی کا خاص خیال رکھا جائے۔ اور کھیلوں، سیر و تفریح، اور دیگر مشاغل کا خاطر خواہ انتظام کیا جائے۔

(۳) مدرسوں میں ماحول کے مطابق مختلف پیشے جاری کیے جائیں۔ اور طلبہ سکولوں میں دستکاری صنعت اور زراعت کی عملی تعلیم حاصل کریں۔

(۴) مدرسوں میں آزادی کا ماحول پیدا کیا جائے اور طلبہ کو اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ انہیں ایسی سہولیات بہم پہنچائی جائیں جنکی رو سے ان کی تخلیقی قوتیں اور دیگر صلاحیت ترقی کریں۔ اور وہ اوائل عمری میں ہی تعمیری کام کرنے کے قابل بن سکیں۔

(۵) نصاب تعلیم قومی ضروریات اور قومی مفاد کے مطابق ہو۔ نصاب میں وہی باتیں شامل کی جائیں جو مفید مطلب ہوں۔ اور طلبہ کو خواہ مخواہ پریشان نہ کریں۔

(۶) مدرسوں کی عمارات، خوبصورت، کشادہ اور حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق ہوں۔

خواجہ محمد یوسف

تاثرات اور معلم

بچوں کے اخلاق کی تعمیر عادات سے ہوتی ہے۔ عادات افعال سے بنتی ہیں۔ افعال محرکات سے عمل میں لائے جاتے ہیں اور محرکات کا دار و مدار تاثرات پر ہے بالفاظ دیگر اخلاق کا انحصار تاثرات پر ہے۔ تعلیم تب تک تعلیم کہلانے کی مستحق نہیں جب تک کہ مدرس اِس کے چاروں پہلوؤں کی بیک وقت تربیت نہ کرے۔ اِن چاروں پہلوؤں ذہنی۔ جسمانی۔ اخلاقی اور جمالی۔ کی تعلیم و تربیت تاثرات کی محتاج ہے۔ لہٰذا تعلیم میں تاثرات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

تاثرات کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ اچھے تاثرات اور بُرے تاثرات۔ اول الذکر سے اچھی تعلیم و تربیت ہوگی اور آخر الذکر سے بُری۔ خوف۔ حسد۔ کینہ لاپرواہی۔ خود پسندی بُرے تاثرات کی اور ہمدردی۔ انصاف۔ رحم۔ باہمی تعاون۔ اچھے تاثرات کی چند مثالیں ہیں۔ بچوں میں مختلف تاثرات کا غلبہ مختلف اوقات میں ہوا کرتا ہے۔ مدرس کو اِن اوقات سے آگاہ رہنا چاہیے۔ کیونکہ اگر اِن کی تربیت عین وقت پر نہ کی جاوے تو تعلیم کے مقاصد حاصل نہیں ہوں گے۔ مدرس کو چاہیے کہ نیک افعال کے ساتھ خوشی کا اور بد افعال کے ساتھ رنج کا علاقہ پیدا کرے۔ رشتہ پیدا کرنے سے اچھے تاثرات کو تقویت ملتی ہے۔ مثال کے طور پر تمام جماعت اور باقی کا ایک نیا قاعدہ مدرس نے پڑھایا۔ چند

طلبا کے ذہن میں اچھی طرح نہیں بیٹھتا دوبارہ سمجھانے پر بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ ایسی صورت میں مدرس کو گھبرا کر یہ نہیں کہہ دینا چاہیے۔ کہ ان طلبا کو عمر بھر نہیں آسکتا۔ بلکہ حوصلہ اور ہمدردی سے کام لیتے ہوئے اُسے محنت جاری رکھتے ہوئے دوسروں کا رشک دلانا چاہیے۔ دل شکنی نفسیاتی لحاظ سے ایسا اثر ڈالتی ہے کہ بچے سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ طریقہ انکو عمر بھر نہیں آسکتا چنانچہ طلبا کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ اچھے تاثرات سے ایک کند ذہن اور غبی لڑکا تعلیم میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ ایسے حالات میں مدرس میں محبت۔ خدمت۔ صبر۔ برداشت۔ شخصیت کا احترام اور ہمدردی کا جذبہ ضرور ہونا چاہیے۔ اگر کوئی لڑکا جماعت میں مدرس سے سوال دریافت کرے تو اسے شرمندہ نہ کیا جاوے اور نہ ہی رعب سے دبا دیا جاوے۔ اگر سوال آسان ہے تو بھی بڑے اچھے طریقے سے جواب دیا جاوے شرمندہ کرنے سے بچہ میں احساس کمتری پیدا ہو جائیگا اور بچہ شرمیلا ہو جائیگا۔ بلکہ طلبا کے شرمیلا پن کو دور کرنے کے لئے ان سے جماعت کی میٹنگ میں نظمیں اور کہانیاں سننی چاہیئے۔ ایک مشہور مفکر کا قول ہے کہ اگر دیوتا سے باتیں کروگے تو دیوتا ہووے گا اگر شیطان سے کروگے تو شیطان ہووے گا۔" یہی مثال ہے بچے میں "تاثرات کی آپ بچے کے اچھے اور برے جس قسم کے تاثرات کو مخاطب کریں گے اُسی قسم کا جواب ملے گا۔ تاثرات کی تربیت میں احتیاط رکھی جاوے کہ تربیت بتدریج ہو اور اعتدال سے کام لیا جاوے۔ تاثرات دل میں پیدا کرکے مواقع مہیا کئے جاویں تاکہ بچے ان کے مطابق کام کریں۔ اگر مواقع مہیا نہ کئے جاویں تو تاثرات کمزور ہو کر زائل ہو جائیں گے اور اگر برے تاثرات کو آہستہ آہستہ کم کرنے کی کوشش نہ کی جائے گی تو وہ مستحکم ہو جائیں گے۔ ایک بچہ اندھیرے سے بہت ڈرتا تھا۔ اُس کی والدہ نے ایک رات کچھ مٹھائی اندھیرے میں رکھی اور بچہ کو ساتھ لے جا کر کہا کہ یہاں مٹھائی رکھی ہوئی ہے اُٹھالو اُس نے ایسا ہی کیا۔ ایک دو روز ساتھ جانے کے بعد ایک رات اس نے بچے کو اکیلے وہاں جاکر مٹھائی لانے کے لئے کہا۔ اب ڈر کے تاثرات جو کہ بچپن سے پیدا ہو چکے تھے، کم ہو گئے تھے اور ان کی جگہ مٹھائی کی کوشش نے لے لی تھی چنانچہ بچہ خود جاکر اندھیرے میں اُسی جگہ سے مٹھائی لے آیا۔ ایسے

ہی وسائل مدرس کو دوسرے بڑے تاثرات کو زائل کرنے کے لئے نکال لینے چاہئیں۔ جو اُستاد یا والدین مار پیٹ سے کام لیتے ہیں تاثرات کی تربیت کی جڑ کاٹتے ہیں۔ تاثرات کا ضبط پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ ایک مدرس کا بیان ہے کہ ایک روز وہ اپنی جماعت کو مخاطب کرکے کہنے لگا کہ وہ جماعت سے کسی کام کی وجہ سے باہر جا رہا ہے لہذا طلبا کو چاہیے کہ وہ خاموشی سے کام میں مشغول رہیں جو لڑکا شور کریگا اُسے ہاتھ کھڑا کرنا ہوگا۔ کوئی سزا نہیں ملے گی۔ ایک دو روز یہی تجربہ کیا گیا۔ اگر شور کرنے والے ہاتھ کھڑا نہ کرتے تو دیگر طلبا انہیں کہتے کہ ہاتھ کھڑا کیوں نہیں کرتے تم شور کر رہے تھے۔ اس طرح وہ شرمندہ ہوجاتے اور دوسری دفعہ ایسا نہ کرتے۔ سزا وغیرہ کوئی نہ دی جاتی۔ اسی طرح بچوں میں سچائی اور ضبط خود اختیاری کی عادتیں پیدا ہوگئیں۔ خود غرضی کے تاثرات کو زائل کرنے کے لئے بچوں میں جماعتی مقابلے شروع کرائے جائیں۔ پروجیکٹس شروع کرائے جائیں۔ اور دیگر ایسے کام شروع کرائے جاویں جن میں ایک ہی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے طلبا مل کر کام کرنا سیکھیں۔

طلبا کے عقلی تاثرات کی تقویت کے لئے مدرس کو چاہیے کہ اپنے سبق کو اچھی طرح سے تیار کرے۔ نئے طریقوں سے پڑھائے۔ دوران سبق میں زیادہ مثالیں دے۔ (نظری معاون) کا استعمال کرے۔ تشریحات اور توضیحات سے کام لے تجربات خود بچوں سے کرائے۔ اور سبق کی مشکلات بچوں کی مدد سے ہی حل کرے۔ عقلی تاثرات شہرت اور اختیار کی آرزو اور کامیابی کے شوق سے بھی طاقت پکڑتے ہیں ایسے شوق اور آرزو تحصیل علم میں ہی پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ مدرسین کا فرض ہے کہ امتیاز اور شہرت حاصل کرنے کے لئے مواقع مہیا کریں اور طلبا کی برمحل امداد اور دلجوئی کریں۔

احمد حسین سہیل

ڈرائنگ کیا ہے

لاک اپنی کتاب "ٹری ٹائیز آن ایجوکیشن" میں لکھتا ہے کہ ڈرائنگ ہر انسان کے لیے نہایت سودمند ہے کیونکہ ڈرائنگ وہ چیز ہے۔ جس کے ذریعہ انسان چند لکیروں کو موزونیت کے ساتھ لگانے سے وہ کچھ کہہ سکتا ہے۔ جتنا کہ کئی صفحات لکھنے سے بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔ ڈرائنگ سکھنے سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ آنکھوں کو دیکھنے کی ٹرینگ دی جائے۔ اور دماغ کو سوچنے کی اور ہاتھ کو اس قابل بنایا جائے۔ کہ ان چیزوں کو جن کو دیکھا گیا ہے۔ یا ان تصورات کو جو دماغ میں پیدا ہوں۔ شکل و شباہت کے ذریعے ظاہر کرنے کے قابل بنایا جائے۔ ڈرائنگ کے ذریعے بچے میں نئی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جو کسی دوسرے مضمون سے پیدا نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً

(۱) بچے میں صحیح تصورات کا پیدا ہونا۔

(۲) فاصلے اور لمبائی چوڑائی کا صحیح اندازہ لگانا۔

(۳) کسی چیز کو غور و خوض و باریک بینی سے دیکھنے کی عادت کا پیدا ہونا۔

(۴) قوت یادداشت کی نشو و نما۔

(۵) کسی چیز کی بناوٹ اور خوبصورتی کو دیکھنے اور پسند کرنے کی قابلیت میں اضافہ۔

(۶) اجسام کی قدرتی موزوں اور غیر موزوں بناوٹ میں تمیز کرنا۔ ان باتوں کے علاوہ محنت اور صفائی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ چونکہ ڈرائنگ کے وقت اگر کہیں دھبہ پڑ جائے۔ تو سارے

کا سارا کام ستیاناس ہو جاتا ہے۔ اس سے بچنے کی وجہ سے احتیاط کی عادت بڑھ جاتی ہے۔ نیز یہ ہنر صنعتی اور تجارتی کاموں میں بہت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ ڈرائنگ سیکھنے والے کی نظر اتنی مشاق ہو جاتی ہے۔ کہ وہ معمولی سے معمولی فرق کو پہلی ہی نظر میں جان لیتا ہے۔ غرضیکہ ہاتھ اور دماغ میں جس قدر طاقتیں ہیں۔ وہ ڈرائنگ سے پورے طور پر نشوونما پاجاتی ہیں۔

ڈرائنگ کے انہی فائدوں اور مقاصد سے بہرہ مند ہونے کے لیے نئے سکولوں میں اس مضمون کو رواج دیا گیا ہے ننھے بچے بہت ابتدائی عمر میں جب صرف اوں آں یا ٹوٹے پھوٹے لفظوں کے ذریعے اپنا مطلب ظاہر کیا کرتے ہیں۔ آڑی ترچھی لکیروں مٹی کے گھروندوں کاغذ اور چیتھڑے سے بنے ہوئے نمونوں کے ذریعے بڑی آسانی کے ساتھ اپنا مافی الضمیر بیان کر سکتے ہیں۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ انسان نے اظہارِ خیال کے لئے الفاظ سے پہلے اشیا کے ماڈل اور اشکال استعمال کئے۔

اس لحاظ سے اس مضمون کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جہاں تک موضوع کی وسعت اور دلچسپی کا تعلق ہے نصاب کا کوئی مضمون ڈرائنگ سے لگا نہیں کھا سکتا۔ بچے (اور بڑے بھی) تصویروں، خاکوں، رنگوں اور ماڈلوں کو بے انتہا پسند کرتے ہیں۔ اور ان چیزوں کے ضمن میں وہ دنیا بھر کی معلومات بہ آسانی حاصل کر سکتے ہیں۔ سب سے بڑی بات جو ڈرائنگ کو بعض دوسرے مضامین سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ بچے کی فطرت کا آزادانہ اظہار ہے۔

چھوٹی بڑی لکیروں اور آڑے ترچھے خطوط کے ذریعے اشیا کے پیکر تیار کرنا اور ان میں جاذب اور دل پسند رنگوں کی آمیزش سے جان پیدا کرنا انسان کی طبیعت کا ازلی خاصہ ہے۔ اس سے اس کے تخلیقی جذبوں کو تسکین ملتی ہے۔ اور وہ نظامِ کائنات کی ترتیب اور زندگی کی تعمیر میں اپنے آپ کو قدرت کا برابر شریک نہیں۔ تو حصہ دار ضرور سمجھنے لگتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے۔ جس کے لئے کہا ہے۔ کہ

بے ذوق نہیں ہے گرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر　　(اقبال)

اس مقصد کے لئے ڈرائنگ ایک بہتر طریقہ ہے۔ اگر سکولوں میں شروع ہی سے سلیقے، ترتیب اور ارتقائی اصولوں کے ماتحت یہ مضمون سکھایا جائے۔ تو اس سے بچوں کی اچھی شخصیت کی تعمیر اور ذوق وشوق کے پیدا کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ مگر بدقسمتی رہی ہے ہمارے سکولوں میں اس مفید مضمون سے جیسے کافی عرصہ تک ایک غیر ضروری مضمون سمجھ کر نظرانداز کیا جاتا رہا ہے۔ آج بھی صحیح طور پر کام نہیں کیا جا رہا۔ اس سے نہ بچوں میں ذوق پیدا ہوتا ہے۔ اور نہ اپنی اس خاکہ کشی اور تصویرسازی سے اپنے تعلیمی کام کو آسان بنانے میں مدد ملتی ہے۔ اس سلسلے میں چند باتیں لکھنا ضروری ہیں۔

جہاں تک ابتدائی جماعتوں کا تعلق ہے۔ سکولوں میں عموماً اظہاری ڈرائنگ کرائی جاتی ہے۔ اظہاری ڈرائنگ کسی باقاعدہ اور مرتب نظام عمل کا نام نہیں ہے۔ جس کے گرد مخصوص احوال و ضوابط کی دیوار اٹھا کر حدبندی کی جا سکے۔ بلکہ اس سے مراد وہ وسائل اور ذرائع ہیں جن کے ذریعے ننھے بچے اپنی شخصیت کا اظہار اشیاء کے چربوں، خاکوں، اشکال، خیالی تصویروں اور مبہم اور دھندلے نقوش میں کرتے ہیں ذہن اور ہاتھ کی اس ٹکراؤ اور باہمی رگڑ سے زندگی کی چنگاری پیدا ہوتی ہے۔ اور بچے بڑی عمر میں نہ صرف اپنے خیالات اور آرزوں کے موزوں خاکے تیار کر لیتے ہیں۔ بلکہ عمل کے ذریعے زندگی کے ان سادہ خاکوں میں گوناگوں دلاویز رنگ بھی بھر سکتے ہیں۔

اظہاری ڈرائنگ کو سمجھانے کے لئے ہم تین قسموں میں بانٹ سکتے ہیں۔

(۱) مشاہداتی ڈرائنگ۔ (۲) تخیلی ڈرائنگ۔ (۳) تخلیقی ڈرائنگ۔

سب سے پہلا نمبر مشاہداتی ڈرائنگ کا آتا ہے۔ اس میں بچے اُن چیزوں کی خاکہ کشی کرتے ہیں جنہیں وہ روزمرہ زندگی میں اپنے اردگرد بکھرا ہوا دیکھتے ہیں۔ ان اشیاء میں عمومیت ہوتی ہے۔ اس لئے نہ کسی خاص دماغی صلاحیت کی ضرورت پڑتی ہے۔ نہ بچوں کو اپنے ذہن پر بہت بڑا دباؤ ڈالنا پڑتا ہے۔ البتہ قوت مشاہدہ کی اس سے کافی تربیت ہوتی ہے۔ ہاتھ اور پٹھوں پر قابو پا کر خطوط اور لکیروں کو موزوں اور مناسب طریقے پر کھینچنا آ جاتا ہے۔ اور اس ابتدائی مشق کے بعد وہ آئندہ کی ترقی اور رفتہ رفتہ پیچیدہ اشیاء

کا تصور اور ان کی خاکہ کشی کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

دوسرا درجہ تخیلی ڈرائنگ کا آتا ہے۔ تخیلی ڈرائنگ سے مراد عام مادی خاکے اور تصاویر ہیں۔ جن کا تعلق تخیل سے ہے۔ عملی اشیاء کی خاکہ کشی کے بعد اگلا قدم تخیلی ڈرائنگ کا ہے۔ اس مقصد سے بچوں سے اب تک کے کام میں صفائی اور پختگی کے علاوہ اُن کی قوت تخیلہ اور قوت فکر میں بھی پختگی اور وسعت آجانی چاہیئے۔ بچے اپنے دماغ سے کئی چیزیں سوچ کر اُن کی ڈرائنگ کر سکتے ہیں۔ ایسی چیزیں جن کا وجود اس دنیا میں تو ہے۔ مگر بچوں کے روزمرہ ماحول میں نہیں پایا جاتا ہے۔ بچے مثلاً تعلیمی سیر یا کسی ذاتی سفر کے لیے اپنے ماحول سے باہر کسی علاقے میں گئے ہوں۔ وہاں انہوں نے بعض ایسی اشیاء دیکھی ہیں جو اُن کے اپنے علاقے میں نہیں ہیں۔ اس واقعہ کے ایک عرصہ بعد بچے اُن میں کسی چیز کی خاکہ کشی کر سکتے ہیں۔ اس خاکہ کشی کے دوران یا قریبی مدت کے عرصے میں اُس شے کا وجود عملاً اُن کے سامنے نہیں ہوگا۔ مگر وہ اپنی قوت حافظہ اور قوت خیال کی مدد سے اُن کے جملہ پہلوؤں کا تصور کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح اس کے خدوخال کی نقاشی ممکن ہو جاتی ہے۔ بعض اشیاء جو بچوں کو کبھی دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ مگر اُن کے متعلق انہوں نے کتابوں میں پڑھا ہے۔ یا اُن کی تصویریں دیکھی ہیں یا کسی آدمی سے اُن کا حال تفصیلاً سنا ہے بھی اسی ضمن میں آسکتی ہیں۔ مثلاً میدان کا بچہ شکارے کی ڈرائنگ کر سکتا ہے یا کشتی کی کھڑکی! اس کے لئے وہ سنے سنائے حال، کتابی علم اور تصویری مشاہدہ تینوں سے مدد لے سکتا ہے۔ یا اُن میں سے صرف ایک یا دو کی!

تیسرا نمبر تخلیقی ڈرائنگ کا ہے۔ اور دراصل اظہاری ڈرائنگ کی اصل غایت طالب علم کو اسی مقام پر پہنچانا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر اُس میں ایک آرٹسٹ کی وسعت نظر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ فطرت کا غلام نہیں رہتا۔ بلکہ فطرت کا حاکم بننے کی کوشش کرتا ہے جب تک انسان واقعات اور اشیاء قدرت کی غلامی سے (کم از کم ذہنی طور پر) نجات نہیں پا لیتا۔ اُس میں دیدہ یا ان دیکھی اور لافانی کارنامے تیار کرنے کی صلاحیت نہیں آسکتی۔ [illegible] فطرت کی حدود اور نظام زندگی کی پابندی اور غلامی باقی ہوتی ہے۔ بچہ

نقش تیار کرتا ہے۔ اس کا وجود اس دنیا میں کم و بیش موجود ہوتا ہے۔ لیکن تخلیقی ڈرائنگ
میں وہ واقعات اور حوادث کو اس طرح پیش نہیں کرتا۔ جس شکل اور جس رنگ میں مثلاً وہ
قدرت کی دنیا میں دیکھتا ہے۔ وہ اپنے ذوق اور قوت تخیل سے کام لے کر اپنے ذہن میں
بعض نئی اشیاء کا تصور کرتا ہے۔ وہ اشیاء جو اس دنیا میں موجود نہیں ہیں یا کم از کم
اس شکل میں موجود ہیں۔ جس شکل میں انہیں سطح کاغذ پر دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔
یہاں پہنچ کر آرٹ میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس فن کا اونچا نصب العین اور بلند
مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ذہن کے بت کدہ میں ایسے نقشے خوبصورت اور رنگین
نظر آنے لگے۔ اور جہاں اس کے تخلیقی جذبوں کی تکمیل کا مناسب انتظام ہو سکے۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے ایک اور بات عرض کر دوں۔ استادوں کا اصول ہونا چاہئے۔
کہ وہ سکھانے سے زیادہ خود سیکھیں۔ ایک منٹ ہوا بچہ کھلونوں سے کھیل رہا ہے جا کر
اس کے ساتھ کھیلیں۔ کھیلنے کی خواہش اور بنانے کا شوق پیدا کریں۔ آپ بچے کے ہر ایک نقش
کا بغور مطالعہ کریں۔ اور اس کی ہر بے معنی لکیر کو ذرا سے تغیر سے ایک ایسی شکل دیدیں۔
کہ بچے کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھے۔

آپ یہ ہرگز خیال نہ کریں۔ کہ بچے نے جو نقشہ بنایا ہے وہ بھدی ہے۔ خطوط ٹیڑھے ہیں
بلکہ آپ یہ دیکھیں کہ بچے نے جس نظریے کو سامنے رکھا ہے اس میں کس حد تک کامیاب ہوا
ہے۔ اس کے بعد اس کی ڈرائنگ بچے ہی سے درست کرائیں۔ تاکہ اس کی دماغی قوت
میں اضافہ ہو۔

آپ اپنے ہر ایک خط النقش یا لفظ میں ایک ایسی موزونیت پیدا کریں۔ جس کو دیکھ کر
دوسرے لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ یا یوں سمجھئے۔ کہ آپ کے مو قلم کی ہر ایک جنبش سے
موسیقی اور لکیر سے نغمے کی ایک جھنکار اور ہر ایک نقش سے ایک رنگین حقیقت پیدا ہو۔ اگر
آپ میں یہ صفات موجود ہیں۔ تو سمجھئے کہ آپ ایک قابل استاد ہیں +
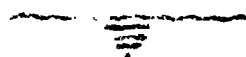
عبدالکریم عبوق

اچھا مدرس

مدرس قوم کا معمار ہے۔ اور اس کا کام قوم و ملک کی آئندہ نسلوں کی تعمیر ہے۔ اس لئے اس کی عظمت، بزرگی اور فضیلت سے کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔ اس کی شخصیت کا اعتراف اس لیے بھی کرنا پڑتا ہے۔ کہ اس کے عمل کا تعلق انسانی ذہن اور سیرت سے ہے۔ ایک جیتی جاگتی مخلوق کے چلتے پھرتے مجسمے پر کیمیاوی عمل کرنے سے ہے۔ اس کا کام بہت مشکل ہے۔ ایک انجنیر، معمار یا کلرک کا واسطہ محض بے جان چیزوں کے ساتھ ہے۔ یعنی کاغذ پنسل۔ اینٹ، پتھر وغیرہ اشیاء پر وہ عمل کرتے ہیں۔ ان اشیاء کو وہ جدھر چاہیں موڑ توڑ سکتے ہیں، جہاں چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ مگر معلم کا واسطہ ایک جاندار چیز کے ساتھ ہے۔ جس کے ساتھ وہ بے جان چیز کی طرح سلوک نہیں کر سکتا۔ اس لئے مدرس کو ایک خاص شخصیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ اپنے مخصوص فرائض سے عہدہ برآ ہو سکے۔ جب تک وہ ایسے اوصاف اپنے اندر پیدا کرلے۔ جن کی بدولت وہ بچوں کو صحیح تعلیم دے سکے وہ اپنے کام کی انجام دہی میں قاصر رہے گا۔ تدریس کی کامیابی کا راز مدرس کی سیرت اچھے اوصاف بالفاظ دیگر اس کی شخصیت پر منحصر ہے۔

ماہران تعلیم کی رائے یہ ہے۔ کہ ایک اچھے مدرس کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ بچوں سے خطاب کرنے کا ڈھنگ جانتا ہو۔ وہ ایک اکھڑ اور پھوہڑ آدمی کی طرح نہ بولے

اور نہ ہی اُس سے ایسی حرکات سرزد ہوں۔ جس سے وہ مجسمہ استبداد نظر آئے۔ اُن سے مناسب میل جول رکھے۔ مدرس کی شکل وشباہت اور لباس وغیرہ کی صفائی میں ایک قسم کی جاذبیت ہو۔ جس سے بچوں کو مدرس سے ایک قدرتی لگاؤ پیدا ہو جائے۔ مدرس کو بچے کی شخصیت کو ابھارنا بھی آنا ہو کیونکہ یہی دراصل صحیح تعلیم ہے۔ جو استاد بچے کی شخصیت کو دبا دیتا ہے۔ وہ بچہ سے ایک طرح کا ظلم کرتا ہے۔ اور اسکی تربیت غلط طریقہ پر کرنے کا مجرم بنتا ہے۔

مدرس کے لیئے یہ بھی لازمی ہے۔ کہ وہ منصف مزاج ہو۔ تمام طلبہ سے ایک جیسا سلوک کرے کسی سے رو رعایت نہ کرے۔ طلبا کا پورا پورا ہمدرد ہو۔ اُن سے کمال شفقت سے پیش آئے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اُسے قدرے سنجیدہ بھی ہونا چاہیئے۔ تاکہ بچے اُس کی نرمی کا ناجائز فائدہ بھی نہ اٹھائیں۔ مدرس میں اچھی علمی قابلیت کا ہونا از بس ضروری ہے۔ وہ مدرس بچوں کو علم کے خزانے کیا دے گا۔ جو خود اس کا بھوکا ہو۔ اپنی قابلیت اور معلومات کو وسیع کرنے کے لئے مدرس کو مطالعہ کا ہر لحظہ شوق ہونا چاہیئے۔ مطالعہ کا شوق ایک ایسی چیز ہے۔ جو انسان کا دائرہ واقفیت بہت وسیع کر دیتا ہے۔ اور پھر موجودہ تعلیم کے نظریہ کو تو وہی استاد پورا کر سکتا ہے جو ہمہ گیر واقفیت کا مالک ہو۔ مطالعہ سے اُسے زبان پر بھی عبور حاصل ہو جائیگا۔ اور اُس میں فصیح بیانی کی صفت پیدا ہو جائے گی۔ اور یہ صفت ایک معلم کے لئے بہت ضروری ہے۔ معلم کو طالب علموں پر مضمون واضح کرنے کے لئے ایک دل کش اظہار کی اکثر ضرورت پڑتی ہے۔ اور جس قدر وہ اظہار پر قادر ہوگا۔ اُسی قدر طالب علموں کو اپنے خیالات سے متاثر کر سکے گا۔

طلبہ کے نقطہ نظر سے معلم بامذاق ہو یعنی ناک بھوں چڑھا کر نہ پڑھائے۔ بلکہ ہنسی خوشی اپنے مضمون کی تعلیم دے۔ اور پڑھانے کے لئے ہمیشہ دلچسپ پیرایہ استعمال کرے۔ استاد بچوں کے لئے ایک ہوّا نہ ہو۔ جسے بچہ دیکھ کر کوسوں دور بھاگے۔

پروفیسر رے مانٹ (RAYMONT) نے حصول تعلیم کے نام سے ایک کتاب

رکھتی ہے۔ جیسے تعلیمی دنیا میں وہی رتبہ حاصل ہے۔ جو عیسائیت میں انجیل کو۔ پروفیسر
موصوف نے اس میں استاد کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ بے حد خوبیوں
کا مالک ہو۔ صابر ہو، منصف مزاج ہو اور خوش خلق ہو۔ کمینہ پن اور تعصب سے
بالکل مبرا ہو۔ بچوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرنا جانتا ہو۔ مضمون پڑھانے کے لئے تیار
ہو کر جائے۔ جو مضمون اس نے طلبہ کو پڑھانا ہے۔ اس پر وہ خود حاوی ہوتا۔ کہ بچے
اچھی طرح سمجھ لیں۔ ان کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لئے وہ کئی طریقوں اور تمثیلوں
سے بیان کرے۔ وہ بچوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرتا ہو۔ اور ہر کام میں ان کی
رہنمائی کرے۔ اس کا چال چلن نیک ہو۔ اور بچوں کے لئے نمونہ بن کر رہے۔ بچوں میں نقل
کرنے کی عادت بہت ہوتی ہے۔ اگر مدرس کے طور طریقے اچھے اور نیک ہوں گے۔
تو بچے بھی ان مہذب عادات و اطوار کو سیکھ جائیں گے۔ اور اگر معلم سے بچوں کے سامنے
رذیل و قبیح حرکات سرزد ہوں گی۔ تو طلبہ پر بھی اس کا برا اثر لازمی طور پر پڑے گا۔ اس لئے
مدرس کے دل میں یہ خیال ہمیشہ رہنا چاہیئے۔ کہ وہ ایک نمونہ کی زندگی بسر کرے
کیونکہ وہ چھوٹے بچوں کے لئے نمونہ ہے۔ مدرس کو سادہ زندگی بسر کرنا چاہیئے۔
ظاہری تکلفات سے وہ پاک ہو۔ کیونکہ یہ چیز انسان کو مالی مشکلات میں پھنسا دیتی
ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ مدرس کے خیالات بلند ہونے چاہیئں۔ اس کا نصب العین
اعلیٰ ہو۔ اور اس کے حصول کے لئے وہ ہر وقت آمادۂ عمل رہے۔ مدرس کی خوراک،
ورزش اور رہائش سب مناسب ہوں۔ تاکہ اس کی تقلید سب کے لئے ممکن العمل
ہو۔ "سادہ زندگی اور بلند خیالی" (Plan living and high thinking)
معلم کا اصول ہونا چاہیئے۔ تاکہ بچوں کے لئے صحیح معنوں میں رہنما ثابت ہو سکے۔
مدرس کو چاہیئے کہ وہ تعلیمی تجربات کرے۔ مختلف بچوں کو پڑھانے سے اسے
کئی قسم کے تجربات کا موقعہ ملتا ہے۔ مثلاً مدرس بچوں کو خوشخط لکھنے یا کسی
حساب کے قاعدے کو آسان طریقہ سے سمجھانے کے متعلق تجربے کر سکتا ہے۔
مدرس کو گاؤں کی سیر بھی کرنی چاہیئے۔ اس طرح مدرس گاؤں کی واقفیت حاصل

کر لیتا ہے نیز بچوں کو اپنے مقامی جغرافیہ کا بہت کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔

مدرس کے لئے تین باتوں کا جاننا بڑا ضروری ہے:-

(ا) کیا پڑھایا جائے (a) What to teach.
(ب) کیوں پڑھایا جائے (b) Why to teach.
(ج) کیسے پڑھایا جائے (c) How to teach.

اگر وہ ان امور سے واقف ہو کر پڑھاتا ہے۔ تو وہ تعلیم کا حق ادا کر رہا ہے ورنہ سب کچھ بے فائدہ ہے۔ مدرس کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ استاد اور بچوں میں کیسے تعلقات ہونے چاہئیں۔ اور کن حالات میں تعلقات خوشگوار رہ سکتے ہیں
آج کل جمہوریت پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مدرسہ کے انتظام میں طلبہ دخل دیں۔ ان کو ذمہ داریاں سونپ دی جائیں۔ اس سے ان میں آزادانہ عمل اور خود اعتمادی کی عادت پیدا ہوگی۔ اور استاد کا بہت سا کام ہلکا ہو جائے گا۔

مدرس کو اپنے ساتھی استادوں سے بھی اچھے تعلقات رکھنے چاہئیں۔ آج کل اکثر جگہ اسٹاف کے باہمی تعلقات کشیدہ رہتے ہیں۔ مدرسین کے طبقہ میں لڑائی جھگڑے کا ہونا نہایت ہی بری بات ہے۔ اس طرح نہ صرف تعلیمی کام میں حرج واقع ہوتا ہے بلکہ بچوں کے اخلاق و عادات پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔

ان تمام اوصاف کے پیدا کرنے کے لئے ہم ٹریننگ دینے سے استاد نہیں پیدا کر سکتے۔ کیونکہ معلمی اکتسابی نہیں۔ یہ بھی شاعری کی طرح پیدائشی اور خداداد چیز ہے۔ گو بہت سے استاد (Born Teacher) پیدائشی استاد ہوتے ہیں۔ پھر بھی تربیت سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ ہم بچے کے اخلاق، جذبات اور اس کی نفسیات کو سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اور تعلیم اور تدریس کی اکثر پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانا سیکھ جاتے ہیں +
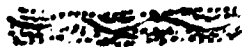
امرناتھ شرما

ڈرائینگ کی نسبت دستکاری کا تعلیمی استعمال اور بھی زیادہ آسان ہے مگر بدقسمتی سے ہمارے مدرسوں میں دو بھاری مشکلات درپیش ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہمارے اکثر استاد خود اِس قسم کے کام سے ناواقف ہیں۔ دوسرے اس قسم کی کوئی سکیم رائج نہیں۔ جس سے اُستادوں کی رہنمائی ہو سکے۔ ہماری غربت اور مقامی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے مدرسوں میں کون کون سا کام ہے۔ جو کامیابی سے سکھایا جاسکتا ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے۔ کہ اُستاد سے بہتر اور کوئی شخص اِس بات کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہی بہترین طور پر آگاہ ہے۔ کہ مقامی حالات کیا ہیں۔ اِس کے گرد و نواح گھروں میں عورت مرد کیا کام کرتے ہیں۔ جن پر تعلیمی دستکاری کی بُنیاد قایم کی جاسکتی ہے۔ بچے سکول آنے سے پہلے کسی قسم کا ہُنر اور واقفیت پیدا کر چکے ہیں جسے وہ ترقی دے سکتا ہے۔ مفصلہ ذیل خیالات کو اُستاد اپنی تعلیم۔ مقامی حالات۔ بچوں کی مالی حالت کے مطابق تبدیل کر سکتا ہے۔ تعلیم کا یہ ایک پہلو ہے۔ جس میں اُسے مکمل آزادی ہونی چاہیئے۔ ایک اُصول کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جو کام بھی کیا جائے۔ اس میں بچوں کو پوری دلچسپی ہو۔ اور اُستاد پر واضح ہو۔ کہ اس کی تعلیمی اہمیت کیا ہے۔

عام دستکاریوں کی ایک فہرست مفصلہ ذیل ہے

کاغذ کا کام - یعنی کاغذ تہ کرنا - کاٹنا، لپیٹنا، پھاڑنا، دھجیاں بنا کر نمونے بنانا وغیرہ -
گتے کا کام، گتے کے نمونے بنانا وغیرہ
مٹی کا کام، خشک ریت یا چکنی مٹی سے نمونے بنانا
بُننا - اون، روئی، بید، مونج وغیرہ سے
چمڑے کا کام - جلد سازی، بڑھئی اور لوہار کا سادہ کام

اس قسم کا کافی سامان ہر ایک پرائمری سکول میں مہیا ہونا چاہیئے - اور طلبہ میں شوق پیدا کرنا چاہیئے - کہ حسب موقع وہ اس سامان میں اضافہ کرتے رہیں - صاف ظاہر ہے - کہ اس قسم کے سامان کے لئے زیادہ روپیہ کی ضرورت نہیں - اگر کچھ اوزار یا سامان خریدنے کی ضرورت محسوس ہو - تو کھیلوں کے فنڈ میں سے خرید لینا چاہیئے - یہ اس فنڈ کا جائز استعمال ہے -

دستکاری کی تعلیم بھی ڈرائنگ کی طرح بچے کی فطرت کے عین مطابق ہے بچے دستکاری سے کبھی نہیں اکتاتے - اور اسے کھیل ہی سمجھتے ہیں - دستکاری کا کام طلبہ مل کر یا علیحدہ علیحدہ حسب ضرورت کریں - بہت سے ایسے کام ہیں جو مل کر بہتر ہو سکتے ہیں - علیحدہ کام کرنے سے بعض بچے سست یا لاپرواہ ہو جاتے ہیں - برخلاف اس کے ہمیشہ دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنا شخصیت کے اظہار کے مانع ہوتا ہے - اس لئے اُستاد کو چاہیئے - کہ ہر ایک بچے کی طبیعت اور تعلیمی ترقی کے مطابق اُسے انفرادی یا جماعتی کام سپرد کرے *

ارجن سنگھ

پس ماندہ بچے

پس ماندہ بچوں سے مراد وہ بچے ہیں۔ جو جماعت کے دیگر بچوں کے ساتھ ساتھ پڑھائی اور لکھائی میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ یہ بچے عموماً ایک یا ایک سے زیادہ مضامین میں باقی بچوں کے مقابلہ میں پیچھے رہتے ہیں۔ ایسا کوئی اُستاد نہیں جس کو اس قسم کے بچوں کے ساتھ واسطہ نہ پڑا ہو۔ اس قسم کے بچوں کی موجودگی اُستاد کے کام میں رُکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ اسے ان بچوں کی خاطر اپنی رفتار مدھم رکھنی پڑتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جماعت کے تیز فہم اور ذہین بچے اکثر وہی باتیں یا اسباق دوہراتے ہیں۔ جو انہیں چند روز پہلے پڑھائے گئے تھے۔ اس طرح صحیح و سالم دماغ رکھنے والے بچے اسباق میں دلچسپی کھونے لگتے ہیں۔ اور ضبط کے نقطۂ نگاہ سے مدرس کے لئے ایک اور مشکل پیدا ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں مدرس کے لئے یہ ممکن نہیں۔ کہ وہ دونوں قسم کے بچوں کی ذہنی نشوونما مہیا کرنے کا کام سرانجام دے سکے۔ واضح رہے۔ کہ پست ذہن بچوں کی تعداد عموماً کم ہوتی ہے۔

مسٹر گاٹسن نے ایسے بچوں کی تعداد ایک سکول میں سات سے بارہ تک بتائی ہے۔

پست ذہن بچوں کے علاوہ مدارس میں ایسے بچے بھی پائے جاتے ہیں۔ جو

عام تعلیمی نقطۂ نگاہ سے کلیتاً ناقابل تربیت ہوتے ہیں۔ ایسے بچوں کو پاگل ذہن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اُن کی تعداد اور بھی قلیل ہوتی ہے۔

پس ماندگی کے اسباب اور علاج (۱) نفسیات کے جدید انکشافات نے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچا دی ہے۔ کہ جسم اور ذہن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ جسم کی بالیدگی کے ساتھ ساتھ ذہن بھی نشوونما پاتا ہے۔ اگر جسم کی بالیدگی میں خلل واقع ہو جائے۔ تو اُس کا اثر ذہن پر بھی پڑتا ہے۔ اس لئے پست ذہن بچوں کی اکثریت جسمانی طور پر ناقص واقع ہوئی ہے۔ مثلاً کمزور بینائی بہرہ پن یا زبان کا رکنا وغیرہ۔ اگر ایسے بچوں کے جسمانی نقائص دُور کئے جائیں۔ تو اُن کی ذہنی پستی بہت بڑی حد تک علاج پذیر ہو سکتی ہے۔ اور وہ جماعت کے تیز فہم بچوں کے ساتھ ساتھ برابر چل سکتے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے ایسے بچوں کی جسمانی بالیدگی کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ اس بارے میں اب مدرسین کو کچھ زیادہ تکلیف نہیں اُٹھانی پڑتی۔ کیونکہ اکثر مدارس میں بچوں کے طبی معائنہ کا رواج عام ہو رہا ہے۔ جن سکولوں میں اس قسم کی سہولتیں سرکاری طور پر میسر نہ ہوں۔ وہاں اُستاد کا فرض ہے۔ کہ وہ کسی ڈاکٹر کے ساتھ مشورہ کر کے یا بچوں کے والدین کو ایسا کرنے کی ترغیب دے۔ بچوں کے جسمانی نقائص کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ہماری جسمانی بالیدگی کا انحصار مختلف قسم کی گلٹیوں پر ہے۔ یہ گلٹیاں مختلف رس یا رطوبت تیار کرتی ہیں۔ اور یہ رطوبتیں ہمارے پٹھوں پر اور خون میں داخل ہو کر جسمانی نشوونما کی تکمیل کرتی ہیں۔ پست ذہن بچوں کی گلٹیوں کا عمل عموماً بیقاعدہ ہوتا ہے۔ اُن کے عمل کو باقاعدہ بنانے کے لئے مختلف قسم کے انجکشن دریافت ہوئے ہیں۔ مثلاً خسرہ۔ تپ محرقہ۔ نمونیا کے حملے کی صورت میں اگر علاج میں کسی طرح کا نقص رہے۔ تو اُس کا اثر بچوں کے دماغ پر مستقل طور پر پڑتا ہے۔ اس لئے دماغ کو اس عارضہ کے اثر سے چھڑانا لازمی ہے۔

(۲) ذہنی کمزوری کی دوسری وجہ مناسب اور موزوں غذا کی کمی ہے۔ غریب گھرانوں کے بچوں کو ضرورت کے مطابق خوراک نہیں ملتی۔ جس کا نتیجہ جسمانی کمزوری کی صورت

میں نمودار ہوتا ہے۔ جسم کے اعضا پوری نشو و نما حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اس کے باعث ذہنی قوا بھی سست اور ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ خوراک کی موزوں اور مناسب ترتیب بہم پہنچانے سے اس قسم کے بچوں کی ذہنی کمزوری دور ہو سکتی ہے۔

وہی ذہنی پستی کی تیسری وجہ ماحول کے تاثرات ہیں۔ پست ماحول میں پلے ہوئے بچے ذہنی پستی کے شکار ہو جاتے ہیں۔ دیہات سدھار اور اس قسم کے دوسرے محکمے ماحول کو سنوارنے کے لئے کھولے گئے ہیں۔

رہی ذہنی پستی کا چوتھا سبب قریب البلوغت ہونا بھی ہے۔ بلوغت کے دور میں داخل ہوتے وقت بھی ذہنی پستی کے آثار بچوں میں نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ ایسے وقت پر مدرس کو کافی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اس دور میں بچوں کے اندر ہی اندر ایک بڑا گہرا انقلاب جاری ہوتا ہے۔ جس کا اثر بچوں کے خارجی حرکات و سکنات پر پڑتا ہے ایسی صورت میں خیال کرنا۔ کہ بچے پستی کی طرف جا رہے ہیں سخت غلطی ہے۔ بچوں کو اس دور میں سے گزرنے میں مدد دینی چاہیئے۔ ان کے جذبات کے ساتھ ہمدردی برتنی چاہیئے۔ اور حسب ضرورت کام کی نوعیت بدلتے رہنا چاہیئے۔ جبلتوں کی تصعید اس دور میں کافی اہمیت رکھتی ہے۔

ہر صاحب اولاد استاد یا ہر وہ شخص جسے بچہ کی تربیت کے ساتھ ذرا سا بھی واسطہ ہے۔ اُسے انسانی بالیدگی کے منازل خواص اور اُن کا صحیح استعمال جاننا از بس ضروری ہے۔ بچے کی حقیقی تربیت کا زمانہ تو وہ ہے۔ جب وُہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے۔ یہاں سے ہی اس کے خیالات صحت اور دماغ کی ابتدا ہوتی ہے۔ سو ان دنوں ماں کو اچھی اور صحت بخش خوراک کھانی اور تازہ اور صاف ہوا میں رہنا چاہیئے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے پھلوں پھولوں اور سبزیوں کا دل کش منظر رہے۔ بزرگوں۔ بہادروں۔ فاتحوں سیاحوں اور محبان وطن کی نہ صرف تصویریں پیش نظر رکھے۔ بلکہ ان کے حالات پڑھتی یا سنتی رہے۔ ہمیشہ خوش و خرم رہے۔ غم و الم۔ غصہ و حسد۔ جوش وغیرہ کو پاس تک نہ پھٹکنے دے۔

بچپن:- بچپن یوم پیدائش سے پانچ سال تک کا اہم زمانہ ہے۔ یہی وُہ زمانہ ہے۔ جب بچہ ماحول کا اثر قبول کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اردگرد کے حالات کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ تجربہ سے خالی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو حاصل کرنے کے لئے اپنے سب یا موزوں حواسوں کو استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر چیز کو تحقیق اور تجسس کی نگاہ سے دیکھتا اور دانایوں کی طرح سوالات کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بہتر ہے۔ کہ اسے زیادہ سے زیادہ کھلونے دیئے جائیں اور ان کو توڑنے پھوڑنے اور ہمدردانہ جوابات حاصل کرنے کا موقعہ دیا جائے۔

لڑکپن:- یہ پانچ اور بارہ سال کا زمانہ ہے۔ ابھی تک بچے کو ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن جو کچھ اسے بتا دیا جاتا ہے وُہ فوراً اُسے قبول کر لیتا ہے۔ بحث و تکرار کرنے اور

دلیل دینے کا مادہ ابھی تک اس میں پیدا ہوا ہی نہیں ہوتا۔ مل جل کر زندگی بسر کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ عام طور پر اپنے ہمعصر لڑکوں میں رہنا۔ مہمات اور کارناموں میں حصہ لینا۔ اور سرداری حاصل کرنے کا شوقین ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں اسے مفید نتیجہ خیز اور اخلاقی کہانیاں سنائی جائیں۔ اور اسے موقعہ دیا جائے۔ کہ وہ بچوں کے ساتھ مل کر کھیلے۔ اس غرض کے لئے سکولوں میں کلبنگ (Cubism) سب سے زیادہ مفید تحریک ہے۔ جو بچہ کی زندگی کو بہتر بنا سکتی ہے۔

عالم بلوغت: یہ تیرہ سے اٹھارہ سال کا زمانہ ہے۔ جو انسانی زندگی کا نہایت اہم مگر خطرناک مسئلہ ہے۔ اسی زمانہ میں انسان اپنی زندگی کو عملی طور پر بناتا یا بگاڑتا ہے۔ اس عرصہ میں خیالات خواہشات۔ جذبات کا بے پناہ سمندر اس کے سینہ میں موجزن ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے اپنے خیال سے ہٹا نہیں سکتی۔ اور ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ضرورت ہے۔ کہ بچہ کو اس وقت ہر وقت مفید۔ دلچسپ اور نیک کاموں میں مصروف رکھا جائے۔ لیکن کبھی نگرانی نہ کی جائے۔ کیونکہ اس عمر میں بچہ قانون شکنی اور حکم عدولی کرنا اور رسمی قیود سے اپنے آپ کو آزاد کرنے میں بہادری اور فخر محسوس کرتا ہے۔ منظم کھیلوں اور مذہبی۔ ملی اور سماجی خدمتوں میں حصہ لینے میں اسے مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہی نیک شغل اسے کئی بدعتوں اور برائیوں سے باز رکھ سکتا ہے۔ گانا۔ بجانا۔ خیالی پلاؤ پکانا اور کسی چیز کے اسباب اور مکمل حالات دریافت کرنے کا از حد متمنی ہوتا ہے۔ روحانی اور جذباتی ترقی کے لئے اس کی اس قسم کی تربیت ضروری ہے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں اسے جنسی علم کے متعلق بھی خفیہ مگر واضح تعلیم دینی چاہیئے۔ ورنہ وہ ناواقفیت کی وجہ سے اپنی ساری عمر تباہ و برباد کر بیٹھے گا ✦

(ماخوذ)

شمیم اختر

ابتدائی جماعتوں میں پڑھائی

بہت چھوٹے بچوں کو ابتدائی مہینوں میں کھیل کھیل میں تعلیم دینی چاہیئے۔ اور اسی سلسلے میں سادہ حروف کی بے قاعدہ طور پر پہچان بھی کرا دینی چاہیئے۔ اس کے بعد طریق ہجی استعمال میں لانا چاہیئے۔ اس کے لئے ہم شکل حرفوں کے علیحدہ علیحدہ گروپ بنائے جائیں۔ مثلاً

ب پ ت ٹ ث۔

ج چ ح خ۔

د ڈ ذ ر ڑ ز ژ

س ش ص ض —— ط ظ —— ع غ —— ک گ وغیرہ

سامان | ریت، مٹی، کارڈ بورڈ، چنے کی دال کے دانے، کارڈ بورڈ پر حروف، پیتل، ٹین اور لکڑی کے حروف، حروف کے چارٹ بمعہ تصاویر، بلیک بورڈ، چاک۔ جھاڑن، موٹی تار، (؟) (تار ایسی ہو جو بچے موڑ توڑ سکیں)

پڑھانے کا طریقہ | ایک گروپ کا ایک حرف لے کر بلیک بورڈ پر لکھ کر پہلے اجتماعی طور پر پھر انفرادی طور پر پڑھایا جائے۔ پھر کارڈ بورڈ سے بچے فوراً ان حرفوں کو پہچان لیں گے۔ پھر ریت پر بنوائیں، اور حروف کی پہچان کرائیں۔

پہچان کے بعد پھر ایسے دو حرفی الفاظ سکھائے جائیں۔ جن میں حرف کی شکلیں نہ بدلیں۔
مثلاً [illegible] وغیرہ۔ پھر
ایسے دو حرفی الفاظ سکھائے جائیں جن میں حرف کے سرے وغیرہ مڑ جائیں۔
مثلاً [illegible] کب وغیرہ۔ پھر [illegible] حرفی لفظ مثلاً بات، کاٹ وغیرہ۔ پھر
[illegible] بات سکھائی جائیں مثلاً آنا، باجی [illegible] وغیرہ
[illegible] جملہ بھی سکھائے [illegible] اس کا پہلا لفظ بلیک بورڈ پر لکھیں۔ پھر اس کو
[illegible] دوسرا لفظ لکھ [illegible]
[illegible] اور پھر ان سے پڑھوایا جائے۔ پھر انہیں جوڑ کر اکٹھا پڑھایا جائے۔
[illegible] لا۔ پھر جملہ علاوہ پڑھایا جائے۔
[illegible] آنا ۔۔۔ لا ۔۔۔
اب [illegible] آ جائے پھر کتاب شروع کرائی جائے۔

دوسری جماعت کے پڑھانے کا طریقہ

سبق کی تیاری سبق کی تیاری کرتے وقت عبارت کا مطلب دیکھ لو۔ مشکل الفاظ و فقرے وغیرہ دیکھ لو۔ کتاب میں ان پر نشان وغیرہ کر لو۔

ضروری سامان مثلاً۔ نمونے۔ اشیاء۔ تصویریں نقشے وغیرہ بھی ضروری ہیں عبارت پڑھ کر یہ معلوم کر لو۔ کہ خوش خوانی میں لڑکیاں کیا کیا غلطیاں کریں گی۔ اور وہ کیسے درست کی جائینگی۔ سبق کی تقسیم جو مناسب ہو کر لو۔ مشکل الفاظ کو پہلے ہی سے تختہ سیاہ پر خوشخط کر کے لکھ لو۔

طریقۂ تعلیم اصل سبق شروع کرنے سے پہلے سبق کے متعلق کوئی دلچسپ کہانی تمہید میں ہونی چاہیئے۔ اگر ہو سکے تو نئے سبق سے ربط دو۔ اس کے بعد تختہ سیاہ پر جو پہلے سے مشکل الفاظ لکھے ہوئے ہوں۔ وہ بچوں کے سامنے

کیف اسرائیلی

طلسمات

تو دہر میں ہے منتظر شام و سحر کیا!
آکاش کے باسی کو زمینوں کی خبر کیا!
اس عالم تشکیک کا کرشمہ ہے فقط ڈھونگ
یہ علم و ادب کیا، یہ عمل کیا، یہ ہنر کیا!
پہنائے شب و روز میں ہو جس کی صدا گم
چھیڑیگی وہ تکبیر ستاروں کے جگر کیا!
کھلتے نہیں اسرار جہاں جس کی مدد سے
اے دانش امروز! وہ دل کیا، وہ نظر کیا!
جس دیس میں ہر گام پہ ملتے ہوں درندے
اس دیس میں بھولے ہوئے راہی کا سفر کیا!
ظلمت میں ہیں امڈے ہوئے تقدیر کے طوفان
اس ڈوبتی ناؤ کو بچائے گا خضر کیا!
کیا مدرسۂ و مکتب حاضر کی حقیقت
اس شعلۂ نم خوردہ سے ٹوٹے گا شرر کیا!

के प्रति भी कुछ प्रेम नहीं रह जाता। तीव्र बुद्धि वाले बालकों के ज्ञान की क्षुधा-तृप्ति वहाँ नहीं होती। सुन्दर भोजन न मिलने से क्षुधा भी मिट जाती है, और स्वास्थ्य बिगड़ जाता है। वही दशा ऐसे बालकों की भी होती है। तीव्र बुद्धि वाले बालकों की मानसिक भूख के लिए उपयुक्त खाद्य न मिलने पर, उनकी मानसिक शक्ति का स्वच्छन्द विकास नहीं हो पाता। परिणामतः कितने ऐसे प्रतिभाशाली होनहार बालक कुपथगामी हो जाते है, और आगे चलकर उनकी बुद्धि कुण्ठित हो जाती है। आजकल यह एक पद्धति-सी चल पड़ी है कि किसी विद्यालय की अच्छाई या उन्नति उसके परीक्षा-फल पर ही निर्भर करती है। यदि परीक्षा-फल अच्छा हुआ तो वह स्कूल अच्छा समझा जाता है और यदि परीक्षा फल खराब हुआ तो उसका नाम खराब हुआ तो उसका नाम खराब स्कूलों में दर्ज हो जाता है। किसी सज्जन के मस्तिष्क में भी शायद यह बात नहीं उठती कि उस स्कूल के लड़के अधिक संख्या में उत्कृष्ट बुद्धि वाले, साधारण बुद्धि वाले या मन्द बुद्धिवाले थे। किसी स्कूल का परीक्षा-फल अधिकतर लड़कों पर निर्भर करता है। यही कारण है कि किसी एक स्कूल का परीक्षा-फल सदा एक सा नहीं होता। यह भी देखने में आता है कि प्रतिशत ३०-४० अंक प्राप्त कर उत्तीर्ण होने वालों की संख्या अधिक रहती है, और ६० प्रतिशत या इससे अधिक अंक प्राप्त करने वालों की संख्या अत्यल्प रहती है। यह भी अवश्य मानना पड़ेगा कि इस परीक्षा-फल में बुद्धि के साथ-साथ ज्ञान की भी जाँच है। इसके अतिरिक्त यह भी देखने में आता है कि पढ़ना शुरू करने-वाले बालकों में बहुत कम लड़के ऊँचे क्लास तक पहुँच पाते हैं। इनके कारण अनेक हैं, परन्तु बुद्धि की कमी भी एक प्रधान कारण है। बुद्धि-परीक्षा- विशारदों ने जाँच कर पता लगाया है। कि ३० या ४० प्रतिशत बालकों की बुद्धि मन्द रहती है। क्लास में ठीक तरह से वे चल नहीं सकते। इनमें से कुछ को अभिभावक और शिक्षक ठेल- ठाल कर कुछ दूर तक ले जाते हैं। पर उच्च कक्षाओं तक पहुँचते-पहुँचते इस प्रकार के लड़के एकदम बागी बन जाते हैं, और पढ़ना छोड़ देते हैं अभिभावकों का सारा खर्च व्यर्थ हो जाता है, और बालकों का अमूल्य समय भी नष्ट हो जाता है। बुद्धिपरीक्षा बचपन में लेने से मन्द बुद्धिवाले बालकों को, उनको योग्य पाठ्य-क्रम रखने से, फायदा होता है। यह देखा जाता है कि मन्द बुद्धिवाले हस्तकर्म (दस्तकारी आदिमोटे कामों में आसानी से सफलता प्राप्त करते हैं। उन लोगों को एसा काम देना चाहिए, जिस में बुद्धि की कम जरूरत हो। वर्धा-स्कीम के पाठ्य-क्रम में दस्तकारी) के लिये बहुत समय रखा गया है।

शेष अगले अंक में

बुद्धि-परीक्षा की उपयोगता

श्री जगदम्बाशरण शर्मा, एम० ए० साहित्यरत्न

इस आयोजन के अनुसार पहला श्रेणी में अत्यन्त प्रतिभाशाली और उत्कृष्ट बुद्धिमान बालक दूसरी श्रेणी में साधारण बुद्धिमान बालक, तोसरी श्रेणी में मन्द बुद्धि के बालक रखे जायं। इस श्रेणी-विभाजन से उत्कृष्ट बुद्धिमान बालकों की दो वर्ष की पढ़ाई एक ही वर्ष में समाप्त हो जायगी, और मन्द बुद्धिवाले लड़कों की पढ़ाई उनकी मानसिक शक्ति के अनुसार डेढ़ या दो वर्षों में समाप्त हो सकेगी। परन्तु साधारण बुद्धि वाले लड़के वर्ष-भर में अपने वर्ग की पढ़ाई का समाप्त कर देंगे। वर्तमान काल में केवल दूसरी श्रेणी के छात्र पहले ही से पढ़कर तैयार रहते हैं, और तीसरी श्रेणी के विद्यार्थी समझ ही नहीं सकते। बुद्धि-अनि के आधार पर ये तीन श्रेणियां प्रत्येक वर्ग में निर्धारित की जा सकती हैं। प्रथम श्रेणी के योग्य छात्रों का वर्ग-परिवर्तन छः वर्षों में दो बार या दो वर्षों में तीन बार हो सकता है, जिससे उनका समय व्यर्थ न व्यतीत हो। बुद्धि-प्राप्ति के विचार से तीन श्रेणियां बनाई जा सकती हैं। (क) प्रथम श्रेणी—उत्कृष्ट बुद्धिमान बालकों की, (ख) दूसरी श्रेणी—साधारण बुद्धिमान बालकों की, (ग) तीसरी श्रेणी—मन्द बुद्धिमान बालकों की।

वर्तमान काल में मन्द बुद्धि वाले बालक क्लास में जब तक नहीं आ सकते, तब शिक्षकों को धोखा देते, झूठ बोलते और अन्त में शिक्षकों से बागी हो जाने के कारण हतोत्साह होकर पढ़ना एक दम छोड़ देते हैं और अपना भविष्य खराब कर लेते हैं। जब एक बार क्लास का साथ छूटा, तब वे सदा के लिए पीछे पड़ गये और, फिर वर्ग के साथ चलने में उन्हें कैसी कठिनाई होती है, यह विचारने की बात है। ठीक इसके विपरीत प्रतिभाशाली तथा उत्कृष्ट बुद्धि वाले लड़कों को वर्ग की पढ़ाई से सन्तोष नहीं होता। उनके लिये कोई नवीनता नहीं रहती, जिसके पढ़ाई में वे न ध्यान देते हैं, न मनोयोग; फलतः वर्ग की पढ़ाई उन लोगों के लिए व्यर्थ हो जाती है, और पढ़ाई के प्रति उन्हें घृणा हो जाती है। शिक्षकों के प्रति भी उनकी श्रद्धा धीरे-धीरे कम हो जाती है। अन्त में शिक्षा

के योग्य हैं जो अपने कर्तव्य को भलि-भान्ति समझते हैं और उसे प्राणपन से निभाते जीवन व्यतीत करते है। चाहे उनके पास किसी भी विद्यालय की कोई बड़ी उपाधि हो अथवा न हो!

इन सब के साथ साथ शिक्षा ऐसी होनी चाहिये जिससे मनुष्य जीवन का उत्साह बना रहे तथा बुद्धि स्फूर्ति और कार्य क्षमता का भी बल बढ़े! अर्थात शिक्षा धार्मिक बौद्धिक नैतिक और शारीरिक ही हो। यदि शिक्षा प्रणाली में मनुष्य स्वभाव की इन चार महत्व पूर्ण विषयों में से किसी एक का भी प्रभाव होगा तो वह अवश्य ही अधूरी और अनुचित होगी! तथा उसका परिणाम यह होगा कि भावी नागरिक उन के सर्वांग पूर्ण विकास की दृष्टि से, किसी न किसी विषय में अधुरे रहेंगे जिस से समाज को उन से कोई विशेष लाभ न होगा।

लेकिन शोक के साथ देखना पड़ता है कि वर्तमान शिक्षा इन सब उद्देश्यों से पूर्णतया शुन्य है! और हमारे विद्यालय तो यह समझते हैं कि उनका ध्येय अधिक से अधिक लोगों को डिग्री प्राप्त करवाना है, चाहे वह जिविका कमा सके, अथवा आदर्श-नागरिक बने या न. उन्हे इस से क्या वर्तमान शिक्षित वर्ग न तो मनुष्यत्व को समझते है नही वह आदर्श नागरिक, व सामाजिक व्यक्ति ही बन रहे हैं। यदि वह अपने देश के प्रति जरा भी कर्तव्य समझते तो हमारा समाज कब का कुरीतियों से छुटकारा पा जाता है। और भारत भी अब तक गुलामी की जंजीरों से बन्धन-युक्त हो चुका होता! आज कल तो शिक्षा का उद्देश्य जिविका उपार्जन ही समझा जाता है परन्तु खेद यह है कि वह इस मे भी सफल नहीं हो रही! जिविका उपार्जन का विचार तो बुरा नहीं, परन्तु इसी एक उद्देश्य पर भूला हुआ वर्तमान मनुष्य, दम्भी, स्वार्थी (स्फूर्ति रहित) अशान्त और मनुष्यता की कसौटी पर पूरा उतरने योग्य नहीं रहा!

——:o:——

सकता है। बादशाह अकबर पढ़ा लिखा नहीं था तो भी वह योग्य-शासक, युद्ध-कला निपुण और ज्ञानी था ! इसी लिये हमें शिक्षा के बाह्य रूप पर ही न भूला रहना चाहिये। मनुष्य कर्म करने के लिये ही संसार में जन्म लेता है इस लिये हमें जीवन का महत्व समझना चाहिये। वास्तविक शिक्षा वही है जो मनुष्य को कर्तव्य परायण बनाती है । तथा उसे ऊंच, नीच, का भेदभाव बताती है जीवन में कौन सा काम करने योग्य है और कौन सा नहीं यह ज्ञान कराये साथ ही सचरित्रता का ज्ञान कराना भी शिक्षा का बहुत बड़ा कर्तव्य है।

चरित्र-बल की मनुष्य जीवन में बहुत बड़ी अवश्यकता है ! इसी के द्वारा वह संसार और समाज में आदर प्राप्त करता है। चरित्र से ही मनुष्य का मुल्य आंका जा सकता है ! इह लोक क्या परलोक में भी मनुष्य की कीमत चरित्र से ही है। यही वस्तु है जो मनुष्य का भविष्य तक साथ देती है बाकी। धन वैभव, सम्बंधी सब यहीं रह जाते हैं ! चरित्र हीन मनुष्य पशु के समान हैं ! तनिक सी भी चरित्र हीनता से मनुष्य का जीवन तो नष्ट होता ही है, अपितु देश और बड़े २ राष्ट्र भी विध्वंस हो जाते हैं ! इस लिये वह शिक्षा जो मनुष्य को चरित्र-ज्ञान न कराये वह किस काम की थी इन सब बातों के कहने का तात्पर्य यह है कि मनुष्य को बलवान, सचरित्र, कर्तव्य परायण तथा उसे अपने विषय में पूरी जानकारी कराना शिक्षा का अति आवश्यक काम है।

अब शिक्षा का दूसरा मुख्य काम है मनुष्य को जगत से परिचित कराना है ! जगत के बाहरी रूप का पूर्ण ज्ञान करवा देने से ही शिक्षा का ध्येय पुरा नहीं होता। इससे मनुष्य का जगत के प्रति ज्ञान अधूरा ही रह जायेगा। इस लिये शिक्षा ऐसी होनी चाहिये जो उसे इस बात का ज्ञान कराये कि वह देश का एक मुख्य अङ्ग है और एक संसारिक प्राणी है ! इनके प्रति भी उसके लिये बहुत आवश्यक कर्तव्य हैं ! मनुष्य को यह न भूलना चाहिये कि वह अपने देश का नागरिक है । देश की उन्नति और अवनति उस पर निर्भर हैं। इस के साथ ही संसार की भलाई और उन्नति के लिये यथा शक्ति काम चिन्तन करना भी उसका कर्तव्य है ! एक आदर्श नागरिक की भान्ति उसके इनके प्रति भी कुछ कर्तव्य है जिन्हें निभाना उसका फर्ज है ! संसार में कई ऐसे व्यक्ति होते हैं जो अच्छे कामों में अपना जीवन सफल करने के साथ २ अपने देश का मुख उज्वल तो करते ही हैं और साथ ही अपने कामों से वह सर्व संसार को भलाई भी लाभ पहुंचाते हैं । वास्तव में सफल जीवन तो इन्हीं लोगों का है ! और यही मनुष्य जीवन का ध्येय है—कि जहां तक बन पड़े मनुष्य दूसरों की भलाई का काम करे और यही शिक्षित कहता।

शिक्षा का उद्देश्य

लेखक--विमल कामनि

——:०:——

वर्तमान शिक्षा से लोग बहुत असंतुष्ट दिखाई देते हैं। इसीलिये चारो ओर से यही सुनाई पड़ता है कि शिक्षा में परिवर्तन की बहुत शीघ्र आवश्यकता है! निसंदेह वर्तमान शिक्षित समाज की दशा देख कर यह स्पष्ट है कि भारतीय शिक्षा तथा शिक्षा-प्रणाली बहुत दोषपूर्ण है। आजकल के शिक्षित पुरुष न तो जिवन-क्षेत्र में सफल हो रहे हैं और न ही वह देश और जाति के उत्थान में सहायक साबित हो रहे हैं! भारतीय शिक्षा में जहां और बहुत सी कमियें हैं वहां एक सब से बड़ी कमजोरी यह है कि वह उद्देश्य हीन वस्तु न तो चिर-स्थायी होगी और न ही लाभदायक! यही बात हमारी शिक्षा की भी है!

प्रसिद्ध अंग्रेजी विद्वान टौड (Told) के शब्दों में शिक्षा का मुख्य उद्देश्य मन पर अनुशासन (discipline) करना है! आयु आरनोल्ड (Methew Arnold) ने तो बहुत सुन्दर और से शब्दों में शिक्षा का उद्देश्य बतलाया है। उनके मतानुसार—'शिक्षा का मुख्य उद्देश्य मनुष्यत्व और जगत की पहिचान कराना है। यदि इन शब्दों पर विचार किया जाय तो मनुष्यत्व और जगत की पहचान' का बहुत विशद अर्थ है। और इन में संसार की प्रत्येक सीखने और समझने योग्य बातें आ जाती हैं! इन उद्देश्यों के आधार पर शिक्षा ग्रहण करने में आध्यातमिक भौतिक और नैतिक सभी प्रकार की शक्तियों का विकास आ जाता है।

शिक्षा का उद्देश्य और कार्य यह है कि बालक अपने जीवन के उद्देश्य को समझें। जिन बातों से जीवन का गहरा सम्बन्ध है, उन का यथाक्रम ज्ञान हो, और हम पशु नहीं वरण शारिरिक और नैतिक शक्ति धारी मनुष्य हैं यह सिद्धांत समझ में आना नितांत आवश्यक है। केवल पढ़ना लिखना ही शिक्षा नहीं कहलाती वरण इन के बिना भी मनुष्य शिक्षित कहा जा

सकती हैं, और चाहें तो उससे भी कम समय में पतन के अथाह सागर में डुबा दे सकती हैं। राष्ट्रीय भविष्य का उज्वल या अन्धकारमय होना सदा राष्ट्रीय शिक्षा के आदर्श पर निर्भर रहता है। शिक्षा को समाज में प्रचलित आम लोगों के विचारों का अन्ध अनुकरण कभी नहीं करना चाहिये। उसे राष्ट्रीय अन्तरात्मा की ध्वनी के अनुसार अपने कर्त्तव्य का निरूपण करना चाहिये। साधारण आदमीयों के विचार राष्ट्र के सर्व श्रेष्ठ विचार की तुलना में बहुत ही हीन हुआ करते हैं जब राष्ट्र का आदर्श बहुत ऊचा होता है तब कहीं साधारण आदमियों के जीवन थोड़ा संस्कृत हो पाता है। यदि साधारण विचारों को ही अपना आदर्श मान लिया जा तो राष्ट्रीय संस्कृति बहुत ही निम्न धरातल पर आ जायेगी। राष्ट्रीय शिक्षा का कर्त्तव्य जहां अपने को राष्ट्रीय जीवन के घनिष्ठ सम्पर्क में रखना है, वहां उसका इस से भी बड़ा कर्त्तव्य राष्ट्र के आदर्श को उन्नत बनाये रखता है।

किन्तु इस महान कार्य की सिद्धी केवल लम्बी चौड़ी बातें बनाने से नहीं हो सकती। सिद्धान्त और तत्व की चर्चा करने मात्र से राष्ट्रीय आदर्श ऊंचा नहीं उठ सकता। आदर्श को उन्नत बनाने के लिए राष्ट्रीय जीवन को उन्नत बनाना पड़ता है। पतित जाति उच्च आदर्शों की कल्पना भी नहीं कर सकती, उन्हें ग्रहण और धारण करने की तो बात ही दूर है। राष्ट्र के आदर्श को ऊंचा बनाए रखने के लिए राष्ट्रीय जीवन को उच्च बनाना चाहिये। राष्ट्र के जीवन को उच्च बनाने का अर्थ है— राष्ट्र के अङ्ग व्यक्तियों के जीवन को उच्च बनाना। जिन व्यक्तियों के मिलने से राष्ट्र बना है, उन व्यक्तियों के जीवन को उच्च बनाए बिना राष्ट्र का जीवन कभी उच्च बन ही नहीं सकता। जो शिक्षा प्रणाली इस आदर्श को ध्यान में रखेगी वह राष्ट्र की संतति को मन-मान रास्ते पर नहीं जाने देकर, राष्ट्र के नव युवकों और नव युवतियों के चरित्र को सबल और इच्छाओं को पवित्र बनाने की चेष्टा अवश्य करेगी। यदि राष्ट्रीय शिक्षा इस महत्व-पूर्ण कार्य को न करे तो संसार में मानव सभ्यता का अस्तित्व न रहे और न राष्ट्रीय शिक्षा की ही कोई आवश्यकता रह जाए।

Subhasna Goswami

परिवर्त्तन के साथ राष्ट्रों के आदर्शों और स्वभावों में भी परिवर्त्तन होता रहता है सृष्टि का प्रत्येक कण में बदल जाता है। परिवर्त्तन ही जीवन का रहस्य है। जो राष्ट्र अपने जीवन में समयानुकूल परिवर्त्तन नहीं कर सकते उन का जीवित रहना असम्भव है । परिस्थितियों मे जैसे जैसे परिवर्त्तन होता है, वैसे-वैसे राष्ट्रो को भी अपनी सभ्यता, धर्म, रहन-सहन आदि मे परिवर्त्तन होकर पहले से भिन्न-बहुत ही भिन्न, और कई अंशों में तो बिल्कुल उलट हो गई है। अतः जो शिक्षा वैदिक युग मे भारतवासियों के जीवन को सम्पूर्ण बना सकती थी, वही शिक्षा बीसवीं सदी को भारतवासियों के जीवन को कभी सम्पूर्ण नहीं बना सकती । जब राष्ट्रों के आदर्शों में परिवर्त्तन होता है, तब उन आदर्शों के चरितार्थ करने के साधनों में परिवर्त्तन होना चाहिये। क्योंकि राष्ट्रीय संस्कृति से राष्ट्रीय शिक्षा का अन्योन्याश्रय सम्बन्ध है इसलिये राष्ट्रीय शिक्षा संस्कृति में जैसे जैसे परिवर्त्तन, सुधार या क्रान्ती हो वैसे ही वैसे राष्ट्रीय शिक्षा में भी परिवर्त्तन, सुधार और क्रांती होनी चाहिये।

किन्तु दुर्भाग्यवश प्रायः ऐसा नहीं हुआ। करता। जिस समय समाज में क्रान्ती होती है, जिस समय मनुष्यों के विचारों में परिर्वतन होता है, उस समय शिक्षा समाज के असली जीवन से दूर जा पड़ती है । शिक्षा का संचालन करने वाले ज्ञानवृद्ध और वयोवृद्ध स्वभाव से ही प्राचीनता प्रेमी और न बदलने वाले होते हैं जिन साधनों से अबतक उन्हे सफलता मिलती रही है । उन साधनों को त्याग कर वे नये प्रयोगों के पचड़े में पड़ना नहीं चाहते। वे समाज की परिवर्तित अवस्था में भी शिक्षा को प्राचीन तरीके से चलाने की कोशिश करते हैं । इस प्रकार शिक्षा समाज के नये आदर्श से पतित हो कर उसके वास्तविक जीवन से अलग हो कर उसकी आवश्यकताओं को पूर्ण करने में असमर्थ बन जाती है। जातिय संस्कृति में परिवर्त्तन होता है। जब भूत काल का लक्ष्य वर्त्तमान काल का का लक्ष्य नहीं रहा तब जिन साधनों ने भूत-कालीन लक्ष्य की सिद्धी की थी वही साधन वर्त्तमान कालीन लक्ष्य की सिद्धी किस प्रकार कर सकते हैं ? शिक्षा प्रणाली में निरन्तर सूक्ष्म अज्ञात परिवर्त्तनों के द्वारा उसे राष्ट्रीय जीवन के सम्पर्क में रखना ही राष्ट्रीय शिक्षा का सब सब से बड़ा आदर्श है।

इस का यह आशय नहीं की सर्व साधारण में जो हि विचार प्रचलित हो जायें, उन्हीं के अनुसार विद्यालयों और विद्यापीठों का पाठ-क्रम बना देना। चाहिए-आम लोगों के जो विचार हों उन्हीं की पढ़ाई स्कूलों और कालेजों में जारी हो जानी चाहिये। शिक्षण संस्थाओं का उत्तरदायित्व बहुत महान है। वे चाहें तो एक ही पीढ़ी में राष्ट्र को उन्नति के शिखर पर चढ़ा

राष्ट्रीय जीवन के लिए घातक और कोई वस्तु हो नहीं सकती । ऐसी शिक्षा का सर्वनाश जितना शीघ्र हो राष्ट्र के लिए उतना ही अच्छा होता है ।

अब प्रश्न यह उठता है कि राष्ट्रीय शिक्षा का आदर्श क्या है ? इसके बारे में कोई ऐसा नियम नहीं जो सब देशों और सब कालों में समान रूप से मान्य हो । क्योंकि भिन्न-भिन्न राष्ट्रों की अभिरुचि भिन्न-भिन्न प्रकार की हुआ करती है । और शिक्षा वही सफल और सम्पूर्ण हो सकती है जो जातियों के स्वभाव के अनुकूल हो, इसलिए कोई भी जाति अपने स्वभाव के प्रतिकूल जाकर अपने जीवन को पूर्ण नहीं बना । सकती । अतः जातियों के अनुकूल ही शिक्षा का स्वरूप निर्धारित करना चाहिये ।

इस नियम में थोड़ा सा व्यतिक्रम भी राष्ट्रीय जीवन के लिए घातक सिद्ध हुये बिना नहीं रह सकता । जिस जाति के हृदय में भोग विलास की इच्छा हो उसे यदि मुक्ति और निर्वाण की शिक्षा दी जाय तो पहले तो वह इस शिक्षा को ग्रहण ही नहीं करेगी । यदि जबरदस्ती उसे ग्रहण करने के लिए बाध्य किया जाय तो उस की आन्तरिक प्रवृत्ति इसे कभी स्वीकार नहीं कर सकती । उसका हृदय एक दिशा में जाना चाहेगा और मस्तिश्क इस शिक्षा का बन्दी हो कर दूसरी दिशा में । जाति के दिल और दिमाग का यह असहयोग जातिय जीवन में अधिक दिनों तक जारी रहा तो जातिय जीवन के निःशेष हो जाने में अधिक समय न लगेगा । राष्ट्रों के इस करुणा जनक पतन के अनेक उदाहरण इतिहास में देखने को मिलते हैं । जो शिक्षा ग्रीस की सभ्यता को उन्नति की चरम सीमा पर पहुचा सकी थी इसी शिक्षा ने रोमन साम्राज्य का सर्वनाश कर दिया । जो शिक्षा रोम की उन्नती में सहायक हुई थी, उसी शिक्षा ने इङ्गलैण्ड को गुलाम बना दिया । भिन्न शिक्षा से शिक्षित हो कर आधुनिक इङ्गलैण्ड संसार में सबसे बड़ा सम्राज्य स्थापित कर सका है वही शिक्षा भारतवर्ष की परतन्त्रता की बेड़ियों को दिनोंदिन मजबूर करती जा रही है । इन उदाहरणों से स्पष्ट है कि राष्ट्रीय शिक्षा की सफलता का सब से बड़ा साधन यह है कि जिन लोगों के हाथ में शिक्षा का सूत्र होवे राष्ट्र की मनोवृत्तियों को भली-भान्ती अध्ययन करें, राष्ट्रीय उद्देश्यों को पहिचाने और उन को ध्यान में रखते हुए राष्ट्र की संतति के लिये ऐसी शिक्षा का प्रबन्ध करें जो राष्ट्रीय उद्देश्यों के अनुसार राष्ट्र के जीवन को सफल सुखी और सम्पूर्ण बना सके ।

राष्ट्रों के आदर्श और आकांक्षाएं सदा बदलती रहती है फिर किस आदर्श के अनुसार शिक्षा प्रणाली का निर्माण किया जाय ? वास्तव में संसार परिवर्तन शील है देश और काल के

राष्ट्रीय शिक्षा

(ले०—सुभासना गोस्वामी)

ससार की सभी जातियां अपने आदर्शों के अनुसार अपने जीवन को पूर्ण बनाने का प्रयत्न करती हैं। राष्ट्रों के उत्थान और पतन का इतिहास वास्तव में उनकी पूर्णता के विकास और संकोच का इतिहास है । उन्नतिशील जातियां जगत से सभी पदार्थों को अपने ही आदर्श के अनुकूल रूपान्तरित करके सर्वत्र अपनी अन्तरात्मा का दर्शन करना चाहती हैं—अनन्त विश्व में अपनी ही सत्ता का विस्तार देख कर अपने को आत्मसुख में निमग्न कर देने का प्रयत्न करती हैं। यह आत्म सुख ही जीवन है, जीवन की पूर्णता है, और जीवन सर्वस्व है।

इसी पूर्णता की प्राप्ती के लिए जातियां अपनी सभ्यता का निर्माण करती हैं—साहित्य और शिक्षा की रचना करती हैं, शिल्प और कला लगाती हैं। सभी कुछ राष्ट्रीय जीवन को पूर्ण बनाने के लिए किया जाता है। इस लिए जो शिक्षा राष्ट्र के नवयुवकों और नवयुवतीयों में राष्ट्रीय आदर्श के प्रति प्रेम उत्पन्न करे, उनके चरित्र को राष्ट्रीय संस्कृति के अनुकूल बनाये और उनके भावी जीवन को राष्ट्रीय आकाक्षाओं की पूर्ति का साधन बनाये वही राष्ट्रीय शिक्षा है । ऐसी शिक्षा से राष्ट्र को बल और प्रोत्साहन मिलता है । सच्चा राष्ट्रीय शिक्षा राष्ट्र के जीवन को सम्पन्न सुखी और सुन्दर बना कर उसे अपने लक्ष्य—पूर्णता की प्राप्ती तक पहुचाने का प्रयत्न करती है—ऐसी शिक्षा राष्ट्र के लिये अमृत से समान है। किन्तु इसके विपरीत जो शिक्षा राष्ट्र की सन्तीत मे राष्ट्रय आदर्शों के प्रति अनादर का भाव उत्पन्न करे, उनके चरित्र को विदेशी सभ्यता के सांचे में ढाले, उनके भावी जीवन को राष्ट्रय आकांक्षाओं की पूर्ति के आयोग्य और राष्ट्र के दुखों की वृद्धि में सहायक बनावे, उस शिक्षा से बढ़कर

पाठों में व्याख्या और वर्णन की विशेष आवश्यकता है।

७ भाषा—शिक्षा प्रणाली में सफलता प्राप्त करने के लिये सब से आवश्यक भाग अध्यापक की भाषा का है। उसे वही भाषा प्रयोग में लानी चाहिए जो सरल, शुद्ध तथा स्पष्ट हो दुरूह तथा क्लिष्ट भाषा का प्रयोग कभी नहीं करना चाहिये।

के अनुसार होना चाहिए। वह बात जो अध्यापक के लिए सरल और बच्चों के लिए कठिन हो उस की व्याख्या जरूरी है।

३ पाठ क्रमः—पाठको पहले से ही क्रम वद्ध कर लेना चाहिये और इसी क्रम से छात्रों के सामने उपस्थित करना चाहिये। पाठ पढ़ाने के समय किस वस्तु का प्रयोग किस स्थान पर और किस अवस्था में करना चाहिये इसका अनुमान पहले से ही होना चाहिए। पाठ इस क्रम से चले कि छात्रों की रुचि अन्त तक बनी रहे।

४. पाठ संकेत :— शिक्षा प्रणाली में सफलता प्राप्त करने के लिए पाठ संकेत का तैयार करना भी आवश्यक है इसके कारण जहां अध्यापक को पाठ में सफलता प्राप्त होती है वहां छात्रों की रुचि भी बनी रहती है। वह उनकी शंकाओं का भी समाधानकर पाता है। संकेत न तो बहुत बड़े और न ही बहुत छोटे होने चाहियें। उन में सब मुख्य २ और आवश्यक बातें आजानी चाहियें। पाठ संकेत तैयार करने का यह अभिप्राय नहीं कि अध्यापक उसी रास्ते पर चले जो वह घर से तैयार करके लाया है बल्कि यदि कोई ऐसी बात पाठ पढ़ाते समय सूझ जाये जिसका बताना आवश्यक हो तो उसे उसको अवश्यक बता देना चाहिये।

५. प्रश्न उत्तर :— प्रश्न शिक्षा प्रणाली का आवश्यक अंग है। प्रश्नों द्वारा जहां बच्चों को सचेत किया जाता है वहां पाठ की ओर बच्चों का ध्यान आकर्षित किया जाता है। प्रश्न पाठ के प्रत्येक भाग में पूछे जा सकते हैं। आरम्भ में प्रश्नों का प्रयोग पाठ को क्रमबद्ध करने में सहायक होता है। पाठ के बीच में पूछे हुए प्रश्न बालकों में रोचकता पैदा करते हैं। अंत में पूछे हुए प्रश्न पाठ को दोहरा देते हैं। सच तो यह है कि वर्तमान काल में मनोविज्ञान तत्व वेताओं का यही मत है कि अध्यापक बच्चों को उसी समय कुछ बताये जब बताना अति आवश्यक हो जाये अन्यथा अध्यापक का कर्तव्य प्रश्न करना और उत्तर छात्रों से निकलवाना है।

उत्तरों के सम्बन्ध में यह बताना जरूरी है कि अध्यापक बालकों के उत्तरों पर खास ख्याल रखें कि उनके उत्तर पूर्ण वाक्यों में होने चाहिए। अधूरे उत्तर कभी भी स्वीकार न करने चाहिए।

६ उदाहरण और व्याख्या सोने पर सुहागे का काम देते हैं। इतिहास तथा भाषा के

अध्यापक और शिक्षा प्रणाली

जगदीश राय 'ज़ाकिर'
टीचर बेसिक स्कूल
रिहाड़ी जम्मू

यह मानी हुई बात है कि शिक्षण एक कला है और इस कला में निपुण होने के लिए यह आवश्यक है कि इस कला को भली भांति जानने का प्रयत्न किया जाये। यदि अध्यापक लोग शिक्षा प्रणाली को जानने की थोड़ी सी भी चेष्टा करें तो वह निसन्देह इस कला में सफलता प्राप्त कर सकते हैं। अध्यापक की सफलता इसी में है कि उसकी शिक्षा प्रणाली अच्छी हो। उसे इस बात का विश्वास हो कि जो कुछ वह पढ़ रहा है वह मनोविज्ञान और शिक्षा-विधान के अनुसार है। बच्चे स्कूल में स्वतन्त्रता अनुभव कर रहे हैं वह कारागृह के बन्दी प्रतीत नहीं होते। उन में जोश दिखाई देता है।

इन सब बातों के लिये केवल एक बात की आवश्यकता है वह है अध्यापक की शिक्षा प्रणाली। यदि आप अध्यापक हैं या आप शिक्षा प्रणाली में सफलता प्राप्त करना चाहते हैं तो आपको निम्न लिखित पंक्तियों का अध्ययन करने के पश्चात इनका अनुकरण करना चाहिये। अध्यापकों की सुगमता के लिये शिक्षा प्रणाली को सात मुख्य भागों में बांटकर प्रत्येक पर संक्षेप में टिप्पणी करना आवश्यक समझता हूँ।

१ विषय का पूर्ण ज्ञान:—अध्यापकों को अपने विषय का पूर्ण ज्ञान होना चाहिए। यदि वह अपने विषय से अनभिज्ञ है तो कक्षा में जाकर उसे लज्जित होना पड़ता है। वह शिष्यों के समय को व्यर्थ गवां देता है और साथ ही इस पवित्र पेशे को बदनाम कर देता है।

२. पाठ की तैयारी:—किसी कक्षा में प्रवेश करने से पहले अध्यापक को यह देख लेना चाहिए कि जिस पाठ को वह पढ़ाने जा रहा है उसकी उसने तैयारी भी की है या नहीं। उसे यह याद रखना चाहिए कि पाठ की तैयारी शिक्षा प्रणाली के प्राण हैं। पहले से तयार किया हुआ पाठ बच्चों में रोचकता तथा मनोरन्जकता का कारण बन जाता है। पाठछात्रों की योग्यता